تصحیح و اضافہ شدہ ایڈیشن

خلافتِ اندلس

ملک اسپین میں قوم عرب کی آٹھ سو سالہ حکومت
ان کی حیرت انگیز ترقی۔ اور عبرت آمیز تنزل

تصنیف

مرحوم نواب ذوالقدر جنگ بہادر

ایم۔ اے دار العلوم کیمبرج، بیرسٹرایٹ لا میڈل ٹیمپل

تصحیح و نظرثانی

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث و فقہ دار العلوم دیوبند

اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

تصحیح و اضافہ شدہ ایڈیشن

خلافتِ اندلس

ملک اسپین میں قوم عرب کی آٹھ سو سالہ حکومت
ان کی حیرت انگیز ترقی۔ اور عبرت آمیز تنزل

تصنیف

مرحوم نواب ذوالقدر جنگ بہادر

ایم۔اے دارالعلوم کیمبرج، بیرسٹرایٹ لامیڈل ٹیمپل

تصحیح ونظرثانی

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

مولانا محمد امین پالنپوری صاحب کی اجازت سے طبع شدہ

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : جولائی ۲۰۰۱ء علمی گرافکس

ضخامت : 568 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

.... ملنے کے پتے ....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999
Email : sales@azharacademy.com,
Website : www.azharacademy.com

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین

حصہ اول

باب اوّل

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

حصہ دوم

باب اول

باب دوم

باب سوم

بابِ چہارم

بابِ پنجم

باب ششم

باب ہفتم

باب ہشتم

باب نہم

حصہ سوم

باب اول

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

باب ہشتم

حصۂ چہارم

علمائے اندلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ دراصل نام ہے اُن اولو العزم اور صاحب کمال لوگوں کے واقعات اور سرگذشت کا جو ہمیشہ کے لئے اپنا نام صفحۂ ہستی پر ثبت کر گئے، اس لئے تاریخی کتابوں کا مطالعہ بیحد مفید ہے، اس سے قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کا پتہ چلتا ہے، حوصلہ بلند ہوتا ہے، ہمت بڑھتی ہے، اچھے کاموں کی رغبت اور بُرے کاموں سے نفرت پیدا ہوتی ہے، دانائی، بصیرت اور دور اندیشی بڑھتی ہے، تاریخ کا مطالعہ کرنے والا کبھی بادمخالف سے حیران و پریشان نہیں ہوتا، وہ ہر وقت اپنے آپ کو پیغمبروں، ولیوں، بادشاہوں، وزیروں، فاتحوں، حکیموں، ادیبوں، دانشوروں اور باکمالوں کی مجلس میں پاتا ہے، اوران سب سے خوب استفادہ کرتا ہے، اور بادشاہوں، وزیروں، سپہ سالاروں، حکیموں اور دانشوروں سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اُن سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

الغرض تاریخ بڑا دلچسپ، تجربہ خیز اور نصیحت آموز فن ہے جس کے مطالعہ سے ہر ذی فہم اور صاحبِ ادراک دنیا کے نشیب وفراز سے اچھی طرح واقف ہوسکتا ہے، اور خوب ترقی کرسکتا ہے۔

روز اس گلشنِ اوراق سے لیجاتے ہیں ۞ اپنا دامانِ نظر مردم بینا بھر کر

۞ ۞ ۞

مرحوم نواب ذوالقدر جنگ بہادر کی یہ کتاب (خلافتِ اندلس) نہایت معتبر اور اندلس کی اسلامی تاریخ پر اردو میں جتنی کتابیں دستیاب ہیں ان میں سب سے بہتر ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ سنہ ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی تھی، پھر نظر ثانی اور مفید اضافوں کے

ساتھ ''دار الطبع سرکار عالی (حیدر آباد) سے سنہ ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی ———
ہمارے سامنے یہی نظر ثانی اور مفید اضافوں والا ایڈیشن ہے، اس کی کتابت وطباعت نہایت عمدہ ہے، لیکن اس کا رسم الخط قدیم ہے، اور تمام عناوین ابواب کے شروع میں ہیں، نیز فارسی اشعار کا ترجمہ نہیں ہے اور اکثر عربی اشعار اور ان کے ترجموں میں اغلاط ہیں، اس لئے نظر ثانی اور تصحیح کے بعد اس کو از سر نو شائع کیا جارہا ہے، بندہ نے اس پر جو کام کیا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) قدیم رسم الخط کو جدید رسم الخط سے بدلا ہے۔

(۲) ہر مضمون کے شروع میں عناوین کا اضافہ کیا ہے۔

(۳) تمام فارسی اشعار اور محاوروں کے ترجمے کئے ہیں۔

(۴) عربی اشعار اور ان کے ترجموں کی تصحیح کی ہے۔

(۵) نہایت مشکل الفاظ کی بین القوسین وضاحت کی ہے۔

(۶) جہاں اغلاط کی تصحیح کی ہے وہاں حاشیہ میں اصل عبارت بھی درج کردی ہے ——— اور بندہ کے حواشی کو مصنف کے حواشی سے ممتاز کرنے کے لئے حاشیہ کے اختتام پر بین القوسین (محمد امین) لکھ دیا ہے۔

(۷) اور کتاب کے آخر میں ''راہ نمائے لغات'' کا اضافہ کیا ہے، جس کو برخوردار مولوی مفتی مصطفیٰ امین پالن پوری نے مرتب کیا ہے۔

الغرض کتاب کو عمدہ اور آسان کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، اور کتابت کے بعد تصحیح کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، اس کی تصحیح میں مولوی محمد مبین حیدر آبادی متعلم دورۂ حدیث دار العلوم دیوبند اور مولوی محمد انیس لکھیم پوری متعلم درجۂ ہفتم عربی دار العلوم دیوبند نے بندہ کا خوب تعاون کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو علم نافع عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

۞ ۞ ۞

اس کتاب (خلافت اندلس) کے کل چار حصے ہیں ——— حصۂ اول میں خلافت بنی امیہ (دمشق) کے زمانہ میں جن اُمراء نے اندلس پر حکومت کی ہے ان کی

حیرت انگیز فتوحات اور کارناموں، اور خلافت بنی امیہ (دمشق) کے خاتمہ کے بعد عبدالرحمٰن الداخل کا بھاگ کر اندلس پہنچنے کا تذکرہ ہے ——— یہ اندلس میں مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی کا زمانہ ہے۔

حصۂ دوم میں اندلس کے سلاطین اور خلفائے بنی امیہ کی مفصل تاریخ اور محمد بن ابی عامر المنصور اور اس کے بیٹوں کی سازشوں اور کامیابیوں اور طوائف الملو کی کا تذکرہ ہے ——— یہ اندلس میں سلاطین وخلفائے بنی امیہ کی حیرت انگیز ترقی اور المنصور کے تسلط کا زمانہ ہے۔

حصۂ سوم میں خودمختار حکمرانوں اور خاندان مرابطین (یعنی یوسف بن تاشفین کے خاندان) اور موحدین (یعنی عبدالمؤمن اور اس کے احفاد) کے حالات، مسلمانوں کی عیسائیوں کے ساتھ محاربات، مسلمانوں کا ملک اندلس سے اخراج، اور اسلامی اندلس کے مجمل حالات کا تذکرہ ہے ——— یعنی اس حصہ میں مسلمانوں کے عبرت آمیز تنزل کی دلخراش داستان ہے۔

حصۂ چہارم میں اندلس کے مشہور علماء وحکماء اور محدثین ومؤرخین کے حالات اور ان کی تصانیف کا تعارف ہے ——— یہ حصہ علماء کرام اور طلباء عزیز کے لئے بڑا کارآمد ہے۔

الغرض نواب ذوالقدر جنگ بہادر کی یہ کتاب (خلافت اندلس) اسلامی اندلس کی نہایت مرتب اور مکمل تاریخ ہے، نیز مصنف کا طرزِ نگارش ادیبانہ ہے جس سے کتاب کا لطف دوبالا ہوگیا ہے، اگر آپ اس کتاب کو غور سے پڑھیں گے تو مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب اور عبرت آمیز تنزل کی وجوہات بخوبی سمجھ جائیں گے۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم ۞ جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

نیز علامہ اقبال فرماتے ہیں:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

۞ ۞ ۞

انجمن ثمرۃ التربیت سورتیان دیوبند کے شرکاء سال کے آغاز میں میرے پاس یہ

کتاب (خلافت اندلس) لے کر آئے اور کہا کہ ہم اس کو شائع کرنا چاہتے ہیں، آپ دیکھ کر مشورہ دیں کہ اس کا شائع کرنا مفید ہوگا؟ ـــــ میں نے کتاب کو دیکھا تو بڑی دلچسپ اور معلومات افزا پایا، اور شائع کرنے کا مشورہ دیا۔

لیکن جب میں نے کتاب کو غور سے دیکھا تو اکثر جگہ عربی اشعار کے الفاظ وحرکات میں غلطیاں تھیں جن کی تصحیح نہایت ضروری تھی، مگر حوالوں کے نہ ہونے کی وجہ سے تصحیح کا کام بہت دشوار تھا، دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں تاریخ کی جو کتابیں تھیں ان میں تلاشِ بسیار کے بعد چند اشعار ملے، البتہ تاریخ کی کتابوں کی چھان بین کرنے سے یقین سا ہوگیا کہ صاحبِ کتاب نے جو عربی اشعار نقل کئے ہیں وہ مَقَّرِی کی ''نفح الطیب'' میں ضرور ہوں گے مگر دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں ''نفح الطیب'' کا ناقص نسخہ تھا، اس میں جو اشعار ملے ان کی تصحیح ہوگئی لیکن کچھ اشعار جن میں اغلاط زیادہ تھیں ان کی تصحیح نہ ہوسکی، اسی اثنا میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے شعبۂ تحفظ شریعت نے ایک اہم دینی پروگرام کے لئے احقر کو مدعو فرمایا، جب میں ڈابھیل پہنچا اور ناظم کتب خانہ سے دریافت کیا کہ آپ کی لائبریری میں مَقَّرِی کی ''نفح الطیب'' کا کوئی نسخہ ہے، تو ناظم صاحب نے ''نفح الطیب'' کا شاندار نسخہ لاکر پیش کیا جو بیروت سے چھپا ہے، میں نے اس کو دیکھا تو مسرت سے دل لبریز ہوگیا کہ جن اشعار کی مجھے تلاش تھی وہ اشعار اس میں موجود ہیں۔

الغرض عربی اشعار کی تصحیح میں مجھے کافی دشواری پیش آئی، مگر اللہ نے اپنے فضل وکرم سے تصحیح کا کام آسان فرمادیا، بندہ نے جن کتابوں سے اشعار کی تصحیح کی ہے حاشیہ میں ان کا مفصل حوالہ درج کردیا ہے ـــــ اسکے علاوہ بندہ نے اور برخوردار مولوی مفتی مصطفٰی امین سلمہ نے اس کتاب پر جو کام کیا ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی۔

محمد امین پالن پوری خادم دارالعلوم دیوبند

۴ر شعبان سنہ ۱۴۲۶ھ - ۹ر ستمبر سنہ ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح مصنف

ملک ماوراء النہر کے دارالحکومت سمرقند میں ترکان برلاس کا ایک عالی نسب خاندان جس کی اصل چغتائی خاں پسر چنگیز خاں سے تھی مدّت سے آباد چلا آتا تھا[1]۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس خاندان کے ایک بزرگ مرزا اسفند یار بیگ مع چند عزیزوں کے سمرقند سے عازم ہندوستان ہوئے۔ بڑے بڑے دریا، کوہ و بیابان طے کر کے آخرکار شمالی ہند میں وارد ہوئے، اور یہاں کی بااختیار ریاستوں میں مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے۔ جو زمانہ اس حال میں گزرا اس کا تعین ممکن نہیں، مگر اتنا تحقیق (یقین) ہے کہ اس خاندان کے ایک رکن مرزا جیون بیگ حضرت شاہ عالم شہنشاہ ہند کے دورِ حکومت میں پایۂ تخت دہلی میں آئے، اور اس وقت سے دہلی اس شریف اور معزز خاندان کا وطن ہو گیا۔

(۱) اس خاندان کا نسب نامہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مورثِ اعلیٰ کا نام ''دادا سبز پوش'' لکھا ہے۔ حضرت صوفی سبز پوش رحمۃ اللہ علیہ بڑے خدارسیدہ صوفی تھے، ان کا مزار اب تک فیض آباد واقع بدخشاں میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ سبز پوش کے معنی اگر سید کے سمجھے جائیں تو یہ مشکل پیدا ہوتی ہے کہ خاندان برلاس کے مورثِ اعلیٰ سادات سے کیسے ہو گئے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اسی برلاسی خاندان سے کوئی بزرگ زہد، ورع، عبادت اور ریاضت میں ایسے کامل گزرے کہ وہ صوفی سبز پوش مشہور ہو گئے، اور تعظیماً اس خاندان نے انہی کے مبارک نام سے اپنا نسب نامہ شروع کیا۔ لیکن اگر سبز پوش کے معنی سید ہی کے لئے جائیں تو پھر قیاس چاہتا ہے کہ سادات سے کوئی بیٹی ←

مرزا جیون بیگ کے ایک فرزند مرزا افضل بیگ کو دربار شاہی میں بڑا رسوخ اور اعزاز حاصل ہوا، اور بادشاہ کی طرف سے ان کو مُقرّبُ الدولہ دلاور جنگ کا خطاب عطا ہوا۔ مرزا جیون بیگ کے دوسرے فرزند حاجی مرزا اکبر بیگ اور اُن کے فرزند مرزا جواد بیگ تھے۔ یہی مرزا جواد بیگ عرف مُغل بیگ ہمارے فاضل مصنف کے دادا ہیں۔

چونکہ دہلی اس خاندان کا وطن ہو چکا تھا، اور علاوہ عالی نسب ہونے کے شاہی دربار میں بھی اس کو رسوخ اور اعزاز حاصل تھا، اس لئے شہر کے شریف و نجیب خاندانوں نے فخر کے ساتھ ان سے رشتے ناتے شروع کئے۔ چنانچہ مرزا جواد بیگ عرف مُغل بیگ کی شادی مفتی خلیل اللہ خاں کی صاحب زادی نواب منور زمانی بیگم صاحبہ سے ہوئی۔

مفتی خلیل اللہ خاں کا خاندان علم وفضل، دولت و ثروت کے اعتبار سے شہر کے ممتاز اور سر برآوردہ خاندانوں میں تھا۔ خود مولوی خلیل اللہ خاں دارالحکومت ہند یعنی دہلی کے مفتی تھے۔ ان کے ایک بھائی مولوی برکت اللہ خاں صدر امین ہوئے۔ دوسرے بھائی حاجی منشی عزیز اللہ خاں جو مولوی سمیع اللہ خاں، سی۔ ایم۔ جی کے والد بزرگوار تھے۔ پولٹیکل ایجنٹ ملک محفوظہ کے میر منشی تھے۔

مفتی خلیل اللہ خاں کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ ایک شادی ان کی نواب دبیر الدولہ امیر الملک مصلح جنگ خواجہ فرید الدین احمد کی صاحب زادی سے ہوئی تھی۔ نواب صاحب ممدوح کے سپرد قلمدان وزارت رہ چکا تھا، اور بعد وزارت سر جان ملکم کے شریک سفر ایران رہے تھے —— نواب دبیر الدولہ امیر الملک مصلح جنگ کی دوسری صاحب زادی کی شادی سید محمد متقی سے ہوئی تھی۔ سید محمد متقی نواب جوادالدولہ عارف

← اس بر اسی خاندان میں بیاہی گئی ہوگی۔ اور ان کی اولاد نے سادات کو تعظیماً اپنا مورث سمجھا۔ بہر کیف دونوں صورتوں میں تعظیم وادب کے خیال سے نسب نامہ کی ابتداء انہی حضرت سبز پوش کے نام سے ہوئی۔

جنگ سر سید احمد خاں بہادر کے والد بزرگوار تھے۔ سادات دہلی میں یہ خاندان بڑا شریف ونجیب گنا جاتا تھا۔

مفتی خلیل اللہ خاں کی دوسری شادی نواب قریشیہ بیگم صاحبہ بنت مرزا بختاور بخت نبیرۂ شہنشاہ عالمگیر ثانی سے ہوئی تھی۔ ان چغتائیہ شاہزادی کے بطن سے نواب منورزمانی بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں۔

نواب منورزمانی بیگم صاحبہ کی س ی مرزا جواد بیگ عرف مغل بیگ سے ہوئی۔ ان سے آغا مرزا بیگ ہمارے فاضل مصنف کے والد بزرگوار پیدا ہوئے۔ اس طرح سے ایک نسبتی واسطہ دہلی کے شاہان مغل سے بھی اس خاندان کا ہوگیا۔

آغا مرزا بیگ سنہ ۱۸۴۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے حالات زندگی خود ان کے قلم کے لکھے ہوئے ان کے صاحب زادے نواب جیون یار جنگ بہادر، رکن عدالت عالیہ حیدرآباد نے انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیے ہیں۔ یہ کتاب ایسی دلچسپ اور سبق آموز ہے کہ ایک مرتبہ شروع کر کے جب تک ختم نہ کر لیجئے دل بے چین رہتا ہے۔

نواب آغا مرزا بیگ کی شادی نواب لوہارو کے خاندان میں ہوئی۔ اس خاندان کا قریب کا تعلق نواب نجم الدولہ، دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب عرف مرزا نوشہ سے تھا۔

غرض عمائد واکابر دہلی میں ان رشتے ناتوں سے اور اس خاندان کے خود عالی مرتبت ہونے سے اس کو دہلی کے مشہور اور معزز خاندانوں کے ایسے ارکان سے نسبت وواسطہ ہوگیا جو مسلمانان ہند میں اپنے فضل وکمال، انسانی ہمدری اور قوم کی بھلائی چاہنے میں مشہور ومعروف گزرے ہیں۔ مثلاً نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب، نواب جوادالدولہ عارف جنگ ۔ سید احمد خاں بہادر، ایل۔ ایل۔ ڈی، حاجی مولوی سمیع اللہ خاں، سی۔ ایم۔ جی۔ یہ سب دہلی کے ان بزرگوں میں ہیں جن پر مسلمانانِ ہند جس قدر فخر وناز کریں بجا ہے۔

سنہ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد آغا مرزا بیگ اپنے چچا مرزا عباس بیگ کے پاس جو اس وقت انگریزی سرکار میں بڑے منصب پر ممتاز تھے چلے گئے۔اور کچھ زمانہ کے لئے اس خاندان نے اودھ میں توطن اختیار کیا۔مرزا عباس بیگ نے ایام غدر میں سرکار عظمت مدار کی ایسی تن دہی اور وفاداری سے خدمات کی تھیں کہ اس کے صلہ میں ان کو اودھ میں تعلقداری عطا ہوئی۔ مرزا عباس بیگ صاحب ان بزرگان دہلی میں (سے) تھے جنھوں نے وطن ترک کر کے دوسرے مقامات پر بڑا نام واعزام حاصل کیا۔

سنہ۱۸۷۰ء میں نہایت دشوار اور دلچسپ سفر کے بعد آغا مرزا بیگ بائیس (۲۲) برس کی عمر میں حیدرآباد تشریف لائے۔ یہاں شرف واعزاز میں وہ رتبہ حاصل کیا کہ حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے پہلے اتالیق اور پھر پیشی کے سکریٹری ہوئے،اور خطابات سرور جنگ،سرور الدولہ،سرور الملک سے سرفراز ہوئے۔

سنہ۱۸۷۵ء میں بلدۂ حیدرآباد میں آغا مرزا بیگ سرور جنگ،سرور الدولہ،سرور الملک کے فرزند اکبر مرزا ذوالقدر بیگ پیدا ہوئے جو ہمارے اس مضمون کا موضوع ہیں۔ابتدائی تعلیم آپ کی حیدرآباد کے ''مدرسۂ اعزہ'' میں ہوئی۔ پھر پانچ برس تک بمبئی کے ''اسکاٹش'' اسکول میں تعلیم پاتے رہے۔بمبئی سے واپس ہوکر حیدرآباد کے ''سنٹ جارجیز گریمر'' اسکول میں پڑھا، اور اسی مدرسہ سے مدراس یونیورسٹی کے میٹریکیولیشن کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔

بعد اس کامیابی کے حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس نے اپنے استاذ زادہ کی تکمیل تعلیم کی طرف توجہاتِ شاہی کو مبذول فرمایا،اور بیش قرار تعلیمی وظیفہ عطا فرما کر اس وعدہ کے ساتھ انگلستان روانہ فرمایا کہ بعد واپسی مساوی المواجب خدمت (خدمت کے مُساوی تنخواہ) پر ان کا تقرر کیا جائے گا۔ یہاں یہ امر خاص طور پر قابل یادگار ہے کہ معاہدہ مذکور پر منجانب شاہِ وقت نواب وقار الامراء بہادر مدار المہام نے بہ نفس نفیس دستخط ثبت فرمائے۔ انگلستان پہنچ کر مرزا ذوالقدر بیگ

کرائسٹ کالج کیمبرج میں داخل ہوئے، اور نصاب تعلیم میں ''تاریخ'' اپنا مضمون رکھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم تاریخ سے ان کی طبیعت کو ابتداء ہی سے مناسبت تھی۔

کرائسٹ کالج کیمبرج کی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے

جان مورلے جو انگریزی ادبیات وفلسفہ میں بڑے نامور ادیب وفلسفی اور مدبر گزرے ہیں، اس زمانہ میں کیمبرج میں وارد تھے۔ انھوں نے اپنے زمانۂ قیام میں اٹلی کے مشہور ومعروف مصنف اور مدبر میکاوٗلی پر لکچر دیا تھا۔ مرزا ذوالقدر بیگ نے اس کا ترجمہ کر کے اس کی دو نقلیں خوبصورت جلدوں میں بندھوا کر اس ادیب کو پیش کیں۔ جان مورلے اس تحفہ سے بہت ہی خوش ہوئے، اور یہی ترجمہ دونوں میں تعارف کا باعث ہو گیا۔ اکثر ملاقات اور گفتگو رہنے لگی۔ یہ معمر اور فاضل ادیب ہندوستان کے ایک نوجوان طالب عالم کی بے تکلف باتیں سن کر خوش ہوتا تھا، اور جیسا کہ شفیق اور مہربان بزرگوں کا قاعدہ ہے کہ ذہین لڑکوں اور نوجوانوں کے خیالات کرید کرید کر پوچھتے ہیں، جو خود اِن نوجوانوں کے حق میں ایک قسم کی تعلیم ہوتی ہے، اور کیا عجب ہے کہ ان بزرگوں کے کسی سلسلہ خیال کی بھی تکمیل اِن تقریروں سے ہو جاتی ہو۔ جان مورلے نہایت خنداں پیشانی سے مرزا صاحب سے باتیں کیا کرتے تھے۔ جوانی کی عمر، علم کا تازہ غرور، حواس تیز، چہرہ بشاش، طبیعت میں جودت بھری ہوئی، مرزا ذو القدر بیگ جو بات زبان پر آتی بے تکلف کہہ دیتے۔ ان کو اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ یہی جان مورلے لارڈ مورلے ہو کر کسی وقت میں وزیر ہند ہو جائیں گے۔

ان ملاقاتوں کے زمانہ میں اتفاق سے اس عجیب مسئلہ پر بحث ومباحث شروع ہوئے کہ ''شخص حاضر المقام کی بات کو باور کیا جائے'' یعنی میدان سیاست میں جو شخص جہاں کسی سیاسی خدمت پر مامور ہو اس کی بات کا یقین کرنا ضروریات سے ہے۔ ایک دن ملاقات میں اسی مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ مرزا ذوالقدر بیگ نے کہا'' یہ سب

درست ہے۔ بیشک یقین کیجئے۔ لیکن پہلے یہ تو دیکھ لیجئے کہ وہ شخص نیک سیرت ہے، بدباطن تو نہیں ہے۔ اگر نیک سیرت اور ہمدرد انسان ہے تو اس کے کہنے کو باور کیجئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے باور کرنے میں مخلوق خدا کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے'' ــــــ مرزا ذوالقدر بیگ کیمبرج کے نوجوان اور شریف طالب علم بالکل بے باک اور بے تکلف ہو کر اپنے دلی خیالات ظاہر کرتے تھے، اور یہ آزمودہ کار مدبر فلسفی ان کی باتیں خوش ہو ہو کر سنتا تھا۔

یہ بات مشہور ہے کہ جب لارڈ مورلے وزیر ہند ہوئے تو جس قدر احتیاط. قامی شخص کو باور کرنے میں انھوں نے برتی کسی دوسرے وزیر ہند نے نہیں برتی۔ اور تاوقتیکہ پورا اطمینان نہ ہو گیا کسی مقامی شخص کی بات کو باور کرنے میں عجلت نہ کی۔

سنہ ۱۸۹۷ء میں مرزا ذوالقدر بیگ نے ''ہسٹوریکل'' ٹرائی پوس میں ڈگری حاصل کی۔ قانونی تعلیم بھی ''مڈل ٹمبل انز'' میں ساتھ ساتھ جاری رکھی تھی، چنانچہ سنہ ۱۸۹۹ء میں بیرسٹری کی سند بھی حاصل کر لی۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں انگلستان سے حیدرآباد واپس ہوئے۔ یہی زمانہ ہے کہ آپ نے خلافت اندلس لکھنے کی طرف توجہ فرمائی۔ تاریخ اندلس لکھنے کا خیال معلوم ہوتا ہے سفر انگلستان اختیار کرنے سے پہلے ہی قائم ہو گیا تھا۔ کیمبرج کے زمانۂ قیام میں مختلف کتابوں سے اس تصنیف کے لئے نوٹ جمع کرتے رہے۔ واپسی کے بعد او مواد حاصل کیا۔ حتیٰ کہ پوری کتاب مرتب ہو گئی۔ اور سنہ ۱۹۰۴ء میں وہ شائع کر دی گئی۔

حیدرآباد پہنچنے پر حسب معاہدہ اُز دی بہشت [1] سنہ ۱۳۰۹ ف میں نظامت سوم عدالت فوجداری بلدہ کا چارج لیا۔ اس خدمت میں سلسلہ بسلسلہ ترقی پاکر سنہ ۱۹۰۵ء میں ناظم اول فوجداری بلدہ ہو گئے۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں رکنیت عدالت عالیہ کے عہدۂ جلیلہ پر ترقی پائی، اس وقت آپ کی عمر صرف بتیس (۳۲) برس کی تھی۔ اتنی کم سنی میں ایسے جلیل

(۱) اُز دی بہشت: ایرانیوں کا دوسرا مہینہ جو ہندی جیٹھ کے مطابق ہوتا ہے (محمد امین)

القدر ذمہ داری کے منصب پر مامور ہونا عدیم المثال تھا۔ سنہ ۱۹۱۲ء بتقریب سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۳۰ھ میں پیش گاہ حضرت غفران مکان سے خطابات خانی و بہادری و جنگی سے سرفراز ہوئے۔ رکنیت عدالت عالیہ کے اس منصب کے فرائض سنہ ۱۹۱۵ء تک انجام دیتے رہے۔ یہی زمانہ تھا کہ دشمنوں نے نرغہ کر کے آپ کے خلاف سازشیں کیں، جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدمت سے وظیفہ پر سبکدوش ہو گئے، اور حیدر آباد سے روانہ ہو کر لکھنؤ میں اقامت اختیار کی۔

لکھنؤ کی اعلیٰ سوسائٹی میں نواب ذوالقدر جنگ بہادر بہت جلد ہر دلعزیز ہو گئے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۷ء میں جب اُردو کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا تو آپ اس کی استقبالی کمیٹی میں صدر انجمن مقرر کئے گئے۔ قومی اور ملکی تحریکات میں بڑے ذوق وشوق سے مصروف ہو گئے۔

جون سنہ ۱۹۲۱ء میں حضور پُر نور کو اپنے قدیم متوسل کی یاد آئی، اور توجہاتِ شاہانہ اور مکارم ملوکانہ سے حیدر آباد طلب فرمایا، اور معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ کی کرسی عطا فرما کر نواب صاحب کی عزت افزائی فرمائی۔ اس خدمت کے فرائض آپ نے اس جانفشانی، عدل گُستری اور عالی دماغی کے ساتھ انجام دیئے کہ تھوڑے عرصہ میں حاکم ومحکوم دونوں کی نظروں میں وہی ہر دلعزیزی پیدا کر لی جو چند سال پہلے رکھتے تھے۔

اِس کے چند سال بعد بحکم خاص رکنیت عدالت عالیہ پر ایک بار اور کار فرما ہوئے، پھر سنہ ۱۹۲۵ء میں معتمدی فوج کے بڑے منصب پر حسب ارشاد خسروی مامور ہوئے۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں دوبارہ معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ پر سرفراز ہوئے۔

عشرۂ محرم سنہ ۱۳۳۲ھ میں جب گلبرگہ شریف میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں نزاع ہوئی تو حضور پُر نور نے بطور خاص نواب ذوالقدر جنگ بہادر کو کمیشن تصفیہ کی صدر آرائی کی عزت عطا فرمائی، اور حقیقت یہ ہے کہ نواب صاحب ممدوح نے بڑے حُسن تدبیر سے اس موقع پر کام کیا۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں سرکار عالی کی خدمت سے وظیفہ یاب ہو کر خانہ نشین ہو گئے تھے کہ اس کے چار سال کے بعد سنہ ۱۹۳۳ء میں تیسری مرتبہ معتمدی عدالت وکوتوالی وامور عامہ پر مامور ہوئے۔

یہ آقا کے ساتھ دائمی وفاداری اور نیک خواہی کا ثمرہ تھا کہ بار بار خدمت سے علحدہ ہونے پر بھی مناصب جایلہ پر سرفراز ہوتے رہے، اور جو شکایتیں موجب علحدگی ہوئی تھیں وہ از خود زائل ہو کر اس نمک حلال اور جاں نثار خاندان کے چشم و چراغ وفا پر بار بار توجہاتِ خسروانہ مبذول ہوئیں۔ طوفان اٹھے، آندھیاں چلیں، مگر اس وابستہ دولت آصف جاہی نے آقا کی وفاداری و جاں نثاری میں کوہ راسخ کی طرح ثابت قدم رہ کر اپنے ولی نعمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور زمانہ کی اِن نیرنگیوں کو معمولی حوادث سمجھ کر بہ کمال استقلال، صبر وقناعت ہمیشہ اپنی نظر اسی چشمۂ انوار کی طرف رکھی، جس نے ہر ذرہ کو عالم نور بنا رکھا ہے۔

محمد عنایت اللہ
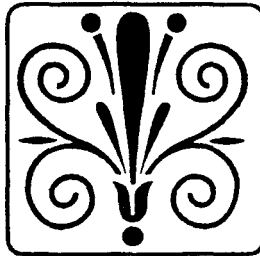
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نواب ذوالقدر جنگ بہادر کی کتاب ''خلافتِ اندلس'' کو بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ اندلس اسلامیہ کی تاریخ میں وہ سب سے پہلی اور آخری تصنیف ہے جو اُردو میں اب تک کسی کے قلم سے نکلی۔ پہلی مرتبہ یہ کتاب سنہ ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ اور اب نظر ثانی اور مفید اضافوں کے ساتھ جن میں مشاہیر اندلس کے سوانح حیات لکھے گئے ہیں؛ ایک ہی جلد میں شائع ہوئی ہے۔

سنہ ۱۹۰۴ء سے پہلے اور اس کے بعد جو کتابیں اس مضمون پر شائع ہوئیں، اُن میں اکثر انگریزی کتابوں یا چند عربی کتابوں کے ترجمے ہیں۔ ''خلافتِ اندلس'' سے پیشتر اندلس اسلامیہ کی تاریخ سے متعلق جو سرمایہ اردو زبان میں تھا وہ تین کتابیں تھیں۔

① ایک ابوالفداء کا ترجمہ تھا جس کو مشہور و معروف مستشرق اسپرنگر نے دہلی سے سنہ ۱۸۴۸ء میں شائع کرایا تھا۔

② اس کی ایک مدت کے بعد حامد علی صدیقی سہارن پوری مرحوم نے اسٹینلی لین پول کی تاریخ ''مورزان اسپین'' کا ترجمہ کیا۔

③ اور اس کے بعد مولوی سید محمد احمد خاں صاحب دہلوی مرحوم نے لیڈی میری

میڈ کی ''تاریخ اندلس'' کو اُردو میں منتقل کر کے شائع کیا۔

سنہ ۱۹۰۴ء کے بعد مولوی احمد حسین صاحب الہ آبادی نے ''تاریخ ابن خلدون'' کا ترجمہ شروع کیا، اور جن جلدوں میں اندلس کی تاریخ بیان ہوئی تھی وہ بھی ترجمہ کر دیں۔ اسی مضمون سے متعلق ریاست حیدر آباد کے دار الترجمہ سرکار عالی نے تین کتابیں یعنی (۱) علامہ مَقّری کی ''نفح الطیب'' کا وہ حصہ جو تاریخ سے متعلق تھا، اور جس کو مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب نے ترجمہ کیا تھا (۲) اور ایک ''تاریخی جغرافیہ اندلس'' کا (۳) اور ''اِحاطہ فی احوال غرناطہ'' کی پہلی جلد کا ترجمہ شائع کیا ــــــ اسی زمانہ میں مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب نے مسٹر اسکاٹ کی تاریخ اندلس کی تین ضخیم جلدوں کا ترجمہ لاہور سے شائع کیا ــــــ پھر مولوی نعیم الرحمٰن صاحب ایم۔اے نے عبدالواحد المراکشی کی کتاب ''المعجب'' کا ترجمہ ''خلافتِ موحدین'' کے نام سے مدراس سے شائع کیا ــــــ اس کے بعد ان کے بھائی مولوی جمیل الرحمٰن صاحب ایم۔اے نے ابن عذاری کی کتاب ''البیان المُغرِب فی احوال المَغرِب'' کے پہلے حصہ کا ترجمہ شائع کیا ــــــ مولوی صاحب موصوف نے اس کتاب کے دوسرے حصہ کا ترجمہ بھی جس میں اندلس کی تاریخ؛ ترتیب اور التزام سے بیان ہوئی ہے ترجمہ کر لیا ہے، مگر ابھی شائع نہیں کیا۔ غرض ترجمے بہت ہوئے لیکن کوئی مستقل تصنیف سوائے ''خلافتِ اندلس'' کے نہ سنہ ۱۹۰۴ء سے پہلے ہوئی نہ اس کے بعد۔

ترجموں کا حال یہ ہے کہ یا تو وہ یورپین مصنّفین کی کتابوں کے ہیں یا عربی مصنفوں کی کتابوں کے ــــــ یورپ کے مصنفوں کو اسلامی تاریخ کے ساتھ دلچسپی چاہے ہو، لیکن ہمدردی رکھنے کی کوئی وجہ معقول نہیں۔ اختلافِ نسل، اختلافِ مذہب، اختلافِ معاشرت، اختلافِ عقائد سیاسی، اور ان سب سے بڑھ کر یہ قلب وجگر میں بیٹھی ہوئی شکایت کہ اسلام قبول کر کے عرب کی جواں بخت اور نوخیز قوت نے ایک صدی کے اندر مسیحی سلطنتِ روما کے شاداب اور آباد ترین ملکوں میں مثلاً مصر

وشام اور شمالی ساحلِ افریقہ کے ممالک کو فتح کر کے؛ ان سے بھی آگے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور یورپ کے جنوب مغربی گوشہ کے وسیع جزیرہ نما کو جس میں اسپین اور پرتگال کے ملک شامل ہیں فتح کر لیا۔ اور یہی نہیں کیا، بلکہ اِن مفتوحہ ملکوں کی اکثر عیسائی رعایا کو اپنے مذہب میں شامل کر کے صدہا مسیحی فرقوں کو دنیا سے معدوم کر دیا۔

مسلمانوں نے یورپ کے زمانۂ حکومت میں جو کچھ علوم وفنون کو ترقی دی؛ اس کو نظر انداز کر کے یہ عجیب شکایت بھی کی جاتی ہے کہ جتنے دن مسلمانوں نے اسپین میں حکومت کی؛ اتنے ہی دن وہاں کی ترقی مسدود رہی۔ غرض یہ اختلافات اور شکایات ان کے دلوں میں ایسے جاگزیں ہو گئے ہیں، کہ کسی اسلامی حکومت کی تاریخ پر قلم اٹھانے سے پہلے ہی وہ اسلام اور اہلِ اسلام اور اسلامی تاریخ سے بدظن اور بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کے قلم سے اس مضمون پر نکلتا ہے، اس میں اکثر عیب بینی اور اعتراض اور غیر واجبی نکتہ چینی غالب ہوتی ہے۔ اور ان کے معترضانہ طرزِ تحریر میں تلخی اس درجہ ہوتی ہے کہ مسلمان اِس کو پڑھ کر بے لطف اور آزردہ خاطر ہو جاتے ہیں۔ اور خیال کرنے لگتے ہیں کہ یورپ کے مؤرخ عمداً ہماری تاریخوں سے ایسے واقعات جمع کرتے ہیں؛ جن سے مسلمانوں کی تاریخ کا صرف بُرا پہلو ظاہر ہو سکے ——— گو یہاں اس امر کے اعتراف کی بھی ضرورت ہے کہ بعض حق پسند یورپین مؤرخوں نے بنی اُمیّہ مَغرِب کی تعریف بمقابلہ دیگر سلاطین اسلام کے ایسے الفاظ میں کی ہے جس کو خالص تعریف کہہ سکتے ہیں۔ مذمت کی آمیزش اس میں نہیں ہے۔ مگر یہ مثالیں شاذ و نادر ہیں۔ ایسے مؤرخ جن کو اس مضمون میں اہلِ یورپ بالعموم مستند مانتے ہیں ان کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ ان کی تصانیف کا مجموعی اثر ہمارے دلوں پر اچھا نہیں ہوتا۔ یورپ کے اکثر مؤرخ کسی اسلامی سلطنت کے زوال پر سمجھتے ہیں کہ اس کے ساتھ مسلمان بھی دنیا سے مٹ گئے۔ ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ مسلمان زندہ ہیں اور زندہ

رہیں گے۔غرض ان مصنفوں میں ہم کو اکثر ایسے نظر آتے ہیں جو بدنما واقعات جمع، اور ان سے بدنما نتائج مستنبط کر کے مسلمانوں کے حق میں یک طرفہ فیصلے لکھتے ہیں۔ان کے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں گزرتا کہ کوئی مسلمان بھی کبھی ان کی کتاب پڑھے گا ـــــــ مختصر یہ کہ ایک طرف تو اس اصول کی پابندی سے کہ ''جو مر گئے ہیں ان کی عزت کرو اور ان کی عیب چینی سے پرہیز کرو'' مسلمانوں کو اپنے بزرگان سلف کی جا وبیجا تعریفیں سننے کا شوق، دوسری طرف بجائے تعریف کے علانیہ اعتراضوں اور ہجو ملیح (تعریف آمیز مذمت) کی کثرت، ان باتوں سے مسلمان طالبانِ علم تاریخ پر ایک مایوسی اور مجبوری کا عالم چھایا رہتا ہے۔

اب رہے عربی تاریخوں کے ترجمے تو اس سے انکار نہیں کہ وہ اردو زبان میں ہوتے ہیں۔لیکن ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ ان کی زبان کا پورا پورا مطلب ہمارے ذہن میں نہیں اترتا۔اور بعض مقامات ایسے آتے ہیں کہ ہماری سمجھ سے وہ بالکل ہی باہر ہوتے ہیں۔علاوہ اس کے عربی تاریخوں میں واقعات مسلسل کم بیان کئے جاتے ہیں۔ اکثر واقعات بقید سنین (سال وار) بیان ہوتے ہیں۔اس وجہ سے ایک ہی واقعہ کے اجزاء مختلف مقامات پر ملتے ہیں۔چونکہ ہماری طبیعتیں سہل پسند ہوگئی ہیں؛ اس لئے ہم عربی تاریخوں یا ان کے ترجموں کو پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔اس میں کچھ قصور مترجموں کا بھی ہے کہ وہ بجز عربی دانی کے اور کسی قسم کی معلومات سے ترجمہ کرتے وقت مدد لینی ضروری نہیں سمجھتے۔میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ تر قصور ان حالات کا ہے جن میں ہم زندہ ہیں۔بجز مذہب کے ہم کو اہل عرب سے ایسا بُعد اور تفاوت ہوگیا ہے کہ اُن کے خصائص، خیالات اور طرز بیان کا سمجھنا ہمارے لئے بھی ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ ایک غیر مسلم یورپین کے لئے۔مگر اہلِ یورپ کا شوقِ تحقیق وتجسس، اور پھر ان کے پاس تاریخ نویسی کے لئے ایسا سامان اور ذخیرہ موجود ہے کہ ان کی مدد، اور اپنی ذہانت اور محنت شاقہ سے وہ اپنی تصانیف میں صفائی، شگفتگی اور دل آویزی ایسی پیدا کر دیتے

ہیں؛ کہ اپنی تاریخوں سے کہیں زیادہ دلکش ان کی تصانیف ہم کو معلوم ہونے لگتی ہیں۔ گو ان کی زبان سے زیادہ تر اپنی برائیاں سننی پڑتی ہیں۔ لیکن جس صراحت اور خوبی کے ساتھ وہ مطالب کو صاف کر کے لکھتے ہیں؛ ان سے بسا اوقات عربی ترجموں کو سمجھنے کے لئے شرح کا کام لینا پڑتا ہے۔

غرض ایک طرف تو مخالفت کے نیش (ڈنک) جو بدن میں زہر پھیلاتے ہیں، دوسری طرف اپنی سمجھ اور استعداد کا قصور، اس دوگونہ رنج و عذاب سے مسلمان ناظرینِ تاریخ کو نواب ذوالقدر جنگ بہادر کی یہ تصنیف بچادیتی ہے۔

قدیم علمائے تاریخ نے اس علم کے جہاں اور فوائد بیان کئے ہیں، ایک فائدہ یہ بھی لکھا ہے کہ ''علم تاریخ سے خوشی اور بشاشت حاصل ہوتی ہے، اور آئینہ خاطر سے ملال دفع ہوجاتا ہے'' ــــــــــ اس میں ہرگز شبہ نہیں کہ یہ خوشی اور بشاشت نواب صاحب ممدوح کی تصنیف سے ضرور پیدا ہوتی ہے، اور ملال دل سے اس درجہ رفع ہوتا ہے کہ بے اختیار مصنف کے حق میں دل سے دعائے خیر نکلتی ہے۔

جس حال میں کہ اندلس اسلامیہ کی تاریخ کا ذخیرہ کم تھا، اور جس قدر تھا وہ بھی مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث ہوتا تھا۔ اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی مسلمان جس کے دل میں اسلام اور اہلِ اسلام اور بزرگانِ عدم رفتہ (وفات شدہ) کی حقیقی عزت اور وقعت ہو، اس مضمون پر قلم اٹھائے۔ اور صحیح واقعات سے صحیح نتائج پیدا کر کے، اور اس زمانہ کا پورا لحاظ اور اندازہ کر کے، جس زمانہ میں وہ واقعات پیش آئے، اندلس اسلامیہ کی تاریخ لکھ کر زخمی دلوں پر مرہم رکھے۔ یہ کام نواب صاحب ممدوح کے لئے اترا تھا۔ انھوں نے ترجموں کی محتاجی سے بہت کچھ آزاد کر کے اندلس اسلامیہ کی ایسی تاریخ لکھی، جس سے بیقرار دلوں کو تسکین ہوئی۔

ان کا طرز تحریر پاک، صاف، سلیس اور سریع الفہم ہے۔ علاوہ علم و فضل کے چونکہ سلطنت کے کاروبار میں برسوں سے حصہ ملا ہوا ہے، اس لئے تجربہ اور مشاہدہ کی شانیں

بھی تحریر میں جھلکتی ہیں۔ صاف گوئی اور صاف بیانی کے ساتھ عبارت میں احتیاط وحفظِ مراتب کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ جو یورپین مصنفوں یا اُن کی تصانیف کے ترجموں میں عنقا ہے ـــــ عاقلوں نے تجربہ اور مشاہدہ کو فضائل انسانی میں بڑا درجہ دیا ہے۔ اور ایسے مؤرخوں کو جو اپنے تنگ وتاریک حجروں میں بیٹھے کتابوں کے حصار اور مورچے باندھے تجربہ اور مشاہدہ سے ناآشنا، تاریخ نویسی میں مصروف ہوتے ہیں، ایسے مؤرخوں پر قابل ترجیح نہیں سمجھا ہے جو معاملات دنیا میں تجربہ کار، اور دنیا کے نشیب وفراز سے آگاہ ہوتے ہیں ـــــ ایسے علماء، جو امورِ دنیا میں کم تجربہ رکھتے ہیں، ان کا اخلاقی احساس اس قدر نازک ہوتا ہے کہ وہ خفیف سے خفیف اخلاقی لغزش پر بغیر وقت اور زمانہ کا لحاظ کئے ہوئے لعن طعن کی بھرمار کر دیتے ہیں۔ برعکس اس کے جن عالموں کو دنیا کا تجربہ ہے، اور اس قسم کی لغزشوں کو دوسرے ہی قواعد وضوابط کے تحت سمجھ کر ان پر اعتراض سے پرہیز کرتے ہیں۔

اس کی ایک عجیب مثال میں نے کہیں پڑھی تھی۔ امیر تیمور گورگان جب ہند سے ایک لاکھ قیدیوں کو لے کر وطن جانے لگا تو راستہ میں اُس نے اُن قیدیوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا، اور وہ سب فوج میں تقسیم ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ اس پر ایسے عالم مؤرخوں نے جن کا اخلاقی حس نازک تھا، تیمور کے اس فعل کو بدترین افعال میں شمار کیا۔ لیکن ایک مؤرخ ایسا بھی نکلا، جس کو میدان جنگ کا تجربہ تھا۔ اس نے تیمور کے اس ظلم کو قواعدِ جنگ کے عین مطابق بتایا، اور لکھا کہ قیدیوں کا قتل کیا جانا ضروری تھا۔ اگر وہ رہا کر دیئے جاتے تو نقضِ امن کا خوف تھا۔ اگر ان کو ساتھ رکھا جاتا تو سخت گزار پہاڑوں اور میدانوں میں ہزارہا میل کی پیادہ پائی ان کے لئے موت کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہوتی۔ غرض ایک واقعہ پر ایک تجربہ کار، اور دوسرے ناتجربہ کار عالم اور مؤرخ نے دو مختلف طریقوں سے نظر ڈالی ہے ـــــ سلطنت کے اسباب قیام اور زوال پر جہاں کہیں مصنف نے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں وہ قابلِ قدر ہیں۔

کتاب میں ترتیب مضامین بہت صاف ہے۔ پہلے فتح اندلس کے حالات، اور جو مضامین اس سے متعلق ہیں ان کو لکھا ہے۔ فتح کے بعد چوبیس (۲۴) والیانِ اندلس کا حال ہے، جن میں دو نے دو مرتبہ حکومت کی، اور جن کو بنی اُمیہ دمشق کے والیانِ مصر وافریقہ نئے مفتوحہ ملک اندلس کے انتظام کے لئے نامزد کرتے تھے۔ ان میں اکثر کے حالات اور کارنامے درج ہیں۔ آخری والیٔ اندلس یوسف بن عبدالرحمٰن الفِهری کے زمانہ میں بنی اُمیہ دمشق کی سلطنت کو ایشیاء اور افریقہ میں زوال ہوا۔ اسی مشہور شاہی خاندان کا ایک رُکن عبدالرحمٰن بن معاویہ افریقہ میں برسوں پریشاں حال رہ کر اندلس میں داخل ہوا۔ یہاں اس کے بزرگوں یعنی خلفائے دمشق کے موالی نے اس کو تخت پر بٹھایا۔ اور اس طرح یورپ میں سلطنت عرب کی بنیاد پڑ گئی ——— عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بعد جس کا نام تاریخ میں عبدالرحمٰن الداخل بھی آیا ہے۔ پانچ سلاطین کا ذکر کر کے جب چھٹا امیر اندلس عبدالرحمٰن الثالث تخت نشین ہوتا ہے، تو امارتِ اندلس کو خلافت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اب عبدالرحمٰن الثالث الناصر لدین اللہ کی پنجاہ (پچاس) سالہ دور خلافت کے بعد، بارہ (۱۲) خلفاء یکے بعد دیگرے تخت قرطبہ پر بیٹھتے ہیں۔ اور قرطبہ سے اسپین اور پرتگال کے بڑے حصے پر حکومت کرتے ہیں۔ ان بارہ (۱۲) خلفاء کے دور حکومت کے آخری زمانہ میں چار (۴) بادشاہ بنی حمود کے بھی قرطبہ میں ہوئے۔ مگر ان کا زمانہ بہت قلیل تھا۔ عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کے بعد تیسرے خلیفہ ہشام ثانی المویدکے دور حکومت میں بربر کا فتنہ اٹھا، اور ملوک الطوائف نے زور پکڑا۔

شخصی سلطنوں میں اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ جب سلطنت زوال کے قریب ہوتی ہے، تو انقراض کُلّی (کُلّی خاتمہ) سے قبل وہ تقسیم ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اندلس میں بھی یہی ہوا، کہ جب بنی اُمیہ کی سلطنت کو زوال ہونے لگا تو ملوک الطوائف (چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بادشاہ) بکثرت پیدا ہو گئے۔ اشبیلیہ میں بنو عباد، قرطبہ میں بنی جَهوَر، مالقہ اور جزیرۃ الخضراء میں بنی حمود، قرمونہ اور ارکش میں

بنو برزال، بلنسیہ، مرسیہ اور المریہ میں بنی عامر، اور بنی صمادح، اور بطلیوس میں بنی الافطس، طلیطلہ میں بنی ذی النون، سرقسطہ میں بنی ہود؛ خودسر بنکر ریاستیں کرنے لگے۔ غرناطہ میں پہلے بنی زیری صاحبِ حکومت ہوئے۔اس کے بعد بنی الاحمر کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا، جن کو سلاطین بنی نصر بھی لکھتے ہیں۔ان کا تعلق نسباً حضرت ابن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بتایا گیا ہے۔ان ملوک الطوائف (میں) سے اکثر کا ذکر اپنے اپنے موقعوں پر ـــــ سلاطین مراکش میں اولاً مرابطین، اور ثانیاً موحدین کے حالات کے سلسلہ میں جنھوں نے اندلس میں یکے بعد دیگرے سلطنت کی ـــــ آتا گیا ہے۔ بالخصوص بنی ذی النون طلیطلہ، اور بنی ہود سرقسطہ کا ذکر اسی سلسلہ میں آگیا ہے۔غرناطہ میں بنی نصر کے پچیس (۲۵) بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ان میں سے اکثر سلاطین کا ذکر اس تصنیف میں موجود ہے۔

ان سلاطین کے زمانہ میں تجارت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ غرناطہ، اندلس کے شہروں میں سب سے زیادہ دولت مند ہوگیا۔اور آلِ احمر کے بادشاہوں کا علم دوست ہونا دُور دُور مشہور ہوا۔اربابِ علم وفضل بڑے بڑے فقیہ ومحدث، خطیب وشاعران کے دربار میں حاضر رہنے لگے۔ابن خلدون مشہور مؤرخ، اور ابن بطوطہ دنیا کا مشہور سیاح، ان کے دربار میں حاضر ہوئے۔غرناطہ تہذیب وتمدن میں دنیا میں بے نظیر ہوگیا۔قصرِ حمراء کے خوبصورت آثار اب تک اس کی بزرگی کے شاہد کھڑے ہیں۔

پھر قصہ مختصر جس طرح ہر ذی حیات کی موت کا وقت معین ہے۔اور جس طرح دنیا میں بڑی بڑی قاہر اور عظیم الشان سلطنتیں اپنا اپنا وقت پورا کر کے دنیا سے چل بسیں۔ قرطبہ میں پہلے دولت بنی امیہ کا، اور پھر غرناطہ میں دولت بنی احمر کا وقت بھی آگیا۔ دارالخلافت قرطبہ میں اسلامی حکومت کی عمر ۵۴۴ (پانچ سو چوالیس) برس کی (ہوئی) جس میں بنی امیہ دمشق، بنی امیہ اندلس و بنی حمود اور ملوک مراکش کی حکومتوں کا زمانہ شامل ہے۔اور غرناطہ میں اسلامی حکومت کی عمر ۸۰۶ (آٹھ سو چھ) برس کی ہوئی۔مدینۃ البیرہ

جس کے قریب بعد میں [1] مسلمانوں نے غرناطہ کا شہر آباد کیا۔فتوحات عرب کے ابتدائی زمانہ یعنی سنہ۹۲ھ میں طارق نے فتح کیا تھا، اور بنی الاحمر کے آخری تاجدار نے سنہ۸۹۸ھ میں، اُس کو عیسائی پادشاہ قشتالہ فرڈنیند کے حوالے کر کے یورپ کے جنوب مغربی گوشہ سے اسلامی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔گواسی زمانہ میں یورپ کے جنوب مشرقی گوشہ پر مسلمانوں کی حکومت ہوگئی تھی۔مگر بقول ایک مسیحی مصنف کے اسپین میں عیسائیوں کی حکومت کے دوبارہ قائم ہونے، اور اسلامی سلطنت کے اٹھ جانے سے ''یورپ کے آنسو نہ پُچھے'' مسیحی یورپ کو کب گوارا ہوسکتا تھا کہ اسلامی حکومت کہیں بھی اُن کے براعظم پر رہے۔

تاریخی واقعات کو بیان کرنے کے بعد مصنف نے کتاب کے آخر میں اہل عرب نے آٹھ سو (۸۰۰) برس یورپ کی بودوباش رکھنے میں، جو جو ترقیاں علوم وفنون صنعت وحرفت، تجارت، زراعت، معدنیات، فن تعمیر، تصویر کشی، سنگ تراشی، علم تاریخ وجغرافیہ، ہیئت وریاضی، علم مناظر [2] فلسفہ، طب، جراحی، علم حیوانات ونباتات میں کی تھیں۔ان کی مختصر کیفیت تحریر کی ہے۔اہلِ عرب کی بحری قوت اور آلات آتش فگن کا بھی ذکر کیا ہے۔سب سے اخیر میں مشاہیر اندلس کے سوانح تحریر کئے ہیں، جن سے مسلمانان اندلس کے کارناموں کا ایک بیش قدر ذخیرہ ہماری زبان میں مہیا ہوگیا ہے۔

مضمون بہت وسیع ہے۔آخری زمانہ میں جبکہ سلطنت کا دم واپسین تھا، واقعات اورحوادث کی وہ کثرت ہوئی کہ اُن کو احاطہ کرنا اور اپنے سلسلۂ تحریر کو جاری رکھنا مؤرخ کے لئے نہایت دشوار کام ہوجاتا ہے۔مگر ''خلافتِ اندلس'' میں ترتیب اور سلسلہ سے

---

(۱) اصل میں یہاں ''میں'' کی جگہ ''کو'' ہے (امین)

(۲) علم المَناظِر: علمٌ تُعرف به مقادير الأشياء باعتبار قربها أو بُعدها من نظر الناظر (المنجد) — علم مناظر: وہ علم ہے جس میں نگاہ سے دور ونزدیک چیزوں سے بحث کی جاتی ہے۔(محمد امین)

ان حالات کو قلم بند کر کے، عالم مصنف نے تاریخ نویسی کا پورا حق ادا کیا ہے ——
اور ہم شکر گزار ہیں کہ اس بے نظیر تاریخ نے تیس (۳۰) برس کے بعد جبکہ اس کی ضرورت پہلے سے بھی زیادہ تھی، دوبارہ شائع ہو کر ہمارے کتب اُردو کے ذخیرہ کو زیب وزینت بخشی۔

محمد عنایت اللہ
ناظم دار الترجمہ سرکار عالی و مؤلف ''تاریخی جغرافیہ اندلس''
حیدر آباد دکن
۱۴ر نومبر سنہ ۱۹۳۴ء
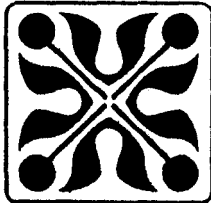
دیباچہ

تاریخ ایک دلچسپ فن ہے تجربہ خیز ونصیحت آموز۔ اہلِ یونان قدیم نے منجملہ دیگر علوم وفنون کے اِس علم کے مبادی کو بھی مُدوّن کیا، اور ایک یہی قوم قدیم تھی کہ جس نے اس علم کو مُرَوَّج کیا تھا۔ دوسری قدیم قوموں مثل اہلِ ایران، اہل ہنود بلکہ ان سے بھی بہت پہلے مثل قوم فنیقیہ اور قبط، مصر وغیرہم میں اس علم کا رواج نہیں پایا جاتا۔ یونانیوں سے یہ علم رومۃ الکبری والوں نے اخذ کیا اور کچھ ترقی بھی اس علم میں کی۔

بنی اسرائیل میں یہ علم دوسری طرز پر جاری ہوا، جواب بشکل صحائف انبیاء (انبیاء کے صحیفوں کی شکل میں) عہد قدیم میں مُندرِج (لکھا ہوا) ہے۔ اُن صحائف کو یہود ونصاری اب کلام خدا کہتے ہیں۔ مگر طرز عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صحائف مختلف آدمیوں نے بطور تاریخ برائے بصیرت خلف (پیچھے آنے والوں کی آگاہی کے لئے) تحریر کئے تھے جن کو پس آیندگان (پیچھے آنے والوں) نے بغیر تحقیق ودریافت مُنزّل مِنَ اللّٰہ (اللہ کی طرف سے نازل کیا ہوا) قرار دیدیا۔ ان صحائف کی اِس درجہ قدر کی گئی کہ اصل کلامِ خدا گم ہوگیا۔ پس یہ صحائف جو کلام انسان ہیں فی الحقیقت قومی تاریخیں ہیں جو مختلف زمانوں[1] میں مختلف مؤرخین نے لکھی ہیں جن کے نام اب مفقود ہیں۔

(۱) یہاں اصل میں ''زمانوں'' کے بجائے ''زبانوں'' ہے۔ (محمد امین)

اسی وجہ سے جس نبی کا حال جس صحیفہ میں مذکور ہے خلف نے اُس ہی (اُسی) نبی کو مصنف اُس صحیفے کا گمان، اوراس کے کلام کو مُنزَّلْ مِنَ اللّٰہ یقین کرلیا۔ مثلاً کتاب التوراۃ وکتاب التثنیہ وغیرہما صحائف جو حضرت موسی علیہ السلام کی طرف منسوب او منزل من اللہ سمجھے جاتے ہیں اصل میں کسی عِبری مؤرخ کی تصنیف ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد بطور یادگار لکھی گئی تھی۔ یہ مؤرخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بصیغۂ غائب ہی نہیں لکھتا بلکہ اُن علیہ السلام کے تفصیلی حالات بھی بیان کرتا ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا۔ خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے چارچشم ہوکر کلام کیا۔ موسیٰ بندۂ خدا نے وفات پائی۔ مثل موسیٰ علیہ السلام کے کوئی دوسرا نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا۔ علاوہ اس کے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے حالات اور تجہیز وتکفین اور عِبریوں کے ایک ماہ کے ماتم کی کیفیت اس میں مُندرِج ہے۔ اور اُن کے مدفن کی نسبت یہ تحریر ہے کہ آج تک اس کا علم کسی کو نہیں ہے؛ کیا یہ سب باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی نسبت آپ لکھ گئے تھے؟ یا بعد موت قبر میں سے لکھ کر بھیج دی تھیں؟! جہاں تک ہم غور کرتے ہیں صحائفِ عہد عتیق وقدیم میں صرف اُس قدر کلامِ خدا باقی رہ گیا ہے جو اِن مؤرخین نے اپنی تصانیف میں بطور اسناد مختلف مقامات پر درج کردیا ہے۔

الغرض عِبریوں یونانیوں اور رومیوں کے بعد علم تاریخ کو عربوں نے مُروّج کیا اور اُس کو بہت کچھ ترقی بھی دی؛ اور عربوں کی پیروی میں دیگر عجمی اقوام مثل اہلِ ایران وترکستان وہندوستان نے جو مشرف بدین اسلام ہوئے اس علم کو اپنی اپنی زبانوں میں جاری کیا۔ مگر وہ محض پیرو مصنفین عرب (عرب مصنفین کی پیروی کرنے والے) رہے؛ اور کسی قسم کی ترقی اس فن میں نہیں کرسکے، اس واسطے کہ مسلمانوں میں علمائے متاخرین نے اپنا دل ودماغ اور کامل وقت دینیات کی تعلیم میں صرف کیا، اور حدیث وفقہ وتفسیر وغیرہ علوم میں اس قدر جِدّ وجُہد (کوشش) کی کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں

ان علوم میں لکھ ڈالیں۔اور بحرِ تصوف میں ایسے مستغرق ہوئے کہ اور علوم جو معاشرت اور تمدن میں معین و مُمِد (مددگار) ہیں نظر انداز کردیئے۔

عربوں کے بعد اس علم کا شوق یورپ میں پیدا ہوا، اور اہلِ یورپ نے یونانیوں اور رومیوں کی قدیم اور عربوں کی جدید تصانیف سے پورا فائدہ اٹھایا۔ حال کی دو صدیوں میں جہاں دیگر علوم کو ترقی دی گئی علم تاریخ کے بھی اصول قائم کئے گئے اور عمدہ تصانیف جرح وقدح اور تحقیق و تدقیق کے بعد یورپ میں شائع کی گئیں۔

واضح باد (رہے) کہ قوم اور قومیت کی پاسداری اور وطن کی محبت کسی قوم میں بغیر اس علم کے مستحکم نہیں ہوسکتی۔ قدیم اقوام میں جن میں یہ علم مُرَوَّج نہ تھا؛ دوسرے طریقے صفات متذکرۂ بالا کے قائم رکھنے کے واسطے جاری تھے (یعنی مذکورہ بالا صفات کو قائم رکھنے کے واسطے دوسرے طریقے رائج تھے) ہندوستان میں بالخصوص قوم راجپوت میں ہر خاندان کے بھاٹ اُس کے گزشتہ بزرگوں کی جرأت اور حمیت کی یادگار میں گیت بنا کر شادی بیاہ وغیرہ مواقع پر گایا کرتے تھے۔تاکہ بزرگوں کے صفاتِ حمیدہ (قابل تعریف صفات) سن کر خوردوں (چھوٹوں) کو بھی جوش حمیت پیدا ہو۔ اِس ہی (اسی) طرح اور اقوام قدیمہ میں بھی اس قسم کے ذرائع چھوٹوں کو بڑوں کی؛ اور خلف کو سلف کی پیروی کی تحریص و ترغیب (لالچ اور رغبت دلانے) کے واسطے جاری تھے؛ کہ گھر کی بڑی بوڑھی عورتیں بچوں کے سامنے اُن کے دادا پردادا کی کارگزاریاں بطور قصص وحکایات بیان کیا کرتی تھیں۔ یہ ابتداء اس علم کی تھی جو آج اَکمل (کامل ترین) علوم میں شمار کیا جاتا ہے۔اس ابتدائی حالت سے اس علم نے نظم کی شکل میں ترقی کی، اور ہر قوم کے شعراء نے مثنوی اور قصائد اور ڈراما کی اقسام نظم میں اپنی طبع آزمائیاں کر کے خلف میں اوصاف سلف کی پیروی اور حب وطن اور قومی جوش پیدا کرنا شروع کیا۔ یونانیوں نے شاید سب سے پہلے اس درجہ سے آگے قدم بڑھایا؛ اور حالات قدیمہ کو نثر کے ہار میں گوندھنا شروع کیا۔اور پھر اس سے زیادہ اس ہی (اسی)

قوم نے یہ ترقی کی کہ ہمعصر حالات کو بھی قلم بند، اور اپنے وقت کے مشاہیر اور گذشتہ نامور لوگوں کے ترجمے اور تذکرے بھی تصنیف اور تالیف کرنے لگے۔ اس کے بعد رومیوں نے تصانیفِ کثیرہ اس فن میں نظم ونثر میں لکھیں؛ اور باہمی اخوت اور مودّت اور حب الوطن یعنی حمیتِ قوم اور ملت کا جوش ایسا قائم کیا کہ دیگر اقوامِ عالم پر جو اس فن سے محروم تھیں چند سال حکومت کرتے رہے، اور یہ ثابت کر دیا کہ عصبیت قوم وملت بناءِ ترقی ودولت وحکومت (یعنی ترقی اور دولت وحکومت کی بنیاد عصبیت قوم وملت) ہے چنانچہ اقوام موجودۂ یورپ (یورپ کی موجودہ قوموں) نے یہ واجب القدر مسئلہ اہلِ یونان وروماۃ الکبری کی تاریخوں سے اخذ کیا؛ جس کی بدولت آج یہ لوگ تمام عالم پر حکومت کر رہے ہیں۔

تاریخ دراصل مجموعہ ہے اُن اولوالعزم اور صاحبِ کمال لوگوں کے واقعات اور سرگذشت کا جو ہمیشہ کے لئے اپنا نام نامی صفحۂ ہستی پر ثبت کر گئے ہیں۔ وہ لوگ جن پر اُن کے ہم قوم کمالِ ناز اور ان کی تقلید کو باعثِ فخر وسعادت؛ اور ذریعہ اپنی دینی اور دنیوی ترقی کا تصور کرتے ہیں؛ اور اُن کے بے نظیر اور قابل قدر کارناموں کو آبِ زر سے لکھ کر اپنی قوم اور ملک کی تاریخ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اہلِ روما اور یونان نے جو ناموری علوم وفنون اور طرزِ حکومت ووسعتِ مملکت میں حاصل کی تھی؛ اُس سے اہل علم خوب واقف ہیں، اگرچہ اُن عظیم الشان سلطنتوں کو نیست ونابود ہوئے ہزار ہا سال گزر گئے، ونیز بوجہ امتدادِ زمانہ اُن قوموں کے حالات کا ایک بڑا حصہ قصہ اور کہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ تاہم ارسطو اور افلاطون۔ اسکندر یونانی اور قیصر روما کا نام بچہ بچہ کی زبان پر بلا لحاظ ملت جاری ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ روما اور یونان کی شمع علم ہنوز کاشانۂ دہر (دنیا) کو اچھی طرح روشن کرنے نہ پائی تھی کہ بادِ تُند نکبت (بدحالی کی آندھی) نے دفعۃً اُس کو خاموش کر دیا، اور ظلمتِ جہل (جہالت کی تاریکی) نے جہان کو پھر ایک بار اپنی

آغوش میں لے لیا۔ جب تک جمہوری خیالات کا اثر باقی رہا علم وہنر نے بھی ترقی کی۔ مگر جب شخصی سلطنت قائم ہوئی علم کی قدر گھٹنے لگی؛ اور اسکندر یونانی کی تخت نشینی کے بعد ہی دولت علم کا تنزّل شروع ہوا۔ اسکندر یونانی اور قیصر روما کو شہاب ثاقب تصور کرنا چاہئے۔ جو غرب کی جانب سے نکلے اور اپنی تپشِ تیز رفتار سے باغ علم کو خاکستر کرتے ہوئے مشرق کی طرف غائب ہو گئے؛ ان کے بعد بھی حکومت کا ردّ و بدل ہوتا؛ لیکن ایک زمانۂ دراز تک نہ تو ایسی باشوکت وشان سلطنتیں قائم ہوئیں؛ اور نہ علم وفضل وکمال کو فروغ حاصل ہوا۔

سینکڑوں برس بعد کارکنان قضاء وقدر (یعنی خدا تعالیٰ) نے دنیا کی تعلیم اور اس کو سرسبز وشاداب بنانے؛ اور نیز اُن لوگوں کے خیالاتِ فاسدہ کو باطل کرنے کی غرض سے ــــــ جو خود علم وہنر سے بے بہرہ تھے، لیکن ارسطو اور افلاطون کو اپنا ہم قوم تصور کر کے ہر چیز میں (معاذ اللہ) دعویٰ خدائی کا کرتے تھے ــــــ خانہ بدوش عربوں کو انتخاب کیا (یعنی عربوں کو چُنا) یہ ایک سرِّ الٰہی اور اس کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ تھا کہ ایسی قوم کو جو یونان اور روما اور مصر کی ترقی اور تنزل سے بالکل بے خبر اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو لئے عربستان کے جلتے ہوئے ریگستان میں پڑے پھرتے تھے؛ وہ عروج عطا فرمایا جو اس وقت تک کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ عرب اپنی آنے والی خوش قسمتی اور روز بہ روز ترقی سے لاعلم جاہلیت کے اندھیرے میں بھٹکتے پھر رہے تھے کہ:

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت ۞ بڑھا جانب بوقُبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت ۞ چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

یعنی اس جاہل قوم کی رہنمائی اور تعلیم وتربیت کے لئے ہادیٔ برحق کو بھیجا؛ جس کی بدولت عرب سو (۱۰۰) ہی برس کے اندر تہذیب اور اخلاق؛ بلکہ اُن تمام جوہروں سے جن کی وجہ سے بہ مِصداق اشرف المخلوقات ہوئے، آراستہ ہو کر مشرق سے مغرب تک پھیل گئے، اور متاعِ علم وہنر سے تمام دنیا کو مالا مال کر دیا۔ ٹامس

کارلائیل[1] کہ اس زمانہ میں نہایت نامور عالم گزرا لکھتا ہے کہ:

''اسلام کا عربوں کے حق میں ظہور، گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ ملک عرب نے اس ہی (اسی) کے ذریعہ سے نشو ونما حاصل کی۔ عرب گلّہ بانوں (چرواہوں) کی ایک غریب قوم تھی جو ابتدائے آفرینش سے یہاں کے شُعلَہ فشاں (آگ اُگلنے والے) ریگستان میں پھرا کرتی تھی۔ اس خانہ بدوش قوم میں ایک اولوالعزم نبیؑ اُس کی تعلیم اور رہنمائی کے لئے بھیجے گئے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ ایک چھوٹی سی قوم جس سے کوئی واقف بھی نہ تھا۔ قلیل عرصہ میں تمام دنیا میں مشہور ومعروف ہوگئی، اور عرب کا آفتابِ عقل وشجاعت وعظمت زمانۂ دراز تک دُنیا کے ایک بڑے حصہ پر تابان ودرخشاں رہا۔ سچا اعتقاد عجب روح افزا شئے ہے۔ یہی عرب اور یہی پیغمبر برحق؛ اور یہی ایک صدی کا زمانہ؛ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں ایک گمنام ریگستان تھا، مگر یہ ریگستان باروت (بارود) کا اثر رکھتا تھا۔ چنگاری کے گرتے ہی وہ شعلے آسمان تک بلند ہوئے جنھوں نے تمام دنیا کو روشن کردیا''

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایسی بے مثل قوم کے حالات کو فراہم؛ اور اس کے مشہور علماء کی تصانیف کو اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے اہلِ یورپ ان سے فائدہ اٹھائیں؛ اور اہلِ مشرق عربوں کی تاریخ اور تصانیف سے بالکل بے خبر اور بے بہرہ رہیں!! مسلمانوں کے اکابر واسلاف کی عظمت وسطوت؛ اور میدانِ جنگ میں جو مردانہ کارنمایاں اُن سے ظہور میں آئے ہیں؛ ان کا بیان کردینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ ہند کے بعض مشہور علماء نے ان باتوں کے یاد دلانے سے مسلمانوں کے پژمردہ دلوں کو تازہ کرنے میں بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر قوم میں اپنے کام کے ساتھ ہمدردی اور دلچسپی پیدا کرنے اور اس کے خیالات کو راہ راست پر

(۱) اس مشہور مصنف کی کتاب ''ہیروزا'' اور ''ہیرو ورشپ'' سے ہم نے یہ مضمون اخذ کیا ہے۔ تمام مضمون جو اُس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھا ہے پڑھنے کے قابل ہے۔

لانے کے لئے صرف اکابر و اسلاف کی فتوحات اور اسلامی سلطنت کی ظاہری نمائش وشوکت کا بیان کافی نہیں؛ بلکہ اُن واقعات کے ساتھ عربوں کی طرزِ ریاست وسیاست، اُن کا حُسن معاشرت اور سودمندی، اور علوم وفنون کی ترقی، المختصر اُن تمام باتوں کی جن سے عربوں کے اندرونی اور ذاتی حالات کا اندازہ ہوسکتا ہے ایک تصویر کھینچنی ہر مؤرخ کا فرض ہے۔

اس تاریخ ''خلافت اندلس'' کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ عربوں کی حیرت انگیز ترقی نہ صرف مُلک گیری میں، بلکہ اصول سلطنت، تدبیر مملکت اور ہر قسم کے علم وکمال میں جس سے اس قوم کے ذاتی حالات وصفات، اور پھر اس کا عبرت انگیز تنزل مثل آئینہ ظاہر وہُوَیدا ہو۔ اور جن لوگوں کو علمِ تاریخ سے خاص مناسبت اور تحقیق وتدقیق کا شوق ہو ان کے واسطے صحیح معلومات ایک ہی کتاب میں جمع ہوجائیں۔ عربوں کی تاریخ بلکہ اقوام غیر کی تاریخ سے بھی ہر ذی فہم یہ دریافت کرسکتا ہے کہ دنیوی حکومت میں تغیر وتبدُّل ایک لازمی چیز ہے۔ لیکن اگر کوئی قوم اپنا نام نگینۂ دنیا پر کندہ کرنا چاہے؛ اس کو چاہئے کہ اپنی سلطنت کی بنیاد علم اور روشن خیالی پر قائم کرے۔ اور یہی ایک ذریعہ بقائے حکومت اور عظمت کا ہے۔ جب تک مسلمان جویائے علم وہنر رہے علوم وفنون کو روز افزوں ترقی رہی، تمام دنیا غرناطہ، دمشق، بغداد، اور دہلی کے سامنے سر جھکاتی رہی۔

بعض مخالفین اسلام یہ بیان کرتے ہیں کہ عربوں میں ایک بڑا نقص جو اور اسلامی قوموں میں بھی پایا جاتا ہے؛ یہ تھا کہ انھوں نے محض مذہبی جوش میں یہ عروج اور مرتبہ حاصل کیا، قومی حمیت اور ہمدردی، جس کو آج ہم اقوام یورپ، ایشیا اور جاپان میں دیکھتے ہیں؛ عربوں میں بظاہر نام کو نہ تھی۔ اوّر یہی بڑی وجہ اُن کی بلکہ تمام مسلمانوں کے تنزل کی ہوئی۔ علاوہ اس خیالی نقص کے یہ لوگ ایک سخت حملہ عربوں پر بھی کرتے ہیں کہ ان کی حکومت تعصُّب مذہبی اور جبر وتعدِی پر مبنی تھی۔ اس کے ثبوت میں حسبِ

ذیل واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

① یہ کہ عرب مفتوحہ قوموں کو اپنے سے ہر طرح کم بلکہ بنظر حقارت دیکھا کرتے تھے۔

② عرب عیسائی عورتوں کو بلا تأمل اپنے نکاح میں لے آتے تھے۔ لیکن کبھی اپنی عورتوں کو عیسائیوں کے نکاح میں نہیں دیا۔

③ علاوہ بریں انھوں نے ملک اندلس میں ایک نہایت مذموم رسم یہ جاری کی تھی[1] کہ عیسائیوں کو یہ حکم تھا کہ ہر سال ایک سو (۱۰۰) باکرہ لڑکیاں خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا کریں۔ یہ لڑکیاں امرائے عرب میں تقسیم کردی جاتی تھیں۔

اعتراضات متذکرۂ بالا بادی النظر میں نہایت اہم ہیں۔ یہ باتیں ایسی نہ تھیں کہ غیر قوم جس کو عربوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہوان سے خوش رہے۔ اولاً جس گروہ میں قومی محبت اور حمیت نہ ہو اس کا زندہ رہنا ممکن نہیں؛ اس میں شک نہیں کہ مذہب بھی قوم کے ہر فرد میں یک دلی اور یک جہتی پیدا کرنے میں بہت کچھ مدد دیتا ہے؛ لیکن جب تک کہ قوم کی سچی محبت اس کے ہر فرد کے دل میں موجود نہ ہو؛ یا یوں کہو کہ جس قوم میں اجتماعی عصبیت غائب اور صرف انفرادی عصبیت موجود ہو وہ قوم کبھی آزاد اور خود مختار نہیں رہ سکتی۔ پس ایسی حالت میں ان سخت حملوں کا جواب تاریخی واقعات سے دینا، عربوں کے قیامِ سلطنت اور استحکامِ مملکت کی وجہ دریافت کرنا، معترضین کے لئے جوابِ مدلل، اور ناظرین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

اس اعتراض کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کی بنیاد سچے اعتقاد اور مذہبی ولولوں پر قائم تھی۔ اور اس قسم کا جوشِ قومیت جو آج کل یورپ کی مختلف قوموں میں پایا جاتا ہے؛ ان میں بظاہر نہ تھا۔ لیکن یہ کہہ دینا کہ مسلمان قومی حمیت اور ہمدردی سے بالکل مُعَرّا (خالی) تھے صحیح نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص اسلام کی تاریخ کو

(۱) اصل میں ''کی تھی'' کی جگہ ''کیا تھا'' ہے (محمد امین)

بنظرِ تعمق اور اصلی واقعات کے دریافت کرنے کی غرض سے دیکھے؛ تو اُس پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ جن معنوں میں لفظ قومیت یورپ میں مستعمل ہے؛ اُن میں اور جو معنی کہ ہر مسلمان کے ذہن میں اس لفظ کے موجود ہیں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اقوامِ نصاریٰ، اہل یورپ میں قومیت، مذہب پر اس قدر غالب ہوئی ہے کہ باوجودیکہ اہل فرانس، جرمن اور روس وغیرہ ایک ہی مذہب کے پیرو ہیں، لیکن پھر بھی ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کرتے۔ بلکہ ایک دوسرے کو اپنا دشمن جانی تصور کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی تذلیل وتنزل کے ہمیشہ خواہاں وساعی (کوشاں) رہتے ہیں۔ برعکس اس کے؛ مذہب نے اہل اسلام پر ایسا زبردست اثر ڈالا ہے کہ جہاں مختلف خیال وطرز وقوم کے لوگوں نے دائرۂ اسلام میں قدم رکھا تو یہ سب فوراً قومِ اسلام[1] میں داخل ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ ترک، عرب، ہند اور چین کے مسلمان، قوم، زبان اور خیالات اور ایک حد تک طرز معاشرت میں بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ لیکن اسلام نے ان سب کے دلوں میں ایسا غیر معمولی اور تعجب خیز جوش بلکہ بظاہر بعید القیاس وامکان اثر پیدا کیا ہے کہ یہ سب اہم اختلافات مذکورۂ بالا کو یک لخت قطع نظر کرکے اپنے کو ایک ہی قومِ اسلام کا رُکن سمجھتے ہیں۔ تُرک اور عرب اور ہند کے مسلمانوں سے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تم کون ہو؟ تو یہ سب جواب دیں گے کہ ہم مسلمان ہیں۔ برخلاف اس کے اگر یہی سوال اہل جرمن و فرانس اور انگلینڈ سے کیا جائے تو یہ جواب ملے گا کہ ہم جرمنی و فرانسیسی اور انگلش ہیں۔ الغرض جو معنی قومیت کے مسلمان لیتے

(۱) قوم اسلام کے اہم مسئلہ کو عیسائی مؤرخین نے عموماً نظر انداز کردیا ہے۔ بعض کی طرز عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سمجھے ہیں لیکن پورے طور پر نہیں، چنانچہ دیکھو فرڈ نانڈ اور ازابیلا مصنفہ پرسکاٹ ص: ۱۸۱ باب، ۸ جہاں وہ بیان کرتا ہے کہ جب مختلف اقوام مشرف بہ اسلام ہوئیں تو ان پر اسلام نے ایسا زبردست اثر ڈالا کہ یہ سب قومیں ایک وسیع اور باقاعدہ فوجی چھاؤنی (کیمپ) معلوم ہونے لگیں۔

ہیں ان کے لحاظ سے ان میں مذہبی جوش کے ساتھ قومِ اسلام کی یہی سچی محبت اور ہمدردی بدرجۂ اتم موجود تھی۔

ان ہی واقعات کے ضمن میں اگر ہم اقوامِ نصاری کے زمانۂ ماضی کی تاریخ پر سرسری نظر بھی ڈالیں تو یہ صاف ظاہر ہو جائے گا کہ عربوں کے زمانۂ عروج میں یہ قومیں مذہبی جوش اور قومی ہمدردی سے بالکل عاری تھیں۔ جنگ ہائے صلیبی (صلیبی جنگوں) کے حالات اور واقعات جن کی قصہ اور کہانیاں ہم اس قدر سنتے ہیں؛ اگر بنظر تحقیق دیکھے جائیں تو یہ اچھی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسائیوں نے ان لڑائیوں کو عمدہ ذریعہ دنیاوی شہرت اور ناموری حاصل کرنے کا گردانا تھا۔ یہی سبب ہے کہ یہ لوگ میدانِ بیت المقدس میں ہمیشہ ناکام رہے۔ مگر جب یہ ہزیمت خوردہ اپنے اپنے ملک واپس آئے تو وہاں کے جھوٹے حالات اور اپنے تہوّر (بہادری و دلیری) اور شجاعت کی داستان بیان کر کے اپنے ہموطنوں کے ساتھ بہ سختی پیش آنے لگے۔ چنانچہ جس زمانہ میں عرب ملک اندلس پر حکمراں تھے بعض مشہور عیسائی حاکموں مثل ہنری آف برگنڈی وغیرہ نے شام سے آکر سب سے پہلے اپنی تلوار کو اپنے ہم قوم اور ہم مذہبوں کے خون میں رنگا[1]۔ اور بعض اوقات جب اپنے مدّمقابل کو اپنے سے زیادہ صاحبِ قوت پایا تو مسلمانوں کو جن کے استیصال کے لئے انھوں نے ہزاروں میل کی تکلیفِ سفر گوارا کی تھی۔ اپنا معاون و مددگار بنانے میں تأمل نہیں کیا۔ خود غرضی اور اس ہی قسم کی فرعونیت نے عیسائیوں کی قوت کو پراگندہ کر رکھا تھا۔ ان کا ہر فرقہ بادشاہت کا دم بھر رہا تھا۔ جب یہ مختلف فرقے اپنے میں قوت کامیابی کی نہ پاتے تھے تو ایسی حالت میں بہ نسبت اپنے ہم مذہبوں کے مسلمانوں کا محکوم بن کر رہنا ان کو کہیں زیادہ مرغوب ہوتا تھا۔ پس پہلی وجہ مسلمانوں کی کامیابی کی ان کی راسخ الاعتقادی اور ابنائے آدم کی سچی خیر خواہی تھی۔ اور عیسائیوں میں یہ دونوں باتیں اس وقت مفقود تھیں۔

(۱) ان واقعات کی تائید میں کتاب ''پرتگال'' مصنفۂ اسٹیفنز کا پہلا حصہ دیکھنے کے قابل ہے۔

اب دوسرے الزاموں کو جو بغیر دریافت مسلمانوں پر عائد کئے ہیں (یعنی) مفتوحہ قوموں کو حقیر سمجھنا تعجب خیز امر نہیں بلکہ اس کو مقتضائے بشریت کہنا چاہئے۔ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہ ملے گی جو اپنی مفتوحہ رعایا کو کسی چیز میں اپنا ہمسر تصور کرتی ہو۔ لیکن باوجود حقارت وتنفر اور اختلافِ مذہب تاریخ اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنے مذہب اور اپنے پیشواؤں کے قطعی احکام کے پابند رہے۔ اور انھوں نے کبھی راہِ راست سے انحراف نہیں کیا۔ اسٹانلی لین پول اور اسٹینفز اور بازورتھ اسمتھ وغیرہ ایسے ایسے معتبر عیسائی مؤرخ ومصنف لکھتے ہیں کہ عربوں نے شمشیر بکف بغرض اشاعت اسلام اپنا قدم عربستان سے باہر رکھا تھا۔ مگر انھوں نے کسی قوم کو اپنے مذہب کے ترک اور اسلام کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ ملک گیری اور حکمرانی میں جو بیّن فرق ہے اس کے اظہار اور صراحت کی ضرورت نہیں۔ عرب جوشِ مذہب، دردِ دل اور زِرَہ فولادی دَرْبَر (لوہے کا کرتا پہن کر) مثل موج دریا شام، مصر، افریقہ اور اندلس کو فتح کرتے ہوئے ملک فرانس کے وسط میں داخل ہوگئے۔ لیکن جب یہ ان ممالک مفتوحہ پر اچھی طرح قابض، اور متصرف ہوگئے اور تسخیر ملک کا زمانہ ختم اور حکمرانی کا دور شروع ہوا، تو عربوں نے اپنے فطری مادۂ حکمرانی اور نیز جو سبق کہ انھوں نے تدبیر مملکت اور اصول ریاست میں اپنے مذہبی پیشوا سے حاصل کیا تھا؛ اس سے ایک قلیل عرصہ میں وہ فائدہ اٹھایا کہ بحر اطلانتک سے لے کر بحیرۂ چین تک ان ہی کی حکومت کا ڈنکا بجنے لگا۔

عیسائی عورتوں کو نکاح میں لے آنے سے ظلم وزیادتی اور تعصب مذہبی ثابت نہیں ہوتی۔ ہر سال سو (۱۰۰) لڑکیوں کا لینا صرف مسیو لیبان مصنف ''تمدن عرب'' نے لکھا ہے، لیکن جتنی انگریزی اور عربی تاریخیں ہماری نظر سے گزری ہیں، ایک سے بھی اس واقعہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے تاریخ عربوں کے عدلِ روشن کی داد دے رہی ہے۔

چنانچہ اندلس [۱] میں خلفائے بنی امیہ کی بے تعصب اور منصفانہ طرزِ حکومت سے چند ہی روز میں تجارت اور صنعت وحرفت کو ایسی ترقی اور عیسائیوں کو ایسا آرام وچین حاصل ہوا جو اُن کو اپنے ہم مذہب اور ہم قوم بادشاہوں کے عہد حکومت میں کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ تجارت اور صنعت نے چھوٹے چھوٹے شہروں اور بَنادِر (بندر گاہوں) کو دنیا کی تجارت گاہیں بنادیا۔ بڑے بڑے شہروں کا انتظام وہاں کی رعایا کے سپرد کردیا گیا تھا۔ اگر رعایا کو غلامی کے پھندوں سے رہائی حاصل کرنے کے لئے اسلام اختیار کرنے کی کوئی ترغیب دی جاتی تھی؛ تو اس کے ساتھ یہ بھی رعایت کی گئی تھی کہ عیسائیوں کے مذہب اور جائداد کی حفاظت ونگرانی کی غرض سے ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ جہاں عربوں کے ساتھ عیسائی امراء بھی بیٹھ کر رعایا کے حقوق کا تصفیہ کرتے تھے۔ ان کی راستبازی اور مَعْدِلَت گُسْتَرِی (عدل وانصاف) نے وہ شہرت پائی تھی کہ وہ عیسائی بھی جو ان کے محکوم نہ تھے آپس میں نزاعوں کو تصفیہ کی غرض سے خلیفۂ وقت کے سامنے پیش کرتے، اور جو فیصلہ صادر ہوتا اس کو بلا عذر منظور کرلیتے تھے [۲]۔

(۱) ''رائز اینڈ فال آف دی رومن امپائر'' مصنفۂ گبن جلد ۶، ص: ۳۶۴، عربوں کے زمانۂ حکومت میں اندلس کی ترقی وسرسبزی کی نسبت لکھا ہے کہ دوصدیوں میں عربوں نے خداتعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے ایسا کام لیا اور فن زراعت کو وہ ترقی دی کہ اس ملک کی کایا پلٹ گئی، اور تجارت اور صنعت نے ایسی ترقی کی جس کی نظیر مشکل سے ملے گی، صرف وادی الکبیر (اندلس کا ایک دریا) کے سرسبز وشاداب کناروں پر بارہ ہزار قصبے اور دیہات اس ملک کی ترقی اور خوش حالی کا ثبوت دے رہے تھے۔ اسی کتاب کے ص: ۳۶۶ پر گبن نے مذہب کی آزادی اور بے تعصبانہ طرز حکومت کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ''ترغیب وتحریص نہ کہ جبر واکراہ سے عربوں نے اشاعتِ اسلام میں کوشش کی اور خلفائے وقت نے ہمیشہ اپنی مفتوحہ رعایا کے مذہب اور مَعابِد کی نگرانی کی''۔

(۲) ''عرب ان اسپین'' مصنفہ کوند جلد سوم باب، ۲۸، ص: ۳۰۸ —— اس میں لکھا ہے کہ ''یوسف بن یوسف سلطان غرناطہ کے دربار میں ارغون اور قسطلہ کے عیسائی اپنے بادشاہوں کے ظلم ←

الحاصل انہی وجوہ اور اس ہی (اسی) طرزِ حکومت کی بدولت جس کی تصویر ہم نے اوپر کھینچی ہے۔ عربوں نے آٹھ سو برس اندلس میں حکمرانی کی۔ جس طرح لائق اور بیدار مغز بادشاہوں کے ظلِ عاطفت میں قوم اور ملک کو ایسا بے مثل عروج حاصل ہوا۔ اسی طرح کوتاہ اندیش اور آرام پسند بادشاہوں کی حکومت اور امراء اور رؤساء کی خود غرضیوں نے عربوں کو آنِ واحد میں اعلیٰ سے اسفل میں لا پھینکا۔ جو ممالک ان کے بزرگوں نے لیاقت اور تدبیر اور بزورِ شمشیر بکمالِ محنت و عرق ریزی فتح کئے تھے، ان کو اس طرح کھویا کہ اگر ان کی یادگاریں ملکوں میں نہ ہوتیں، تو آج ہم نہایت مشکل سے اس قوم کی بے نظیر فتوحات اور ملک گیری کو باور کرتے۔ یہی سبق جو صاحبِ عقل و ہوش تاریخ سے حاصل کرتے ہیں۔ اور یہی ایک نامہ عبرت خیز ہے جس کے مطالعہ سے ہر ذی فہم اور صاحب ادراک دنیا کے نشیب و فراز سے کماحقہ واقف ہو سکتا ہے:

روز اس گلشنِ اوراق سے لے جاتے ہیں ۞ اپنا دامانِ نظر مردمِ بینا بھر کر

یہ کتاب پہلی مرتبہ سنہ ۱۹۰۴ء مطابق سنہ ۱۳۲۲ھ میں طبع ہوئی تھی۔ چونکہ میں اُسی زمانہ میں انگلستان سے بعد ختم تعلیم واپس آیا تھا۔ تصنیف و تالیف کا تجربہ تو ایک طرف؛ اپنی مادری زبان سے بھی اچھی طرح واقف نہ تھا کہ یہ میری ابتدائی کوشش دیگر اَسقام سے مُعَرا رہتی۔ اُس وقت محض یہ ولولہ دامنگیر تھا کہ والد ماجد کی اس آرزو کو میں پورا کرسکوں کہ زبان اُردو میں اندلس کی تاریخ اس نہج پر لکھی جائے کہ اس قوم کے مُعجز نُما کارنامے، علمائے مصنفین بیت النصاری (یعنی عیسائی دانش گاہوں کے مصنف

← وستم سے پناہ گیر ہوتے تھے، اور اکثر یہ لوگ اپنے خانگی نزاعوں کو بھی تصفیہ کی غرض سے سلطان کے سامنے پیش کرتے تھے، اسی کی تائید میں دیکھو فرڈ نانڈ اور ازابیلا مصنفہ ''پرسکاٹ ص:۹۱، باب ۸: المَقرِی ایک نہایت مشہور اور معتبر عربی مؤرخ گزرا ہے۔ جس کا حوالہ گبن وغیرہ عیسائی مؤرخوں نے اپنی اپنی کتابوں میں دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''عیسائیوں کے حقوق اور جائداد کی حفاظت کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا تھا''

علماء) کے اقوال سے ثابت کئے جاسکیں۔ چنانچہ زبان انگریزی میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ملے جس کو میں نے نہ دیکھا ہو، اور جس سے اپنی تاریخ کی ترتیب میں مدد نہ لی ہو ——— اس طبع ثانی میں میں نے مشہور علمائے اندلس کے حالات اضافہ کئے ہیں۔ جو تکمیل کتاب کے لئے لازمی تھے۔ آخر میں؛ میں بکمالِ عجز وانکسار اس کتاب کو بطور ہدیۂ ناچیز اپنے آقائے ولی نعمت، قدردان وسرپرستِ علم وفن، اعلیٰ حضرت قدر قدرت، ظل سبحانی میر عثمان علی خاں بہادر خلد اللہ ملکہ، آصف جاہ سابع کی بارگاہ اقدس میں بامید منظوری پیش کرتا ہوں۔

ذوالقدر جنگ
حیدرآباد دکن
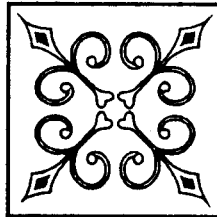
خلافتِ اندلس

حصہ اول

اس حصہ میں خلافت بنی امیہ (دمشق) کے زمانہ میں جن اُمراء نے اندلس پر حکومت کی ہے ان کی حیرت انگیز فتوحات اور کارناموں، اور خلافت بنی امیہ (دمشق) کے خاتمہ کے بعد عبدالرحمٰن الداخل کا بھاگ کر اندلس پہنچنے کا تذکرہ ہے ـــــــ یہ اندلس میں مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی کا زمانہ ہے۔

حصہ اوّل

باب اوّل

اندلس کی ابتدائی حالت —— مختلف اقوام —— ان کا عروج اور تنزل —— عربوں کی آمد۔

اندلس کا جغرافیہ

قبل اِس کے کہ ہم اپنی تاریخ کا سلسلہ شروع کریں، اس جزیرہ نما ملک اندلس کا جغرافیہ، اور تھوڑے سے ابتدائی حالات تحریر کرنا مناسب ہوگا۔ یہ ملک جو اپنے ابتدائی زمانہ سے اس وقت تک انقلاب کا مَعْدِن رہا ہے، یورپ کے مغربی جنوبی حصے کی طرف واقع ہے، اس کے اور ملک افریقہ کے درمیان صرف بارہ میل کا سمندر —— جو بحر ظلمات (۱) کو بحر متوسط سے ملاتا ہے، جس کو آبنائے طارق کہتے ہیں —— حائل ہے۔ اس ملک کے مشرق کی جانب بحر متوسط (۲) اور شمال کی طرف جبل البرتات (۳) جو

(۱) اس کو عربی میں بحر محیط بھی کہتے ہیں اور بعضے مؤرخین نے اس کو بحر اقیانوس بھی لکھا ہے۔ لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اقیانوس لفظ یونانی ہے جس کے معنی محض بحر کے ہیں جسے انگریزی میں اوشن کہتے ہیں۔ اس بحر ظلمات کو انگریزی میں اطلانتک کہتے ہیں۔

(۲) اس کو انگریزی میں مڈاٹرنیین سی کہتے ہیں۔

(۳) اس کو انگریزی (میں) پرانیز کہتے ہیں۔

ملک فرانس کو سرحد اندلس سے جدا کرتا ہے، اور بے آف بسکے واقع ہیں۔ غرب کی جانب ملک پرتگال اور بحر ظلمات، اور جنوب کی طرف آبنائے طارق اور ملک افریقہ اس کے حدود کو ختم کرتے ہیں۔

اندلس کی ابتدائی حالت (مختلف اقوام اوران کا عروج وزوال)

ملک اندلس کے قدیم باشندے قوم سیلٹ سے تھے، جو فرانس کی جانب سے اس ملک میں وارد ہوئے تھے، ان کے بعد اور اقوام بھی مثل آئی بیری اور فنیقی اور قرطاجنی یکے بعد دیگرے اس ملک پر مسلط ہوتی رہیں۔ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین سو برس قبل دوسری جنگ پیونک میں قرطاجنیوں نے شکست پائی، اور اہل روما ملک پر قابض ہو گئے۔ اس قوم نے اندلس پر پانچویں صدی بعد مسیح تک اپنی حکومت کو قائم رکھا۔ یوں تو ہر قوم نے اپنے اپنے زمانہ حکومت میں اندلس کو بہت کچھ ترقی دی تھی۔ لیکن اہل روما کے زمانہ میں جو فروغ اور رونق اس ملک کو حاصل ہوئی وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ تمام ملک سرسبز و شاداب اور شہروں سے آباد تھا، اور ایسے مشہور شعراء، اور علماء مثل لوشین اور سینگا پیدا ہوئے جو اس سلطنت کے باعثِ افتخار تھے۔

جب سلطنت روما اپنی عمر طبعی کو پہنچی، اور آثارِ انحطاط اور تنزل نمودار ہونے لگے، تو وہ شمالی قومیں جو وحشی سمجھی جاتی تھیں، اِس سلطنت پر حملہ آور ہوئیں، اور فرانس کو برباد کرتی اندلس پر مُسلّط ہو گئیں ــــــ ان کے بعد ایک دوسری بت پرست قوم گاتھ کو عروج حاصل ہوا۔ چنانچہ اسٹروگاتھ نے ملک اطالیہ کو اپنے قبضہ میں کیا، اور وزی گاتھ [1] نے سویوی اور دیگر اقوام جرمن کو تسخیر کر کے چھٹی صدی عیسوی میں اندلس میں ــــــ جس کو زمانہ سابق میں آئی بیریا کہتے تھے ــــــ اپنی سلطنت کو قائم کیا۔

(۱) اس ہی قوم وزی گاتھ کے زمانہ تسلط میں عربوں نے اندلس پر فوج کشی کی تھی۔

لیکن بہت قلیل عرصے میں اندلس کے قدیم لاطنی عیسائی باشندوں کا وزی گاتھ پر ایسا اثر ہوا کہ فاتح اور مفتوح دونوں میں مذہب اور زبان اور طریقۂ بود و باش میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ وزی گاتھ کے تسلط کو دو سو برس ہی کا زمانہ گزرا تھا کہ حکومت میں آثارِ انحطاط اور کمزوری پیدا ہونے لگی۔ آدھی سے زیادہ رعایا غلامی کے سخت پھندوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ ریاست کے چھوٹے بڑے جاگیردار اور زمیندار غلاموں سے کاشت اور زراعت کا کام مثل جانوروں کے لیا کرتے تھے، اور ذرا سی خطا، یا عدول حکمی پر نہایت بے رحمی سے قتل کرڈالتے تھے۔ ان کے مذہبی پیشوا بھی جو اوائل زمانہ میں سچے عقائد کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا کرتے تھے۔ مُتموّل اور خوشحال ہوکر ان وحشیانہ مظالم کے مُقلِّد ہو گئے۔

جب وٹیزا کو تخت سے اتار کر لذریق [1] بادشاہ ہوا تو ابتداء میں اس نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے کام کیا، لیکن جب نو دولت اور کم ہمت اور پست حوصلہ لوگ شرافتِ نفس اور خودداری سے عاری، اجزائے حکومت بن جائیں اور آرام طلبی، خانہ جنگیاں، خودغرضیاں سلطنت کی جزوِ اعلیٰ ہوجائیں، تو ایسے بکھرے ہوئے شیرازہ کا درست کرنا لَذْرِیق جیسی معمولی ہستی سے ممکن نہ تھا۔

بہر حال انقلاب کا زمانہ قریب تھا، اور اُس انقلاب کی بارود بھری ہوا میں صرف آگ لگانے کی دیر تھی۔ اُس زمانے میں قاعدہ یہ تھا کہ شہزادے اور امرائے سلطنت اپنے بچوں کو شاہانہ تہذیب وتعلیم دینے کی غرض سے بادشاہ کے سپرد کردیا کرتے تھے، اُن ہی معززین میں سے کونٹ جولین گورنر سوطا نے اپنی لڑکی فلورنڈا نامی کو دارالسلطنت طلیطلہ [2] حسب دستور تعلیم کے لئے بھیجا تھا، اِس لڑکی کے حُسن و جمال پر بادشاہ ایسا عاشق ہوا کہ بلا لحاظ قانونِ تہذیب اور اخلاقِ مروجہ اس لڑکی کو جبراً اپنے

(۱) اس کو انگریزی میں راڈرک لیتے ہیں، اور یہ اندلس کا آخری بادشاہ تھا۔

(۲) اس کو انگریزی میں ٹالیڈو کہتے ہیں۔

تصرف میں لایا۔ لڑکی نے بدقت تمام اپنی عصمت کی بربادی کی خبر باپ کے کانوں تک پہونچائی۔ جولین چونکہ خاندان وٹیزا کا رکن اعظم تھا۔ اس حرکت سے نہ صرف اسی کی توہین ہوئی، بلکہ تمام قوم گاتھ نے اپنی اہانت سمجھی، اور یہی وجہ تھی کہ کونٹ جولین اور اشبیلیہ [1] کا رئیس الاساقفہ (پادریوں کا سردار) عربوں کی فوج کشی کے معاون ہوئے تھے۔

عربوں کی اندلس میں آمد

اِدھر یہ حالت تھی، اور اُدھر عربوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً ستر برس بعد وہ عروج حاصل ہوا کہ جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملے گی۔ جس کو آج تمام یورپ نہایت تعجب کی نظروں سے دیکھتا ہے، اور ان کی اِس بے نظیر کامیابی پر تمام دنیا عَش عَش کرتی ہے۔ اِس قلیل عرصہ میں عرب، شام اور مصر اور افریقہ کا کامل شمالی حصہ فتح کرتے ہوئے بحر ظلمات کے ساحل تک جا پہنچے تھے، مگر فوج عرب کے نامور سپہ سالار امیر عقبی کے دل پر اس دریائے شور، قیامت خیز موجوں کا کب اثر ہوسکتا تھا، جس نے میدانِ جنگ میں خون کے دریا بہا دیئے تھے، اور اپنی بہادری اور شجاعت کا سکّہ شجاعانِ عالم کے دلوں پر بٹھا دیا تھا، امیر عقبی نے بلاتردد سمندر میں گھوڑا ڈال دیا، لیکن موجوں نے اس کے گھوڑے کو آگے بڑھنے سے روکا، اس امیر نے یاس اور حسرت بھری نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا، اور سچے دل سے اپنے معبود حقیقی سے یہ التجا کی کہ اے فتح بخش مطلق! یہ تیرا بندۂ ناچیز جو کبھی ہزاروں بہادرانِ جنگجو سے مجبور نہ ہوا، اب اس سمندر نے اس کو مجبور کر دیا، ورنہ تیرے سچے نبی کی اشاعتِ مذہب میں کبھی دریغ نہ کرتا۔

ملک اندلس کے فتح کرنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ پچاس برس میں افریقہ کی تمام

(۱) اس کو انگریزی میں سویل کہتے ہیں۔

قوموں پر جو اسلام کے دائرہ حکومت میں آچکی تھیں، بالخصوص قوم بربر پر اسلامی تمدن کا ایسا اثر ہوا تھا کہ یہ اپنے کو عربوں کے برابر سمجھنے لگی، اور مائل بہ بغاوت اور فساد ہونے لگی تھی۔ عربوں کی یہ اعلی درجہ کی خوش تدبیری تھی کہ انھوں نے بغاوت کے بڑھنے کے قبل (بڑھنے سے پہلے) ہی ان اقوام کو ملک گیری کی طرف مائل کر دیا۔

پس پہلی فوج جو آبنائے طارق کو عبور کر کے یورپ میں داخل ہوئی تھی، وہ سب سوائے افسروں کے بربری تھی۔ جب عرب اس جزیرہ نما ملک میں داخل ہوئے اور اس ملک کی سرسبزی اور شادابی اور آب وہوا کی لطافت کو انھوں نے دیکھا، تو ان کے دلوں مین اس تمام ملک کے فتح کرنے کا شوق پیدا ہوا ـــــــ فوج عرب کے سپہ سالار نے ایک خط میں جو اِس نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے نام لکھا۔ اِس ملک کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

آسمان اور زمین کی خوبصورتی میں یہ ملک شام ہے، آب وہوا کی لطافت میں یمن اور پھولوں اور عطریات میں ہند، زرخیزی میں مصر اور بیش بہا فلزّات (سونا، چاندی اور دیگر دھاتوں) میں چین ہے۔
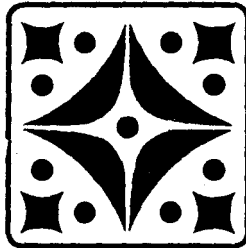
باب دوم

عیسائیوں کا موسیٰ بن نصیر کے پاس آنا ــــ اندلس کی فتح کا قصد ــــ طارق کا اندلس میں داخل ہونا ــــ تدمیر کے ساتھ جنگ ــــ جنگ الخضرا ــــ جنگ وادی لکّہ ــــ جولین ــــ عربوں کی فتوحات۔

عیسائیوں کا موسیٰ بن نُصَیر کے پاس آنا

موسیٰ بن نصیر گورنر افریقہ اور سپہ سالار فوجِ عرب شہر طنجہ [۱] میں لب دریا اپنے اُمرائے فوج کو لئے اندلس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آثارِ فکر روز بروز اس کے بُشرے سے عیاں ہوتے جاتے تھے، وہ ہمت جس کے ہاتھوں پر تمام ملک افریقہ فتح ہو چکا تھا، اور وہ جرأت جس نے اپنی شمشیر کا سکّہ دنیا کے بہادر ترین بہادروں کے دلوں پر جما دیا تھا، کب انقباض اور درماندگی کو خیال میں لا سکتی تھی، گو شہر طنجہ اور شہر اندلس میں صرف بارہ میل کا سمندر آبنائے طارق [۲] حائل تھا، مگر ابھی عربوں کو اندلس فتح کرنے کا خیال تک نہ گزرا تھا۔ لیکن قضا وقدر کو یہ منظور تھا کہ اس سچے مذہب اور بہادر قوم کے ہاتھوں سے اور بھی ممالک فتح ہوں، اس لئے کارکنانِ قدرت نے چند عیسائیوں کو سپہ سالار موسیٰ کے خیمہ پر حاضر کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ امیر موسیٰ عالم بیکاری میں سخت پریشان، اور اس فکر میں تھا کہ اب کس ملک پر اسلامی

(۱) انگریزی میں اس کو شہر تنجیرز کہتے ہیں یہ شہر آبنائے طارق پر واقع ہے۔
(۲) انگریزی میں اسٹریٹس آف جبرالٹر کہتے ہیں۔

علم نصب کروں، ہنوز کوئی رائے قرار نہ پائی تھی، کہ چند عیسائیوں کے حاضر ہونے کی اطلاع ہوئی، اس نے باریابی کی اجازت دی، جس دم وہ اس کے روبرو آئے یہ بکمال اخلاق ان کے ساتھ پیش آیا، اور اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دی، اور حاضری کا سبب پوچھا، اُنھوں نے سرِ تسلیم خم کرنے کے بعد پہلے اپنے بادشاہ لذریق کے ظلم وستم کی کیفیت بیان کی، پھر اندلس کی سرسبزی اور شادابی اور معدنیات اور زرخیزی کا ذکر کر کے یہ باور کرانا چاہا کہ اگر عرب اس مُلک کی جانب پیش قدمی کریں، تو وہاں کی رعایا جو لذریق کے ظلم وستم سے اب تنگ آ گئی ہے، شب وروز اسلامی فوج کا انتظار کر رہی ہے۔

اندلس کی فتح کا قصد

اس مژدہ نے امیر موصوف کے تمام انقباض وافکار کو دل سے دور کر دیا، قریب تھا کہ فوج کو یلغار کا حکم دے، لیکن موسیٰ فنونِ جنگ میں بے مثل ہونے کے علاوہ دانشور بھی تھا، چونکہ ایسی مہم عظیم میں تعجیل مناسب نہ تھی، عیسائیوں کو اپنے لشکر میں مہمان کیا، اور جب خفیہ دریافت سے ان کے بیان کی پوری پوری تصدیق ہوگئی، تب امیر نے ایک عرضداشت خلیفہ کی خدمت میں دربارہ تسخیر اندلس ارسال کی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے جو ہر وقت ایسے کاموں کے لئے آمادہ رہا کرتا تھا، بکمالِ خوشی جنگ کی اجازت دیدی۔

طارق کا اندلس میں داخل ہونا

اجازت کے قبل ہی کل سامان جنگ مہیا اور تیار کر لیا گیا تھا، اجازت حاصل ہوتے ہی گورنر شہر طنجہ یعنی طارق بن زیاد کو جو حقیقت میں موسیٰ بن نصیر کا داہنا ہاتھ تھا، اندلس جانے کا حکم دیا، طارق بن زیاد فوراً سات ہزار سوار اور چند مشہور امرائے عرب کو ہمراہ لے کر جن میں زیادہ تر قوم بربر تھی، چار بڑی کشتیوں میں سوار آبنائے طارق عبور کر کے جبل الطارق پر فروکش ہوا۔ فوج کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے، لیکن المَقّرِی لکھتا ہے کہ اس امیر کے ساتھ صرف سات ہزار آدمی تھے۔

ایک عجیب واقعہ

طارق ہنوز جہاز ہی میں تھا کہ ایک واقعہ عجیب ظہور میں آیا، جس نے اِس کے اور اس کی فوج کے دلوں کو اور بڑھا دیا، اور اِن سب کو فتح یابی اور نصرت کا کامل یقین ہوگیا، وہ یہ ہے کہ ایک شب طارق نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بہت سے لوگ جنگ کے لئے تیار ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طارق کی جانب مخاطب ہوکر فرما رہے ہیں کہ اے طارق! تو اپنے ارادہ پر قائم رہ! اور اس کام کے کرنے میں سعی اور کوشش کر جس کے لئے تو منتخب ہوا ہے۔

دوسرا واقعہ

طارق اپنی جمعیت کے ہمراہ سرحد اندلس پر اترا، اور لب دریا جو جو شہر واقع تھے انھیں فتح کرتا ہوا آگے بڑھا، اثنائے راہ میں دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک بڑھیا نے اس سے کہا کہ اِس ملک کا تو ہی فاتح معلوم ہوتا ہے، میرا شوہر جو بڑا کاہن تھا وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کہ غیر قوم اندلس پر قابض ہوگی، اس کے سپہ سالار کی پیشانی بلند اور اس کے بائیں شانہ پر تل ہوگا، اور اُس تل کے گرد بال ہوں گے۔ میں جہاں تک غور کرتی ہوں تیری ہی پیشانی بلند پاتی ہوں، اگر وہ تل بھی تیرے جسم پر ہے، تو بیشک تو وہی شخص ہے، جس کے متعلق میرے شوہر نے پیشین گوئی کی ہے۔ طارق نے اپنے بائیں شانے کا تل اس بڑھیا کو دکھایا۔

جزیرۃ الخضراء کی فتح اور تدمیر کے ساتھ جنگ

ان واقعات عجیب سے اس کو اپنی کامیابی اور فتحیابی کا یقین کامل ہوگیا۔ جزیرۃ الخضرا کو چھوٹی سی جنگ کے بعد عربوں نے بآسانی فتح کرلیا، پھر انھوں نے اصل زمین اندلس پر قدم رکھا، لیکن جب آگے بڑھنے کا قصد کیا، تو بادشاہ اندلس کے بہادر سپہ سالار تدمیر نے بڑی فوج کے ہمراہ طارق کا مقابلہ کیا، عربوں نے اس فوج کو پے در پے اِس قدر شکستیں دیں، کہ پھر اس کو تاب مقابلہ باقی نہ رہی، حالتِ بدحواسی میں میدانِ جنگ خالی کردیا۔ تدمیر نے اس متواتر

ناکامیابیوں[1] سے مایوس ہوکر ایک عرضی اپنے بادشاہ کو لکھی، جس کا مضمون یہ تھا کہ:

''اے شاہنشاہ! ملک افریقہ کی جانب سے غیر قوم نے ہم پر فوج کشی کی ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ فوج زمین سے ابلی ہے، یا آسمان سے ٹپکی ہے، میں نے اس کے روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن اس کے سامنے میری کوئی تدبیر نہ چلی، اور اب وہی فوج خاص سرحد اندلس پر خیمہ زن ہے، اپنی ناکامیابیوں سے مجبور ہوکر مجھے میدانِ جنگ خالی کردینا پڑا، اور اب میں مدد کا منتظر ہوں، اگر شاہنشاہ بذاتِ خود اِس طرف کا قصد فرمائیں گے، تو مجھ کو ضرور کامیابی ہوگی''۔

اس وحشت ناک خبر کے سنتے ہی لذریق نے ہراساں اور خوف زدہ ہوکر ریاست کے وزراء اور افسرانِ فوج سے مشورہ لیا، اور ان کی رائے کے مطابق[2] اپنے خاص سواروں کو جن کی شجاعت ضرب المثل تھی، آگے روانہ کیا۔ اور خود بھی جانے کے لئے تیاریاں کرنے لگا۔ اس کو بھی یقین تھا کہ یہ تمام فساد باغی رعیت کا برپا کیا ہوا ہے۔ بہرکیف سواروں کے پہنچتے ہی تدمیر نے بڑی جوانمردی سے عربوں پر پھر ایک بار حملہ کیا، عیسائی دل توڑ کر لڑے، مگر کامیاب نہ ہوئے۔

فوجِ عرب کی پہلی صف کا افسر مغیث الرومی تھا۔ یہ وہ نامی افسر ہے جس کے زبردست ہاتھوں پر جنگ افریقہ کا خاتمہ ہوا تھا، اس ناکامیابی کے بعد لذریق نے اپنے صوبوں سے مدد فوج چاہی، اور تمام فوج کے ساتھ جس کی تعداد نوّے (۹۰) ہزار کہی جاتی ہے، عربوں کے مقابلے میں خیمہ زن ہوا۔ گو اس وقت پادشاہ کے جلو میں اس کے تمام نام آور فوجی افسر اپنی اپنی جمعیت کے ہمراہ، ریاست کے بڑے بڑے امیر، اور مدبر موجود تھے، لیکن ان سب کے دل بادشاہ سے بوجہ ظلم وستم پھرے ہوئے تھے، ایک روز ان سب امیروں اور افسروں نے یہ مشورہ کیا کہ عرب صرف لوٹ مار کی

---

(۱) اصل میں ناکامیابیوں کے بجائے ''کامیابیوں'' ہے، ''نا'' کا اضافہ احقر نے کیا ہے (محمد امین)

(۲) اصل میں رائے مطابق ہے، ''کے'' کا اضافہ احقر نے کیا ہے (محمد امین)

غرض سے اس ملک میں آئے ہیں، جب ان کا کاسۂ طمع بھر جائے گا واپس چلے جائیں گے، ہنگامِ آغاز جنگ (آغازِ جنگ کے وقت) ہم سب اس سے علحدہ ہو جائیں، اور اس کو تنہا عربوں سے مقابلہ کرنے دیں، جب یہ تباہ ہو جائے گا تو ہم میں سے جو حقدار ہوگا، اس کو اندلس کے تخت پر بٹھادیں گے۔

جنگ وادی لکّہ

اس اثناء میں طارق بعجلت تمام الجزائر اور شدونہ کے صوبوں کو فتح کرتا ہوا وادی لکہ کے کنارہ تک پہنچ گیا۔ اور جنگ فوراً شروع کردی، جس میں خود شاہ لذریق نوے (۹۰) ہزار جمعیت کے ہمراہ شریک تھا، باوجودیکہ طارق کی امداد کے واسطے امیر موصوف کے حسب طلب موسیٰ بن نصیر نے فوراً پانچ ہزار سوار اندلس روانہ کئے، لیکن جب دونوں کا سامنا ہوا تو عربوں کی فوج سے عیسائیوں کی فوج تقریباً پانچ حصہ زیادہ تھی، طارق کا خواب ہر سپاہی کے پیش نظر تھا، زیادتی فوج نے ان کے دلوں پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔ یکشنبہ کے دن رمضان کے ختم ہونے میں صرف دو روز باقی رہ گئے تھے؛ کہ طارق اپنی فوج کی صفیں جما کر دشمن کے مقابلے میں آیا، اس کو پورا اطمینان تھا کہ عرب دلیری اور سپاہ گری میں اہل اندلس سے کہیں زیادہ ہیں، گو عیسائیوں کی پہلی دو صفیں زِرہ بکتر زیب تن کئے تھیں، لیکن عرب بھی تیر اور تلوار اور نیزوں سے اس آہنی دیوار کے توڑنے کے واسطے تیار تھے، دونوں فوجیں اپنے اپنے افسروں کے حکم کا انتظار عجب بے چینی سے کر رہی تھیں، گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز، طبل کی گرج، اور سپاہیوں کے نعروں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پھٹا پڑتا ہے۔ غرضکہ وادی لکہ کے میدان جنگ کا سماں بھی قابلِ دید تھا، ہنوز آفتاب پورے طور پر نکلا بھی نہ تھا کہ جنگ شروع ہوگئی، دونوں فوجیں تین روز برابر لڑتی رہیں، لیکن یہ چند ہزار عرب ایک لاکھ فوج کا کہاں تک مقابلہ کرتے، تیسرے دن عربوں پر بہت ہی سخت حملہ ہوا، فوج کی زیادتی سے میدانِ جنگ نمونہ قیامت تھا، قریب تھا کہ بہادر فاتحان شام اور افریقہ میدان چھوڑ دیں، لیکن لائق امیر طارق بخیال عاقبت

اندیشی ہر وقت اپنی فوج کی حالت دیکھ رہا تھا، اس شرمناک آنے والے وقت کا تصور دل میں آتے ہی بے چین ہو گیا، اور بیساختہ اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا کر فوج سے یوں مخاطب ہوا۔

طارق بن زیاد کی مشہور تقریر اور اسلامی فوج کا از سر نو حملہ

اے، قوم عرب! واے فاتحانِ ملک شام! کیا تمہاری رگوں میں خون عرب نہیں دوڑ رہا ہے؟! کیا تم اپنی ناموری کا خاتمہ اسی مقام پر کیا چاہتے ہو؟! کیا تم اپنے باپ دادا کے نام کو اس گمنامی کے جنگل میں بدنامی کے ساتھ بدلنا چاہتے ہو؟! کیا تم کو گذشتہ واقعات جنگ افریقہ اور شام یاد نہیں رہے؟! کیا تم اپنے خدا اور رسول کے قول کو بھول گئے؟! تم نے اس ملک میں قدم رکھتے ہی اپنی کشتیوں کو جلا دیا تھا، اور یہ قصد کر لیا تھا کہ یا ہم اس ملک کو فتح کر لیں گے، یا اپنی جان دیدیں گے۔ اِس وقت تمہارا دشمن آمادۂ جنگ، اور تمہاری پشت پر دریائے شور ہے، سواری کے لئے نہ جہاز ہے، نہ کشتی، ہاں اگر اس وقت تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت ہے؛ تو صرف تمہاری مستقل مزاجی، اور خدا کی مدد و اعانت۔ اے اولادِ عرب! آؤ آگے بڑھو! اور اپنے امیر کا ساتھ دو۔

یہ کہہ کر امیر طارق نے اپنے گھوڑے کو میدان کارزار کی طرف بڑھایا۔ اِس کے ساتھ اِس کی تمام فوج نے از سر نو ایک حملہ عیسائیوں پر کیا، جس کی تاب لذریق کی فوج نہ لا سکی، فوجی افسروں نے موقع پا کر یکے بعد دیگرے اپنی اپنی فوج کو علحدہ کرنا شروع کر دیا، وٹیزا کے لڑکے جن کا ملک لذریق نے ضبط کر لیا تھا، طارق کی فوج میں آکر شامل ہو گئے، بقیہ فوج کو عربوں نے تعاقب کر کے تباہ و تاراج کر ڈالا ——

عربوں کو یہ فتح ۵/شوال سنہ ۹۲ھ م سنہ ۷۱۱ء میں حاصل ہوئی۔

طارق جب اندلس کی فوج کا قلع قمع کر چکا تو اس نے ایک عرضی اپنے افسر موسیٰ بن نصیر کو لکھی، اور تمام واقعات اِس جنگ کے پر جوش الفاظ میں درج کئے، لیکن صرف

عرضی پڑھ کر موسیٰ کا دل سیر نہ ہوا، اور قاصد کو حکم دیا کہ زبانی بھی چشم دید واقعاتِ جنگ سنائے۔ سپہ سالار اثنائے بیان میں فتح مندی کی خبر سن کر باغ باغ ہوا جاتا تھا، اور جب عربوں کی مصیبت کا حال سنتا تھا، غم اور رنج کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں ہوتے تھے۔ بالخصوص تیسرے روز کے ابتدائی واقعات سنتے ہی بے چین ہو گیا، لیکن جب نامہ بَر نے طارق کی مشہور تقریر، اور فوج کا دوبارہ حملہ کرنا بیان کیا تو یہ رنج مُبدّل بکمال مسرت ہو گیا ــــــ موسیٰ نے ایک تہنیت نامہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر؛ مع ان تحفوں اور ہدیوں کے جو نامہ بَر لایا تھا، خلیفۃ الاسلام کی خدمت میں ارسال کیا، اور خود بغیر انتظارِ جواب، اپنے قابل قدر ماتحت کی مدد کے واسطے، اپنی جگہ اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولایتِ افریقہ پر مامور کر کے، دس ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیدل کی جمعیت کے ساتھ، مع اپنے بیٹوں عبداللہ اور مروان، اور اہلِ قریش کے چند نامی رفقاء مثل علی بن ابی لخمی اور حیات بن تمامی آبنائے طارق کو عبور کر کے اندلس میں داخل ہوا۔

موسیٰ والیٔ افریقہ کا حکم اور جولین کی رائے

امیر طارق کو والیٔ افریقہ کے اندلس میں آنے کی بالکل خبر نہ تھی، یہ صوبۂ اندلوسیہ کے مشہور شہروں کے فتح کرنے میں مشغول تھا، کہ اس اثناء میں اس کے پاس ایک خط سپہ سالار کا بایں مضمون پہنچا کہ تاوقتیکہ لشکر میں داخل نہ ہو جاؤں، تم آگے بڑھنے کا قصد نہ کرو، اس حکم کے پہنچنے سے طارق بے حد مُشوّش (پریشان) ہوا، کہ اس خاص وقت میں ایک لحظہ بھی خاموش بیٹھنا، اس کی آئندہ کامیابیوں کے لئے نہایت مُضر تھا، اس نے اپنے امیروں کو جمع کیا، اور سپہ سالار کا حکم انھوں نے (یعنی اُن کو) سنا کر رائے طلب کی۔ تمام افسروں نے متفق اللفظ عرض کی کہ اس نازک وقت میں اس حکم کی تعمیل کسی طرح ممکن نہیں، ورنہ ہم کو اِس ملک کے فتح کرنے سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس مجلس میں جولین سابق حاکم سوطا بھی شریک تھا، چونکہ عربوں کو اس سے بہت کچھ مدد ملی تھی، اس لئے عرب اس کی خیر خواہی، اور رائے

پر بھروسہ کرتے تھے۔ جب فوجی افسروں نے اپنی تقریر ختم کی، تو جولین نے طارق کی طرف مخاطب ہو کر مندرجہ ذیل رائے ظاہر کی۔

''جب تو نے وادی لکّہ کو فتح کرلیا، اور معروف عیسائی امیر افسروں کا قلع وقمع کرڈالا، تو پھر ایسے عمدہ موقع پر تجھ کو ہرگز اپنے بیش بہا وقت کو بے کار گنوانا مناسب نہیں، یہ وہ زمانہ ہے کہ تمام عیسائی جو تیرے مقابلے سے بھاگ کر دور دور مقامات میں پناہ گزیں ہوئے ہیں۔ تیری اور تیری فوج کی شجاعت کو اپنے ہموطنوں سے بیان کرکے، ان کے پژمردہ دلوں میں خوف کی مضبوط جڑیں جمارہے ہیں، ایسی حالت میں تجھ کو چاہئے کہ جلد ان کا تعاقب کرے، اور قبل اس کے کہ یہ اپنی پریشان اور منتشر فوج کو فراہم کریں، ان کو ایک دم بھی آرام لینے کا موقع نہ دے، اگر تو نے ایک بار بڑے شہروں کو فتح کرلیا تو پھر تجھ کو کسی قسم کا خوف باقی نہ رہے گا۔ اگر عیسائیوں کو کافی موقع اپنی فوج دوبارہ درست کرنے کا ملا تو تیرے مقابلہ میں پھر اسی قدر فوج مہیا ہوجائے گی، اور تجھ کو از سرِ نو وہی مشکلیں پیش آئیں گی، جن پر تو غالب آچکا ہے''

جولین کی تقریر کا اثر اور امیر طارق کی ہدایات

اس تقریر کا ایسا اثر حاضرین جلسہ پر ہوا کہ انھوں نے ایک دل، اور ایک زبان ہوکر اپنے عزیز امیر سے درخواست کی، کہ اسی رائے کی پابندی کی جائے، اور اپنے گھوڑے کی عنان کو آگے بڑھنے سے نہ روکے، امیر طارق کا خود دلی منشا یہی تھا، اس نے جولین کی رائے پسند، اور اس کی خیر خواہی اور دور اندیشی کی تعریف کی، اور اپنے افسروں کے اصرار پر فوج کو معائنہ کے واسطے حاضر ہونے کا حکم دیا، امیر نے پہلے اپنی فوج کا معائنہ کیا، اور پھر پرجوش الفاظ میں عربوں کو ان کی فتوحاتِ سابقہ یاد دلا کر آئندہ کامیابی کا یقین دلایا۔

مگر اس کے ساتھ ہی اپنی فوج کو یہ بھی اچھی طرح سمجھا دیا کہ میدانِ جنگ میں قواعدِ اسلام کی پوری پوری پابندی کرنی لازم ہے، یعنی عربوں کو انھیں لوگوں کا مقابلہ

کرنا چاہئے جو ہتھیار اٹھا کر ان کے سدّ راہ ہوں، عورتوں اور بچوں اور اُن لوگوں کو جنھیں جنگ سے کوئی تعلق نہیں نہ چھڑیں۔ لشکریوں کے یہ امر بھی ذہن نشین کیا کہ میدانِ جنگ، یا شہر میں لوٹ اور تشدد نہ کریں —— اگر کوئی سپاہی ایسے ناجائز افعال کا مرتکب ہوگا تو اسے سزائے قتل دی جائے گی۔

عربوں کی فتوحات

اس کے بعد طارق نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا، پہلے حصہ کی افسری مغیث الرومی کے سپرد کی، اور شہر قرطبہ فتح کرنے کا حکم دیا، دوسرے حصہ پر امیر زید بن قیصری کو مقرر کر کے شہر ملقون کی طرف روانہ کیا۔ تیسرے حصہ کو اپنے جلو میں رکھا، اور شہر جیان اور اندلس کے پایہ تخت طلیطلہ کو فتح کرتا ہوا شمال کی طرف روانہ ہوا، لیکن قبل اس کے کہ طارق پایۂ تخت کے قریب پہنچے، امیر زید حسب قرارداد شہر استیجہ، ملقون اور البیرہ کو فتح، اور اندلس کی رہی سہی قوت برباد کرتا ہوا، طارق کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ اِن شہروں کے حاکموں نے بسبب اس کے کہ انھیں پہلے ہی سے اس امیر کی فتحیابی کی خبر مل چکی تھی، بغیر لڑائی کے صرف عربوں کو شہر پناہ کے باہر دیکھ کر دروازہ کھول دیا اور خراج دینا قبول کرلیا۔

فتحِ قرطبہ

مغیث الرومی جس کے سپرد فوج کا پہلا حصہ طارق نے کیا تھا، منازل طے کرتا ہوا شہر قرطبہ کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ حاکم شہر کو اطاعت قبول کرنے کا پیام بھیجا، اور اسلامی قواعد کے موافق اہلِ شہر کو یہ پیغام بھی بھیجا کہ اگر تم فوراً اطاعت قبول کرلو گے، اور دروازہ شہر کا کھول دو گے، تو پھر تمہیں جان اور مال کا خوف کچھ باقی نہ رہے گا۔ اور ان کو اس سے بھی مطلع کیا کہ قریب قریب یہ تمام ملک عربوں کے قبضہ میں آچکا ہے، جس کی خبر اس شہر کو بھی پہنچ گئی ہوگی، ایسی حالت میں ہمارے مقابلے کے واسطے تیار ہونا غریب رعایا کی جانوں کو تلف کرنا ہے۔ امیر مغیث نے ان کو یہ بھی اطمینان دلایا کہ وہ خود اہلِ شہر کی جان و مال کا ذمہ دار ہوتا ہے، لیکن باوجود اس اطمینان کے کسی نے عربوں کی اس فہمائش پر توجہ نہیں کی، اور جنگ پر آمادہ ہوگئے، جس کی یہ وجہ

ہوئی کہ حاکم اور اہل شہر کو بہت کچھ بھروسا اُس بقیہ فوج پر تھا، جس کی ایک ٹکڑی میدان وادی لَکّہ سے بھاگ کر اس شہر میں پناہ گزیں ہوئی تھی، اور جس نے اہل شہر کو اطمینان دلایا تھا کہ ہم مسلمانوں کو شہر میں قدم نہ رکھنے دیں گے، غرض جب مغیث الرومی کو یقین ہوگیا کہ حاکم اور رعایا بغیر جنگ ہتھیار نہ رکھیں گے، اور پیامِ صلح کو کمزوری پر مُحَوّل کرتے ہیں۔ اس نے لڑائی کی تیاری شروع کردی اور موقع کا منتظر رہا۔

ایک شب آندھی اور طوفان اور بادل کی گرج نے آسمان اور زمین کو تاریک کردیا، مغیث اپنے خیمے سے باہر آیا، اور بادو باراں کو اپنے حق میں نیک فال خیال کر کے ایک ہزار سواروں کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ قبل ازیں اس نے خفیہ طور سے قلعہ کا کمزور اور غیر محفوظ مقام دریافت کرلیا تھا، اپنے مسلح سواروں کے ہمراہ اس دروازے کے قریب آیا، جو فی الجملہ غیر محفوظ، دریا کے سامنے واقع تھا، وہاں پہنچتے ہی اس نے حکم دیا کہ ہر سوار اپنے گھوڑے کی پشت پر ایک ایک پیادہ کو سوار کرلے، اور دریا کے دوسرے کنارے پر جا اُترے، جب امیر مع اپنے سواروں کے دریا کو عبور کرچکا، اور سب دروازۂ مذکور کے قریب دیوار کے سایہ میں جمع ہوئے، اُس نے پاس بانوں کو غافل پاکر فوراً یورش کا حکم دیا، اور اس دستہ فوج کو جو دروازہ کی حفاظت کے لئے وہاں متعین تھی، قتل کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس طوفان میں بے خبر فوج اور شہر والے اس حملہ کی تاب نہ لاسکے۔ سب نے فوراً اطاعت قبول کرلی، اور صبح ہوتے ہوتے باہر کی فوج بھی شہر میں داخل ہوگئی، البتہ حاکم شہر مع چار سو سواروں کے شہر کی ایک مضبوط اور محفوظ گرجا میں مورچہ بند ہوگیا۔

اس چھوٹی سی جنگ میں عیسائیوں کی معدودہ چند جمعیت نے امید سے زائد دلیری اور شجاعت دکھائی، حتی کہ ان کے دشمن عرب بھی یک زبان ہوکر ان کی تعریف کرتے تھے، ان چار سو آدمیوں میں سے بغیر جان دیئے ایک نے بھی ہتھیار نہ رکھا۔ الغرض مغیث الرومی نے شہر قرطبہ کو فتح کرلیا، اور اس کا انتظام کرنے کے بعد فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ عربوں کی اس کامیابی اور تیز رفتاری نے اِس خطہ کے عیسائیوں کو ایسا

بدحواس اور بے بس کر دیا تھا کہ جس طرف مغیث جا نکلتا تھا، عیسائی اطاعت اور فرمان برداری اس کی قبول کر لیتے تھے۔

شہر قرطبہ مسلمانوں کے عہد میں

جس زمانہ کی تاریخ ہم اس وقت لکھ رہے ہیں اندلس تین حصوں میں منقسم تھا۔ شمالی حصہ؛ وسط کے حصہ میں شریک تھا، اور اس حصہ میں سب سے بڑے شہر قرطبہ۔ غرناطہ۔ ملقون۔ طلیطلہ۔ جیّان۔ المیرتیہ تھے، اور ان سب شہروں میں تفوق شہر قرطبہ کو حاصل تھا۔ مسلمانوں کے عہد میں اس بے نظیر شہر کی مسجد، اور وادی الکبیر کا پُل قابل دید تھا۔ یہ وہ سرزمین ہے کہ جس کی دیواروں کے اندر قوم عرب کے مشہور علماء اور حکماء نے ارسطو اور افلاطون کے صدہا سال کے مردہ فلسفہ کو از سر نو زندہ کیا تھا، جن کی تصانیف اب تک یورپ کے بڑے بڑے کتب خانوں میں موجود ہیں، بلکہ اب بھی تمام یورپ ان علماء کی تصنیفوں سے فیض اٹھا رہا ہے، ایک دوسرے مؤرخ نے اس شہر کی یوں تعریف کی ہے کہ بنی مروان کے عہد حکومت میں قرطبہ اسلام کا دارالعلوم تھا، اس میں ہزاروں میل سے طالب علم مختلف علوم و فنون حاصل کرنے کے واسطے آیا کرتے تھے، اور علم کی روشنی کو دُور دور پھیلایا کرتے تھے، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح ایک شمع تمام کمرے کو روشن کر دیتی ہے، اسی طرح قرطبہ نے اپنے علم کی روشنی سے کل اندلس کو منور کر رکھا تھا، اور وہ وحشی قومیں اس پر رشک کرتی تھیں جو تہذیب و اخلاق کو عربوں سے سیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ چنانچہ وہی وحشی قومیں ہیں جو اس وقت تہذیب و اخلاق میں، اور ہر ایسے فن میں جس پر قوم کی ترقی منحصر ہے کوس لمن الملک (بڑائی کا ڈنکا) بجا رہے ہیں، اور ہر علم و فن کو اطراف و اکناف میں فروغ دے رہے ہیں، اس وقت ہم مسلمانوں کی موجودہ حالت پر بحث کرنا نہیں چاہتے، بلکہ جب عربوں نے اندلس کو رشکِ فردوس اور معدنِ تہذیب بنا دیا تھا، اس زمانہ کی ایک مختصر تصویر پیش

کر کے اپنا اصل مطلب شروع کریں گے۔ شہر قرطبہ خود ایک سرسبز اور پرفضا مقام پر واقع تھا، اس کے مشہور دریا کا پانی نلوں کے ذریعہ سے دور دور پہونچایا جاتا تھا۔ عربوں نے اس سرزمین کی سرسبزی اور شادابی کو اپنے علم وکمال سے اس قدر ترقی دی تھی، کہ تمام ملک کو ایک باغ پُر بہار ہمیشہ کے لئے بنادیا تھا۔ ہر طرف درخت ہائے میوہ دار سرسبز وشاداب پانی پر سایہ فگن تھے، اور ہر جانب پھولوں کی مہک سے ہوائے دشت وکہسار مُعطّر، اگر ایک طرف کسانوں کی محنت سے سبز کھیت ہوا کے جھوکوں سے لہرارہے تھے، تو دوسری جانب ہریالی کا فرش زمرّدیں کوسوں تک انسان کی نگاہ کو لبھا رہا تھا۔ ایک روز سلطان یعقوب المنصور بن سلطان یوسف بن سلطان عبدالصمد بن علی نے اپنے ایک بڑے امیر سے پوچھا کہ قرطبہ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر قرطبہ اور بغداد کو ہم جنت کہیں تو بجا اور زیبا ہے۔

تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اندلس کے فتح کرنے کے بعد چند ہی روز میں عربوں نے اس سرزمین کی ماہیت کو بدل دیا تھا۔ میوہ جات، اندلس کو صرف عربوں کی بدولت نصیب ہوئے، اور جو دلکش اور حیرت انگیز عمارتیں عربوں نے اس ملک میں بنائیں، اور جن کے آثار اب تک موجود ہیں، تمام دُنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتی ہیں۔ جن کی سیر کے لئے بڑے بڑے سیاح ہر ملک سے تکلیفِ سفر گوارا کرتے ہیں۔ اور عربوں کی صنعت اور دستکاری کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ ایک شاعر اس شہر کی تعریف یوں کرتا ہے:

بِاَرْبعٍ فَاقَتِ الاَمْصَارَ قُرْطُبَة ۞ مِنهُنَّ قَنْطَرَةُ الوَادِی وَجَامِعُها

هَاتَانِ ثِنْتَانِ والزَّهْراءُ ثَالِثَةٌ ۞ وَالْعِلْمُ اَعْظَمُ شيءٍ وَهُو رَابِعُها

(ترجمہ: شہر قرطبہ چار چیزوں کی وجہ سے تمام شہروں سے بُرتر ہوگیا ہے۔

ان میں سے ایک وادی الکبیر کا پُل ہے، اور (دوسری) اس کی جامع مسجد ہے۔

یہ دو ہیں اور قصر الزہراء تیسری ہے، اور علم سب سے افضل ہے اور وہ قرطبہ کی چوتھی چیز ہے)

اندلس میں عربوں نے حکمت وصنعت، حرفت وعلم کا بازار کھول دیا تھا، جہاں ہر فرد بشر بلا لحاظ قوم وملت، تمدن کے ہر علم وفن کی تعلیم پاتا تھا۔ یورپ کے زمانۂ جاہلیت کے اندھیرے میں اگر کہیں علم وفن کا چراغ ٹمٹماتا نظر آتا تھا، تو وہ ان عربوں ہی کے شمعِ علم کا پرتو تھا، ابن رُشد، سافلاسفر اور ابو (علی) سینا اور ابن باجہ سے حکمائے حاذق اور ان کے ہم فن، اور دوسرے علماء کی بدولت یورپ نے ارسطو اور افلاطون کو پہچانا، یورپ کے تمام مشہور ومعروف مؤرخین مثل گبن نے خود یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ہر علم کے موجد عرب کے علماء تھے، یورپ نے ان علوم وفنون کو اِس درجہ ترقی دی ہے کہ جس کو آج ہم حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔

الغرض یہ جنگ وادی لَکَہ [1] اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد تھی جس کو عربوں نے سات سو (۷۰۰) برس تک اس ملک میں قائم رکھا، اور یہ بہت صحیح قول ہے کہ اس فتح کی یادگار میں صرف عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا بلکہ کل یورپ اور دوسرے ملکوں نے اس سے فیض حاصل کیا ہے، حالی ہمارے اس مطلب کو اپنی نظم میں یوں ظاہر کرتے ہیں:

وہ تارے جو تھے شرق میں لمعہ افگن ۞ پہ تھا جن کی کرنوں سے تاغرب روشن [2]

نوشتوں سے جن کے ہیں اب تک مزین ۞ کتب خانہ پیرس وروم ولندن

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ علم کی تمام دنیا انھیں تاروں سے روشن ہوئی جس کی روشنی اب تک قائم ہے، اور تاقیامت اسی طرح قائم رہے گی۔

امیر طارق کی دیگر فتوحات

اب ہم پھر عنان قلم کو اپنے اصلی مقصود کی طرف منعطف کرتے ہیں۔ یہ تحریر ہوچکا ہے کہ امیر زید اور امیر مغیث الرومی نے اپنے فرائض منصبی کو کس خوبی سے ادا کیا، اب دیکھنا یہ ہے کہ سپہ سالار یعنی امیر طارق بن زیاد جو فوج کا تیسرا حصہ اپنے ہمراہ لے کر اندلس کے

(۱) انگریزی میں گوادے ہرسٹ کہتے ہیں۔

(۲) لَمعہ افگن: روشنی ڈالنے والا، روشن ـــــ پہ: پَر کا مخفف: لیکن، مگر (محمد امین)

وسط میں داخل ہوا تھا۔ اس نے کیا کیا؟ اور کہاں تک پہنچا؟ امیر طارق اپنے دونوں امیروں کو روانہ کر کے خود راستہ کے شہروں کو فتح کرتا ہوا، اور اہل اندلس کی رہی سہی قوت کو مٹاتا ہوا، شہر طلیطلہ دار السلطنت اندلس میں جا پہنچا۔ اور شہر کے دروازے کے روبرو فوج کے ہمراہ خیمہ زن ہوا۔ عربوں کی فتحیابیوں نے دشمنوں کا کام تمام کر دیا تھا، جب اہل شہر نے طارق کے آنے کی خبر سنی، فوج کے پہنچنے کے قبل ہی انھوں نے شہر خالی کر دیا تھا۔ امیر شہر میں داخل، اور قصر شاہی میں لبِ دریائے ٹیگس فروکش ہوا۔ اس قصر میں بہت کچھ سامان از قسم زر و جواہر اس کے ہاتھ آیا، جس میں پچیس (۲۵) تاج شاہی بھی شامل تھے، ہر تاج پر مختلف بادشاہوں کے نام، اور ان کی عمر اور زمانہ حکومت کندہ تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جلوس کے وقت ہر بادشاہ کے لئے نیا تاج تیار ہوتا تھا، اور اس کے انتقال کے بعد خزانہ میں رکھا جاتا تھا۔ طارق نے کچھ فوج شہر کی حفاظت کے لئے متعین کی، اور خود مع بقیہ فوج آگے بڑھا۔ وادی الحجارۃ اور درّہٗ کوہ سے جو ابِ فجِ طارق کے نام سے مشہور ہے گزر کر؛ مدینۃ المبدۃ میں پہنچا، اس پہاڑ پر اسے ایک میز ملی، جس کے پائے زمرّد کے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ میز حضرت سلیمان علیہ السلام کی تھی۔ علاوہ اس کے اور بھی اس قدر مال اس کو ملا جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اس مال میں نہایت عمدہ اور بکار آمد کتابیں علم حکمت اور طب کی شامل تھیں، جن کے مصنف یونانی تھے، بعض مؤرخین کا قول ہے کہ اس قدر دورہ کے بعد طارق طلیطلہ واپس چلا آیا، اور بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ صوبہ جلیقۃ کو فتح کرنے کے بعد واپس آیا تھا۔ بہر کیف امیر طارق کا طلیطلہ واپس آنا ثابت ہے، اِس کے واپس ہوتے ہی اس کو موسیٰ بن نصیر کے اندلس میں داخل ہونے کی خبر ملی۔
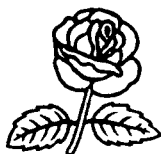
باب سوم

موسیٰ بن نصیر کا اندلس میں داخل ہونا ـــــ اس کی فتوحات ـــــ طارق سے ملاقات ـــــ طارق کی معزولی ـــــ طارق کا بحال ہونا ـــــ عربوں کا فرانس میں داخل ہونا ـــــ عبدالعزیز کی فتوحات ـــــ خلیفہ کا حکم موسیٰ کے نام ـــــ موسیٰ کا شام واپس ہونا ـــــ خلیفہ سلیمان کی تخت نشینی ـــــ موسیٰ کا انتقال ـــــ عبدالعزیز کا قتل ـــــ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ـــــ ایوب اور الحر اور السمح کا یکے بعد دیگرے والی مقرر ہونا ـــــ عبدالرحمن اور عنبسہ کا والی مقرر ہونا ـــــ امیر عذرہ وغیرہ۔

موسیٰ بن نُصَیر کا اندلس میں داخل ہونا

موسیٰ بن نصیر جب اندلس میں داخل ہوا، اور اُس نے سنا کہ طارق باوجود ممانعت، اس وقت تک پے در پے فتوحات حاصل کر رہا ہے۔ موسیٰ بہت ناراض اور کبیدہ خاطر ہوا، اور طارق کی تنبیہ کے لئے خود طلیطلہ جانے کا مصمم ارادہ کیا، اور اٹھارہ ہزار سواروں کو تیاری کا حکم دیا۔ لیکن اسی اثناء میں جولین کے جاسوسوں نے سپہ سالار سے عرض کیا کہ ابھی بڑے بڑے شہر باقی رہ گئے ہیں، جو اب تک فتح نہیں ہوئے، وہ اس راہ میں پڑتے ہیں جو شہر طلیطلہ کو جاتی ہے، اور اس راہ سے جسے طارق نے اختیار کیا بہت قریب ہے۔

شہر شدونہ اور قرمونہ کی فتح

اگرچہ موسیٰ بن نصیر کی تمام عمر میدان جنگ میں بسر ہوئی تھی، لیکن عالم پیری میں بھی اس میں وہی جوش اور ہوس فتوحات باقی تھی، اس نے اِن جاسوسوں کی رائے پسند کی، اور شہر

شدونہ (۱) کو فتح کرتا ہوا شہر قرمونہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ قلعہ تمام قلعجات اندلس سے زیادہ تر مضبوط اور مستحکم تھا۔ اس کی تسخیر میں عربوں کا بہت وقت صرف ہوتا، لیکن خوش قسمتی سے وہی لوگ جو امیر موسیٰ کی سدِراہ تھے، اس قلعہ کے فتح کے بھی کفیل ہو گئے، یعنی پہلے اس کے کہ فوج عرب شہر کے قریب پہنچتی یہ جاسوس پیشتر ہی سے بھاگ کر شہر کے اندر گھس گئے، اور یہ بیان کیا کہ ہم موسیٰ کی فوج سے ڈر کر آئے ہیں۔ اہل شہر نے ان کی مزاحمت نہیں کی۔ اسی عرصہ میں عرب بھی قلعہ تک آپہنچے۔ شب کو ان جاسوسوں نے موقع پا کر دروازہ کھول دیا۔ موسیٰ جو اسی امر کا منتظر تھا فوراً اپنی فوج کے ہمراہ شہر میں داخل ہو گیا۔ اہل شہر ان واقعات سے بالکل بے خبر تھے، ایسے ہراساں ہوئے کہ فوراً اطاعت قبول کر لی۔

شہر اشبیلیہ کی فتح

اس کے بعد موسیٰ نے شہر اشبیلیہ کا عزم کیا۔ یہ شہر اندلس کے مشہور شہروں میں گنا جاتا تھا۔ اور نہایت وسیع تھا، اس کی چار دیواری کے اندر خوشنما اور نفیس عمارتیں بنی ہوئی تھیں، جن کی سیر کو دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے۔ اس کی شان و شوکت گواہی دیتی تھی کہ کسی زمانہ میں یہ پایۂ تخت ہوگا۔ چنانچہ اب تک پوپ کا قائم مقام اسی میں مقیم تھا۔ چند روز اس کی مستحکم دیواروں نے عربوں کے حملہ کو روکا۔ لیکن جب اہلِ شہر کو اپنی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انھوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ موسیٰ شہر میں داخل ہوا، اور شہر میں اسی قدر فوج جس سے حفظ امن قائم رہے، معین کر کے مریدۃ آیا۔

شہر مریدۃ کی فتح

یہ شہر بھی مثل اشبیلیہ عمدگی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا، اور اس کی فصیل بھی مضبوط اور مستحکم تھی، امیر موسیٰ نے متواتر اس پر حملے کئے، لیکن ایک بھی بکار آمد نہ ہوا، جب سپہ سالار نے دیکھا کہ یہ قلعہ معمولی تدبیروں سے فتح نہیں ہو سکتا، اس نے دیوار کے توڑنے کے لئے خاص ایک کَل (مشین) تیار کی، جس

(۱) انگریزی میں سدونیا کہتے ہیں۔

میں سپاہی بیٹھ کر دیوار کے قریب پہنچے، اور اس کے ایک حصہ کو منہدم بھی کیا۔ عیسائی پہلے ہی ہوشیار ہو گئے تھے۔ دیوار کے منہدم ہوتے ہی انھوں نے عربوں پر سخت حملہ کیا، اور جس قدر کہ عرب اس کَل کے ہمراہ تھے سب کو قتل کر ڈالا، چنانچہ اب تک وہ بُرج شہداء کے نام سے مشہور ہے۔

موسیٰ بن نصیر کی حکمت عملی

جب موسیٰ کی یہ تدبیر بیکار گئی تو وہ اہل شہر سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا، شہر کے چند نام آور آدمی موسیٰ کے پاس حاضر ہوئے، جب یہ خیمہ کے اندر داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص سفید ریش جس کے چہرہ سے آثار دلیری اور شجاعت نمایاں ہیں، خیمہ کے وسط میں بیٹھا ہے، اور عرب امراء گرد جمع ہیں، سپہ سالار کے رُعب دار چہرہ سے یہ بہت متاثر ہوئے۔ بہرکیف اس روز کسی امر کا فیصلہ نہیں ہوا، اور مجلس دوسرے روز مقرر ہوئی۔ رات کے وقت موسیٰ نے اپنی سفید ڈاڑھی میں حنا کا خضاب لگایا، صبح کو جب عیسائی پھر حاضر ہوئے تو سپہ سالار کی سُرخ ڈاڑھی دیکھ کر نہایت متحیر ہوئے، امیر نے اس روز بھی تصفیہ ملتوی کیا۔ تیسرا روز قرار پایا، موسیٰ نے اس مرتبہ اپنی سرخ ڈاڑھی کو خضاب سے بالکل سیاہ کر لیا۔ جب عیسائی امراء اس کے سامنے آئے تو انھوں نے دیکھا کہ سفید ڈاڑھی جو پہلے سُرخ ہو گئی تھی، اب وہ ایک رنگ سیاہ ہے، ایک بال بھی سفید و سرخ نظر نہیں آتا۔ امیر ان کے بُشرے سے فوراً سمجھ گیا کہ اس کی حکمت عملی نے عیسائیوں پر خاطر خواہ اثر کیا، پس پھر ان کو شرائط صلح پر غور کرنے کی اجازت دی، شہر میں پہنچنے کے بعد انھوں نے حاکم اور رعایا کے روبرو اس عجیب و غریب قصہ کو بیان کیا، اور کہا کہ جس قوم میں بڈھے سے جوان ہو جانے کی قدرت موجود ہو، اس سے لڑنا محض اپنی جانوں کو تلف کرنا ہے، مناسب یہی ہے کہ شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں، اور ہم ہتھیار رکھ کر اس کی اطاعت قبول کر لیں، اس تقریر کا سامعین پر ایسا اثر ہوا کہ انھوں نے اپنے حکمرانوں کی رائے بغیر کسی عذر کے تسلیم کر لی۔ یہ اسی وقت امیر

موسیٰ کے پاس واپس آئے، اور جو شرائط ذیل امیر نے پیش کئے تھے وہ قبول کر لئے۔

① یہ کہ تمام مال از قسم زر و جواہر عربوں کو دیدیا جائے۔

② رعایا ہتھیار رکھدے۔

③ جو لوگ بھاگ گئے ہیں ان کی جائدادیں ضبط کر لی جائیں، اور جو لوگ شہر میں موجود ہیں ان کے جان و مال اور مذہب میں عرب کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں، سپہ سالار ان کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہے۔

④ عیسائی اپنے قانون اور مذہب کے عوض جزیہ دینا قبول کریں۔ اور اگر کوئی عیسائی اسلام اختیار کرنا چاہے تو اس کا کوئی مانع اور مزاحم نہ ہوگا، اور عیسائی بلا اجازت نئے گرجا نہ بنائیں۔

عیسائیوں کی بغاوت اور اس کی سرکوبی

تکمیل صلح کے بعد موسیٰ بن نصیر اپنے لشکر کے ہمراہ شہر میں داخل ہوا، لیکن جب موسیٰ قلیل فوج وہاں چھوڑ کر آگے روانہ ہوا، عیسائیوں نے خلاف عہد بغاوت کا علم بلند کیا۔ لیکن عبدالعزیز بن موسیٰ نے جو حال ہی میں سات ہزار سواروں کے ہمراہ افریقہ سے آیا تھا، اور اشبیلیہ روانہ کیا گیا تھا فوراً اسّی (۸۰) عربوں کے خون کا جن کو باغیوں نے قتل کیا تھا پورا انتقام لیا۔

موسیٰ کی طارق سے ملاقات اور اس کی معزولی

بعد ازاں امیر موسیٰ نے طلیطلہ کا عزم کیا، اور شوال سنہ ۹۴ھ میں اس طرف روانہ ہوا۔ جب سپہ سالار کے آنے کی خبر امیر طارق کو پہنچی، وہ اپنی فوج کے ہمراہ موسیٰ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا، اور سپہ سالار کے سامنے گھوڑے سے اتر کر مؤدبانہ کھڑا ہوا، اور جو مال اس کے حصہ میں آیا تھا وہ سب امیر کے پیش کش (ہدیہ) کر دیا۔ برخلاف اس کے کہ موسیٰ اس سے سختی کے ساتھ پیش آیا، اور بحالت غصہ عدول حکمی کا سبب پوچھا، اگرچہ تمام فوجی افسر طارق کی تعریف میں

ہم زبان تھے، اور سب نے بیان کیا کہ اسلام کے لئے اس نے جو جو مصیبتیں اٹھائی ہیں، اور میدان جنگ میں جو بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے وہ نہایت ہی قابل قدر ہیں۔ لیکن سپہ سالار نے ایک کی سفارش نہ سنی، طارق سے تمام مال مع میز حضرت سلیمانؑ (علیہ السلام) جس کا ایک پایہ گم ہو گیا تھا، لے کر اس کو قید، اور بجائے اُس کے مغیث الرومی کو مامور کیا۔

طارق کا بحال ہونا

موسیٰ بن نصیر کا یہ عتاب صرف عدول حکمی کی وجہ سے تھا، جو افسران فوج میں نہایت خوفناک سمجھی جاتی تھی، موسیٰ کو اس تنبیہ سے صرف یہ منظور تھا کہ دوسروں کو عبرت ہو، اور وہ طارق کی تقلید سے اجتناب کریں۔ فی الحقیقت موسی طارق کی بے نظیر فتوحات سے بہت خوش تھا، چنانچہ موسی نے دیکھا کہ اس تنبیہ سے دوسرے فوجی افسر خاطر خواہ متاثر ہو گئے ہیں، تو اس نے طارق کو قید سے رہا کر کے اسے پھر اپنے لشکر کی سپہ سالاری پر مامور کیا۔

بعض یورپین مؤرخین کا خیال اور اس کی تردید

بعض یورپین مؤرخین کا خیال ہے کہ موسیٰ کی خفگی طارق پر بہ سبب عدول حکمی نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کی مسلسل کامیابیوں نے موسیٰ کے دل میں حسد اور بغض پیدا کر دیا تھا۔ اسی سبب سے موسیٰ نے اپنا حکم امتناعی جاری کیا تھا، اور اس کی تعمیل جیسا کہ ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں طارق نہیں کر سکا، کونڈیز لکھتا ہے کہ سپہ سالار نے خود اپنی خواہش سے طارق کو رہا نہیں کیا، بلکہ طارق نے اپنا مرافعہ خلیفہ وقت کے سامنے پیش کیا تھا، اور خلیفہ نے موسیٰ کو اس کی رہائی اور بحالی کا حکم دیا تھا[1]۔

ہم یورپین مؤرخین کے اس بیان کو چند وجوہ سے تسلیم نہیں کر سکتے، پہلے یہ کہ اندلس سے دمشق کو آنا جانا اس زمانہ میں ایک دو روز کا کام نہ تھا، بلکہ مہینوں کا راستہ

(۱) ''عرب ان اسپین'' مصنفہ کونڈیز۔

تھا۔اور عرب مؤرخین لکھتے ہیں کہ عتاب کے تھوڑے ہی زمانہ بعد موسیٰ نے طارق کی خطا معاف کردی۔

دوسرے یہ کہ اگر طارق کی خدمتوں نے سپہ سالار کو فی الحقیقت اس کا دشمن جانی بنادیا تھا، تو پھر طارق کے قتل کر دینے میں کون سا امر مانع تھا، دمشق ہزاروں میل پر واقع؛ افریقہ اور اندلس کا انتظام موسیٰ کے سپرد، یہاں کی تمام فوج اور افسر موسیٰ کے محکوم، ان تمام واقعات کو طارق اچھی طرح جانتا تھا، پس موسیٰ کی شکایت خلیفہ سے کرنا قریب قیاس نہیں، یورپ کے مؤرخین کی تردید اسی سے ہوتی ہے کہ طارق کی رہائی کے بعد امیر موسیٰ نے اسے اپنے لشکر کا افسر اعلیٰ بنادیا، موسیٰ کے بعد فوجِ اندلس کا اعلیٰ افسر طارق ہی تھا۔

تیسرے یہ بھی قیاس میں نہیں آتا کہ خلیفۂ وقت محض طارق کی سرسری فریاد پر بغیر دریافت موسیٰ سے جلیل القدر اور ذمہ دار بلکہ خودمختار سپہ سالار کے مقابلہ میں یہ حکم صادر کرتا۔

طارق کی فتوحات اور موسیٰ کا انتظام

الغرض ان دونوں امیروں کی مصالحت سے تمام لشکر کو مسرت اور اطمینان ہوا، امیر موسیٰ نے طارق کو بڑی فوج کے ہمراہ آگے روانہ کیا، اور آپ خود لشکرِ اسلام کے ساتھ اس کے عقب میں کوچ کیا۔ ان دونوں نے شہر ارغون [1] سے گزر کر شہر اور صوبہ سرقسطہ [2] کو فتح کرلیا، اور ملک اندلس کے وسط میں بہت دور تک نکل گئے، طارق نے جس شہر کا محاصرہ کیا اس کو فتح ہی کر کے چھوڑا، یہ شہر اور بلاد فتح کر کے آگے بڑھتا تھا، اور اس کے عقب میں سپہ سالار مقاماتِ مفتوحہ کا انتظام، اور جو معاہدے طارق شہر مفتوحہ کے حاکموں سے کرتا تھا انہیں بغیر کسی ردوبدل کے منظور کرتا ہوا آرہا تھا۔

(۱) انگریزی میں اراگان کہتے ہیں۔
(۲) انگریزی میں ساراگوسا کہتے ہیں۔

طارق وموسیٰ کا فرانس میں داخل ہونا

جب ان امیروں نے تقریباً تمام ملک فتح کرلیا، اور ہر شہر اور مشہور قلعوں پر اسلامی پھریرہ (جھنڈا) ہوا میں غرور اور تمکنت سے اڑنے لگا، ان دونوں کو جو جبل البرتات [۱] یعنی سرحد ملک فرانس تک پہنچ گئے تھے، سرزمین فرانس کے دیکھنے کا از حد شوق پیدا ہوا، سرحد کے قریب سپہ سالار نے چندروز فوج کے انتخاب میں بسر کئے۔ جو لوگ ہمراہ چلنے کے لئے تیار تھے ان کو جمع کر کے ملک فرانس میں داخل ہوا۔ اور بغیر کسی تعرض ومزاحمت کے اس کے بڑے بڑے شہر مثل برشلونہ [۲] اور اربونہ [۳] پر قبضہ کرتا ہوا دریائے رون کے کنارے خیمہ زن ہوا، اور شہر لیون [۴] کے مستحکم قعلہ پر اسلامی جھنڈا نصب کردیا۔

ہم نے متعدد تاریخوں کو دیکھا، لیکن ٹھیک طور سے پتہ نہیں چلتا کہ عرب فرانس کی سرزمین میں کہاں تک پہنچ گئے تھے، کسی مؤرخ نے مقام کا تعین نہیں کیا۔ جن مؤرخین سے ہم نے مدد لی ہے وہ اسی قدر لکھتے ہیں کہ عرب بہت دور تک نکل آئے تھے۔ یہ ثابت ہے کہ عرب شہر اربونہ تک داخل ہوگئے تھے، اور یہ شہر قرطبہ [۵] سے تین سو پچاس فرسخ یعنی ایک ہزار پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

ایک عجیب وغریب عبارت سے موسیٰ کا ہراساں ہوکر فرانس کی مہم سے واپس ہونا۔

ایک مؤرخ کا قول ہے کہ جب موسیٰ اور طارق شہر لیون سے آگے بڑھے تو اثنائے راہ میں بہت سی عمارتوں کے کھنڈر دیکھے، اس کے وسط میں ایک ستون جس کی

(۱) پرنیز (۲) انگریزی میں بارسلونا کہتے ہیں۔ (۳) انگریزی میں ناربون کہتے ہیں (۴) انگریزی میں لائنز کہتے ہیں۔ (۵) انگریزی میں کارڈوا کہتے ہیں۔

بلندی کا ٹھیک اندازہ نہیں ہوسکتا نصب تھا، اس کے ایک جانب عجیب وغریب عبارت کندہ تھی، جس کا مفہوم یہ تھا ''اے اولادِ اسماعیل! یہاں تک تم پہنچ گئے، اب واپس ہوجاؤ''۔ دوسری طرف اسی عبارت کے سلسلہ میں یہ الفاظ کندہ تھے کہ ''اگر تم اس پتھر کے آگے بڑھے تو یہاں سے تم خانہ جنگیوں میں مبتلا ہوجاؤ گے، اور تمہاری قوت منتشر ہوجائے گی'' موسیٰ اس حیرت انگیز اور پُرخوف واقعہ سے ہراساں ہوا، اور فوجی افسروں سے مشورہ کیا، وہ مختلف الرائے تھے، لیکن امیر موسیٰ کو اس کے بعد آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی، اور جمعیت کو واپس ہونے کا حکم دیا۔

فرانس کی مہم کے بارے میں بعض مؤرخین کی رائے اور اسکی تردید

مہم فرانس کی نسبت بعض مؤرخین کا قول ہے کہ عرب اس ملک میں داخل ہی نہیں ہوئے، بلکہ موسیٰ اندلس کے صوبہ جلیقیہ کے فتح کرنے میں مشغول تھا کہ مغیث الرومی جو طلیطلہ کے فتح ہوجانے کے بعد دمشق چلا گیا تھا واپس آیا، اور سپہ سالار سے عرض کی کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے تمہیں شام واپس ہونے کا حکم دیا ہے۔

لیکن ان مؤرخین کی یہ رائے صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ علاوہ مؤرخین عرب کے بعض نامور مؤرخین یورپ نے بھی فرانس میں عربوں کی فتوحات کا ذکر کیا ہے، چنانچہ گبن نے اپنی بے نظیر تصنیف جس میں روما کی ترقی اور تنزل کا حال بڑی فصاحت سے تحریر کیا ہے، بیان کرتا ہے کہ اگر چارلز مارٹل عربوں کو فرانس کے وسط میں شکست نہ دیتا، اور سوبی اسکی، شاہ پولنڈ ترکوں کا سرحد جرمنی پر مزاحم نہ ہوتا، تو اس زمانہ میں یورپ اور انگلستان کے تمام بڑے بڑے مدرسوں اور یونیورسٹیز میں بجائے انجیل کے قرآن کا درس طلبا کو ملتا، پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربوں نے فرانس کا کچھ حصہ ضرور فتح کیا تھا، لیکن یہ اس ملک سے تھوڑے ہی عرصے میں نکال دیئے گئے، یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔ موسیٰ فتح کے شوق میں یہاں تک چلا آیا تھا۔ نہ تو اس نے رسد

کے پہنچنے کا راستہ قائم کیا تھا، اور نہ امداد کا بندوبست۔

موسیٰ بن نُصَیر کا تنزل

دنیا میں ہر فرد بشر کو لازم ہے کہ ترقی کے ساتھ تنزل کا بھی خیال رکھے، کیونکہ ترقی و تنزل ہر مخلوق کے ساتھ توام خلق (جڑواں پیدا) ہوئے ہیں، خواہ آدمی ہو یا حیوان، درخت ہو یا پھول، موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے وہ کام کرائے جو تا قیام قیامت صفحہ ہستی پر منقش رہیں گے، لیکن یہ نامور سپہ سالار اگرچہ شجاعت اور تدبیر میں اپنا آپ نظیر تھا، پھر انسان تھا جب اس کا ستارۂ اقبال کمال اوج پر پہنچا تو اس میں آثارِ تنزل نمودار ہونے لگے، اس کی عزیز اور جاں نثار فوج کو کیا خبر تھی کہ اس ہر دلعزیز امیر پر مصیبت کا آسمان ٹوٹنے والا ہے، اور فوج اندلس جس کے ذریعہ سے اس نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کی تھیں، اب گویا یتیم ہونے والی ہے۔ موسیٰ بھی اپنی قسمت کے زوال سے لاعلم، اپنی جاں نثار فوج کی آسائش اور اسلام کی ترقی میں مصروف تھا کہ مغیث نے اس کو واپسی دمشق کا حکم سنایا۔

عبدالعزیز بن موسیٰ کی فتوحات

لیکن قبل اس کے کہ ہم اس حصہ تاریخ کو جس کا تعلق موسیٰ کی ذات سے ہے ختم کریں، مختصر طور پر اس امیر کے لائق بیٹے عبدالعزیز کی فتوحات کا ذکر اس مقام پر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جو موسیٰ کے دمشق واپس جانے کے قبل وقوع میں آئی تھیں[1]۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ جب موسیٰ طلیطلہ روانہ ہوا تو عبدالعزیز نے اپنی تھکی ماندی فوج کو چند روز آرام دیا، اور بعد ازاں غرب کے صوبوں کے فتح کرنے کی جانب متوجہ ہوا، اور تھوڑے ہی زمانہ میں اس کُل حصے کے بڑے بڑے شہروں پر اس نے اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

(۱) اصل نسخہ میں "آئے تھے" ہے (محمد امین)

عبدالعزیز کی میدان لوک میں شاندار فتح

اس کے بعد اس نے جنوب کا قصد کیا، جہاں عالی خاندان اور بہادر سپہ سالار تدمیر نے عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا، اور خود جنوبی حصہ کا بادشاہ بن بیٹھا تھا، عرب اس کو وقعت کی نظروں سے دیکھتے تھے، بالخصوص جو بے نظیر کارنمایاں اس سے جنگ وادی لکہ میں ظہور میں آئے تھے ان سے عرب خوب واقف تھے۔ جب تدمیر کو امیر عبدالعزیز کے آنے کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنی باقی فوج کو درست کیا، اور مقابلہ کے واسطے بڑھا۔ یہ عیسائی خوب سمجھا ہوا تھا کہ کھلے ہوئے میدان میں عربوں کا مقابلہ کرنا دشوار ہے۔ عربوں کے حملہ سے یہ بخوبی واقف تھا، اور جانتا تھا کہ عیسائی فوج اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اس نے جنگ کا بالکل نیا طریقہ اختیار کیا، اور کمال تدبیر و ہوشیاری سے درّہ ہائے کوہ اور محفوظ مقامات پر اپنی فوج کو مورچہ بند کر دیا، جہاں سے بغیر اپنے ذاتی نقصان کے عربوں کو بہت کچھ مضرت اور تکلیف پہونچا سکتا تھا۔ عبدالعزیز نے بہت کوششیں کیں کہ عیسائی فوج کو دھوکا دے کر کسی طرح کھلے میدان میں لے آئے، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ باوجود اس ناکامیابی کے عبدالعزیز بھی اپنے ارادے سے باز نہ آیا، اور نہایت استقلال کے ساتھ موقع کا منتظر رہا، بالآخر خوش تدبیری اور طالع کی یاوری سے مظفر و منصور ہوا، تدمیر نے بہت کچھ چالاکی اور ہوشیاری کی، لیکن عبدالعزیز نے وہ جال چار طرف بچھایا کہ تدمیر کو مجبوراً میدان لوک[1] میں عربوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس میدان میں ایک عظیم الشان جنگ ہوئی۔ عیسائیوں نے اپنے رہے سہے ملک کے بچانے میں جان کی پروانہ کی، اور نہایت دلیری اور شجاعت سے عربوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

لڑائی شروع ہوئے عرصہ ہوگیا تھا، عیسائی فوج کی ردی اور نازک حالت ہوتی جاتی تھی، تدمیر خود اپنی فوج کا دل بڑھاتا تھا، اور اسے لڑائی کی ترغیبیں دیتا تھا، اور

(۱) انگریزی میں لوگو کہتے ہیں۔

آپ چاروں طرف پھر رہا تھا، کہ اتنے میں اس کی نظر عربی سواروں پر پڑی، کہ نیزے ہاتھوں میں بلند کئے مثل طوفان خیز دریا کے امنڈ رہے تھے، ان کے سفید عماموں کے شملے دور سے ہوا میں اڑتے ہوئے مثلِ کفِ دریا معلوم ہوتے تھے۔ اگر اِس عیسائی کو کسی چیز سے خوف تھا تو انھیں سواروں کے حملوں کا تھا، جسے کوہ آہنی بھی روک نہیں سکتا تھا۔ ایسے نازک وقت میں یہ وحشت ناک سماں دیکھتے ہی تدمیر کی رہی سہی امید بھی جاتی رہی، اور اس کے ہاتھ سے تلوار زمین پر گر پڑی، اور وہ خود سکتے کی حالت میں اس طوفان کا تماشا دیکھنے لگا، کہ ان سواروں نے تدمیر کی فوج سے ٹکر کھائی، اور مانند اس بے خوف موجِ دریا کے جو ایک بار کسی سبب سے تھم کر دو چند قوت سے آگے نکل جاتی ہے۔ یہ سوار راستہ کاٹتے ہوئے اس منتشر اور پریشان فوج کے قلب میں داخل ہو گئے، تدمیر کی فوج پہلے ہی بے دل ہو چکی تھی، اس سخت حملہ کی تاب نہ لا سکی، تدمیر جب اپنی سکتہ و تحیر کی حالت سے چونکا تو دیکھا کہ فوج چار طرف بھاگ رہی ہے، اور عرب اس منتشر اور بدحواس سپاہ کے تباہ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اس نے ان سواروں کو جو اس کے گرد تھے جمع کیا، اور بھاگ کر قلعہ اوری اولہ کی مضبوط چار دیواری میں پناہ گزیں ہوا، عربوں نے قلعہ تک ان کا تعاقب نہ چھوڑا۔

تدمیر کی دور اندیشی اور معاہدۂ صلح

کچھ عرصے کے بعد جب تدمیر کے ہوش وحواس درست ہوئے تو کیا دیکھتا ہے کہ ہمراہی بہت تھوڑے رہ گئے ہیں، جو عربوں کے روکنے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ گویہ وقت اس بہادر عیسائی پر قیامت سے کم نہ تھا۔ مگر اس بلند ہمتی اور مستقل مزاجی نے ایسے نازک موقع پر بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا، قبل اس کے کہ عرب قلعہ کے قریب پہنچتے تدمیر نے فوراً عورتوں کو حکم دیا کہ مردانہ لباس پہن کر، اور بالوں کو ٹھوڑیوں کے نیچے باندھ کر قلعہ کی دیواروں اور مورچوں پر کھڑی ہو جائیں، اس کی اس تیز فہمی اور حکمت عملی سے عربوں کے دل متاثر ہوئے، جس دم عبدالعزیز اپنی فوج کے ہمراہ قلعہ کے

قریب پہنچا تو دیکھا کہ قلعہ کی مستحکم دیواروں اور مورچوں پر بے شمار فوج تیار کھڑی ہے، متعجب ہوا کہ تھوڑے زمانہ میں تدمیر نے اتنی فوج کثیر کہاں سے فراہم کر لی۔ اس نے اپنی فوج کو روک کر بکمال احتیاط قلعہ کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ کے انتظام سے فارغ ہی[1] ہوا تھا کہ قلعہ کا دروازہ کھلا، اور ایک سوار اندر سے نکل کر عربوں کے لشکر میں آیا اور امیر عبدالعزیز سے ملنے کی درخواست کی، امیر نے فوراً باریابی کی اجازت دی، سوار نے خیمہ کے اندر حاضر ہو کر عرض کی کہ تدمیر نے بغرض صلح مجھے تمام اختیارات عطا کر کے بھیجا ہے، عبدالعزیز عورتوں کی فوج سے دھوکہ کھا ہی چکا تھا، صلح کر لینا مناسب سمجھا۔ چنانچہ حسب معاہدۂ ذیل فریقین میں صلح ہو گئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

① عبدالعزیز بن موسیٰ اور تدمیر بن گبداس آپس میں صلح کرتے ہیں۔ خدا ہر فریق کو اس پر قائم رکھے۔

② تدمیر کی حکومت حسب دستور سابق اس حصۂ ملک پر قائم رہے گی، لیکن کسی اور مقام یا وہاں کے عیسائی رعایا سے تدمیر کو کوئی تعلق نہ رہے گا۔

③ عربوں اور عیسائیوں میں جنگ نہ ہو گی۔

④ عیسائیوں کے مرد یا عورت یا بچوں کو عرب غلام نہ بنائیں گے۔

⑤ عرب ان کے مذہب میں کچھ دخل نہ دیں گے، اور نہ اُن کے کلیسا جلائیں گے، اور نہ تدمیر کی رعایا سے کوئی نوکری یا دوسرا کام علاوہ مندرجہ معاہدہ ہذا لیں گے۔

⑥ اس معاہدہ کا اثر سات (۷) شہروں پر محدود ہے۔

⑦ تدمیر اپنی جانب سے اقرار کرتا ہے کہ وہ عربوں کے دشمن کو اپنے ملک میں پناہ نہ دے گا، اور نہ اُن سے بغاوت کرے گا، اور اگر کوئی اس کا ہم قوم ان کے خلاف بغاوت کرنا چاہے اور اس سے تدمیر واقف و آگاہ ہو جائے تو اس کی اطلاع عربوں کو دے گا۔

(۱) اصل نسخہ میں ''ہی'' کے بجائے ''بھی'' ہے (محمد امین)

⑧ اور تدمیر کے ماتحت امراء اور رؤساء سالانہ ایک ایک دینار، اور گیہوں اور سرکہ اور شہد اور تیل جس کی قدر مقدار مقرر ہو گئی ہے، عربوں کو بطور خراج پیش کیا کریں گے۔

یہ معاہدہ ۴/رجب سنہ ۹۴ ہجری کو تحریر ہوا، جس پر اشخاص ذیل نے اپنے اپنے دستخط ثبت کئے، ''عثمان بن ابی عبیدہ۔ حبیب بن ابی عبیدہ۔ ادریس ابوالقاسم''

جب معاہدہ پر امیر عبدالعزیز اور ایلچی کے دستخط ہو گئے تو ایلچی نے بیان کیا کہ تدمیر میں ہی ہوں۔ امیر عبدالعزیز بکمال اخلاق اس بہادر عیسائی سے پیش آیا، اور اپنا مہمان بنایا۔ دونوں بہادروں نے اس طرح باہم مل کر کھانا کھایا کہ گویا ان میں بہت پرانی دوستی تھی، اور بہت دنوں کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے۔ اس واقعہ کے دوسرے روز دروازہ قلعہ کا کھول دیا گیا، عبدالعزیز ہمراہ امیر حبیب اور ابوالقاسم اور چند سوار اور پیادوں کے قلعہ میں داخل ہوا، تدمیر اور شہر کے رؤسا نے اس کا استقبال کیا، اندر قلعہ کے پہنچ کر امیر نے نہایت حیرت سے پوچھا کہ وہ لوگ جو قلعہ کی دیوار اور مورچوں پر تھے کہاں چلے گئے؟! تدمیر نے بغیر کسی تصنع کے واقعہ مذکور[1] بیان کیا۔ عربوں نے اس کی دور اندیشی اور حسنِ تدبیر کی تعریف کی، اور تین روز تک قلعہ میں مہمان رہے۔

خلیفہ کا حکم موسیٰ کے نام

اس کے بعد امیر عبدالعزیز تدمیر سے رخصت ہو کر البیرتیہ، جیان[2]، غرناطہ[3] فتح کرتا ہوا ملقون[4] واپس آیا، اسی اثناء میں موسیٰ کے پاس خلیفہ ولید کا وہ حکم پہنچا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ موسیٰ اس وقت صوبہ جلیقیہ[5] کے فتح کرنے میں مصروف تھا، اس حکم سے بہت پریشان ہوا، اس کی دلی تمنا یہ تھی کہ یہ رہا سہا حصہ ملک کا بھی اسی کے ہاتھوں پر فتح

(۱) اصل میں مذکور کے بعد ''کا'' ہے، احقر نے اس کو حذف کیا ہے (محمد امین) (۲) انگریزی میں جین کہتے ہیں (۳) انگریزی میں گرانڈا کہتے ہیں (۴) مالاگان کہتے ہیں (۵) انگریزی میں گلیسیہ کہتے ہیں۔

ہو، چنانچہ اس نے مغیث الرومی کو راضی کرلیا کہ چند روز وہ تعمیل حکم میں سختی نہ کرے، اس اقرار کے بعد سپہ سالار نے قلعہ بازو کو فتح کرلیا، اور قلعہ لوگو پر قبضہ کرتا ہوا، صخرۃ البرئی پر جوکہ بحر الاخضر کے کنارے پر واقع ہے، اسلامی جھنڈا نصب کردیا۔ جس طرف عرب نکل جاتے تھے عیسائی فوراً اطاعت اور خراج دینا قبول کرلیتے تھے۔ جن شہروں کو عیسائیوں نے خالی کردیا تھا وہاں مسلمان بسائے گئے۔

خلیفہ کا دوسرا حکم

امیر موسیٰ ہنوز قلعہ لوگو میں مقیم تھا کہ ابونصر نے خلیفہ کا دوسرا حکم اسے پہونچایا۔ اس میں خلیفہ نے نہایت عتاب کے ساتھ حکم کی تعمیل میں جو درنگی واقع ہوئی، اس کی وجہ سپہ سالار اور مغیث سے دریافت کی تھی، اور ابونصر کو یہ حکم دیا تھا کہ ''موسیٰ جہاں ملے اسے آگے بڑھنے سے ممانعت کرو، اور بہت جلد دمشق روانہ کردو'' اس حکم ثانی کے بعد موسیٰ میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ وہ خلیفۂ اسلام کی عدول حکمی کرتا۔ ہزاروں ارمان دل ہی میں لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ لُجو موسیٰ کے قریب طارق سے ملاقات ہوئی، یہ صوبہ ارغون (۱) کو فتح کرکے سپہ سالار کے پاس جارہا تھا، یہاں سے مغیث الرومی، ابونصر، طارق کو اپنے ہمراہ لے کر اشبیلیہ آیا، اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ اور سرحدی قلعوں پر بقدر ضرورت فوج روانہ کی۔

موسیٰ کا شام واپس ہونا

اس کے بعد طارق کے ہمراہ آخر سنہ ۹۴ھ میں شام کو روانہ ہوا۔ جبل الطارق سے یہ دونوں امیر کشتی پر سوار ہوئے، اور اس ملک کو جسے انھوں نے بکمال محنت اور جانفشانی اسلام کے لئے فتح کیا تھا، حسرت بھری نگاہوں سے دور تک دیکھتے رہے۔ الغرض یہ دونوں آبنائے طارق کو جسے بحرالزقاق بھی کہتے ہیں، عبور کرکے افریقہ میں داخل ہوئے۔ شہر قیروان میں پہنچنے کے بعد موسیٰ نے اپنے دور دراز سفر کی تیاریاں کیں، اپنے بڑے بیٹے امیر عبد اللہ فاتح جزیرہ ملارقہ کو اس ملک کا والی مقرر کیا۔ مغربی حصہ کی حکومت اپنے چھوٹے

(۱) انگریزی میں اراگان کہتے ہیں۔

بیٹے عبدالملک کے سپرد کی، اور سواحل افریقہ اور شہر طنجہ کے قلعوں کا انتظام اپنے تیسرے بیٹے کے حوالہ کیا، ان انتظامی امور سے فارغ ہونے کے بعد بہ ہمراہی جمعیت کثیر جس میں سیکڑوں اونٹ، مال واسباب سے لدے ہوئے تھے شام کی جانب روانہ ہوا۔ علاوہ اس جمعیت اور مال کے تیس (۳۰) ہزار نامور عیسائی اندلس کے جن کو اس نے مختلف لڑائیوں میں گرفتار کیا تھا ہمراہِ رکاب تھے، لیکن باوجود اس قدر مال ومتاع اور جاہ وحشم کے رنج اور فکر نے اس کے دل کو بے چین اور پریشان کر رکھا تھا، چہرہ پر آثار فکر وتردد کے پائے جاتے تھے۔ غالب کا یہ شعر اس کے حسب حال تھا:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

سچ ہے کہ اگر انسان موت کے پنجہ میں گرفتار نہ ہوتا تو یہ اپنے خالق کے وجود کا بھی قائل نہ ہوتا۔ اگر ہم دس صدیوں تک بھی زندہ رہیں۔ اور اپنی عمر موسیٰ کی نظیر ڈھونڈھنے میں صرف کریں، تب بھی اس کا ثانی ہمیں نہ ملے گا۔ جس زمانہ میں خدا نے اسے پیدا کیا تھا، وہ اس کے لئے بہت موزوں تھا۔ جس قدر موسیٰ مشکل سے مشکل تریں مرحلوں اور مہموں پر کامیاب ہوتا جاتا تھا، اسی قدر اس کی بلند ہمتی روز افزوں ترقی ہوجاتی تھی، اور ارمان کا ایک دریا تھا کہ اس کے دل میں موج زن ہوتا جاتا تھا، جو جو ارمان اس کے پورے ہوئے تھے وہ آئندہ آنے والے ارمانوں کے مقابلے میں گویا بحر ذخار کا ایک قطرہ تھا۔

موسیٰ کا ارادہ اور گبن کی رائے

جب موسیٰ بسبب قلتِ فوج سرزمیں فرانس سے واپس ہوا، اور جبل البرتات کی چوٹی سے اس سرزمین کو اپنے پیروں کے نیچے پھیلا ہوا دیکھا تو مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی فوج کو درست اور رسد اور امداد کا بندوبست کر کے یورپ کے مختلف ملکوں کو فتح کرتا اور اسلام کو ترقی دیتا قسطنطنیہ کے راستے سے ملک شام میں داخل ہوگا، اگر فی الحقیقت سپہ سالار

کو اپنے اس خیال کے پورا کرنے کا موقع ملتا، اور یہ کامیاب ہوتا تو بقول گبن۔ یورپ کے مشہور مدرسوں میں بجائے انجیل کے اس وقت قرآن اور توحید کا درس دیا جاتا، اور پوپ کے عوض شیخ الاسلام کا حکم آج شہر روما میں نافذ اور واجب التعمیل ہوتا۔

موسیٰ کی نامناسب حرکت غرض کہ اسی حالت مغموم میں موسیٰ دمشق کے قریب پہنچا۔ شہر میں داخل ہونے کے قبل اس نے مغیث الرومی سے سابق گورنر شہر قرطبہ کو جسے خود مغیث نے گرفتار کیا تھا طلب کیا، اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کو گرفتار کیا ہے، اور میں خود اپنے مالک اور خلیفہ کی خدمت میں پیش کرونگا، اس صاف انکار سے موسیٰ نہایت برہم ہوا، اور قیدی کو جبراً مغیث الرومی سے چھین لیا۔ سپہ سالار کے چند دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ اس حالت میں قیدی کو خود پیش کرنا مناسب نہیں، کیونکہ مغیث خلیفہ کے روبرو ضرور دعوی کرے گا، جس کی تائید میں اس عیسائی قیدی کا اقرار کافی ہوگا۔ لیکن موسیٰ نے اس نیک مشورہ پر عمل نہیں کیا، اور طیش میں عیسائی کو اسی وقت قتل کر ڈالا، موسیٰ کی اس حرکتِ بے جا نے مغیث الرومی کو اس کا جانی دشمن بنا دیا۔ بالآخر موسیٰ کو طارق اور مغیث سے ایسا نقصان پہنچا کہ پھر وہ سنبھل نہ سکا۔

موسیٰ دمشق کب پہنچا؟ تاریخ سے یہ صاف طور سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ آیا موسیٰ خلیفہ ولید کی حیات میں دمشق پہنچا تھا، یا اس کے انتقال کے بعد خلیفہ سلیمان کے عہد حکومت میں۔ وہ مؤرخین جو آخر الذکر قول کے قائل ہیں، تحریر کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ موسیٰ اپنے خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا مغیث الرومی اور طارق نے سلیمان کے سامنے اس کی شکایتیں کر کے موسیٰ سے اسے برگشتہ خاطر کر دیا تھا، پس جس دم سپہ سالار خلیفہ سلیمان کے سامنے حاضر ہوا تو خلیفہ کے برتاؤ اور طرز گفتگو سے سمجھ گیا کہ وہ ناراض ہے، سلیمان نے پہلا سوال اس سے اس سلیمانی میز کی نسبت کیا جس کو موسیٰ نے طارق سے جبراً حالت عتاب میں

لے لیا تھا، موسیٰ نے فوراً اس میز کو دربار میں پیش کیا۔ اس نادر تحفہ کو دیکھ کر خلیفہ نے موسیٰ کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ طارق کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ میز مجھ کو ملی تھی، سپہ سالار نے یہ جواب دیا کہ اگر طارق نے اس میز کو کہیں دیکھا تھا تو میرے ہی قبضہ میں دیکھا ہوگا۔ طارق نے کہا کہ موسیٰ سے دریافت کیا جائے کہ اس میز کا چوتھا پایہ کیا ہوا؟ خلیفہ نے دیکھا کہ تین پائے اس کے زمرّد کے ہیں، اور چوتھا پایہ سونے کا، جسے موسیٰ نے خود لگایا تھا۔ موسیٰ اصل راز سے واقف نہ تھا۔ اس نے عرض کی کہ یہ میز مجھ کو بحالتِ موجودہ ملی تھی، اس جواب کے بعد ہی طارق نے فوراً اپنی عبا سے چوتھا پایہ جس کو اس نے اسی موقع کے لئے چھپا رکھا تھا نکال کر پیش کر دیا، اس واقعہ سے خلیفہ کو یقین ہوگیا کہ جو الزامات اس پر لگائے گئے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں، سلیمان نے موسیٰ کا تمام مال و متاع ضبط کر کے اسے شہر بدر کر دیا۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ اس کو بہت سختی کے ساتھ قید کر رکھا، اور دو لاکھ اشرفیاں اس سے بطور جرمانہ وصول کرنے کا حکم دیا، موسیٰ نصف جرمانہ سے زیادہ ادا نہ کر سکا، بالآخر امیر ابن المہلب فاتح جارجیہ اور طبرستان کی سفارش سے باقی جرمانہ اور دوسری خطائیں بھی ایک حد تک معاف کر دی گئیں، مگر اس کا بڑا بیٹا امیر عبداللہ ولایت افریقہ سے علحدہ کر دیا گیا۔

دیگر مؤرخین کی رائے

وہ مؤرخین جن کی یہ رائے ہے کہ "موسیٰ خلیفہ ولید ہی کے زمانہ میں شام پہنچا تھا تحریر کرتے ہیں" کہ جب سپہ سالار دمشق کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ خلیفہ ولید ایسے مرض مہلک میں مبتلا ہے جس سے جاں بر ہونے کی امید نہیں۔ سلیمان بن عبدالملک کو جب یہ خبر پہنچی کہ موسیٰ شام میں داخل ہوگیا ہے تو اس نے ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ خلیفۂ اسلام کے بچنے کی کوئی امید نہیں، خلیفہ کی زندگی تک تم شہر دمشق میں آنے کا ارادہ نہ کرو، اور میرے جلوس کا انتظار کرو۔ نامہ بر نے یہی پیام موسیٰ کو زبانی بھی پہونچا دیا، اور ہدایت کی کہ بلحاظ حالت موجودہ تمہیں دمشق میں آنے کی جلدی نہ کرنی چاہئے، موسیٰ

کو جب یقین ہو گیا کہ فی الحقیقت خلیفہ ولید کا اس مہلک بیماری سے جانبر ہونا دشوار ہے، اس بہادر نے باوجود ممانعت، خلیفہ کے مرنے سے [1] پہلے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی، جب یہ دمشق کے قریب پہنچا تو ہوشیاری یہ کی کہ ایک عریضہ اپنی حاضری کا خلیفہ کی خدمت میں ارسال کیا، اور حسب الحکم دربار میں باریاب ہو کر تمام مال و متاع خلیفہ کے روبرو پیش کر دیا۔

یہ واقعہ سنہ ۹۶ھ کا ہے اس واقعہ کے دو چار روز کے بعد خلیفہ ولید نے انتقال کیا، اور سلیمان بن عبدالملک برادر خلیفہ مرحوم تختِ خلافت پر متمکن ہوا، اور فوراً موسیٰ کو طلب کر کے از روئے عتاب دمشق میں جلوس سے پہلے داخل ہونے کی وجہ پوچھی، اور قبل اس کے کہ اسے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع ملتا، خلیفہ نے بلالحاظ خدماتِ سابقہ اسے قید کر دیا، اور اس قدر رقم اس سے بطور جرمانہ وصول کی کہ بھیک مانگنے کی نوبت آ گئی، ایسی سخت سزا کے دینے سے بھی جب خلیفہ کا جی نہ بھرا تو اس نے اس ستر (۷۰) سالہ سردار کو جلتے ہوئے فرش پر دھوپ میں اتنی دیر تک کھڑا رکھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، اور قدیم مرض دمہ کا عود کر آیا، اگر امیر ابن المہلب اپنی سفارش میں ناکامیاب ہوتا تو موسیٰ کے ہلاک ہو جانے میں کوئی شبہ نہ تھا۔

ابن المہلب کا سوال اور موسیٰ کا جواب

جب موسیٰ کو ہوش آیا تو دیکھا کہ ابن المہلب سرہانے بیٹھا ہے۔ اس نے یہ درخواست کی کہ جس طرح تو نے میری جان بچائی ہے، اسی طرح ایک احسان یہ بھی کر کہ خلیفہ سلیمان سے میری تمام خطائیں معاف کرا دے، ابن المہلب نے یہ جواب دیا کہ میں تیرے لئے ہر وقت حاضر ہوں، لیکن قبل اس کے کہ میں خلیفہ سے تیری سفارش کروں تجھ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، بشرطیکہ تو اس کا شافی جواب ادا کرے۔ موسیٰ نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ امیر ابن مہلب نے اس سے پوچھا کہ میں

(۱) اصل میں ''سے'' کی جگہ ''کے'' ہے (محمد امین)

نے تیری لیاقت اور ہوشیاری اور دیانت داری اور تیری بے نظیر شجاعت اکثر سنی ہے، اور اب بھی سن رہا ہوں، جو تجربہ دنیوی معاملات اور انقلاباتِ زمانہ کا تجھے حاصل ہے دوسرے کو نہیں ہو سکتا، علاوہ بریں تو یہ بھی جانتا تھا کہ تیرا دشمن خلیفہ ولید کے بعد تخت نشین ہوگا، پس جب کہ تو نے ایسا وسیع اور شاداب اور زرخیز ملک اندلس اپنی بہادری اور شمشیر کے زور سے فتح کرلیا، اور تیرے پاس ایک بڑا لشکر جرار موجود تھا، اور متعدد خزانے تیرے قبضہ میں تھے، اور تیرے مخالفین کے درمیان دریائے شور حد فاصل تھا، اور نیز تجھ کو پورا یقین تھا کہ تیری لازوال خدمات کی جن کا سکہ ممالک اسلام اور ممالک نصاری دونوں پر بیٹھ چکا ہے، اس دربار میں قدر نہ ہوگی تو پھر کیوں ایسے عمدہ مواقع ہاتھ سے جانے دیئے؟! اور کیوں دشمنوں کا شکار بنا؟! اگر ایسے مواقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا، اور ملک اندلس کا حاکم بن بیٹھتا تو آج یہ بُرا دن نہ دیکھتا۔ گو میں نے تجھ سے وعدہ معافی دلانے کا کرلیا ہے، اور اس کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھوں گا، لیکن اس کے ساتھ تجھ کو آگاہ کئے دیتا ہوں کہ مجھے کامیابی کی بالکل امید نہیں ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ اے ابن مہلب! یہ وقت میری غلطیاں پکڑنے کا نہیں ہے، موت نظروں کے سامنے پھر رہی ہے۔ ابن المہلب نے کہا کہ اس سے میرا منشاء اور مطلب یہ نہیں تھا کہ میں شکایت کروں، یا تجھ کو رنج پہونچاؤں۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ اصلی حالت سے واقف ہو جاؤں، اور اس کا اندازہ کرسکوں کہ کچھ صلح کی امید بھی ہے یا نہیں، موسیٰ نے جواب دیا کہ کیا تو اس آبی جانور سے واقف نہیں ہے جس کی تیز نگاہ دریا کی تہ کی خبر لاتی ہے، لیکن بچھے ہوئے جال کو قریب سے نہیں دیکھ سکتا۔

ابن المہلب کی سفارش

الغرض امیر ابن المہلب نے خلیفہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوکر موسیٰ کی فتوحات اور اس کی قابلِ یادگار خدمات کو یاد دلا کر سفارش کی، سلیمان کو اس امیر کی راست بازی اور خیر خواہی پر پورا بھروسہ تھا، اس کی سعی نے دل پر اتنا اثر کیا کہ وہ موسیٰ کے قتل سے دست بردار ہوگیا،

لیکن جرمانہ میں کچھ کمی نہ کی، اور چند افسروں کو اندلس اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ عبد العزیز بن موسیٰ والی ملک اندلس کا سر کاٹ کر دربار شاہی میں حاضر کریں، گویا باپ کے گناہوں کا بدلا اس کے لائق اور بے گناہ بیٹے سے جو ہمہ تن ملک اندلس کے انتظام، اور اپنے خلیفہ کی خیر خواہی میں مصروف تھا لیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد موسی بن نصیر نے وادی القریٰ میں سکونت اختیار کی، لیکن طرح طرح کی تکلیف میں مبتلا تھا، حتیٰ کہ پہننے کو نہ کپڑا ملتا تھا، نہ کھانے کو روٹی نصیب ہوتی تھی۔

موسیٰ کا انتقال

سنہ ۱۹ھ میں بزمانہ خلافت حضرت عمر بن الخطاب پیدا ہوا، اور ساٹھ (۶۰) برس کی عمر میں افریقہ کا والی مقرر ہوا۔ سنہ ۹۷ھ میں بحالت بے کسی پُر حسرت ارمان اس جہاں سے رخصت ہوا۔ تمام ہم عصر مؤرخین موسیٰ کی بہادری اور انتقال ذہن کی تعریف کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہ شخص بہادر اور لائق تھا اسی قدر رحم دل اور اپنے مذہبی عقائد میں پکا، اور فیاضی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس کے گرد ہمیشہ فقراء اور ذی علم لوگ جمع رہتے تھے، گو یہ اخیر وقت میں کم ظرف لوگوں کی دشمنی اور حسد کا نشانہ ہوا، اور انھوں نے اس کی پاکدامنی میں دھبہ لگانے کے لئے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، لیکن جب تک اس کی فتوحات کا نام دنیا میں باقی ہے اس کا نام بھی مثل آفتاب روشن رہے گا۔ اگر ہم انصاف پسند مصنّفین کی تصانیف کی سیر کریں، اور تواریخ سے مدد لیں تو اِس کے ورقوں میں ہم کو بہت سی ایسی نظیریں ملیں گی جو بمصداق اس شعر کے ہیں:

حقوق خدمت صد سالہ رائیگاں باشد ۞ تو کشورے کہ در وکود کاں خداوندانند

(سو سال کی خدمت کے حقوق بیکار گئے۔ تو ایسا ملک ہے جس میں بچے آقا ہیں)

یہ امر نہایت عبرت ناک ہے کہ وہ شجیع اور خوش تدبیر جو اپنی نظیر نہ رکھتا تھا، اس قدر مجبور ہو گیا کہ لاکھ تدبیریں کیں، مگر ایک بھی کارگر نہ ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس (۳۰) سال نہایت سادہ آئین جمہور پر عمل رہا، اور ہر ذی حق کو حق پہنچتا رہا۔ مگر جب ذاتی اغراض اپنی حد سے تجاوز کر گئے، اور امیر

معاویہ کے زمانہ میں شخصی اور موروثی سلطنت قائم ہوگئی، اور شہر دمشق سلطنت کا پایۂ تخت قرار پایا، تب انتظام سلطنت اور استحکام مملکت، بلکہ کل سیاستی امور ایک ہی شخص کی رائے پر چھوڑ دیئے گئے ——— شخصی سلطنت میں قوم کی ترقی وتنزل ایک ہی شخص کی حسن لیاقت اور خوش تدبیری پر منحصر ہے، اگر بادشاہ قوم کی خوش قسمتی سے بیدار مغز اور قدر دان علم وہنر کا نکل آیا تو اس کی (۱) قوم کے لئے ایسے بادشاہ کی زندگی کا ہر روز عید، اور ہر شب شب برأت ہے۔ ورنہ قوم وملک کے حصہ میں تباہی اور بربادی رکھی ہے۔

خلیفہ سلیمان کا جابرانہ برتاؤ اور اس کا اثر

شام، مصر، افریقہ، اندلس، روم، ہندوستان میں بہت سے ایسے نامور بادشاہ گزرے ہیں، جن کے ظل عاطفت میں ہر قسم کے علم وفن نے نشو ونما پایا، جن کی شہادت تاریخ دے رہی ہے۔ مگر ان ملکوں میں ایسے بادشاہ بھی ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنے آباؤ اجداد کی شان وشوکت خاک میں ملادی، اور ان کی جفاکشی اور محنت کی یہ قدر کی کہ جن اقلیموں کو ان کے پیش رووں نے بڑی بڑی لڑائیوں کے بعد فتح کیا تھا کھو بیٹھے۔ کیا خوش قسمت ہیں اہل یورپ جنھوں نے اسلام کے حیرت انگیز عروج اور پھر عبرت آمیز تنزل کی تاریخ سے پورا فائدہ اٹھایا، اور بہت جلد اپنی دولتوں کو ایسے اصول پر قائم کرلیا جس میں آئندہ ترقیوں کا سلسلہ قائم ہوگیا، اور گزشتہ غلطیوں کو مٹادیا۔

قبل اس کے کہ ہم اس حیرت انگیز اور درد آمیز بیان کو ختم کریں، اس مقام پر یہ مناسب خیال کرتے ہیں کہ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کی ناقدردانی اور جابرانہ برتاؤ کا اثر جو دوسرے خیر خواہان سلطنت پر پڑا اسے تحریر کریں، وہ یہ ہے کہ چند ہی روز کے بعد حاکمان اندلس، افریقہ، مصر نے رفتہ رفتہ شہر دمشق پایۂ تخت اسلام سے اپنے تعلقات قطع کرلئے، اور ہر امیر خود مختار بن گیا۔ آپس کی خانہ جنگیوں نے اسلام کی مجموعی

(۱) اصل نسخہ میں ''اس کے'' ہے۔ (محمد امین)

قوت کے ٹکڑے کر ڈالے، اگر چہ یہ حالت خلیفہ سلیمان کے عہد حکومت میں نہیں ہوئی، لیکن اس کی بنیاد اسی زمانہ میں قائم ہوئی، اور وہ لائق اور جاں نثار امیر جو خلیفہ پر اپنی جان دیتے تھے، اور اس کے حکم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے کم نہ سمجھتے تھے، اس کے افعال قبیحہ سے متنفر ہو کر باغی اور مخالف ہو گئے۔ ذی لیاقت اور صاحب فہم بادشاہوں نے اس کے بعد سلطنت کو بہت کچھ سنبھالا، لیکن ان کی اولاد اپنے پیش روؤں کی محنت کو برباد کرتی گئی، موسیٰ بن نصیر اور اس کی بے گناہ اولاد پر جو ظلم وستم ہوا ہے، وہ خونِ ناحق کی طرح خاندان بنی امیہ کی بربادی کا باعث ہوا:

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را ۞ چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

(تو نے دیکھا کہ پروانہ کے ناحق خون نے شمع کو، اتنی دیر امن نہیں دیا کہ رات کو سحر کرے)

ایک انگریزی شاعر کیا خوب لکھتا ہے کہ "اے قسمت! تو نے ترقی کے زینہ پر ایک ایسا مقام بھی بنا رکھا ہے، جہاں آدمی ترقی کرتا ہوا پہنچتا ہے، اور پھر تیری ہی بدولت وہاں سر کے بل گر پڑتا ہے"

بادشاہ انگلستان کے زبردست اور خیر خواہ وزیر کرام ول کے یہ حسرت انگیز اور درد آمیز الفاظ اس بدنصیب امیر کے حسب حال ہیں "جس محنت وجانفشانی سے میں نے اپنی عمر عزیز کو اپنے خداوند مجازی کی خیر خواہی اور نیک اندیشی میں صرف کیا، اگر اس کا عشر عشیر بھی اپنے خداوند حقیقی کی خوشنودی اور اطاعت میں بسر کرتا تو[1] جرم پوش: خطا بخش مجھ کو اس حالت ذلت اور بے کسی میں دیکھنا ہرگز گوارا نہ کرتا"

عبدالعزیز کا قتل اور اس کا حسنِ انتظام

موسیٰ بن نصیر کے جانے کے بعد عبدالعزیز نے عنان حکومت کو پورے طور سے اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیا، اور اپنی منتشر فوج کو اکٹھا کر کے ان شہروں کو جو اب تک عربوں کے قبضہ سے باہر تھے فتح کرنا شروع کیا۔ تااینکہ تمام جزیرہ نما

(۱) اصل میں "تو" کے بجائے "ہوا" ہے۔ (محمد امین)

ملک حدودِ اسلام میں داخل ہوگیا۔ ان فتوحات کے بعد یہ سیاست اور ملک کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا، اور سب سے پہلے اپنے ملک کو دوسری قوموں کے حملہ سے بچانے کے لئے سرحدات مضبوط اور درست کرنے لگا۔ ہنوز یہ کم عمر ہونہار، اور لائق امیر انتظامی امور کی طرف متوجہ تھا کہ یکبارگی مصیبت کے آسمان نے اِس کے روشن ستارہ کو تاریکی میں پوشیدہ کردیا۔ فوراً سلسلہ کامیابی مدبرانہ ارادوں اور ولولونکا منقطع ہوگیا۔ عالم شباب نے پیری کا ذائقہ چکھایا۔ عبدالعزیز چرخ کی نیرنگیوں سے بے خبر، اور خلیفہ سلیمان کی وحشیانہ حرکات سے لاعلم، اپنے بادشاہ پر جان و مال نثار کررہا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز گزرے تھے کہ اس نے آخر سال حسب دستور صوبہ افریقہ اور اندلس سے زر کثیر وصول کرکے خلیفہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، جن لوگوں نے صوبجات کا محاصل خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا، انھیں کی معرفت سلیمان نے اس امیر کے قتل کا حکم بھیجا، اندلس میں اس قتل کے فرمان کو سب سے پہلے موسیٰ بن نصیر کے سچے دوست اور خیر خواہ امیر حبیب بن عبیدہ نے کھولا، اور جب قتل کے مضمون پر اس کی نظر پڑی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، اور ہاتھ رعشہ سے بے قابو ہوگئے۔ نامہ زمین پر گر پڑا، اور اشک بھری آنکھوں سے امیر زید بن نابہ کی جانب متوجہ ہوکر کہا کہ موسیٰ (اور) اس کے خاندان کے دشمن اپنی بغض اور عداوت بھری کاروائی میں کامیاب ہوگئے۔ اس خاندان کے مشہور کارنامے اور بے نظیر خدمات بہت جلد فراموش کردیئے گئے۔ خدا منصف ہے اور اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کریں، اسی وجہ سے ہم مجبور ہیں۔

الغرض حسب الحکم خلیفہ سلیمان، امیر عبدالعزیز قتل ہوا، اور اس کا سر دمشق بھیجا گیا۔ اس لائق امیر کے عہد حکومت میں وہی لطف زندگی اور امن کا تھا، جو اس عہد کے کئی سو برس بعد ہندو اور مسلمانوں نے اکبر کی بدولت ہندوستان میں اٹھایا، عبدالعزیز نے اپنے مدبرانہ طرزِ حکومت اور خوش تدبیری سے مسلمانوں اور عیسائیوں میں ایسا

اتحاد پیدا کر دیا تھا، جسے ہم قومی اتحاد کہیں تو نامناسب نہ ہوگا۔

موسیٰ کے جاتے ہی اس نے ایک دیوان یا مجلس امراء اس غرض سے قائم کی تھی، کہ وہ اسلامی قانون سے اس حصہ کو اخذ کریں جسے عیسائی اور مسلمان دونوں برابر اٹھا سکیں، اس میں ایک بڑا حصہ ملکی قانون اور رسم و رواج کا بھی شریک کر دیا گیا تھا۔ اس قانون کے مطابق اگر کوئی غلام نصاری دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تو وہ آزاد سمجھا جاتا تھا، اس کے مالک کو اس پر کوئی حق یا دعوی باقی نہ رہتا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں غلامی کا عام طور پر رواج تھا۔ اندلس کے امراء اور رؤساء اور زمیندار خرچ سے بچنے کے لئے غلاموں ہی سے تمام کام لیا کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی زمانہ میں اس قسم کے لوگ جو دوسروں کی غلامی میں تھے، انھوں نے اسلام اختیار کر کے پوری آزادی اور خودمختاری حاصل کر لی۔

دوسری قابلِ تعریف اور یادگار بات عبدالعزیز نے یہ کی کہ عیسائی اور مسلمانوں کو آپس میں شادی کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب سے پہلے دوسروں کو اس طرف راغب کرنے کی غرض سے خود شاہ لذریق کی زوجہ اجیلونا سے جسے عرب اُمّ عاصم کہتے ہیں نکاح کیا۔

خلیفہ سلیمان کا انتقال

عبدالعزیز سنہ ۹۸ھ میں قتل ہوا، اس کے انتقال کے ایک سال بعد سنہ ۹۹ھ م سنہ ۷۱۷ء میں خلیفہ سلیمان نے صرف دو سال پانچ مہینے حکومت کے بعد انتقال کیا، اگرچہ دور دور کے صوبوں کے ساتھ اس کا برتاؤ اس قدر سخت اور جابرانہ تھا کہ بالآخر بتدریج یہ حصے سلطنت سے علیحدہ ہو گئے، لیکن مشرق میں رعایا اس کی حکومت سے بہت خوش رہی، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے تخت نشینی کے بعد تمام جیل خانوں سے قیدی آزاد کر دیئے تھے، اور اپنی شامی رعایا کے آرام و آسائش کا خاص طور پر نگراں تھا۔ اس کے صلہ میں اس کو رعایا مشرق نے خطاب مفتاح الخیر کا دیا تھا۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی تخت نشینی اور انتقال

خلیفہ سلیمان کے بعد اس کا چچازاد بھائی عمر بن عبدالعزیز صفر سنہ ۹۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس رحم دل، رعایا پرور، بادشاہ نے جلوس کے بعد ہی اپنی شفقت اور رعایا کی دلجوئی، اور بیدار مغز طرز حکومت سے کچھ روز کے واسطے سلطنت کو بربادی سے بچایا۔ تین سال امور سلطنت کو بڑی سرگرمی اور مستعدی سے انجام دیا۔ سپاہ کی دعوتیں اور خاطر داری کی۔ رعیت کی فلاح و بہبودی میں کوشش کی۔ چنانچہ قبل اپنے انتقال کے خلیفہ نے اپنے وسیع ملک میں عدل اور انصاف کا خود نتیجہ دیکھ لیا تھا۔ لیکن اس کے بعض احسان فراموش رشتہ دار جو خود غرضی میں خلیفہ سلیمان کے قدم بقدم چلتے تھے، اس ہر دلعزیز اور دانشمند بادشاہ کو جسے رعایا نے خلیفة الصالح کا خطاب دیا تھا۔ سنہ ۱۰۱ھ میں زہر دے کر مار ڈالا۔

ایوب، الحُر اور السَمَح کا یکے بعد دیگرے والی مقرر ہونا

امیر عبدالعزیز بن موسیٰ کے قتل کے بعد فوج اور امراء نے بالاتفاق امیر ایوب بن حبیب اللخمی کو اس کا جانشین مقرر کیا، لیکن والیٔ افریقہ نے جس کے ماتحت صوبہ اندلس تھا ایوب کے تقرر کو نامنظور، اور اس عہدہ پر امیر الحر بن عبدالرحمٰن الثقفی کو نامزد کیا، مگر امیر الحر جیسا کہ بہادر اور شجیع تھا، اسی طرح ظالم بھی تھا، اس کے ظلم وستم سے عیسائی اور مسلمان دونوں نالاں تھے۔ جب اس کی زیادتیوں کی خبر خلیفہ عمر کو پہنچی، اس نے فوراً الحر کو معزول کر کے امیر السمح بن مالک الخولانی کو اس جلیل القدر عہدہ پر مقرر کیا۔

امیر السمح کا حسن انتظام

اس حاکم کے عدل اور خوش تدبیری اور حُسن انتظام سے عبدالعزیز کے عہد حکومت کا سماں رعایائے اندلس کی آنکھوں میں پھرنے لگا۔ اس نے خلیفہ کے حکم سے محکمہ مردم شماری

قائم کیا، اور ماہرینِ جغرافیہ کو حکم دیا گیا کہ وہ ایک یادداشت مع نقشہ تیار کریں، جس میں شہر اور دریا اور سمندروں کی ٹھیک تعداد اور اراضی کی نوعیت، اور اس کا سالانہ محاصل پورے طور سے درج ہو، سرقسطہ میں ایک عظیم الشان مسجد اس نے تعمیر کی، اور تجارت کے لئے جدید پُل تیار کرائے، الحاصل اس لائق اور منتظم امیر کے زمانۂ حکومت میں اُن سب امور نے روز افزوں ترقیاں کیں، جو قیام سلطنت اور استحکام مملکت سے تعلق رکھتے ہیں۔

امیر السمح کی فتوحات

مہمات سلطنت کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد امیر السمح نے فوج کو درست کیا، اور جمعیت کثیر کے ہمراہ سرحد ملک فرانس کی جانب باغیوں کی تنبیہ کے لئے روانہ ہوا، ان کی گوشمالی کے بعد جبل البرتات[1] سے گزر کر سرزمین فرانس میں داخل ہوا، یہ وہ پہاڑ ہے جس پر چند سال پہلے امیر موسیٰ نے کھڑے ہو کر یورپ کے فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس ملک کے باشندوں کے دلوں میں ابھی تک عربوں کے سابقہ حملوں اور فتوحات کا خوف باقی تھا۔ شہر اربونیہ کے باشندوں نے اس کی فوج کو دیکھ کر فوراً دروازے کھول دیئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اور شہروں کے حاکموں نے بھی عربوں کی اطاعت قبول کر لی۔

جنگِ فرانس اور عبدالرحمٰن و عنبسہ کا والی مقرر ہونا

امیر السمح نے ان مفتوح شہروں میں کافی فوج شہر کی حفاظت کے واسطے متعین کی، اور خود شہر ٹولوز پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ بہت بڑا حصہ فوج کا شہروں کی حفاظت کے لئے پیچھے رہ گیا تھا، اور جو فوج امیر کے ہمراہ تھی وہ اس محفوظ و مستحکم شہر کے فتح کرنے کے لئے ناکافی تھی، امیر اسی فکر و تردد میں تھا کہ دفعۃً یوڈیس رئیس اکوٹین بڑے لشکر کے ہمراہ عربوں کا مقابل ہوا، جب سپہ سالار نے دونوں فوجوں پر نظر ڈالی، دیکھا کہ عیسائیوں کی فوج بمقابلہ عربوں کے دس گنی ہے، لیکن اب دشمن کے سامنے سے ہٹنا ممکن نہ تھا، پس باوجود اس قلیل تعداد کے عرب اپنی

(۱) اصل میں یہاں ''البرتات'' کی جگہ ''الترتات'' ہے (محمد امین)

مشہور دلیری اور شجاعت کے ساتھ فرانسیسیوں سے لڑتے رہے، فوج کے افسروں نے تلواروں کے نیاموں کو توڑ ڈالا کہ بغیر فتحیابی کے تلوار کو نیام نہ کریں گے۔ ان عربوں کی نسبت بھی وہی قول اہل یورپ کا صادق آتا ہے جو زمانہ حال میں نپولین کے مشہور گارڈس (بادشاہ کے محافظ) پر صادق آتا تھا، یعنی ''بغیر جان دیئے میدان جنگ سے قدم پیچھے نہ ہٹایا اور (نہ) دشمن سے امان طلب کی'' ایک عرصے تک یہ تمیز نہ ہوتی تھی کہ ان میں سے کون غالب ہوگا۔

اس اثناء میں ایک اتفاقی تیر نے امیر السمح کو زخمی کیا، جس کے صدمہ سے امیر گھوڑے سے زمین پر گر پڑا، اس واقعہ سے عرب ایسے بے دل ہوئے کہ قریب تھا کہ پسپا ہو کر میدانِ جنگ خالی کر دیں، امیر عبدالرحمٰن بن عبداللہ الغافقی نے فوج کی یہ سراسیمگی اور پریشان حالی دیکھ کر اس کی افسری اپنے ہاتھ میں لے لی، اور کمال بہادری اور ہوشیاری سے اس نے فوج کو تباہی اور قتل عام سے بچایا، جس کی تعریف دشمنوں نے بھی کی ــــــ یہ جنگ جو بلاط الشہداء کے نام سے مشہور ہے سنہ ۱۰۳ھ م سنہ ۷۲۱ء میں خلیفہ عمر کے انتقال کے تقریباً دو سال بعد واقع ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ یزید بن عبدالملک ثانی بادشاہ تھا، اور اس کا ہمنام یزید بن ابی سلامہ ولایت افریقہ (کا) صوبہ دار تھا۔ امیر السمح تیر کے زخم سے جان بر نہ ہو سکا۔ اس کے انتقال کے بعد اور عنبسہ بن سحیم الکلبی کے تقرر تک عبدالرحمٰن نے اندلس کی خدمت صوبہ داری کو بھی نہایت نیک نامی کے ساتھ انجام دیا۔

بلائی کی بغاوت

سنہ ۱۰۳ھ م سنہ ۷۲۱ء میں ایک عیسائی بلائی[1] نامی نے چند اپنے ہم قوم اور ہم مذہب لوگوں کو جمع کر کے صوبہ جلیقیہ میں عربوں سے بغاوت شروع کر دی، بلائی اور اس کے ہمراہی ایک بلند اور محفوظ کوہ پر فروکش ہوئے، جہاں سے یہ بغیر اپنے ذاتی نقصان کے عربوں کو بہت کچھ مضرت

(۱) انگریزی میں پلیو کہتے ہیں۔

پہونچا سکتے تھے، گو بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں نے اس صوبہ کو بالکل فتح کرلیا۔ غلطی ان سے یہ ہوئی کہ پلیو (یعنی بلائی) اور اس کے تیں (۳۰) ہمراہیوں کو آزاد رہنے دیا۔ یہ نہ سمجھے کہ:

''اَفعیٰ کُشتن و بچہ اش نگاہداشتن کارِ خردمنداں نیست'' (سانپ کو مار ڈالنا اور اس کے بچہ کو پالنا عقل مندوں کا کام نہیں ہے)

جب کبھی یہ تیں (۳۰) آدمی لوٹ کی غرض سے پہاڑ کے نیچے آجاتے تھے، اور عربوں کو ستاتے تھے، تو وہ یہ کہہ کر کہ یہ تیں (۳۰) آدمی ہمارا کیا کرسکتے ہیں؟! خاموش ہوجاتے تھے۔

بلائی کی آگ نے حکومتِ اندلس کو خاکستر کردیا

ابن حیان اپنی تاریخ میں تحریر کرتا ہے کہ کاش حق تعالیٰ عربوں کے دلوں میں ان تیں آدمیوں کے قلع قمع کردینے کا خیال پیدا کردیتا، اس بے پروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ انھوں نے تمام ملک کے عیسائیوں کو اپنی جانب کرلیا، یہ کیسا ہی بعید از قیاس واقعہ کیوں نہ ہو، مگر تمام مؤرخین عرب کا قول ہے کہ جن مٹھی بھر کوہ نشینوں کو عرب حقارت سے دیکھا کرتے تھے، آخرکار وہی اور ان کے جانشین انتزاعِ سلطنت کے باعث ہوئے، یعنی جو آگ بلائی اور اس کے تیں رفقاء نے لگائی تھی اسی آگ کی چنگاریوں نے آٹھ سو برس بعد عربی حکومتِ اندلس کو خاکستر کیا تھا، چنانچہ صدیوں کے بعد بلائی بغاوت کو یاد دلا کر، مؤرخ ابن سعد لکھتا ہے کہ حال میں ان لوگوں نے اپنی تعداد اور کامیابی مین اس قدر ترقی کی کہ دشمنانِ اسلام کے قبضہ میں بعض مشہور شہر آگئے۔ اور وہ بے نظیر ہمارے اسلاف کی یادگار، اور پُرشوکت پایہ تخت سلطنتِ اندلس یعنی قرطبہ جس میں خلفائے بنی اُمیہ دربار کیا کرتے تھے کافروں کے قبضہ میں دوبارہ چلا گیا۔

امیر عَنبَسَہ کا انتقال اور عُذرۃ و یحییٰ کا والی مقرر ہونا

بعض مؤرخین کا قول ہے کہ امیر عنبسہ جنگ فرانس میں مارا گیا، اور بعض یہ تحریر کرتے ہیں کہ اثنائے راہ میں اس کا انتقال ہوا۔ بہرکیف چار سال کی حکومت کے بعد سنہ ۱۰۷ھ م سنہ ۷۲۵ء، خلیفہ یزید بن عبد الملک ثانی کے دو سال بعد اس نے انتقال کیا۔

عنبسہ کے بعد فوج نے امیر عذرۃ بن عبد اللہ الفہری کو والیٔ اندلس مقرر کیا، بعض مؤرخین نے اس کو والیانِ اندلس کی فہرست میں شریک نہیں کیا ہے، اور بعض مؤرخین مثل ابن حیان کا بیان ہے کہ یہ شخص ان مشہور امیروں میں تھا جنھوں نے اندلس کے فتح کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا تھا، اس عارضی تقرر کے چند ہی ماہ بعد بشیر بن صفوان الکلبی والیٔ افریقہ نے یحییٰ بن سلمہ[1] الکلبی کو اس عہدہ پر مامور کر کے اندلس روانہ کر دیا، امیر یحییٰ سنہ ۱۰۷ھ کے آخر میں اندلس داخل ہوا، اور اٹھارہ مہینے تک حکومت کی۔ تاریخ سے اس کا پتہ ملتا ہے کہ اس کی حکومت میں قرطبہ اس ملک کا دار الحکومت قرار پاچکا تھا۔

عثمان، حذیفہ اور عبد الملک وغیرہ کا والی مقرر ہونا

اس کے بعد جب عبید بن عبد الرحمٰن والیٔ افریقہ مقرر ہوا تو اس نے سنہ ۱۱۰ھ میں امیر عثمان کو ولایتِ اندلس پر مقرر کیا، لیکن یہ پانچ ہی مہینے کے بعد معزول ہو گیا، اور امیر حذیفہ بن الاحوص القیسی اس عہدہ پر حسب حکم والیٔ افریقہ مامور ہوا۔

ربیع الاول سنہ ۱۱۰ھ کو اس نے اپنے عہدہ کا جائزہ لیا، اور ایک سال کی حکومت کے بعد الہیثم بن عبید الکلابی اس کا قائم مقام مقرر ہوا، پھر ابتداء سنہ ۱۱۳ھ لغایت سنہ ۱۱۵ھ محمد بن عبد اللہ الاشجعی، عبد الملک بن قطن الفہری یکے بعد دیگرے حاکم مقرر ہوئے۔

(۱) اصل میں ''سلمہ'' کی جگہ ''سلامہ'' ہے (محمد امین)

امیر عقبٰی کی فتوحات اور اس کا عمدہ انتظام

ان کے زمانہ حکومت میں کوئی ایسا واقعہ نہیں جو قابل تحریر ہو ـــــ

سنہ ۱۱۶ھ میں ولایتِ اندلس امیر عقبٰی کے سپرد ہوئی۔ اس کے سابق کے دو تین حاکم اپنے جور و ستم سے بدنام ہو گئے تھے، لیکن اس نے نیک نامی کی شہرت حاصل کی، اس کی مَعدِلت گُستری (عدل و انصاف) اور سچے مذہبی عقائد اور متانت اور سنجیدگی نے اِسے ہر دلعزیز بنا دیا تھا، مسلمان اور عیسائی دونوں اس کے طرز حکومت سے خوش تھے۔ اس نے اپنی حکومت پنجسالہ (پانچ سالہ) میں ملک فرانس پر کئی بار حملے کئے، اور شہر اربونیہ تک اپنا قبضہ کر لیا، اور متعدد قلعے دریائے رون کے کنارے تیار کر دیئے۔

فتوحاتِ عظیم حاصل کرنے کے علاوہ اس نے سلطنت کا عمدہ انتظام کیا، اور اسلام کے پھیلانے میں از حد کوشش کی، اس کا دستور تھا کہ ہر فتح کے بعد واجب القتل قیدیوں کو پہلے اسلام کے قبول کرنے کا موقع دیتا، پھر اگر وہ ایمان نہ لاتے تو مجبوراً قتل کرتا، جیسا دیانت دار اور امانت شعار حُکّام اس پر اپنی جان نثار کرتے تھے، ویسا ہی ظالم اور بدنیت اس سے ڈرا کرتے تھے، عقبٰی نے جب اس عہدہ کا جائزہ عبدالملک سے لیا، تو مؤرخین عرب عموماً یہ تحریر کرتے ہیں کہ عقبٰی نے اس امیر کو بے قصور پا کر اس کو فوج کے ایک حصہ کا افسر مقرر کیا، اور بعض مؤرخین کا قول ہے کہ عبدالملک بن قطن نے عقبٰی کو اندلس میں داخل ہوتے ہی نکال دیا تھا۔ لیکن اول الذکر بیان صحیح ہے، اس لئے کہ عقبٰی کے اندلس آنے کے بعد عبدالملک، امیر بلج کی اجازت سے قتل ہوا، اور عقبٰی نے صفر سنہ ۱۲۳ھ م سنہ ۷۴۱ء میں قرطبہ میں انتقال کیا۔
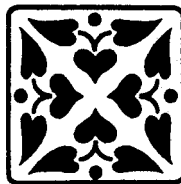
باب چہارم

قوم بربر کا افریقہ اور اندلس میں بغاوت کرنا ـــــ عبدالملک بن قطن کا ان سے شکست کھانا ـــــ جنگ امراء ـــــ ابن سلامہ ـــــ یوسف الفہری کا انتظام ـــــ خلیفہ مروان بن محمد بن مروان سے بنی عباسیہ کی بغاوت۔

قوم بَربَر کا افریقہ اور اندلس میں بغاوت کرنا

خلیفہ یزید بن عبدالملک کے بعد ہشام بن عبدالملک سریرِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے ہنوز عنانِ حکومت پورے طور سے ہاتھ میں نہ لی تھی، کہ دفعتاً یہ خبر پہنچی کہ قوم بربر نے مغرب الاقصیٰ میں بغاوت کردی ہے، اور انتظاماتِ ریاست میں مخل ہو رہے ہیں، اور لوٹ مار سے غریب رعایا اور حکام کو پریشان کر رہے ہیں، اس نے فوراً عبداللہ کو معزول؛ اور انتظام اور حکومت اس حصۂ سلطنت کی کلثوم بن عیاض کے سپرد کی، یہ امیر جمیعت کثیر کے ہمراہ شام سے روانہ ہوا۔ افریقہ آکر اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اس تمام فوج کو جو مختلف قلعوں میں بغرض حفاظت مقیم تھی، اور جس کی تعداد تقریباً ستر (۷۰) ہزار تھی، اپنی فوج میں فوراً شریک کر کے باغیوں کے مقابلہ کے واسطے آگے بڑھا۔ اہل بربر کے افسر کا نام میسرہ تھا۔ جس دم امیر کلثوم کے آنے کی خبر اسے پہنچی، یہ بھی بڑے لشکر کے ہمراہ لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

جب عربوں نے پہلے پہل افریقہ کے اس حصہ کے فتح کرنے کا عزم کیا تھا، اس ملک اور قوم کی تسخیر میں چنداں دقت نہ ہوئی تھی، کیونکہ قوم بربر نہایت پست ہمت، اور

فنون سپاہ گری سے بالکل ناواقف تھی۔ سو (۱۰۰) برس میں عربوں کی حکومت نے اس قوم کی حالت کو ایسا بدلا کہ یہ قوم جو ایک زمانہ میں ہر بات میں حقیر سمجھی جاتی تھی، اب عربوں کی بدولت اخلاقی، تمدنی، علمی، سیاسی، فوجی اصلاحوں سے آراستہ اور مشہور ہوگئی۔ جنگ وادی للّہ کو طارق بن زیاد نے اسی قوم کی مدد سے فتح کیا تھا۔ چنانچہ جب خلیفہ سلیمان نے موسیٰ بن نصیر سے اہل بربر کی نسبت سوال کیا، تو اس نے عرض کیا کہ:

یا امیر المؤمنین! بربر مجموعہ ہے چند قوموں کا، اگر کوئی قوم عربوں سے ہمت اور شجاعت اور فیاضی اور رحم دلی میں مشابہت رکھتی ہے تو وہ یہی قوم ہے، لیکن باوجود ان اوصاف کے اس قوم سے زیادہ دغاباز اور احسان فراموش دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے ——— گویا موسیٰ بن نصیر نے پیشین گوئی کی تھی جس کا ظہور اب ہوا۔

لیکن ہم کو اس کا بھی خیال رکھنا ضرور ہے کہ محکوم قوم میں کیسے قابل قدر جوہر کیوں نہ ہوں، فطرت اس کی مقتضی ہے کہ حاکم اپنے محکوم کو کسی قدر کم وقعتی کی نظر سے دیکھتا ہے، اگرچہ عرب، قوم بربر کو دوسری قوم پر ترجیح دیتے تھے، لیکن اپنے مقابلے میں حقیر سمجھتے تھے، یہی سبب تھا کہ امیر کلثوم نے بے پروائی سے ان کا مقابلہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو شکست فاش ملی، بلکہ قریب تھا کہ ان کا افسر گرفتار ہو جاتا، امیر کلثوم نے بہزار مشکل اپنے کو بچایا، اور قلعہ سوطا میں باقی جمعیت کے ہمراہ پناہ گزیں ہوا۔ فوج بربر نے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ عربوں نے قلعہ میں کسی قسم کا انتظام نہیں کیا تھا۔ چند ہی روز میں رسد نہ پہونچنے سے ان پر طرح طرح کی سختیاں گزرنے لگیں۔ فاقہ کشی اور بیماری نے فوج کی تعداد میں کمی کردی، امیر کلثوم نے حاکم اندلس سے مدد چاہی، لیکن عبدالملک نے اس خیال سے کہ بعد رہائی یہ لوگ مجھے اس عہدہ پر قائم نہ رکھیں گے مدد دینے سے انکار کردیا۔

مگر جب اس دردناک واقعہ کی خبر اندلس میں پھیل گئی تو مسلمانوں کو عام طور سے رنج ہوا، اور اپنے بھائیوں کو ایسی بیکسی اور مصیبت میں گرفتار دیکھ کر قومی ہمدردی نے

ان کو بے چین کر دیا۔ چنانچہ زید بن عمرو اور ہر عام و خاص نے طرح طرح کی آسائش وضروری سامان جہازوں پر بھر کے ان نیم جانوں کو پہونچایا، لیکن یہ قومی ہمدردی، عبدالملک کو ناگوار گزری، اور اس نے زید کو گرفتار کر کے سات سو ضرب بید کی سزا دے کر نہایت بے رحمی سے قتل کیا۔ خلیفہ ہشام کو جب عربوں کی شکست، اور امیر کلثوم کے قلعہ سوطا میں محصور ہونے کی خبر معلوم ہوئی، تو امیر حنظلہ کو فوج کے ہمراہ مغرب الاقصیٰ کی جانب روانہ کیا، اس نے افریقہ پہنچتے ہی فوج بربر کو متعدد شکستیں دے کر فوج محصورہ کو قید سے رہا کر دیا۔

عبدالملک بن قطن کا قوم بربر سے شکست کھانا

ہنوز یہ حصہ سلطنت خانہ جنگیوں اور بغاوت کے سخت صدموں سے سنبھلا نہ تھا کہ اسی قوم بربر کے وہ لوگ جو اندلس میں آ کر بسے تھے، انھوں نے جنگ کی خبر پاتے ہی اندلس میں بغاوت شروع کر دی، اور عبدالملک کو متواتر شکستیں دیں۔

عبدالملک کی کامیابی

عبدالملک جانتا تھا کہ فساد بآسانی فرو نہ ہوگا، اس نے ایک خط امیر بلج بن بشر [1] بن عیاض القشیری کو تمام واقعات جنگ کے لکھ کر روانہ کیا، اس میں یہ بھی وعدہ تحریر کیا تھا کہ اگر تم ہماری مدد کے لئے یہاں آؤ گے تو میں تمہیں اور تمہاری فوج کو انعام دونگا۔ یہ خط امیر بلج کو اس کے چچا امیر کلثوم کے انتقال کے بعد پہنچا، اور چونکہ امیر حنظلہ سے کوئی امید ترقی کی نہ تھی، اس نے درخواست مذکور کو منظور کر لیا، اور اپنی فوج کو انعام اور صلہ کی ترغیب دلا کر اندلس چلنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ امیر بلج اپنی فوج کے ہمراہ اس ملک میں داخل ہوا، عبد الملک نے ان کے دل بڑھانے کے لئے امیر بلج اور اس کے ساتھیوں کو زمین اور خطابات عطا کئے، مگر اس کے ساتھ ہی عبدالملک نے امیر بلج سے یہ وعدہ لے لیا تھا

(۱) اصل میں ''بشر'' کی جگہ ''بشیر'' ہے، نفح الطیب سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

کہ جنگ ختم ہوجانے کے بعد اپنی جمعیت کے ہمراہ یہ افریقہ واپس ہوجائے گا۔

الغرض عبدالملک نے فوجِ شام کے دو حصے کیے، اور ان کی افسری اپنے بیٹوں قطن اور امیہ کے سپرد کی، اور دشمن کا مقابلہ کیا۔ اگر چہ(۱) دشمن کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی، لیکن عبدالملک کامیاب ہوا۔

عبدالملک کی گرفتاری

عبدالملک ہنوز باغیوں کے تعاقب اور ان کی سرکوبی میں مصروف تھا کہ ملک کی سرسبزی وشادابی اور مالِ غنیمت کی فراوانی سے امیر بلج کے دل میں اندلس کی حکومت کی ہوس پیدا ہوئی، اور جب ابن قطن نے اُس سے ایفائے وعدہ کا تقاضہ کیا، تو امیر بلج نے وہ واقعات یاد دلائے کہ جب افریقہ میں یہ لوگ قلعہ میں محصور تھے، اور بیماری وفاقہ کشی اور بربریوں کے متواتر حملوں سے مرگ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اور پھر اپنے احسانات یاد دلائے۔ غرض بلج نے اندلس چھوڑنے سے نہ صرف انکار کیا، بلکہ یہ کہا کہ عبدالملک کے شدید مظالم سے عاجز آکر خود رعایا نے مجھے ان مظالم کے انسداد کی درخواست کی ہے، جس کا منظور کرنا میرا بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کے بعد بلج نے عبدالملک کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اس کے دشمنوں نے بلج کو یہ رائے دی کہ اس کا قتل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، لیکن بلج نے ان کی رائے ناپسند کی، مگر جب اس نے یہ عام شکایت سنی کہ چونکہ عبدالملک بھی اس کا یمنی ہموطن ہے، اس لئے رعایت کر رہا ہے، بلج نے مجبوراً عبدالملک کو ان لوگوں کے حوالہ کر دیا۔

عبدالملک کا قتل

جس مؤرخ سے ہم نے اس حصہ تاریخ کو نقل کیا ہے وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ عبدالملک کی عمر اس زمانہ میں نوے (۹۰) برس کی تھی، باوجود اِس کبرسنی کے یہ نہایت وجیہ اور قد آور اور قوی تھا، اس کے چہرے سے آثار شجاعت اور بلند ہمتی کے نمایاں تھے۔ یہ پہلے زمانہ میں اس مشہور جنگ حجاز میں جو اہل شام اور

(۱) اصل میں ''اگر'' ہے، ''چہ'' کا اضافہ احقر نے کیا ہے (محمد امین)

اہل مدینہ سے ہوئی تھی شریک تھا۔ جب اس کے دشمنوں نے اسے اپنے قبضہ میں پایا تو جنگ مذکور کے واقعات یاد دلا کر کہا کہ اس وقت تو ہماری تلواروں سے بچ کر نکل گیا تھا، اور جب ہم قلعہ سوطا میں سخت تکلیفیں اٹھا رہے تھے، اور ہم کتوں کے گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے تھے، تو نے نہ صرف مدد دینے ہی سے انکار کیا، بلکہ دوسرے لوگوں کو اعانت کرنے سے باز رکھا تھا، اُس کے بعد انھوں نے عبدالملک کو قتل کر ڈالا۔

جنگ امراء اور بلج کا انتقال

عبدالملک کے بعد اس کے دونوں لڑکوں قطن اور امیہ نے قرطبہ سے بھاگ کر اپنے خیر خواہوں کی ایک جماعت کثیر جمع کر لی، بنی فہر جو اہلِ بربر سے تھے، اور اندلس میں پہلے سکونت پذیر تھے، وہ امیر عبدالرحمٰن بن حبیب کے ہمراہ عبدالملک کے خون کا انتقام لینے کے لئے اس کے لڑکوں کے ساتھ شریک ہو گئے، الفہری کے ساتھ اس کا ہم نام عبد الرحمٰن بن علقمہ گورنر شہر اربونیہ جس کی بہادری اندلس میں ضرب المثل تھی، اپنی جمعیت کے ہمراہ آملا، یہ لوگ ایک لاکھ فوج کے ہمراہ قرطبہ کا محاصرہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ ادھر سے بلج بھی فوراً بارہ ہزار سواروں کے ہمراہ، علاوہ اس فوج کے جو اسی ملک کے عربوں سے تیار کی گئی تھی دشمن کے مقابل [1] ہوا، اثنائے جنگ میں امیر ابن علقمہ نے بلج کو زخمی کر کے گھوڑے سے گرا دیا، باوجود اس واقعۂ عظیم کے فوجِ شام ذرا بھی ہراساں نہ ہوئی، اور لڑتے رہے، بالآخر یہی بے سردار فوج فتحیاب ہوگئی، مگر امیر بلج کے شدید زخموں نے اسے زندہ رہنے نہ دیا، چنانچہ اس جنگ کے دو ہی روز کے بعد اس نے سنہ ۱۲۴ھ ستمبر سنہ ۷۴۲ء میں اندلس کے داخلے کے گیارہ مہینے بعد انتقال کیا۔

ابن سلامہ کا انتخاب اور اس کا قرطبہ میں داخل ہونا

اس کے بعد شامیوں نے ثعلبہ بن سلامۃ العاملی کو اس کا قائم مقام کیا، لیکن اس نے اہل یمن کی اس قدر طرفداری شروع کی،

(۱) اصل میں "کے مقابل" کی جگہ "کا مقابلہ" ہے۔ (محمد امین)

کہ بنی فہر نے اس سے اپنا تعلق قطع کر ڈالا۔ ابھی اندلس کو آپس کی لڑائیوں سے دم لینے کی مہلت نہ ملی تھی کہ پھر آتش؛ خانہ جنگیوں کی از سر نو بڑے زور شور سے بھڑک اٹھی، اور وہ عرب جو سب سے پہلے اس ملک میں آ کر بسے تھے انھوں نے اہل بربر کے ساتھ ابن سلامہ کو شہر مریدہ میں محصور کر لیا، ان کو یقین تھا کہ اگر سامانِ خورد ونوش ختم ہوگا تو یہ لڑائی بغیر کشت وخون کے ختم ہو جائے گی۔ اِس خیال نے اور نیز ان کی بے شمار فوج نے ان کو اس قدر بے پروا کر دیا کہ شب وروز سیر وتماشے میں بسر کرنے لگے، جب ابن سلامۃ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ایک روز صبح کو جب یہ لوگ ناچ اور رنگ میں مشغول تھے، شہر سے نکل کر ان پر حملہ کیا، اس میں دس ہزار عرب گرفتار، اور ہزاروں قتل ہوئے، اس کے بعد امیر ابن سلامۃ قیدیوں کے ہمراہ شہر قرطبہ میں داخل ہوا، اور ایک روز ان کے قتل کا مقرر ہوا۔

ابوالخطار کا استقبال اور اس کی دور اندیشی

اسی زمانہ میں خلیفہ نے ابوالخطار بن ضرار الکلبی کو والیٔ اندلس مقرر کر کے روانہ کیا تھا، چونکہ آپس کے تنازعات اور خانہ جنگیوں سے عرب اور عیسائی پریشان ہو رہے تھے، اور ملک کے نظم ونسق میں طرح طرح کی خرابیاں ہو رہی تھیں، نئے امیر کے آنے کی خبر سنتے ہی دوست اور دشمن دونوں نے ہتھیار رکھ کر اس کی اطاعت قبول کر لی۔ عبدالملک کے لڑکوں اور امیر ابن سلامہ نے بھی صلح کر لی، اور ابوالخطار کا اہل شہر نے بڑی دھوم سے استقبال کیا، اور شہر قرطبہ میں لے گئے۔ یہ امیر سنہ ۱۲۵ھ میں اندلس داخل ہوا تھا۔ ابوالخطار بڑا بہادر اور فیاض آدمی تھا۔ لیاقت، متانت، سنجیدگی، دور اندیشی۔ انتظامِ سلطنت، بلکہ صفاتِ حمیدہ اس میں موجود تھے۔ شہر قرطبہ میں پہنچتے ہی اسے معلوم ہوا کہ اہلِ شام فساد کے بانی مبانی، اور اس کے اطراف واکناف میں کثرت سے بسے ہوئے ہیں، ان کی قوت توڑنے کے لئے ان کو دوسرے[1] صوبوں

(۱) اصل کتاب میں ''دوسرے'' کی جگہ ''دوسروں'' ہے۔ (محمد امین)

میں بسنے کا حکم دیا، اور انھیں کاشت اور زراعت کے لئے زمین دی، تا کہ یہ اس میں مصروف ہو جائیں۔

صوبہ البیرۃ (۱) جو ملک دمشق سے لطافتِ آب و ہوا میں بہت کچھ مشابہ تھا، اہل دمشق کے لئے تجویز کیا گیا، انھوں نے وہاں سکونت اختیار کرنے کے بعد اس کا نام شام رکھا، بنی ھمز کو صوبہ اشبیلیہ میں جگہ دی گئی۔ صوبہ جیان بنی قناصرین کے حصہ میں آیا، اور بنی الوردان کو رایۃ اور ملقون عطا ہوا، بیت المقدس کے رہنے والوں نے صوبہ شدونہ میں سکونت اختیار کی، اور بنی مفر کو ریاست تدمیر میں رہنے کا حکم ہوا۔ بہر کیف اس امیر نے شہر قرطبہ کو شامیوں سے خالی کرالیا، اس سے نقض امن کا اندیشہ بالکل جاتا رہا، اور اندلس میں امن و امان کی خوشگوار ہوا پھر چلنے لگی۔

ابوالخطار کی طرفداری اور اس کا نتیجہ

غرض کہ پہلے پہل ابوالخطار نے کمالِ متانت اور سنجیدگی سے اپنے جلیل القدر عہدہ کو انجام دیا، لیکن آخر الامر اس سے بھی وہی غلطی ہوئی جو اس کے پیشرؤں سے ہوئی تھی۔ اس نے اہل یمن کی طرف داری شروع کردی، بالخصوص جب کبھی اہل یمن میں اور بنی مفر اور ان کے ہم قوم بنی قیس میں نزاع ہوتی تھی، تو یہ ہمیشہ علانیہ اہلِ یمن کی طرف داری کرتا تھا، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنی مفر اور بنی قیس (۲) بھی عام طور پر اس کے حکم سے انحراف کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ تھوڑے ہی زمانہ میں خانہ جنگی کا شعلہ پھر ایک بار پہلے سے بھی زیادہ مشتعل ہوا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک روز یمنی عرب جو رشتہ میں امیر کا چچازاد بھائی ہوتا تھا، بنی کنعان کے عرب سے لڑا۔ دونوں نے اپنے اپنے مقدمے والی کے روبرو پیش کئے، راست بازی کنعانی عرب کی ثابت ہوئی، لیکن باوجود ثبوتِ قطعی کے امیر نے فیصلہ اپنے چچازاد بھائی کی طرف کردیا، اس یک طرفہ

(۱) انگریزی میں الویرا کہتے ہیں۔ (۲) اصل میں بنی قیس کے بعد "نے" ہے، لیکن یہاں یہ لفظ بے جوڑ معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کو حذف کیا گیا ہے۔ (محمد امین)

فیصلہ سے ناراض ہوکر کنعانی عرب نے سردار بنی مفر، ابن حاتم بن شمر الکلبی عرف ابوالجوشن کے پاس حاضر ہوکر ناانصافی کی داد چاہی۔

ابوالجوشن کی توہین اور اس کا عزمِ مُصمّم

یہ امیر جو ہمیشہ ظلم وستم اور ناانصافی سے متنفر رہتا تھا، اس غریب کی آہ وزاری سنتے ہی کشیدہ خاطر ہوا، اور چونکہ یہ اپنی قوم کے حقوق کی حفاظت میں جان ومال کی بھی پروانہ کرتا تھا، فوراً ابوالخطار کے پاس آ کر غیر ملائم الفاظ میں اس خلافِ مَعدلت فیصلہ کی شکایت کی، اس نے بھی اس امیر کی شان میں توہین آمیز جملے استعمال کئے، اس کا جواب بھی اس نے ترکی بترکی دیا۔ پھر یہ رنجش اس قدر بڑھی کہ ابوالخطار نے[1] دربانوں کو حکم دیا کہ اسے باہر نکال دیں، اس تکرار میں بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالجوشن کے سروگردن پر کسی نے دو تین گھونسے بھی مارے جس سے اس کا عمامہ سر کے ایک طرف لٹک پڑا، جب یہ قصر کے دروازے سے گزرا تو ایک شخص نے پوچھا کہ اے ابو الجوشن[2]! تیرے عمامہ کو کیا ہوا ہے؟! جو سر کے ایک طرف لٹک پڑا ہے، اس نے جواب دیا کہ عنقریب میری قوم میرے عمامہ کو سیدھا کردے گی۔

ابوالجوشن نے مکان پر پہنچتے ہی اپنی جانبدار قوم کے امیروں کو مشورہ کے لئے طلب کیا، وہ سب اس کے مکان پر آئے، رات کو ابوالجوشن نے کہا کہ تم نے کچھ سنا کہ ''آج مجھ پر کیا گزرا! امیر نے سرِ دربار میری آبروریزی کی، جس سے نہ صرف میری خفت، بلکہ تمہاری اور تمہاری قوم کی بھی ذلت ہوئی''

اس کے بعد سب نے واقعہ مذکور کو دُہرایا۔ حاضرین جلسہ نے پوچھا کہ اب تو ہم سے کس قسم کی امداد چاہتا ہے؟ ابوالجوشن نے جواب دیا کہ تاوقتیکہ میں ابوالخطار کو اس ملک کی حکومت سے علیحدہ نہ کردوں گا، زندگی اور آرام مجھ پر حرام ہے، اسی وقت

(۱) اصل میں ''نے'' کی جگہ ''کے'' ہے۔ (محمد امین) (۲) اصل میں ''ابوالجوشن'' کی جگہ ''ابوالحسن'' ہے۔ (محمد امین)

میں قرطبہ سے روانہ ہوتا ہوں، یہاں مجھے کامیابی کی امید نہیں ہے، مگر یہ بھی بتاؤ کہ میں کہاں اور کس کے پاس جاؤں؟ کون مجھے مدد دے گا؟ ان لوگوں نے کہا: باستثنائے ابو عطاء القیسی، اور جس کے پاس تیرا دل گواہی دے چلا جا، اول تو یہ کسی قابل ہی نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اگر تیرے لئے کچھ کر بھی سکتا ہے تب بھی یہ تجھے کسی قسم کی مدد نہ دے گا ـــــ ابو عطا سے[1] بدظنی کی یہ وجہ تھی کہ وہ ابوالجوشن سے بہت عداوت رکھتا تھا ـــــ بجز ابو بکر بن طفیل العبدی کے سب نے اس رائے کی تائید کی، وہ خاموش بیٹھا ہوا ان کی گفتگو سنتا رہا، اگرچہ یہ سب سے کم عمر تھا، لیکن اپنی قوم میں بڑا صاحب الرائے سمجھا جاتا تھا، ابوالجوشن نے اس سے پوچھا کہ اے ابن طفیل! تو اپنی رائے کیوں نہیں ظاہر کرتا؟! اس نے جواب دیا کہ مجھے صرف ایک بات تجھ سے کہنی ہے کہ اگر تو ابو عطاء کے پاس نہ گیا، اور اب بھی اس کا دشمن بنا رہا تو ہم کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے، اور انجام کار ہم سب قتل ہوں گے، برعکس اس کے اگر تو ابو عطاء کے پاس چلا جائے، اور اُسے بھی اس راز میں شریک کرلے تو مجھے یقین ہے کہ وہ ایسے نازک وقت میں اپنی قدیم عداوت اور دشمنی کو بھول جائے گا، اور اپنی قوم کے لئے دل وجان سے تیرا ساتھ دے گا۔ یہ تقریر ابو الجوشن سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا، اور ابن طفیل کی جانب مخاطب ہوکر کہا کہ یہ رائے مناسب وقت ہے، اور میں بلاتأمل اسی پر عمل کروں گا۔

اس کے بعد ابوالجوشن شہر غریجہ میں سیدھا ابو عطاء کے مکان پر گیا، اور اس قصہ کو اس کے سامنے بیان کیا، وہ اس کی مدد اور اعانت کرنے پر مستعد ہوگیا ـــــ پھر ابو الجوشن یہاں سے روانہ ہوکر شہر موررو پہنچا، اور ابن سلامۃ سے ملاقات کی، چونکہ ابن سلامۃ کو بھی ابوالخطار نے اسی قسم کی زک پہونچائی تھی۔ گو یہ امیر اہلِ یمن کے مشہور سرداروں میں گنا جاتا تھا، لیکن اس نے ابوالجوشن سے اقرار کرلیا کہ اگر بنی مضر

(۱) اصل میں ''سے'' کی جگہ ''کی'' ہے۔ (محمد امین)

کی فوج میدانِ جنگ میں آئے گی، تو میں بھی تیری مدد کروں گا۔ جب ابوالجوشن کو معلوم ہوگیا کہ اندلس کے مشہور اور ذی اقتدار امیر بھی والی کے طرز حکومت سے ناراض ہیں، اور میری مدد کے لئے تیار ہیں، اس نے سب سے شدونہ میں اپنی اپنی فوج کے ساتھ ملنے کا وعدہ لیا، جب یہ سب شہر مذکور میں مجتمع ہو گئے تو ابوالخطار کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔

ابوالخطار کی گرفتاری اور رہائی

وادی لکّہ کے کنارے پر جنگ شروع ہوئی، اس جنگ میں صرف والی مذکور کی فوج کو شکست فاش ہی نہیں ملی، بلکہ وہ خود بھی گرفتار ہوگیا۔ ابوالجوشن اور ابن سلامۃ کا پہلے یہ خیال ہوا کہ اسے قتل کر دیں، مگر بعدہٗ ابوالخطار کو پابزنجیر قرطبہ کے ایک مستحکم و مضبوط قلعہ میں مقید کر دیا۔ یہ جنگ اور گرفتاری ابوالخطار کی ماہ رجب سنہ ۱۲۷ھ م سنہ ۷۴۵ء میں واقع ہوئی، ابوالخطار بہت روز مقید نہیں رہا۔ قید کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس کے ایک دوست عبدالرحمٰن بن حسن الکلبی نے ایک رات کو موقع پا کر اسے رہا کر دیا۔

ابوالخطار کی دوبارہ گرفتاری اور اس کا قتل

اس کے بعد جب یمنی عربوں کو معلوم ہوا کہ امیر کا قصد دشمنوں کے مقابلہ کا ہے، سب اہل قوم اس کے پاس جمع ہو گئے، اور ابوالخطار بہ ہمراہی فوج کثیر قرطبہ روانہ ہوا۔ ابوالجوشن اور ابن سلامۃ بھی غافل نہیں تھے، وہ اپنی فوج تیار کر کے میدان شکندہ میں ابوالخطار کے مقابل ہوئے۔ یہ جنگ سنہ ۱۲۹ھ م سنہ ۷۴۶ء میں واقع ہوئی، اس میں ابوالخطار نے پھر شکست فاش پائی، اور دشمنوں کے ہاتھ میں دوبارہ گرفتار ہوگیا۔ انھوں نے فوراً اسے قتل کر ڈالا،

ابن سلامہ اور یوسف الفہری کا انتخاب

ابوالخطار کے قتل کے بعد ملک کے امراء اور فوجی افسروں نے ابن سلامۃ کو اس کا قائم مقام مقرر کیا، لیکن چند ماہ کے بعد ربیع الثانی سنہ ۱۲۹ھ میں

یوسف بن عبدالرحمن بن حبیب الفہری کو رعایا نے اس عہدہ پر مامور کر دیا۔

یوسف الفہری کا انتظام

چونکہ ابن سلامۃ اور ابوالجوشن کے عہد حکومت میں تمام ملک میں بدانتظامی پھیل گئی تھی، اس وجہ سے امیر یوسف کے تقرر سے عیسائی اور مسلمان دونوں کو خوشی حاصل ہوئی۔ ابن سلامۃ کا انتقال اس واقعہ سے کچھ روز پہلے ہی ہو چکا تھا، ابوالجوشن، اور عمر بن عمرو القریشی حاکم سواحل اندلس کو یوسف کا تقرر نہایت ناگوار گزرا، لیکن اس امیر کی لیاقت اور متانت اور سنجیدگی اظہر من الشمس تھی، اور اس (ملک) کا ادنی اور اعلی اسے اپنے دل سے عزیز رکھتا تھا، ان لوگوں کو بجز خاموشی اور اطاعت کے دوسرا چارہ نہ تھا، امیر یوسف نے اپنی صلح پسند طبیعت کا یہ ثبوت دیا کہ فوراً اپنے مخالف ابوالجوشن کو صوبہ طلیطلہ [1] کا حاکم مقرر کیا، مگر یوسف کی صلحِ کل طرز حکومت نے کچھ فائدہ نہ پہونچایا۔ چنانچہ عبدالرحمن بن علقمہ حاکم اربونیہ بہ نیت بغاوت اس کے مقابلے کے لئے فوجیں جمع کرنے لگا۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ پورا تیار ہوتا، اور یوسف سے مقابلہ کرتا، یہ خود مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے امیر ابن الولید نے عیسائیوں کی مدد سے مقابلہ کیا، اور اشبیلیہ کو فتح کر کے قرطبہ کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن امیر یوسف نے اس کی فوج کو شکست دی، اور اسے گرفتار کر کے فوراً قتل کر ڈالا۔ اسی طرح عمر بن عمرو نے بھی بغاوت کی، لیکن یہ بھی ناکام رہا۔

الغرض جب یوسف الفہری ان باغیوں کی تنبیہ کر چکا، اور اسے یقین ہو گیا کہ اب کسی کو جرأت باقی نہیں رہی۔ یہ پھر انتظام ریاست کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے تمام صوبوں کا دورہ کیا، اور ہر صوبہ پر ایسا حاکم مقرر کیا جس پر بھروسہ تھا۔ بدنیت اور ظالم حکّام کو سزائیں دیں، فوجی راستے جو اس خانہ جنگی میں توڑ ڈالے گئے تھے وہ درست اور از سرِ نو بنائے گئے ——— علاوہ اس انتظام کے امیر یوسف نے ایک

(۱) اصل میں ''طلیطلہ'' کی جگہ ''طلیطہ'' ہے۔ (محمد امین)

فہرست اس ملک کے شہروں کی تیار کرائی، اور اندلس کے پانچ صوبے مقرر کئے، پہلے صوبہ کا نام اندلوسیہ رکھا، اس صوبہ کے مشہور شہر یہ تھے: قرطبہ، قرمونہ، اشبیلیہ، شدونہ، ملقون، البیرۃ، جیان ——— دوسرا صوبہ طلیطلہ تھا، اس میں شہر طلیطلہ، اوبیدہ، بیسہ، مرسیہ، دینیہ، بلنسیہ داخل تھے ——— تیسرا صوبہ مریدۃ۔ پیشتر صوبہ جلیقیہ کے نام سے مشہور تھا، اس (کے) مشہور شہروں میں مریدۃ بیجستہ، بشبونہ، سلامیز کا گنے جاتے تھے ——— چوتھا صوبہ سرقسطہ، اس کے مشہور شہر سرقسطہ، ترکونہ، برشلونہ، لریدۃ تھے ——— پانچواں صوبہ اربونیہ، یہ صوبہ سرزمینِ فرانس میں واقع تھا۔

خلیفہ مروان سے بنی عباسیہ کی بغاوت

خلیفہ مروان بن محمد کے عہد حکومت میں بنی عباسیہ نے اس خاندان کو کمزور پا کر ملک شام میں بغاوت کی، خلیفہ یزید اور مروان کے زمانۂ حکومت میں ظلم اور زیادتی نے اس قدر ترقی پائی تھی، کہ زمینِ مشرق کی تمام رعایا اِس خاندان سے بددل ہوگئی تھی، صرف ایک سہارے کا انتظار تھا، بنی عباسیہ پہلے ہی سے اس موقع کے منتظر تھے، انھوں نے فوراً بغاوت کا نشان بلند کردیا، اور بنی امیہ کو متواتر شکستیں دیں۔

جب اس انقلابِ عظیم کی خبر ملک اندلس میں مشتہر ہوئی، تو بعض ہوا خواہانِ بنی عباسیہ نے اس ملک میں بھی فساد شروع کیا، جن میں الزہری اور ابن حاتم بھی شریک تھے۔ ان اُمرائے جلیل القدر نے اپنے ارادوں میں اس قدر کامیابی حاصل کی کہ شہر سرقسطہ کا محاصرہ کرلیا، ابوالجوشن نے امیر یوسف سے مدد طلب کی، لیکن اس نے مدد دینے سے انکار کردیا۔ ابوالجوشن کی خوش قسمتی سے بنی قیس نے اس کی مدد واعانت کی، اور بہت کچھ کشت وخون کے بعد اسے قیدِ محاصرہ سے رہا کردیا۔ مگر شہر سرقسطہ الزہری کے قبضہ میں رہا، اور آخرکار امیر یوسف کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

باب پنجم

بنی عباسیہ کی کامیابی ـــــ سلطنت (بنی) امیہ کا خاتمہ ـــــ مروان کے انتقال کے بعد عبدالرحمٰن بن معاویہ کا فرار ہونا ـــــ اس کا تعاقب کیا جانا ـــــ اس کا مغرب الاقصی میں داخل ہونا ـــــ بدر کو اندلس روانہ کرنا ـــــ اس کے طرفداروں کی کامیابی ـــــ عبدالرحمٰن کا اندلس روانہ ہونا ـــــ امیر یوسف کی تیاری ـــــ عبدالرحمٰن کا جانب قرطبہ جانا ـــــ جنگ مصارۃ ـــــ اس کی کامیابی ـــــ امیر یوسف کا تعاقب اور گرفتاری۔

بنی عباسیہ کی کامیابی اور سلطنتِ بنی اُمیَّہ کا خاتمہ

مروان بن محمد کے زمانۂ حکومت میں ابوالعباس (۱) عبداللہ نے بغاوت اختیار کی، اور اپنی جمعیت کے ہمراہ خلیفہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا، شام کی رعایا خلیفہ یزید اور مروان کے ظلم وستم سے عاجز اور بددل ہوگئی تھی، اہلِ کوفہ نے ابوالعباس کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کرلی تھی، اور سلطنت کا اسے حقدار سمجھ کر بغاوت پر آمادہ ہوگئے تھے، خلیفہ نے فوج، بنی عباس کے مقابلہ کے لئے روانہ کی، لیکن آخر کو فتح ونصرت بنی عباس ہی کو نصیب ہوئی، ابوالعباس، مروان کی فوج کو متواتر شکستیں دیتا ہوا دمشق میں داخل ہوگیا۔

خلیفہ مروان نے مصر کا عزم کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ مصر میں داخل ہو،

(۱) اصل میں ''ابوالعباس'' کی جگہ ''ابوالعاص'' ہے۔ (محمد امین)

ابوالعباس کے بھائی صالح نے اس کو شہر نصیر میں گرفتار کرلیا، مروان جمادی الثانی سنہ ۱۳۲ھ م سنہ ۷۵۰ء میں قتل ہوا، سلطنت بنی امیہ کا اسی سنہ میں خاتمہ ہوا، اور دورِ خلافتِ عباسیہ شروع ہوا۔ ہمیشہ قابل آدمی ہی ہر قوم میں، عام اس سے کہ وہ جاہل ہو یا مہذَّب، اس قوم پر قابض و متصرف ہوا کرتا ہے۔

زمانۂ قدیم میں بخیال حفظ ماتقدم بقائے سلطنت اور استحکام اساسِ حکومت کی غرض سے یہ لازم سمجھا جاتا تھا کہ جب کوئی بادشاہ تخت نشین ہوتا تھا تو کل دعویٰ دارانِ ریاست کو، عام اس سے کہ وہ یگانہ ہوں، یا بیگانہ، موافق ہوں یا مخالف، ان کے نقشِ ہستی کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیتا تھا ـــــ تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب بھی اسی مذموم طرز کے عادی تھے۔ چنانچہ جب بنی عباسیہ نے تاج اور تخت حاصل کیا، تو ممالک محروسہ میں جاسوسوں کو یہ حکم دیا کہ بنی امیہ کے خاندان کا ایک شخص بھی زندہ نہ رہنے پائے۔ جہاں کہیں اس خاندان کا آدمی نظر آتا تھا وہ نہایت بے رحمی سے قتل کیا جاتا تھا۔

مروان کے قتل کے بعد عبدالرحمٰن بن معاویہ کا فرار ہونا

الحاصل جب سلطنت بنی امیہ ختم ہوگئی، اور بنی عباس اس خاندان کو تباہ و برباد کرنے لگے، تو ان میں سے ایک نوجوان جس کی عمر تیس (۳۰) سال سے زیادہ نہ تھی، اور اس کا نام عبدالرحمٰن بن معاویہ تھا کسی ترکیب سے اپنے دشمنوں کی نگاہ بچا کر بھاگ نکلا، اور اپنی بی بی اور لڑکے کے ساتھ دریائے فُرات کے قریب ایک خطرناک جنگل میں پناہ گزیں ہوا، افریقہ میں پہنچنے کے قبل جو جو مشکلیں اور واقعات اس کو اس سفر میں پیش آئے، ان کی نسبت ہم خاص عبدالرحمٰن کی تقریر حسب ذیل تحریر کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن کی دلخراش داستان

"ایک روز میں اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ پانی زور سے برس رہا تھا کہ میرا بیٹا سلیمان جس کی عمر چار (۴) سال کی تھی، خیمہ کے باہر میرے سامنے کھیل رہا تھا، چیخیں مارتا ہوا اندر آیا، اور

میرے سینے سے لپٹ گیا، میں نے اسے علحدہ کرنا چاہا، لیکن اس پر اس قدر خوف تھا کہ وہ مجھ سے کسی طرح جدا نہ ہوا، تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو قریب کے قصبوں سے شور وغل کی آوازیں میں نے سنیں، اور لوگوں کو پریشان حال چاروں طرف بھاگتے ہوئے دیکھا۔ جب میں آگے بڑھا تو بنی عباس کے پھریرے ہوا میں اڑتے ہوئے نظر آئے، میں نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں میرا چھوٹا بھائی دوڑتا ہوا آیا، اور کہا کہ اے بھائی! یہاں سے بھاگو! بنی عباس کے پھریرے بہت ہی قریب آپہنچے ہیں۔ یہ سنتے ہی میں خیمے میں واپس آیا، اور کچھ دینار لے کر بیٹے اور بھائی کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہوا۔ جب میں اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو سواروں نے خیمہ کو گھیر لیا، اور آدمیوں نے اندر جا کر خوب ڈھونڈا۔ مگر کوئی نہ ملا، یہ لوگ باہر نکل آئے، اور تھوڑی دیر کے بعد قصبہ سے کوچ کر گئے، مگر ہم تینوں آدمی ایک محفوظ مقام پر ٹھہرے۔

اسی اثناء میں بدر میرا غلام ایک اجنبی شخص کے ہمراہ میرے پاس آیا، یہ اجنبی دریا اور اس سرزمین سے خوب واقف تھا، میں نے اس کے لئے گھوڑا اور نفیس پوشاک خریدنے کا حکم دیا، پھر معلوم ہوا یہ دشمنوں کا جاسوس ہے، ہم تھوڑی دور تک اس کے ساتھ گئے تھے کہ پھر انھیں سواروں کو اپنی جانب بہت تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے دیکھا، ہم بھاگتے تھے، اور خدا سے دعائیں مانگتے تھے، کہ دریا کے کنارے ان سے پہلے ہم پہنچ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ہم جب دریا میں تیرتے ہوئے چلے تو انھوں نے لبِ دریا پہنچ کر ہم سے کہا کہ تم باہر نکل آؤ، ہم تمھیں کسی قسم کا نقصان نہ پہونچائیں گے۔ لیکن میں نے ایک نہ سنی، اور ہمراہیوں کے ہمراہ تیرتا ہوا چلا، تاکہ پار پہنچ جاؤں، مجھے تیرنے میں کمال حاصل تھا۔ میں نے اپنے لڑکے کو اور بدر نے میرے بھائی کو کاندھے پر چڑھا لیا۔

ہنوز وسط دریا تک نہ پہنچے تھے کہ میرے بھائی کو خوف واضطراب از حد پیدا ہوا، اور ظاہر ہوتا تھا کہ اگر وہ آگے بڑھا تو ڈوب جائے گا۔ میں یہ حالت دیکھ کر اس کے پاس

آیا، اور بہت کچھ سمجھایا، لیکن وہ آگے نہ بڑھا، چونکہ اس کی قضا سر پر کھیلتی تھی وہ دشمنوں کی جانب واپس ہوا، میں بمشکل تمام دریا کے پار ہوا، تو پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ظالموں نے کنارے سے کچھ فاصلہ پر میرے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ اس کی عمر تیرہ (۱۳) برس کی تھی، دشمنوں نے لاش کو وہیں ڈال دیا۔ صرف سر لے گئے، جن آدمیوں نے میرا ساتھ دیا تھا وہ بھی جدا ہو گئے، اس وحشت ناک واقعہ کا اثر میرے دل پر اس قدر رہا کہ میں پھر بھاگا اور جنگل کی جھاڑی میں چھپ رہا۔ چند روز کے بعد دشمنوں نے میرا تعاقب چھوڑ دیا، اور میں افریقہ کی طرف روانہ ہوا"

عبدالرحمٰن کا مغرب الاقصیٰ میں داخل ہونا، اور بدر کو اندلس روانہ کرنا

عبدالرحمٰن بڑی مشکل سے افریقہ پہنچا، وہاں اپنے غلام بدر اور سالم اور اپنی بہن ام الاِسباغ سے ملاقات کی، لیکن اس ملک میں بھی اسے آرام نصیب نہ ہوا، عبدالرحمٰن بن حبیب الفہری والیٔ افریقہ نے بنی عباس کی کامیابی کی خبر سن کر بنی اُمیّہ پر اس ملک میں بھی ظلم وستم شروع کیا۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں بھی میرا رہنا مناسب نہیں، تو اپنے متعلقین کے ہمراہ بنی رُستم کے پاس فروکش ہوا۔ یہ شخص قبیلہ بربر کا تھا۔ یہاں سے اندلس کے حالات دریافت کرنے لگا، معلوم ہوا کہ یہاں اس کے خاندان کے لوگ موجود ہیں، اس نے اپنے غلام بدر کی معرفت ابوعثمان عبیداللہ بن عثمان اور عبداللہ بن خالد کو جو عہدِ سلطنتِ بنی اُمیّہ میں علم برداری کے عہدہ پر مامور تھے، اور باوقعت سمجھے جاتے تھے، خطوط روانہ کئے، جن میں وہ احسانات ومراعات درج تھے جو خلفائے بنی امیہ نے بنی عباس کے ساتھ کئے تھے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنے حقوق سلطنت

کا اظہار کیا، اور ان سے دریافت کیا کہ آیا وہ ایسے نازک وقت میں ہماری مدد و اعانت کرنے پر آمادہ ہیں یا نہیں، اور جن امور پر ان کی کامیابیاں منحصر تھیں ان کا تذکرہ بھی کیا، اور یہ بھی یقین دلایا کہ آج کل اہل یمن اور بنی مضر میں نزاع پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ آپس کی خانہ جنگیوں میں مصروف ہیں، اگر تم ہماری مدد کرو گے تو ہم کامیاب ہو جائیں گے ——— ابو عثمان نے مدد دینے کا وعدہ کرلیا۔

یہ خط اس کو اس وقت ملا جب یہ حسب الحکم امیر یوسف والیٔ اندلس، شہر سرقسطہ جس میں الزہری نے ابن حاتم کو محصور کرلیا تھا۔ جانے کی تیاری کر رہا تھا، اور باوجود وعدہ مذکورہ ابو عثمان نے والی کے حکم کی تعمیل مناسب خیال کی، اثنائے راہ میں اس نے اپنے داماد عبداللہ بن خالد سے مشورہ کیا، اور بعد مباحثہ یہ رائے قرار پائی کہ عبدالرحمن کے ارادوں سے ابن حاتم کو بھی مطلع کرنا چاہئے، عجب نہیں کہ وہ اپنے ذاتی فائدے کے خیال سے ہمارا شریک ہو جائے، چنانچہ ابو عثمان نے اس سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا، ہنوز اس نے گفتگو ختم نہ کی تھی کہ ابوالجوشن نے امیر یوسف کی شکایت کی، اور بیان کیا کہ میں تمہاری مدد کے لئے موجود ہوں، عبدالرحمن کو یہاں آنے کا مشورہ دو، میں اندلس میں داخل ہوتے ہی امیر یوسف کو اس امر پر آمادہ کروں گا کہ وہ عبد الرحمن کو شاہانہ استقبال سے شہر میں لائے، اور اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردے، اگر امیر اس پر راضی ہو گیا تو بغیر کشت و خون تمہارا مطلب نکل آئے گا، اور اگر وہ راضی نہ ہوا تو اسے عہدۂ حکومت سے جدا کر کے تمہارے دوست کو خلیفہ بنائیں گے۔

اس قرارداد کے بعد ابوالجوشن صوبہ طلیطلہ کو روانہ ہوا، ابو عثمان اور عبداللہ بن خالد شہر البیرۃ کو واپس آئے، اس شہر کی رعایا اور شام کی فوج اور امراء جو اس امیر کے ماتحت تھے اس راز سے واقف ہو گئے تھے، اور اس کی مدد و اعانت کرنے پر آمادہ ہو چکے تھے، رفتہ رفتہ یہ خبر شہر کے اطراف و اکناف میں بھی شائع ہونے لگی، جس سے عوام الناس کے خیالات دریافت کرنے کا موقع بھی ملا، چونکہ اس زمانہ کے تحت قحط سے

رعایا حیران و پریشان ہو رہی تھی تھوڑی سی داد و دہش نے اس کو ہموار کرلیا۔
بعض مؤرخین اس واقعہ کو بہ تبدیل مضمون یوں تحریر کرتے ہیں کہ ابن حاتم نے پہلے مدد دینے کا وعدہ کیا، پھر اپنی رائے سابقہ بدل دی، اور اِن امیروں سے صاف کہہ دیا کہ میں امیر یوسف کے طرزِ حکومت سے خوش ہوں، میں نہیں پسند کرتا کہ دوسرا شخص اس عہدہ پر مقرر کیا جائے، میں تم کو مطلع کرتا ہوں کہ تم اگر ان خیالات سے جو تم نے دل میں جمائے ہیں باز نہ آئے، تو مجھ کو مجبوراً دوسری تدبیروں سے تمھیں روکنا پڑے گا، جب ابوعثمان اور اس کے ہمراہیوں نے دیکھا کہ بنی مفر اور بنی قیس مدد دینے پر آمادہ ہیں، تو انھوں نے اِن قبیلوں کو اہلِ یمن سے لڑانا شروع کیا، اور ایک جہاز خرید کر بدر کو گیارہ آدمیوں کے ہمراہ افریقہ روانہ کیا، کہ وہ عبدالرحمٰن کو یہاں کے واقعات سے اطلاع کردے، اور اندلس میں داخل ہونے کے لئے اسے تیار رکھے۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ کا اندلس روانہ ہونا

عبدالرحمٰن، بدر اور تمام بن علقمہ سے اپنی کامیابی کی خوشخبری سنتے ہی اندلس کی طرف روانہ ہوا، اور ربیع الاول، یا ربیع الآخر سنہ ۱۳۸ھ میں بندر المنقاب صوبہ البیرۃ میں جہاز سے اترا، اس کے استقبال کے لئے ابوعثمان اور ابن [1] خالد اور یوسف بن بخت، ابوعبیدہ، حسین بن مالک الکلبی اور دوسرے امراء بنی امیہ کے لبِ دریا موجود تھے، یہاں سے یہ سب ابوعثمان کے مکان پر گئے، اس نے پہلے ہی کامیابی کا پورا بندوبست کرلیا تھا، عبدالرحمٰن کے پہنچتے ہی عوام الناس کو مدد و اعانت کرنے پر آمادہ کرنے لگا۔ چنانچہ جب یہ اندلس میں پہنچا، اس کے سات (۷) مہینہ کے بعد قرطبہ پایۂ تخت اندلس میں داخل ہوا، جس کا ذکر مِنْ بعد (آگے) کیا جائے گا، ادھر عبدالرحمٰن اور اس کے ہمراہی فوج کی فراہمی اور درستی میں مصروف تھے، جس کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔

(۱) اصل میں ''ابن'' کے بجائے ''ابو'' ہے (محمد امین)

امیر یوسف کی تیاری

ادھر یوسف الفہری صوبہ ارغوان میں باغیوں کے مقابلے میں خیمہ زن تھا، عبدالرحمٰن کے آنے کی خبر سنتے ہی باغیوں سے مقابل ہوگیا، اور بعد کامیابی یہاں سے طلیطلہ کی طرف بسرعت تمام روانہ ہوا، طلیطلہ پہنچتے ہی امیر نے ان قیدیوں کو جن میں بعض مشہور اہل قریش کے امراء بھی تھے، خلاف وعدہ قتل کرنے کا حکم دیا، اس کا یہ فعل دوسرے امراء کو ناگوار گزرا، اور یہ اس کی وعدہ خلافی سے اس قدر بددل ہوئے کہ رات ہی کو اپنی اپنی فوج کے ہمراہ عبد الرحمٰن سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے، امیر یوسف کو یہ خبر اس وقت پہنچی کہ جب وہاں پر بجز چند امرائے بنی قیس کے جو ابوالجوشن سے ایک تعلق خاص رکھتے تھے، دوسرا شخص موجود نہ تھا، امیر نے ابن حاتم سے رائے طلب کی، اِس نے بیان کیا کہ بہتر ہوگا کہ آگے بڑھنے کے عوض (بجائے) ہم عبدالرحمٰن کو اپنی طرف آنے دیں، اور یہیں اس کا مقابلہ کریں، امیر یوسف نے اس رائے سے اختلاف کیا، اور کہا کہ مقابلے سے پہلے قرطبہ میں داخل ہوکر فوج کا درست کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، چنانچہ یوسف، ابن حاتم کے خلافِ مشورہ قرطبہ روانہ ہوا (یعنی ابن حاتم کے مشورہ کے برخلاف یوسف قرطبہ روانہ ہوا)

عبدالرحمٰن کا جانب قرطبہ جانا اور جنگ مصارۃ

اِدھر عبدالرحمٰن سات سو سواروں کے ہمراہ ریتہ آیا، یہاں کی رعایا اس کی مدد اور اعانت پر آمادہ ہوگئی، حاکم شہر عیسیٰ بن مساود نے بحلف اطاعت قبول کرلی، یہاں سے عبدالرحمٰن شدونہ اور مورور ہوتا ہوا اشبیلیہ میں داخل ہوا۔ ان شہروں کے حاکم عتاب بن علقمہ اور ابوالصبا بن یحییٰ سردار اہلِ یمن بھی باظہار اطاعت وفرماں برداری اپنی اپنی فوج کے ہمراہ اس کے لشکر میں شامل ہوگئے۔

عبدالرحمٰن نے تمام فوجی افسروں کو جمع کرکے آگے بڑھنے کے متعلق مشورہ کیا۔ سب نے قرطبہ پر حملہ کرنے کی رائے دی، عبدالرحمٰن نے اس کے مطابق قرطبہ پر یورش کی، امیر یوسف بھی اس کے مقابلہ کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ دونوں فوجیں

وادی الکبیر کے متصل میدان مصارۃ میں ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن ہوئیں۔ قحط نے عبدالرحمٰن کی فوج کو پریشان کررکھا تھا، اور یہ ان کے دلوں کے بڑھانے کی کوشش کررہا تھا کہ دفعتۃً امیر یوسف نے پیام صلح بھیجا، چوں کہ عیدالاضحیٰ [1] میں صرف دو ہی روز باقی تھے، اِس نے دو روز کی مہلت حاصل کر کے اسی قلیل عرصے میں فوج درست کرلی، جمعہ کے روز سنہ ۱۳۸ھ م ۱۴ر مئی سنہ ۷۵۶ء میں اس نے صبح دم امیر یوسف کی فوج پر حملہ کیا، دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ اگرچہ امیر یوسف اور ابوالجوشن نے کمال دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا، لیکن کامیابی عبدالرحمٰن ہی کو نصیب ہوئی، اس لڑائی میں امیر یوسف کا بیٹا عبدالرحمٰن اور دوسرے امراء جنھوں نے امیر یوسف کا ساتھ اس جنگ میں دیا تھا گرفتار ہو گئے۔ ابن حاتم ابوالجوشن [2]، یوسف الفہری بچ کر نکل گئے، ابن حاتم شہر مریدۃ میں، اور یوسف الفہری صوبہ جَیّان میں پناہ گزیں ہوا۔

امیر ابوالصبا کی تقریر اور اس کا قتل

اس جنگ کے ختم ہوتے ہی امیر ابوالصبا نے فوج کی طرف مخاطب ہوکر یوں تقریر کی۔ ''اے ہموطنو!! آج اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ عظیم الشان فتح عطا فرمائی ہے۔ امیر یوسف اور ابن حاتم میں اب اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ دوبارہ ہم سے مقابلہ کریں، اس موقع کو ہاتھ سے نہ (جانے) دینا چاہئے۔ میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اس نوجوان افسر یعنی عبدالرحمٰن بن معاویہ کو فوراً قتل کرڈالو، اور اتنے آدمیوں میں سے جس کو تم پسند کرو اسے اس ملک کا حاکم مقرر کردو''

ابوالصبا کی اس تقریر کو افسر اور فوج دونوں نے سنا، لیکن کسی نے اس کا جواب نہ دیا، بلکہ اس تقریر سے عبدالرحمٰن کو مطلع کیا، ابوالصبا ایک سال کے بعد عبدالرحمٰن

(۱) اصل میں ''عیدالاضحیٰ'' کے بجائے ''عیدالضحیٰ'' ہے (محمد امین)

(۲) ابوالجوشن؛ ابن حاتم کی کنیت ہے اس لئے آگے صرف ابن حاتم اور یوسف الفہری کا تذکرہ ہے۔ (محمد امین)

کے حکم سے قتل کیا گیا۔

عبدالرحمٰن کا قرطبہ میں داخل ہونا اور اس کا مدبرانہ برتاؤ

پھر عبدالرحمٰن یہاں سے دارالسلطنت قرطبہ کی جانب روانہ ہوا، شہر میں داخل ہونے کے بعد یہ حکم دیا کہ جو شخص ہماری اطاعت کرے گا اس کی خطا معاف کردونگا، اس مدبرانہ برتاؤ نے عبدالرحمٰن کو چند ہی روز میں ہر دلعزیز بنادیا۔ حتی کہ اس ملک کے بڑے بڑے شہروں کے حاکموں نے اس کی اطاعت قبول کرلی۔

امیر یوسف کی گرفتاری

امیر یوسف اور ابن[1] حاتم نے اپنی منتشر فوج کو از سر نو جمع کیا، اور ایک بار پھر مقابلہ کے لئے شہر قرطبہ روانہ ہو گئے لیکن بمقتضائے وقت عبدالرحمٰن سے صلح کرنی مناسب سمجھی، چنانچہ حسب معاہدہ امیر عبدالرحمٰن نے امیر یوسف اور ابن حاتم ابوالجوشن[2] کی خطائیں معاف کردیں —— صلح نامہ کے شرائط یہ تھے کہ یہ دونوں قرطبہ میں سکونت اختیار کریں، اور ہر روز ایک مرتبہ عبدالرحمٰن کو اپنی صورت دکھا جایا کریں۔

یہ معاہدہ سنہ ۱۳۹ھ م سنہ ۷۵۶ء میں منعقد ہوا، اور اسی سنہ سے خلافتِ اندلس شروع ہوئی، جو کچھ تعلقات دمشق سے تھے وہ بالکل اب منقطع ہو گئے۔ اس پچاس (۵۰) برس کی خانہ جنگی اور بد انتظامی سے اہل اندلس کو یقین ہو گیا تھا کہ جب تک یہ ملک سلطنتِ شام کے زیر حکومت رہے گا، یہی خرابیاں روز بروز بڑھتی جائیں گی، اندلس سے دمشق تک کئی مہینے کی راہ تھی، خلیفہ کے احکام کا پہلے تو یہاں پہنچنا ہی مشکل تھا، اور اگر پہنچتے بھی تھے، تو خود غرض حکّام ان کی تعمیل نہیں کرتے تھے، اور بلا لحاظ حقوق اور انصاف رعایا کو اپنے احکام کی پابندی پر مجبور کرتے تھے، ہر صوبہ دار خودسری کا دعوی کرتا تھا،

(۱) اصل میں ''ابن حاتم'' کی جگہ ''ابی حاتم'' ہے (محمد امین)

(۲) یہاں اصل کتاب میں ''ابن ابوالجوشن'' ہے۔ (محمد امین)

اور جو والی منجانب خلیفہ مقرر ہوتا تھا اس سے یہ بغاوت کیا کرتے تھے۔ انھیں وجوہ[1] سے اہل اندلس نے عبد الرحمن بن معاویہ کا ساتھ دیا، اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری فوراً قبول کر لی۔

سلطنت بنی امیہ کے زمانہ حکومت میں بائیس (۲۲) امیر؛ اندلس پر مامور ہوئے، جن کے نام اور مدتِ حکومت ذیل میں درج ہیں۔

شمار	نام والی	مدتِ حکومت	کیفیت
۱	طارق بن زیاد	شوال سنہ ۹۲ھ م جولائی سنہ ۷۱۱ء لغایت[2] جمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ م مارچ سنہ ۷۱۲ء	
۲	موسیٰ بن نُصَیر	جمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ م سنہ ۷۱۲ء لغایت ذی الحجہ سنہ ۹۵ھ م سنہ ۷۱۴ء	
۳	عبد العزیز بن موسیٰ بن نُصَیر	ذی الحجہ سنہ ۹۵ھ م سنہ ۷۱۴ء لغایت ذی الحجہ سنہ ۹۷ھ م سنہ ۷۱۶ء	
۴	ایوب بن حبیب اللّخمی	ذی الحجہ سنہ ۹۷ھ م سنہ ۷۱۶ء لغایت ذی الحجہ سنہ ۹۸ھ م سنہ ۷۱۷ء	بغیر حکم خلیفہ منجانب فوج حاکم ہوا تھا
۵	الحُر بن عبد الرحمن الثقفی	ذی الحجہ سنہ ۹۸ھ م سنہ ۷۱۷ء لغایت رمضان سنہ ۱۰۰ھ م سنہ ۷۱۹ء	
۶	السمح بن مالك الخولانی[3]	رمضان سنہ ۱۰۰ھ م سنہ ۷۱۹ء لغایت ذی الحجہ سنہ ۱۰۲ھ م سنہ ۷۲۱ء	

(۱) اصل میں ''وجوہ'' کی جگہ ''وجہ'' ہے۔ (محمد امین)

(۲) لغایت: آخر تک، انجام تک (محمد امین)

(۳) اصل میں ''القولانی'' ہے، نفح الطیب سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

۷	عبد الرحمن بن عبد الله[1] الغافقی	ذی الحجہ سنہ ۱۰۲ھ م سنہ ۷۲۱ء لغایت صفر سنہ ۱۰۳ھ مطابق سنہ ۷۲۱ء	بغیر حکم خلیفہ منجانب فوج حاکم مقرر ہوا
۸	عَنبَسَۃُ بنُ سُحَیم الکلبی	صفر سنہ ۱۰۳ھ م سنہ ۷۲۱ء لغایت شعبان سنہ ۱۰۷ھ مطابق سنہ ۷۲۶ء	
۹	عُذرۃ بن عبداللہ الفِهرِی.	شعبان سنہ ۱۰۷ھ م سنہ ۷۲۶ء لغایت شوال سنہ ۱۰۷ھ م سنہ ۷۲۶ء	بغیر حکم خلیفہ منجانب فوج مقرر ہوا
۱۰	یحییٰ بن سلمۃ الکلبی	شوال سنہ ۱۰۷ھ م سنہ ۷۲۶ء لغایت ربیع الثانی سنہ ۱۰۸ھ م سنہ ۷۲۶ء	
۱۱	عثمان بن ابی عبیدہ.	ربیع الثانی سنہ ۱۰۸ھ م سنہ ۷۲۶ء لغایت شعبان سنہ ۱۰۹ھ م سنہ ۷۲۷ء	اس کا انتخاب فوج نے کیا
۱۲	عثمان بن ابی نِسعَۃَ الخَثعَمی[2]	شعبان سنہ ۱۰۹ھ م سنہ ۷۲۷ء لغایت ربیع الاول سنہ ۱۱۰ھ م سنہ ۷۲۸ء	
۱۳	حذیفہ بن الأحوَص القَیسی	ربیع الاول سنہ ۱۱۰ھ م سنہ ۷۲۸ء لغایت محرم سنہ ۱۱۱ھ م سنہ ۷۲۹ء	
۱۴	الهیثم بن عبید[3] الکلابی.	محرم سنہ ۱۱۱ھ م سنہ ۷۲۹ء لغایت جمادی الاولیٰ سنہ ۱۱۳ھ م سنہ ۷۳۱ء	
۱۵	محمد بن عبد اللہ الاشجعی	جمادی الاولیٰ سنہ ۱۱۳ھ م سنہ ۷۳۱ء لغایت شعبان سنہ ۱۱۳ھ م سنہ ۷۳۱ء	

(۱) اصل میں صرف ''عبد'' ہے۔ نفح الطیب سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

(۲) اصل میں ''ابی نِسعَۃَ الخَثعَمی'' کی جگہ ''ابی نصح القبصمی'' ہے، نفح الطیب سے تصحیح کی گئی ہے (امین)

(۳) اصل میں ''عبد'' ہے لیکن پہلے جہاں اس امیر کا ذکر آیا ہے وہاں ''عبید'' ہے (محمد امین)

۱۶	عبد الرحمن بن عبد الله الغافقی	شعبان سنہ ۱۱۳ھ م سنہ ۷۳۱ء لغایت رمضان سنہ ۱۱۴ھ م سنہ ۷۳۲ء	دوسری بار بحکم خلیفہ مقرر ہوا تھا
۱۷	عبدالملك بن القَطَن الفِهْرِی	رمضان سنہ ۱۱۴ھ م سنہ ۷۳۲ء لغایت رمضان سنہ ۱۱۶ھ م سنہ ۷۳۴ء	
۱۸	عقبیٰ بن الحجاج	رمضان سنہ ۱۱۶ھ م سنہ ۷۳۴ء لغایت صفر سنہ ۱۲۳ھ م سنہ ۷۴۰ء	.
۱۹	عبد الملك بن القَطَن الفِهْری.	صفر سنہ ۱۲۳ھ م سنہ ۷۴۰ء لغایت ذی القعدہ سنہ ۱۲۳ھ م سنہ ۷۴۱ء	دوسری بار بانتخاب فوج حاکم مقرر ہوا
۲۰	بلج بن بِشْربن [1] عیاض القُشَیری	ذیقعدہ سنہ ۱۲۳ھ م سنہ ۷۴۱ء لغایت شوال سنہ ۱۲۴ھ م سنہ ۷۴۲ء	بانتخاب فوج حاکم مقرر ہوا
۲۱	ثعلبة بن سلامة العاملی.	شوال سنہ ۱۲۴ھ م سنہ ۷۴۲ء لغایت رجب سنہ ۱۲۵ھ م سنہ ۷۴۳ء	بانتخاب فوج حاکم مقرر ہوا
۲۲	ابو الخطار [2] بن ضرار الكلبی.	رجب سنہ ۱۲۵ھ م سنہ ۷۴۳ء لغایت رجب سنہ ۱۲۷ھ م سنہ ۷۴۵ء	
۲۳	ثوابة بن سلامة الجُذامی.	رجب سنہ ۱۲۷ھ م سنہ ۷۴۵ء لغایت ربیع الثانی سنہ ۱۲۹ھ م سنہ ۷۴۷ء	اولاً بانتخاب فوج حاکم مقرر ہوا لیکن چند روز بعد خلیفہ نے اسکی ماموری کو منظور کرلیا

(۱) اصل میں ''ابن'' نہیں ہے منفح الطیب سے ابن کا اضافہ کیا گیا ہے (محمد امین)

(۲) اصل میں ''ابوالخطار'' کی جگہ ''ابوالخطا'' ہے۔

۲۴ (۱)	یوسف بن عبد الرحمن الفِہری.	ربیع الثانی سنہ ۱۲۹ھ م سنہ ۷۴۷ء لغایت ذی الحجہ سنہ ۱۳۸ھ م سنہ ۷۵۶ء	یہ آخری حاکم منجانب خلیفہ شام مقرر ہوا

خلفائے بنی اُمیہ جن کے زمانے میں ملک اندلس فتح ہوا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱ ولید بن عبد الملک بن مروان

۲ سلیمان بن عبد الملک

۳ عمر بن عبد العزیز

۴ یزید بن عبد الملک

۵ ہشام بن عبد الملک

(۱) تفصیل میں ۲۲ کے بجائے ۲۴ امیر ہیں، کیونکہ ان بائیس امیروں میں سے دو امیر دو مرتبہ مامور ہوئے ہیں (محمد امین)

خلافتِ اندلس

حصہ دوم

اس حصہ میں اندلس کے سلاطین اور خلفائے بنی امیہ کی مفصل تاریخ اور محمد بن ابی عامر المنصور اور اس کے بیٹوں کی سازشوں اور کامیابیوں اور طوائف الملوکی کا تذکرہ ہے ——— یہ اندلس میں سلاطین و خلفائے بنی امیہ کی حیرت انگیز ترقی اور المنصور کے تسلط کا زمانہ ہے۔

حصۂ دوم

بابِ اول

آغاز خلافت اندلس ـــ بغاوت امیر یوسف الفھری ـــ امیر یوسف اور ابن حاتم ـــ ابوالجوشن کا انتقال ـــ ابن مغیث کا حسب الحکم خلیفہ ابوجعفر المنصور اندلس میں داخل ہونا ـــ اس کی ناکامی اور اس کا قتل ـــ اہلِ یمن کی بغاوت ـــ المغیرہ عبدالرحمٰن کے بھتیجے کا قتل ـــ سلطان عبدالرحمٰن کا ملک شام کی فتح کا قصد کرنا ـــ جنگ فرانس ـــ شارلیمین کا صلح کی درخواست کرنا ـــ تعمیر مسجد رصافۃ ـــ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے ذاتی حالات۔

آغاز خلافت اندلس

جنگ مصارۃ کے بعد جو سنہ ۱۳۸ھ مطابق سنہ ۷۵۶ء میں مابین یوسف الفھری والیٔ اندلس اور عبدالرحمٰن بن معاویہ ہوئی تھی، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، عبدالرحمٰن سریر آرائے سلطنت ہوا، اور اسی سال سے خلافتِ اندلس جس کو عربوں نے تقریباً آٹھ سو برس تک اس ملک میں قائم رکھا شروع ہوئی، بعد صلح یوسف الفھری اور ابن حاتم ابوالجوشن نے حسب معاہدہ شہر قرطبہ میں اقامت اختیار کی، اور سلطان عبدالرحمٰن

انصرام (انتظام) سلطنت اور استحکامِ مملکت کی طرف متوجہ ہوا، کئی سال کی متواتر خانہ جنگیوں نے اہلِ اندلس کو نہایت پریشان اور تباہ حال کر رکھا تھا۔ انتظام کا نام ونشان تک اس ملک میں باقی نہ رہا تھا۔ غریب رعایا کی جانیں قزاقوں کی لوٹ مار، اور امیروں اور زمینداروں کے ظلم وستم سے تلف ہو رہی تھیں، اس جدید انتظام سے ایک نوع کا اطمینان ہوا، اور باستثناء چند امراء بانی فساد و بد باطن، تمام ملک نے بطیبِ خاطر غاشیۂ اطاعت (فرمانبرداری کا لبادہ) اس کا اپنے دوش (کندھے) پر رکھا، اور خلفائے بنی عباسیہ شکست کھا کر اس ملک کی حکومت سے محروم کر دیئے گئے۔

یوسف الفھری کی بغاوت اور اس کا قتل

سنہ ۱۴۱ھ میں سلطان کو اطلاع ہوئی کہ یوسف الفھری خلافِ معاہدہ قرطبہ سے فرار ہو گیا ہے، اور اب شہر مریدۃ میں بغاوت کی نیت سے فوج فراہم کر رہا ہے، سلطان نے فوراً اپنے ایک تجربہ کار امیر عبدالملک بن عمر بن مروان کو فوج کثیر کے ساتھ مریدۃ روانہ کیا، اور خود بھی اس کے عقب میں کچھ فوج لے کر قلعہ المدور کی طرف متوجہ ہوا۔ اس طرف یوسف نے بیس ہزار فوج فراہم کر لی تھی۔ یہ فوج کو لے کر شہر سے باہر نکلا، اور عبدالملک کا مقابلہ کیا، اس جنگ میں یوسف ہر قسم کا نقصانِ عظیم اٹھا کر اور شکستِ فاش کھا کر طلیطلہ [1] بھاگ آیا، مگر یہاں بھی اپنی جانِ عزیز کو موت کے پنجہ سے نہ بچا سکا۔ اور عبداللہ بن عمر الانصاری کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ قاتل نے اس امیر کے سر کو عبدالرحمٰن کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کامیابی کے بعد سلطان [2] مع افسرانِ فوج نہایت شان وشوکت سے شہر مریدۃ میں داخل ہوا، سلطان ابھی اس شہر

(۱) اصل میں ''طلیطلہ'' کی جگہ ''طلیطہ'' ہے۔ (محمد امین) (۲) شام اور بغداد میں سلطان کا خطاب امرائے عظام کو دیا جاتا تھا، اور بوقت عطائے خطاب خلیفہ خود اپنے ہاتھ سے جس کو خطاب ملتا تھا خلعت پہناتا تھا۔ اندلس میں عبدالرحمٰن ثالث کے (یعنی سے) پہلے لقب سلطان یا امیر مستعمل تھا۔ عبدالرحمٰن سوم نے مستقل طور پر خلیفہ اور امیر المؤمنین کے القاب اختیار کئے تھے۔

کے انتظام ہی میں مصروف تھا کہ اس کو اپنی پیاری بی بی کی علالت کی خبر پہنچی۔اس نے عبدالملک کو اس صوبہ کا حاکم مقرر کیا، اور خود شہر قرطبہ روانہ ہوا۔

ہشام کی ولادت اور ابن حاتم کی موت

یہاں پہنچنے کے چوتھے روز آفتابِ سلطنت وحکومت بُرج حمل سے طلوع یعنی فرزند دلبند (پیارا بیٹا) وارثِ تخت وتاج پیدا ہوا، جس کا نام ہشام رکھا گیا، اور تمام سلطنت میں محفلیں خوشی ومسرت کی قائم کی گئیں۔

سلطان نے بخیال رفع فساد ابن حاتم اور یوسف کے لڑکوں ابوالاسود محمد الفہمی اور عبدالرحمن کو قید کر دیا، اس واقعہ کے چند ہی روز بعد ابن حاتم زہر سے مار ڈالا گیا، اور یہ دونوں لڑکے قید سے بھاگ نکلے، عبدالرحمن فوراً گرفتار اور قتل ہوا، لیکن ابوالاسود محمد سنہ ۱۶۹ھ تک سلطان کا مقابلہ کرتا رہا اور بالآخر اپنی موت سے مر گیا۔

ابن مغیث کا اندلس میں داخل ہونا، اس کی ناکامی اور اس کا قتل

سلطان کو ہنوز ان بغاوتوں سے فرصت نہ ہوئی تھی، کہ خلیفہ ابوجعفر المنصور عباسی نے سنہ ۱۴۶ھ مطابق سنہ ۷۶۳ء میں اندلس پر فوج کشی کی۔اور اپنے ایک امیر العلا ابن مغیث التجیبی کو مع فوج کثیر اندلس روانہ کیا، اس امیر نے سرحد پر قدم رکھتے ہی شہر بیجہ [1] کو فتح کیا، اور رعایا کو اپنی مدد پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، اور خیر خواہان خاندان بنی امیہ کو ہر قسم کی تکلیف اور نقصان پہونچانا شروع کیا — سلطان جتنی فوج کو اس قلیل عرصہ میں فراہم ہوسکتی تھی لے کر شہر مذکور کی جانب روانہ ہوا، اور اشبیلیہ [2] کے قریب جس کی تسخیر کی نیت سے ابن مغیث آگے بڑھا تھا دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اس جنگ میں ابن مغیث مع اپنے افسرانِ فوج گرفتار ہو گیا، سلطان نے اِن قیدیوں کے سر کاٹ کر دمشق اور مکہ بھیج دیئے، اس وقت خلیفہ ابوجعفر حج کی غرض سے مکہ آیا ہوا تھا۔

(۱) انگریزی میں بیزا کہتے ہیں۔ (۲) جنگ اشبیلیہ سنہ ۱۴۶ھ م سنہ ۷۶۳ء (میں ہوئی تھی)

ایک روز صبح کو دربانوں نے خلیفہ کے خیمہ کے سامنے ایک صندوق رکھا ہوا پایا، دربانوں نے یہ صندوق خلیفہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔ جب وہ صندوق کھولا گیا تو خلیفہ نے اس میں اپنے سپہ سالار حاکم افریقہ کا سر تراشیدہ رکھا ہوا دیکھا۔ اس امر کے مشاہدہ سے خلیفہ کو اِس قدر رنج ہوا کہ اس جوش میں اس نے عبدالرحمٰن کے قتل کا عہد کیا۔ اور تادم مرگ عبدالرحمٰن کو نقصان پہونچانے میں کوتاہی نہ کی، لیکن باوجود اس دشمنی اور متواتر حملوں کے یہ ہمیشہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کی، جس کو اس نے **صَقُو القریش** (قریش کا شکرہ) خطاب دیا تھا، تعریف اور اس کی لیاقت اور انصاف کی داد دیا کرتا تھا۔ خلیفہ نے ایک روز اپنے اہلِ دربار سے عبدالرحمٰن کی نسبت یہ تقریر کی کہ:

''ہم کو اس ملک کی وسعت اور قوت پر متعجب نہ ہونا چاہئے۔ اس نوجوان قریشی نے صرف بہادری اور خوش اسلوبی سے اپنے کو اس اعلیٰ درجہ تک پہونچایا۔ جس زمانہ میں اس لڑکے کا دنیا میں کوئی دوست یا معاون نظر نہ آتا تھا، اس نے اپنے پاس خوف وہراس کو بالکل آنے نہ دیا، اور نہایت دلیری سے مشکل ترین مرحلوں پر کامیاب ہوتا، اور آفات زمانہ سے بچتا ہوا اندلس تک جا پہنچا، اور وہاں کی خانہ جنگیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، مختصر یہ کہ ایک قلیل عرصہ میں اپنے تئیں ہردلعزیز بنالیا، اور اُس ملک کو شروفساد سے پاک وصاف کیا، اور اب بکمال اطمینان اس زرخیز وشاداب ملک پر حکمرانی کررہا ہے''

اہلِ یمن کی بغاوت

سنہ ۱۵۱ھ م سنہ ۷۶۸ء میں اہلِ یمن نے بارادۂ بغاوت قرطبہ پر فوج کشی کی، سلطان نے فوراً عبدالملک بن عمر حاکم اشبیلیہ کو حکم دیا کہ باغیوں کا مقابلہ کرے، عبدالملک نے اپنے بیٹے امیہ کو ہراول لشکر مقرر کرکے آگے جانے کا حکم دیا، اور خود اُس کے عقب میں روانہ ہوا۔ امیر اُمیّہ نے نہایت تیزی کے ساتھ باغیوں کی فوج کو آملایا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ فوجِ مخالف کی تعداد اس کی فوج سے کہیں زیادہ ہے اس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا،

تا اینکہ اپنے باپ کی فوج سے ملحق ہوا، عبدالملک نے جب دیکھا کہ اس کا بیٹا باغیوں کی فوج کے سامنے سے بھاگ رہا ہے، اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا، اور نہایت غضب کے ساتھ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ:

''اے پست ہمت! کیا میں نے اسی روز کے لئے تجھ کو اپنی فوج کا ہراول مقرر کیا تھا؟!۔ کیا اہل اندلس اور افریقہ یہ نہیں جانتے کہ ہم نے کس محنت اور مشقت سے خون بہا دے کر[1] جان عزیز کے عوض اس ملک کو خریدا؟!۔ یہ کہہ کر امیر نے اپنے بیٹے کے قتل کا حکم دیا، جس کی اسی وقت تعمیل کی گئی ——— اس واقعہ کے بعد امیر نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں اور افسرانِ فوج کو جمع کر کے یہ کہا کہ:

''کیا ہم مشرق سے اس ملک کی انتہا تک بغیر محنت و مشقت کے پہونچ گئے تھے؟ اور کیا ہم ان سخت مشکلوں کو بھول گئے جو ہم کو اپنی فتوحاتِ سابقہ میں سہنی پڑی تھیں؟ کیا ہمارے جسم میں وہ گردش خون کی باقی نہیں رہی جس نے ہم کو ہمیشہ فتوحات اور اپنے ارادوں میں کامیاب کیا تھا؟ اپنی اپنی تلواروں کو غلاف سے نکالو! اور مردانہ وار میدانِ جنگ میں مرنا قبول کرو''

اس تقریر کے بعد امیر نے اپنی فوج کو حملہ کا حکم دیا۔ اس سخت یورش کی تاب اہل یمن نہ لا سکے، اور نہایت بدحواسی کے ساتھ چار طرف منتشر اور پراگندہ ہو گئے، تاہم اتنے قتل اور گرفتار ہوئے کہ پھر ان میں مقابلے کی قوت باقی نہیں رہی۔ دونوں طرف سے تیس (۳۰) ہزار آدمی اس جنگ میں قتل ہوئے، امیر عبدالملک کو بھی شدید زخم آیا۔ ہنوز عبدالملک میدانِ جنگ ہی میں تھا کہ عبدالرحمٰن بھی فوج لے کر اس کی مدد کے لئے پہنچا۔ سلطان نے جب اس عظیم الشان کامیابی کی خبر سُنی، اور اپنے لائق سپہ سالار اور رشتہ داروں کو زخموں سے چور، اور اس کی تلوار کو خون چکاں دیکھا، اس نے میدانِ جنگ ہی میں امیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ: ''اے بھائی میری یہ خوشی ہے کہ میں

(۱) اصل میں اسی طرح ہے (امین)

اپنے بیٹے ولی عہد ہشام کے ساتھ تیری بیٹی کی شادی کردوں''

اور اس ہی جنگ کے صلہ میں سلطان نے اپنے وفادار اور جان نثار امیر کو اپنا وزیر اور مشیر سلطنت مقرر کیا، اور دولتِ دنیا سے مالا مال کردیا۔

عبداللہ اور مغیرہ بن ولید کا قتل

سلطان عبدالرحمٰن جیسا کہ اپنے دوستوں کے حق میں فیاض اور گنہ گاروں کے لئے خطا بخش اور رحیم و کریم تھا، ویسا ہی اپنے مخالفین اور معاندین کے حق میں سم قاتل۔ چنانچہ سنہ ۱۶۳ھ میں ایک مُـوَلَّدْ[1] عبداللہ نامی نے اس کو خبر پہونچائی کہ بعض مشہور امرائے عرب جن میں عبدالسلام بن یزید بن ہشام، اور اس کا بھانجا عبداللہ بن معاویہ بن ہشام شریک تھے، سلطان کو تخت سے اتارنے کی کوشش کررہے ہیں، عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کو فوراً گرفتار اور قتل کیا، ابوعثمان سلطان کا وزیر اعظم بھی اس سازش میں شریک تھا، لیکن بلحاظ حقوق خدمات سابقہ عبدالرحمٰن نے اس کی جان بخشی کی۔

اس واقعہ کے تین سال بعد سنہ ۱۶۶ھ میں سلطان نے اپنے دوسرے بھتیجے المغیرہ بن الولید بن معاویہ اور ہذیل بن حاتم کو اس جرم کی پاداش میں قتل کرڈالا، اور اپنے حقیقی بھائی الولید[2] یعنی المغیرہ کے باپ کو ملک سے خارج کردیا، لیکن اپنے بھائی کے ساتھ اس نے اتنی رعایت کی کہ اپنے متعلقین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دی۔

المغیرہ کے قتل کی نسبت ایک یہ بھی روایت ہے کہ جس وقت عبدالرحمٰن نے اپنے بھتیجے کے قتل کا حکم دیا، ایک عرب جس کو سلطان بہت دوست رکھتا تھا، سلطان کے پاس آیا، اور دیکھا کہ اس کے چہرہ سے غم اور فکر کے آثار ظاہر ہیں۔ سلطان نے اس عرب کو دیکھ کر اس سے کہا کہ:

''کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ جن کی جان و مال بچانے میں میں

(۱) مُـولَّـدْ: وہ شخص جس کے ماں اور باپ خالص عرب نہ ہوں، عرب بن جانے والا غیر عربی (امین) (۲) اصل میں ''الولید'' کے بجائے ''ابن الولید'' ہے۔ (محمد امین)

نے اپنی جان و مال کی پروا نہیں کی، ایسے احسان فراموش بلکہ محسن کُش نکلے کہ آخر کار میرے ہی مخالف اور دشمن بن گئے۔ جب کہ یہ لوگ دشمنوں کی تلواروں کے خوف سے دربدر اور تباہ حال پھر رہے تھے، میں نے ان کی ہر طرح اعانت اور مدد کی، اور ان کے واسطے اس ملک میں آرام و آسائش کا سامان مہیا کر دیا۔ مقامِ شکر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے حالات کو ظاہر کر دیا، اور ہر ایک نے اپنی بدنیتی اور بداعمالی کی سزا پائی۔

ملک شام کو فتح کرنے کا قصد اور امرائے عرب کی بغاوت

اسی سال میں عبدالرحمٰن نے ملک شام کی فتح کا قصد کیا، اور قریب تھا کہ سلطان اپنے بڑے بیٹے سلیمان کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے اندلس سے روانہ ہو، کہ دفعتاً سرقسطہ میں حسین الانصاری کی بغاوت کی خبر پہنچی، اور سلطان کو اپنا سفر ملتوی کرنا پڑا۔ علاوہ حسین الانصاری کے دوسرے امرائے عرب مثل حیات بن ملابس حاکم اشبیلیہ اور عبدالغفار بن حامد حاکم نیبلہ اور عمرو حاکم بیجہ نے بغاوت کے جھنڈوں کو بلند کیا، اور یک دل و یک جہت ہو کر کثیر التعداد فوج کے ساتھ قرطبہ پر حملہ آور ہوئے، سلطان بھی لڑائی کے لئے مستعد تھا بروقت مقابلہ تینوں کو شکست فاش ہوئی، اور آخر کار گرفتار اور قتل ہوئے۔

ان امیروں کی مخالفت سے عبدالرحمٰن کو یقین کامل ہو گیا کہ جب تک اس کے گرد ایسے لوگ جمع نہ ہوں گے، جن پر اس کو پورا بھروسہ نہ ہو بغاوت کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا، اس خیال سے سلطان نے افریقہ سے اہل بربر کو اندلس آنے کی ترغیب[1]

(۱) مورز ان اسپین مصنفہ اسٹانلی لین پول باب ۴، ص: ۶۶ میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن نے بغرض ظلم رسانی بربروں کو فوج میں بھرتی کیا تھا، اور ایسی ظلم و زیادتی شروع کی کہ تمام رعایا اور سلطان کے رشتہ دار بددل ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ حالانکہ یہ بیان صحیح نہیں ہے، تاریخ سے ثابت ہے کہ عبدالرحمٰن نے محض بغاوت کو فرو کرنے کی غرض سے قوم بربر کی فوج قائم کی تھی، اور بعد رفع فساد اس کا زمانۂ حکومت عدل و انصاف و روشن خیالی میں گزرا، چنانچہ المقری اور ابن حیان تحریر ←

دی، چنانچہ چالیس ہزار بربر اس کی فوج میں شریک ہوئے، اور اسی فوج کی مدد سے یہ ہمیشہ اپنے دشمنوں پر غالب رہا۔

عیسائیوں کا سرحدی قلعوں اور شہروں پر قبضہ

عبد الرحمٰن اس طرف اپنے مخالفین اور باغیوں کی تنبیہ میں مصروف تھا اور اُدھر یعنی صوبہ جلیقیہ کے عیسائی اپنی قوت کو روز بروز ترقی دے رہے تھے، فرویلہ بن الفانرو نے عبد الرحمٰن کو بے خبر پاکر سرحدی قلعوں اور شہروں پر قبضہ کرلیا تھا، اور اسی طرح رفتہ رفتہ عیسائی شہر لوگو اور پرتغال اور قسطلہ وغیرہ پر قابض اور متصرف ہو گئے تھے۔

جنگ فرانس اور شارلیمین سے صلح

اسی زمانہ میں شارلیمین بادشاہ ملک فرانس نے جو ایک عرصۂ دراز تک عبد الرحمٰن سے لڑتا رہا، سلطان کے پاس سفارت بھیج کر اپنی بیٹی [1] کے ساتھ شادی کرنے کی درخواست اور صلح کی خواہش ظاہر کی۔ چونکہ سلطان اپنی ران کے زخم کے سبب سے بے کار ہو گیا تھا،

← کرتے ہیں کہ عبد الرحمٰن کی خلق فیاضی و معدلت کسری ضرب المثل تھی، لین پول نے بلا دریافت و تحقیق بغاوت کے فرو کرنے کو ظلم و تعدی خیال کیا ہے، بربروں کو فوج میں بھرتی کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اکثر امرائے عرب خلفائے دمشق کی خیر خواہی کا دم بھر رہے تھے، ان کی سازشوں کا توڑنا لازمی تھا، اور یہ آسان بات نہ تھی۔ دیکھو ہسٹری آف دی سارا سنس مصنفہ جسٹس امیر علی باب: ۲۶، ص: ۲۷۶۔

(۱) المقری نے عبد الرحمٰن بن معاویہ کے حالات میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لیکن فرانسیسی اور انگریزی مؤرخین سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، تاریخ سے یہ البتہ اچھی طرح ثابت ہے کہ شارلیمین اور عبد الرحمٰن میں لڑائی ہوئی تھی، اور شارلیمین نے اندلس پر حملہ کیا تھا، لیکن عربوں نے فرانسیسیوں کو شکست دے کر اندلس سے خارج کر دیا، اس جنگ کے بعد جو سنہ ۷۵۶ء میں ہوئی تھی شارلیمین نے عبد الرحمٰن کے ساتھ صلح کر لی" ہسٹری آف دی سارا سنس" مصنفہ جسٹس امیر علی باب: ۲۶، ص: ۲۷۸۔

اس نے شادی کرنے سے انکار کردیا لیکن شارلیمین سے صلح کرلی۔

مسجد رصافہ اور قصر رصافہ کی تعمیر

عبدالرحمٰن نے ملک اندلس میں عربی صنعت اور دست کاری کی بنیاد ڈالی، اور قرطبہ میں اس مشہور و معروف مسجد اور قصر باغ رصافہ کی تعمیر شروع کی، کہ جس کو اس کے بیٹے ہشام نے اختتام کو پہونچایا، سلطان نے اس ملک کی ایک سال کی آمدنی کا پانچواں حصہ یعنی اسی (۸۰) ہزار دینار طلائی اس عمارت پر صرف کئے تھے، اور قصر کی چھت میں اس قدر سونا چڑھایا گیا تھا کہ جس کی چمک سے دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، اس کے جانشینوں نے بھی اس قصر اور باغ پر روپیہ خرچ کرنے میں، اور ان کی شان و شوکت بڑھانے میں کمی نہیں کی۔

عبدالرحمٰن نے اپنی سکونت اسی قصر اور باغ میں اختیار کی تھی، چونکہ اس کو پھولوں اور میوہ دار درختوں سے بے انتہا شوق تھا، اس باغ میں اس نے دنیا کے مشہور پھول اور درختوں کو فراہم کیا تھا۔ اس باغ کے سفری انار اور آڑو اور شفتالو لذت اور نزاکت میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، علاوہ اس کے عبدالرحمٰن نے اور بہت سی عمارتیں مثل مساجد اور حمام اور پل اور قلعے ممالک محروسہ میں عامۂ خلائق کے آرام و آسائش کے واسطے بنائے تھے۔

قصر رصافہ کے باغ میں ایک درخت خرما بھی نصب کیا گیا تھا، ایک روز سلطان اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی نمک حرامی اور خانہ جنگی سے نہایت متفکر اور افسردہ خاطر باغ میں گشت کر رہا تھا کہ اس درخت خرما پر نظر پڑی، دل پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا، بے ساختہ یہ اشعار اس کی زبان پر جاری ہوئے:

تَبدَّتْ لَنـا وَسْط الـرّصـافَةِ نخلَةٌ تـنـاءَ تْ بِـأرْضِ الْغرْبِ عَنْ بَلَد النّخلِ
فَـقُلْـتُ شبيهي فِـي التّغرُّب والنَّوىٰ وَطُولِ التّنـائِـيْ عَـنْ بَـنِيَّ وَعَنْ اَهْلِيْ
نَشَـأْتِ بِـأرْضٍ انـتِ فيهـا غـرِيبَةٌ فَـمِثْلُكِ فِيْ الـقَصَـاءِ وَالْمُنْتَأى مِثْلِيْ

سقتكِ غوادي الْمُزْنِ من صَوبِهَا الَّذِى يَسِحُّ وَيَسْتَمرِى السَّماكِين بالْوَبْلِ (۱)

(۱) ہمارے لئے باغ رصافہ کے وسط میں ایک کھجور کا درخت ظاہر ہوا، جو کھجوروں کے شہر سے دور پردیس میں علاحدہ ہو گیا۔

(۲) پس میں نے کہا (تو) میرے مشابہ ہے پردیسی ہونے میں اور دوری میں، اور میرے بچوں سے اور اپنی بیوی سے طویل جدائی میں۔

(۳) پروان چڑھا تو ایسی سرزمین میں جہاں تو پردیسی ہے، پس تیرا حال دوری اور جدائی میں میرے حال جیسا ہے۔

(۴) سیراب کیا تجھے صبح کے وقت اٹھنے والے بادل نے اپنی اس بارش سے جو فربہ اور تازہ کرتی ہے مچھلیوں کو تیز بارش سے۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ کے ذاتی حالات

عبدالرحمٰن بن معاویہ نہایت نیک سیرت اور منصف مزاج تھا، اس کی رعایا میں سے اگر کوئی مرجاتا تھا تو وہ کیسا ہی غریب کیوں نہ ہو، سلطان میت میں شریک اور بذات خود نماز جنازہ کی امامت (۲) کرتا تھا، رعایا کے ساتھ نمازِ جمعہ اور بعد نماز خطبہ پڑھنا (یعنی تقریر کرنا) ایک معمولی بات تھی، اپنی رعایا کی شادی اور غم دونوں میں شریک ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بیمار ہوتا یہ اس کی عیادت کو ضرور جاتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان بعد شرکت میت واپس ہو رہا تھا، کہ اثنائے راہ میں ایک معمولی حیثیت کے آدمی نے جو قاضی کے فیصلہ سے ناراض تھا کہا کہ یا امیر! قاضی نے

(۱) ان اشعار کی تصحیح ابن أثیر الجزری کی ''الکامل فی التاریخ'' سے کی گئی ہے (الکامل فی التاریخ ۵:۸۴) (محمد امین)

(۲) سنہ ۱۵۸ھ میں معاویہ بن صالح قرطبہ کے قاضی القضاۃ نے انتقال کیا، عبدالرحمٰن میت میں شریک تھا، اور اس نے بذات خود نماز جنازہ کی امامت کی تھی۔ دیکھو ''عرب ان اسپین'' مصنفہ کونڈ جلد ۱، باب: ۲۰، ص: ۲۱۳۔

میرے حق میں ناانصافی کی ہے، جس کی داد میں تجھ سے چاہتا ہوں۔ سلطان نے جواب دیا کہ اگر تو سچا ہے تو میں تیرے حق میں انصاف کروں گا، اس آدمی نے عبدالرحمن کے گھوڑے کی باگ کو مضبوط پکڑلیا، اور کہا کہ یا سلطان! برائے خدا میری فریاد سن! اور تاوقتے کہ قاضی کو انصاف کا حکم نہ دے اس مقام سے ہرگز آگے نہ بڑھ، وہ اس وقت تیرے ہمراہ رکاب ہے، عبدالرحمن نے قاضی کو بلاکر اس شخص کے حق میں انصاف کرنے کا سختی سے حکم دیا، جب عبدالرحمن محل میں واپس آیا تو ایک منہ چڑھے مصاحب نے اس طرح تنہا پڑے پھرنے کے نقصانات ظاہر کئے، اور بیان کیا کہ یا سلطان! اس طرح بغیر کافی احتیاط کے شہر میں پھرنا تجھ کو زیبا نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رعایا کے دل سے تیرا رعب اور خوف بالکل جاتا رہے گا۔ عبدالرحمن نے اس خیر خواہانہ رائے کو بہت پسند کیا، اور آئندہ سے باہر نکلنے میں بہت کچھ کمی کردی، اور اپنے بیٹے ہشام کو بھی یہی ہدایت کی۔

عبدالرحمن کی تقریر نہایت شستہ اور دل آویز تھی، اور نہایت سنجیدہ اور معاملہ فہم اور منتظم خلق ہوا تھا، کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرتا تھا، لیکن جس کام کے کرنے کا قصد کرلیتا تھا تو پھر اس کو بغیر ختم کئے ہرگز نہ ہٹتا تھا، لہو ولعب اور ضرورت سے زیادہ آرام کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا تھا، سیاسی معاملات اس نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھے تھے، اور کبھی کسی پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ نہیں کرتا تھا، لیکن مشکل معاملات میں اپنے لائق اور خیر خواہ مشیروں کی رائے ضرور لیا کرتا تھا۔ فیاض کمال درجہ کا تھا، اور فن شعر سے اس کی طبیعت کو بہت کچھ لگاؤ تھا۔ سفید لباس ہمیشہ پسند کرتا تھا۔

سلطان عبدالرحمن کی خلق اور فیاضیاں عام طور پر ضرب المثل تھیں، جس وقت اس نے یوسف الفہری اور دیگر مخالفین پر پوری کامیابی حاصل کی، اور اطمینان کے ساتھ سریر آرائے سلطنت ہوا، تو ملک اندلس کے ہر صوبہ اور شہر سے حاکم اور رئیس اطاعت قبول کرنے کے لئے قرطبہ آنے لگے، سلطان ہر روز وقتِ مقررہ پر ہر شخص سے علیحدہ خُلق سے ملتا تھا، ہر شخص کو اِس کی عام فیاضی اور عطائے خلعت وانعامات نے

جان ودل سے مطیع وفرماں بردار بنادیا تھا۔

ایک روزایک غریب عرب بنی قناصرین سے اس کے دربار میں حاضر ہوا، اور عبد الرحمن سے عرض کی کہ یا سلطان! خدائے تعالیٰ نے تجھ کو بادشاہ اور بے انتہا خزانوں کا اس لئے مالک کیا ہے، کہ تو غریب اور یتیم اور بیوہ کے حق میں انصاف اور ان کی مدد کرے، عبدالرحمن نے جواب دیا کہ:

''میں نے تیرے معروضہ کو سنا، اور تیری خواہشوں کو پورا کردیا، میں نے حکم دیا ہے کہ تیری مدد کی جائے، تاکہ تو اس تباہ حالی اور پریشانی سے نجات پائے، اور میں عام طور پر حکم دیتا ہوں کہ وہ لوگ جو مثل تیرے تباہ اور پریشان ہورہے ہیں، وہ یا تو بذات خود دربار میں حاضر ہوکر مجھ سے مدد چاہیں، یا اپنی اپنی درخواست میرے پاس پیش کریں، تاکہ میں ان کی مدد کرسکوں، اور مثل تیرے ان کو ہر قسم کی پریشانی سے نجات دوں''

اس کے بعد عبدالرحمن نے اس عرب کو اپنے دربار سے خوش وخرم روانہ کیا، اور حکم دیا کہ اگر کوئی درخواست لے کر دربار میں آنا چاہے، تو اس کو ممانعت نہ کی جائے، سلطان کی ایک یہ عادت تھی کہ کھانے کے وقت اگر کوئی اہل غرض حاضر ہوجاتا تو اس کو اپنے ساتھ شریک کرلیا کرتا تھا۔

ان واقعات متذکرہ صدر (یعنی مذکورہ بالا واقعات) سے جن سے سلطان عبدالرحمن کے ذاتی حالات معلوم ہوتے ہیں، بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ کس قدر رحم دل، رعایا پرور اور اپنی عام رعایا کی بہبودی اور فلاح کا سچا خواستگار تھا۔ یہی باتیں ہیں کہ جس سے بادشاہ ہر دلعزیز بنتا ہے، اور یہی طرز حکومت ہے جس سے اس کا نام ابدالآباد قائم، اور رعایا کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے، بادشاہ کو چاہئے کہ اپنے کو ملک اور رعایا کا حاکم اور نوکر دونوں سمجھے کیونکہ مطابق حدیث شریف ''سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ'' (قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے) بادشاہ سے زیادہ کوئی دوسرا شخص خیر خواہ ملک اور رعایا کا نہیں ہوسکتا۔

جن عرب مورخین نے عربوں کے اس حصہٗ تاریخ کی نسبت کچھ لکھا ہے وہ سب

متفق علیہ (۱) اس امر کا اعتراف کرتے ہیں، کہ تخت پر بیٹھتے ہی عبدالرحمن نے شام اور مصر لوگوں کو اس غرض سے روانہ کیا کہ یہ لوگ خاندان بنی اُمیہ کے بچے ہوؤں کو جہاں کہیں ملیں، اندلس آنے پر آمادہ کریں، سلطان عام طور پر کہا کرتا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایک عنایت مجھ پر یہ بھی کی ہے، کہ مجھ کو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو اس ملک میں جگہ دینے کا موقع دیا، تاکہ یہ لوگ بھی اس ملک کی حکومت میں شریک ہوسکیں، اور خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں، اسی حکم کا نتیجہ تھا کہ وہ لوگ جو اپنی جانوں کو ہتھیلی پر لئے پریشان اور سرگرداں خاک چھانتے ہوئے پھرا کرتے تھے، وہ اس میں داخل ہونے لگے، جہاں ان کو امن اور اطمینان نصیب ہوا، اس گروہ میں سلطان کا ایک بھائی الولید (۲) بن معاویہ، اور ایک چچا زاد بھائی عبدالسلام بن یزید بن ہشام، اور دو بھتیجے المغیرہ بن ولید اور عبداللہ، اور دولڑ کے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے، اور دوسرے عرب امراء مثل عبدالملک بن عمر، اور ابوسلیمان اور عبد الملک بن بشیر، اور حبیب بن عبدالملک اس زرخیز اور شاداب ملک میں پناہ گیر ہوئے، عبدالرحمن نے ان سب کو جاگیرات اور فوجی اور دیوانی خدمات عطا کیں، جس سے خود سلطنت کو انتظام سلطنت اور انصرام مملکت میں بہت مدد ملی۔ چونکہ عبدالملک بن عمر خلفائے بنی امیہ کے عہد حکومت میں بڑے عہدوں پر رہ چکا تھا، اپنی تجربہ کاری اور ہمہ دانی سے اہم معاملات اور پیچیدہ مقدمات میں سلطان کو بہت مدد دیا کرتا تھا، عبد الرحمن نے اس امیر کو صوبہ اشبیلیہ کا حاکم مقرر کیا، اور اس کے بیٹے عمر کو صوبۂ موروز کا۔

اس (۳) زمانہ میں بظاہر کوئی تعلق اندلس کو (یعنی کا) شام سے باقی نہیں رہا تھا،

---

(۱) اصل میں ''علیہ'' کے بجائے ''الیہ'' ہے۔ (محمد امین) (۲) اصل میں ''الولید'' کی جگہ ''ابو الولید'' ہے۔ (محمد امین)

(۳) اگر المقّری یہ نہ لکھتا تو مشکل سے باور کیا جاتا کہ بنی عباس کے ہاتھوں تباہ ہونے کے بعد بنی امیہ اپنے دشمن اور ایسے دشمن کا نام تک سننا گوارا کرتے، لیکن یہ اسلام کا تاریخی واقعہ ہے ←

لیکن اندلس کی مساجد میں خطبہ خلیفہ ابوجعفر المنصور بنی عباس ہی کا پڑھا جاتا تھا۔ عبدالرحمن نے بھی اس قاعدہ کو دس سال تک جاری رکھا، بالآخر عبدالملک بن عمر کے مشورہ سے خلیفہ کے عوض (جگہ) عبدالرحمن کا نام خطبہ میں شریک کیا گیا۔

جس وقت عبدالرحمن نے اندلس کی فتح کا قصد کیا، اس کے ساتھ اس قدر دوست اور خیر خواہ اس کے اور اس کے خاندان کے نہ تھے، جو امیر یوسف الفہری والی ملک

← کہ خلافت راشدہ نے مسلمانوں کے قلوب پر ایسا پائدار بلکہ لازوال اثر ڈالا تھا کہ بقا اور استحکام حکومت کے واسطے دنیوی پادشاہت کے ساتھ دینی تعلق لازم وملزوم سمجھا جانے لگا تھا۔ چنانچہ جب بنی عباس کی حکومت میں انحطاط شروع ہوا، اور ایرانیوں کو اور ان کے بعد اتراک کو عروج ہوا، اور ایرانی اور ترکی ریاستیں بالکل آزاد اور خودمختار وجود میں آئیں۔ جن کو کوئی تعلق بعید سے بعید بھی بغداد سے نہ تھا، ان عجمی حکمرانوں نے جو اپنی ذات میں دنیوی اور دینی اقتدار جمع نہیں کر سکتے تھے، اپنی اپنی حکومت کے پروانے یا سندیں خلیفۂ وقت سے حاصل کی تھیں، تاکہ خلیفہ کی نیابت کے نام سے رعایا کی اطاعت وفرماں برداری حاصل کریں۔ یہ سند یا تو خلیفہ کے ساتھ کمال عقیدت اور عجز وانکسار ظاہر کر کے قلیل خراج یا سالانہ تحائف کے پیش کش کے وعدہ پر حاصل کی جاتی تھی، یا جبر فوج کشی کا خوف دلا کر، مساجد میں ہمیشہ خلیفہ کا خطبہ پڑھوایا کرتے تھے۔ یہ طریقہ نہ صرف سنی حکمرانوں تک محدود تھا بلکہ شیعہ بھی اسی پر عمل پیرا تھے۔ بنی فاطمہ نے مصر میں معزول خلیفہ عباسی کو اپنے دور حکومت کے اختتام تک اپنے پاس رکھا، اور خطبہ اسی کے نام سے پڑھوایا۔ سلطان سلیم نے جب مصر فتح کیا اُسی خلیفہ کی اولاد میں جو اس وقت موجود تھا، اس نے منصب خلافت مع تمام تبرکات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کیا تھا، ترکوں نے سلطان سلیم کے زمانہ سے تمام اسلامی دنیا پر اپنے منصب خلافت کے اثر سے حکومت کی، اور اب تک باقی رہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بنی عباسیہ کے نام سے اپنی کُردی حکومت کو قائم رکھا۔ اس تاریخی واقعہ کی تفصیل کے واسطے دیکھو" امیہ اور عباسیہ تاریخ تمدن اسلام" حصہ چہارم مصنفہ جرجی زیدان مترجمہ مارگولیتھ۔ گب موریل، صفحہ ۲۶۰ تا ۲۳۹[1] اور ابن خلدون —— ہندوستان کے بادشاہ بھی بنی عباسیہ سے سند حکومت حاصل کرتے رہے۔

(۱) اصل میں اسی طرح ہے: ص: ۲۶۰ تا ص: ۲۳۹ (امین)

اندلس کا مقابلہ بامید کامیابی کر سکتے، یہ صرف عبدالرحمن کی دوراندیشی اور مدبرانہ برتاؤ کا سبب تھا کہ اس نے سلطنت شام کے خیر خواہوں کو بھی اپنا دوست بنالیا، اور ان سے اس سے زیادہ کام لیا جتنا وہ اس کی کامیابی کے لئے دے سکتے تھے۔ ایک مدبر آدمی جو اصول سیاست سے آگاہ ہو اس کے نزدیک دوست اور دشمن دونوں سے اپنے حسب منشاء کام نکالنا کوئی بڑی بات نہیں۔ عبدالرحمن میں یہ صفات موجود تھے۔

جب یہ پورے طور سے کامیاب ہو گیا، اور ملک اندلس کو اپنے قبضہ میں کر لیا، تو اب اس نے اپنی قوت کے بڑھانے کی کوشش کی، اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو مصر اور شام وغیرہ سے بلا کر اپنے گرد فراہم کرنا شروع کیا۔ لیکن بعضے مؤرخین سلطان کی اس طرز اور برتاؤ کی بہت کچھ شکایت کرتے ہیں جو اس نے بعد کامیابی اور تسخیر ملک اندلس اپنے پروردہ اور معاون بدر اور نیز ابو عثمان کی مخالفت[1] میں اختیار کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے آدمی کے احسانوں کو فراموش کر دینا جس نے غم اور خوشی دونوں میں اس کا ساتھ دیا، سزاوار نہ تھا۔ بدر وہ شخص تھا کہ جس نے نہ صرف پریشانی اور حیرانی اور سرگردانی ہی میں عبدالرحمن کا ساتھ دیا، بلکہ اسی خیر خواہ اور سچے دوست اور غلام کی وجہ سے یہ عظیم الشان کامیابی حاصل کی، لیکن عبدالرحمن نے تخت پر بیٹھتے ہی بدر کو نہایت ذلت کے ساتھ قید کیا، اور بعدہٗ اندلس سے بدر کر دیا، بعد اخراج بدر نے ایک خط سلطان کو لکھا جس کا مضمون یہ ہے:

''مجھ کو امید تھی کہ صحرا اور دریا طے کرنے اور تجھ کو ایک ملک کا مستقل حاکم بنا دینے کے بعد تو مجھ کو ہرگز ذلیل اور بے آبرو نہ کرے گا، اور دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسائے گا، اگر میں بنی عباس کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جاتا تو مجھ کو یقین ہے کہ وہ میرے ساتھ اس قدر برا برتاؤ نہ کرتے۔ میں نے اپنے معاملات کو خدا کے سپرد کر دیا ہے''

امیر ابو عثمان کی نسبت مؤرخین یہ تحریر کرتے ہیں کہ جب اس امیر نے دیکھا کہ

(۱) اصل میں ''مخالفت'' کے بجائے ''خلافت'' ہے۔ (محمد امین)

سلطان میری طرف ملتفت نہیں ہے، اور نیز اپنے معروضوں کو بھی بے اثر پایا، اس نے البیرۃ میں اپنے بھتیجے کو بغاوت پر آمادہ کیا، لیکن ابھی بغاوت شروع نہ ہوئی تھی کہ سلطان پر یہ بات ظاہر ہوئی اور اس کا بھتیجا مع شرکاء کے قتل کیا گیا، اس ناکامیابی کے بعد امیر ابو عثمان نے سلطان کے بھتیجے کو بغاوت کی ترغیب دی، اس دفعہ بھی عبدالرحمن کو سازش کا حال معلوم ہو گیا، اور قبل اس کے کہ بغاوت شروع ہوتی، سلطان نے اپنے بھتیجے اور ابو عثمان کو گرفتار کر لیا، گو سلطان کو یقین کامل ہو گیا تھا کہ فساد کا بانی ابو عثمان ہی ہے، باز ہم (پھر بھی) اس کے قتل سے باز رہا، صرف خطابات اور جاگیرات ضبط کر لیں، جو بعد ایک مدت کے پھر اس امیر پر بحال کی گئیں۔ عبداللہ بن خالد اور تمام بن علقمہ، بدر اور ابو عثمان [1] کے شرکاء بھی اپنے اپنے عہدوں سے علحدہ کئے گئے۔

سلطان عبدالرحمن کے عہد حکومت میں حسب ذیل اشخاص یکے بعد دیگرے حاجب مقرر ہوئے تھے، تمام بن علقمہ، یوسف بن بخت، عبدالکریم بن محران، عبدالرحمن بن مغیث بن حریث منصور۔ اخیر الذکر پہلا خواجہ سرا تھا (جو) اس عہدہ پر مامور ہوا، اور سلطان عبدالرحمن بن معاویہ کی زندگی تک اسی عہدہ پر سرفراز رہا، عبدالرحمن نے بجائے ایک وزیر یا مشیر کے مجلس امراء مقرر کی تھی، جن کی رائے اور مشورہ سے سلطان انتظامی کام ریاست کا کیا کرتا تھا، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

ابو عثمان مشیر اول، عبداللہ بن خالد، یہ داماد تھا ابو عثمان کا، ابو عبیدہ حاکم اشبیلیہ، شہید بن عیسیٰ، ثلابہ بن عبید حاکم سرقسطہ، آثم بن مسلم۔

عہدہ خطابت پر حسب ذیل امراء یکے بعد دیگرے مامور ہوئے تھے: ابو عثمان، عبداللہ بن خالد، امیہ بن زید۔

عہدۂ قضاء پر یحییٰ بن زید ابو عمرو معاویہ مقرر تھے۔

سلطان عبدالرحمن بن معاویہ کی پیدائش کی تاریخ کی نسبت زیادہ اختلاف نہیں

(۱) اصل کتاب میں ''عثمان'' ہے، احقر نے سیاق وسباق دیکھ کر ''ابو'' کا اضافہ کیا ہے۔ (محمد امین)

پایا جاتا، سب کو اتفاق ہے کہ سنہ ۱۱۳ھ م سنہ ۷۳۱ء میں پیدا ہوا تھا، لیکن اس کے انتقال کی تاریخ میں کس قدر اختلاف ہے، بعض سنہ ۱۷۲ھ م سنہ ۷۸۸ء بتاتے ہیں، اور بعض سنہ ۱۷۱ھ کہتے ہیں۔ خلیفہ ہارون رشید کے عہد خلافت میں سلطان کا انتقال ہوا اور قرطبہ میں دفن کیا گیا۔

عبدالرحمٰن [1] کے ابتدائی حالات کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے باپ معاویہ نے خلیفہ ہشام کے عہد حکومت سنہ ۱۱۸ھ میں انتقال کیا، اس وقت معاویہ کی عمر اکیس (۲۱) سال کی تھی۔ خلیفہ ہشام نے عبدالرحمٰن کو پرورش کیا تھا، چونکہ خلیفہ کا یہ خیال تھا کہ اس کو اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور تربیت دی گئی۔ سلطان علاوہ تمام صفات مذکورۂ بالا کے علم وفضل وکمال کی قدردانی میں اپنے نامی ہم عصر خلیفہ ہارون رشید کا ہم پلہ تھا، عبدالرحمٰن سے لے کر عبدالرحمٰن الناصر [2] تک فرمانروایانِ اندلس امیر المسلمین کے خطاب سے مشہور تھے، سلطان عبدالرحمٰن الناصر [2] کے عہد حکومت میں جبکہ خلافت عباسیہ میں ضعف پیدا ہوگیا تھا، اور سلطنت کا نام ہی باقی رہ گیا تھا عبدالرحمٰن الناصر [2] نے رعایا کی خواہش سے اپنے خطابات شاہی میں امیر المؤمنین شریک کیا، اور اسی زمانہ سے شاہانِ اندلس نے امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کے القاب اختیار کیے۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ نہایت خوبصورت، اور وجیہ آدمی تھا۔ رنگ بہت صاف، بال بھورے، اس کی صرف ایک آنکھ کام دیتی تھی۔ قوتِ شامہ سے بے بہرہ تھا، اس کے بیس (۲۰) بچے تھے۔ گیارہ (۱۱) بیٹے اور نو (۹) بیٹیاں۔

❁　❁　❁

(۱) تاریخ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ الداخل کے لقب سے مشہور ہے جس کی وجہ یہ پائی جاتی ہے کہ خاندان بنی امیہ کا یہ پہلا شخص تھا جو اندلس میں داخل ہوا تھا۔

(۲) اصل کتاب میں تینوں جگہ ''الناصر'' کے بجائے ''انصاری'' ہے۔ (محمد امین)

باب دوم

ہشام

جمادی الاخری سنہ ۱۷۲ھ م سنہ ۷۸۸ء لغایت صفر سنہ ۱۸۰ھ م سنہ ۷۹۶ء

ہشام کی تخت نشینی ــــ نجومی سے ملاقات ــــ سلیمان کی بغاوت ــــ فتح اربونیہ اور عیسائیوں سے جنگ ــــ تعمیر پل قرطبہ ــــ طرز حکومت ــــ ذاتی حالات۔

ہشام کی تخت نشینی

سنہ ۱۷۲ھ مطابق سنہ ۷۸۸ء میں عبدالرحمٰن بن معاویہ اندلس کے خلیفہ اول نے انتقال کیا، اور اس کا دوسرا بیٹا ہشام ابو الولید جس کو عبدالرحمٰن نے اپنے حینِ حیات اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا، تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس کی ماں کا نام حلل تھا۔ شوال سنہ ۱۳۹ھ میں یعنی عبدالرحمٰن کے اندلس میں داخل ہونے کے ایک سال بعد پیدا ہوا، اور بچپن ہی سے اس کو علماء اور اہلِ کمال کی صحبت میں بیٹھنے کا بے انتہا شوق تھا، اس کے بڑے بھائی سلیمان کی طبیعت اس کے برعکس واقع ہوئی تھی، عبدالرحمٰن نے ہشام کے ان ہی خصائلِ حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کی وجہ سے اس کو ولی عہد مقرر کیا تھا[1]، اور ہمیشہ

(۱) عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اپنے تمام بچوں کی تعلیم کا خاص طور پر انتظام کیا تھا۔ ہشام اور سلیمان دونوں کو حکم تھا کہ دار القضا میں جا کر کام سیکھا کریں، اور جس وقت کونسل آف اسٹیٹ یعنی مجلس امراء کا انعقاد ہوتا تھا تو شاہزادے تاختم کام وہاں حاضر رہتے تھے، شعراء اور علماء سلطان کی سالگرہ کے روز نظم ونثر سلطان کی تعریف میں لکھ کر شہزادوں کے سامنے پیش کرتے تھے، اور ←

لوگوں سے ان دونوں بھائیوں کے حالات اور ذاتی صفات کا مُسْتَفسِرْ (دریافت کرنے والا) رہتا تھا۔ سب ہم زبان تھے کہ شہزادہ ہشام کا دربار ہمیشہ علماء اور فضلاء، اور بہادران و مدبرانِ وقت، اور صاحبِ کمال لوگوں سے معمور رہتا ہے، جہاں ہر قسم کے علمی مباحثے ہوا کرتے ہیں، برخلاف اس کے شہزادہ سلیمان کے دربار میں کم ہمت اور پست حوصلہ اور خوشامدی جمع رہتے ہیں۔ ہشام صوبہ مریدۃ کی صوبہ داری کو انجام دے رہا تھا کہ اس کو اپنے باپ کے انتقال کی خبر پہنچی۔ شہر مریدۃ ہی میں اس نے عَنان حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا، اور رعایا نے بلا عذر اس کو سلطان عبدالرحمٰن کا جانشین تسلیم کرلیا۔

ایک نجومی کی پیشین گوئی تخت پر بیٹھتے ہی سلطان ہشام نے الضجی نامی مشہور اور معروف منجم ساکن الجزائر کو دربار میں طلب کیا، اور اس سے کہا کہ گو خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہوسکتا، چونکہ تو اپنے فن میں یکتائے زمانہ سمجھا جاتا ہے، لہٰذا زائچہ کے ذریعہ سے بلا تأمل اور بغیر خوف وخطر مجھ کو بتا کہ میرا زمانۂ حکومت کس طرح گزرے گا؟ سلطان کے اس اطمینان دلانے پر اس نجومی نے زائچہ تیار کیا، اور بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوکر عرض کی کہ یا امیر! تیرا زمانۂ حکومت نہایت مبارک اور قابل یادگار ہوگا۔ دشمن ہمیشہ پامال اور فتح ونصرت ہمیشہ ہم رکاب رہے گی، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تیرا عہد حکومت آٹھ سال تک یا کچھ کم وبیش رہے گا۔ ہشام نے منجم کے اس بیان کو بغور سنا، اور کچھ دیر تک سوچ اور فکر میں رہا، بعد چند لحظے کے سر اٹھایا، اور کہا کہ اے الضجی! تیری پیشین گوئی نے مجھ کو مطلقاً ہراساں اور پریشان نہیں کیا، بلکہ اس تیرے بیان نے مجھ کو اپنی نیک نامی اور کامیابی حاصل کرنے کا راستہ بتایا۔ میں ہمیشہ اپنے معبود برحق کی عبادت اور اپنے منصبِ جلیلہ کی انجام دہی میں تادمِ مرگ مشغول رہوں گا،

→ جس کی نظم یا نثر سب سے عمدہ ہوتی تھی اس کو انعام دیا کرتے تھے۔ عربس ان اسپین مصنفہ کونڈ جلد ا صفحہ ۲۱۳۔

اِس کے بعد ہشام نے منجم کو خلعت وانعام کے ساتھ رخصت کیا، اسی وقت سے دنیوی عیش وآرام وخواہشات نفسانی کو یک لخت دور اور معدلت گستری اور رعیت پروری میں مصروف ہوا۔

سلیمان کی بغاوت اور اربونیہ کی فتح

اپنے عہد حکومت کے اوائل میں سلطان ہشام کو اپنے بعض اہل خاندان سے بہت تکالیف پہنچیں، چنانچہ اس کے بڑے بھائی سلیمان نے دوسرے بھائی عبداللہ نامی کی شرکت سے فوجِ کثیر کے ساتھ سلطنت کا دعوی کیا، سلطان نے بذات خود باغیوں کا مقابلہ کیا، اور ان کو شکست فاش دی ـــــ اس خانہ جنگی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہشام فرانس کی طرف متوجہ ہوا۔ جب اِس نے شہر اربونیہ (۱) کو دوبارہ فتح کیا، صوبہ جلیقیہ کے ماتحت عیسائی رئیسوں نے نہایت عجز کے ساتھ صلح کی درخواست کی، جس کو سلطان نے بایں شرط قبول کیا کہ یہ لوگ اربونیہ کی شکستہ دیواروں کے چونہ اور پتھر وغیرہ کو ڈھو کر دارالسلطنت قرطبہ تک پہونچائیں، جہاں پر سلطان نے اسی سامان سے ایک مسجد باب الجنۃ کے محاذی تعمیر کی۔

عیسائیوں کی بغاوت اور ان کی سرکوبی

سنہ ۱۷۵ھ میں البہ اور ارض القلاع کے عیسائیوں نے بغاوت شروع کی، لیکن سلطانی فوج نے باغیوں کو ایسی شکست دی کہ پھر ان عیسائیوں کو فساد کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی سال میں سلطان نے اپنے وزیر یوسف بن بخت کو فوج کثیر کے ساتھ پھر صوبہ جلیقیہ کے عیسائیوں کی تنبیہ کے لئے روانہ کیا۔ یوسف نے رئیس صوبہ برمیوڈو

(۱) اس فتح کی نسبت الفاظ بہت صاف ہیں: ''وَفِی أَیَّامِہٖ فُتِحَتْ أَرْبُوْنِیَّۃ'' بعض فرانسیسی مؤرخین مثل رومی اور رریناد بیان کرتے ہیں کہ عربوں نے اس شہر کو فتح نہیں کیا، بلکہ صرف اس شہر کے قرب وجوار کے مقامات کو تاخت وتاراج کیا تھا، المقری اور دیگر مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ عربوں نے اِس شہر کو فتح کرلیا تھا، اور یہ آخر الذکر بیان بہ نظر واقعات مندرجہ حصہ اول صحیح معلوم ہوتا ہے۔

کو شکست کامل دی، جس میں بے انتہا عیسائی قتل و غارت ہوئے۔ اور اس صوبہ کا بہت بڑا حصہ ممالک مفتوحہ میں شریک کیا گیا۔ سنہ ۱۷۶ھ میں دوسرے وزیر عبدالملک بن عبدالواحد بن مغیث نے البہ اور ارض القلاع کے عیسائیوں کو کافی سزا دی۔ سنہ ۱۷۷ھ میں اہل اربونیہ اور جرندہ کو پھر مائل بفساد پاکر امیر عبدالملک ہی کو اس مہم پر مقرر کیا۔ جہاں اس نے اپنی خدمات مفوضہ کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

قرطبہ کے پل کی تعمیر اور ہشام کا عہد

اسی زمانہ میں قرطبہ کے پل کی جس کو امیر السمح نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں بنایا تھا، از سر نو تعمیر کی گئی۔ یہ پل جس کا نقشہ سلطان ہشام نے اپنے ہاتھ سے کھینچا تھا حسن اور وسعت میں بے نظیر تھا۔ زمانہ تعمیر میں ایک روز سلطان نے اپنے اہل دربار سے پوچھا کہ اس پل کے بنانے کی نسبت عام خیال کیا ہے۔ جواب دیا کہ رعایا کا یہ خیال ہے کہ سلطان نے پل کو اس غرض سے تعمیر کیا ہے کہ شکار کی آمد و رفت میں دقت نہ ہو۔ یہ سن کر ہشام نے عہد کیا کہ آج سے تا دم مرگ اس پل پر پاؤں نہ رکھوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

علمائے اندلس کی امام مالک سے ملاقات

ہشام کے زمانۂ حکومت میں بعض علماء اور فقہاء حج کی نیت سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے، جن میں فرعون بن العباس، عیسیٰ بن دینار، سعید بن ابی ہند اور دیگر مشہور لوگ شریک تھے، شام میں ان لوگوں کی ملاقات مالک بن انس سے ہوئی، جو کچھ کہ فیض ان لوگوں کو اس (امام مالک) کی صحبت سے حاصل ہوا تھا، اس سے اہلِ اندلس انہی کے توسط سے مستفید ہوئے۔ دراصل ابو عبداللہ[1] زید بن عبدالرحمن کی کوشش سے عقائد مالکیہ نے اس ملک میں رواج پایا، اور ان کی متعلقہ تصانیف درس میں شریک ہوئیں۔ ہشام نے ابو عبداللہ زید کو بلحاظ اس کے علم اور

(۱) اپنے وقت کا علامہ تھا۔

تقدس کے عہدۂ قضاء کے لئے تجویز کیا، لیکن یہ کسی طرح راضی نہ ہوا، اور جب سلطان نے اس کو مجبور کرنا چاہا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ:

''اگر میں نے بجبر اس عہدے کو قبول بھی کیا، تو شرع اور فقہ کے بالکل خلاف احکام جاری کروں گا۔ اس وقت تم خود مجھ کو اس خدمت سے علحدہ کردو گے'' ـــــــ

سلطان بصوابدید وزرا، اپنے ارادے سے باز رہا، اور پھر کبھی ابوعبداللہ کو عہدۂ قضاء کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اس عالم کا انتقال سنہ ۲۰۴ھ میں ہوا۔

سلطان ہشام کے ذاتی حالات

سلطان ہشام کے عہد حکومت میں علم وفضل اور ہر قسم کے کمال نے بے حد ترقی پائی، چونکہ بادشاہ خود لائق اور علم دوست اور صاحبِ فن کا قدردان تھا، اس نے اپنے گرد ایسے بے نظیر اور نادرالعصر لوگوں کو جمع کیا کہ جن کی بدولت اس کا نام اس وقت تک قائم ہے، اور آئندہ بھی قائم رہے گا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ اس کا باپ سلطان عبدالرحمن بن معاویہ دربار میں بیٹھا ہوا تھا اور اہلِ دربار حاضر تھے کہ سلطان نے یہ دو شعر پڑھے:

وَنَعْرِفُ فِيهِ مِنْ أَبِيهِ شَمَائِلاً ۞ وَمِنْ خَالِهِ وَمِنْ يَزِيْدَ وَمِنْ حُجْرِ

سَمَاحَةَ ذَا وَبِرَّ ذَا ووفَاءَ ذَا ۞ وَنَائِلَ ذَا إِذَا صَحَا وَإِذَا سَكِرَ[1]

(۱) اس میں یعنی سعد بن ضباب میں اس کے باپ سے اور اس کے ماموں سے اور یزید سے اور حُجر سے ہم اچھی خصلتوں کو جانتے ہیں۔

(۲) یعنی اس کی فیاضی اور اُس کی نیکی، اور اس کی وفاداری اور اُس کی دادودہش جب وہ افاقہ کی حالت میں ہو، اور جب نشہ کی حالت میں ہو۔

(۱) اصل کتاب میں یہ اشعار غلط چھپے ہوئے ہیں۔ احقر نے ان اشعار کی تصحیح وزیر ابوبکر بن عاصم کی شرح دیوان امرء القیس سے کی ہے (شرح دیوان رئیس الشعراء ابی الحرث ص ۱۳۹) (محمد امین)

اور ہشام سے پوچھا کہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ اشعار کس کے ہیں؟ ہشام نے فوراً کہا کہ یہ اشعار امراء القیس کے ہیں، جو خاص تیرے لئے لکھے گئے۔ سلطان اپنے بیٹے کی اس حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا۔

ہشام کی طرزِ حکومت

ہشام کی فیاضی اور معدلت گستری کی نظیروں سے تاریخ بھری ہوئی ہے۔ اس نے اپنی بیدار مغزی اور دانشوری سے سلطنت کو ایسے مستحکم اصول پر قائم کیا کہ اگر ان کی پابندی اس کے جانشین کرتے تو اسی وقت یورپ کا مغربی کونہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتا، جس سے سلطنت ہائے بلاد مشرقیہ اسلامیہ کو تقویت ہوتی، تمام ممالک محروسہ میں مُخبر پھیلے ہوئے تھے، جن کے ذریعہ سے سلطان کو حکام کی طرزِ حکومت کی خبر دم بدم پہنچتی رہتی تھی۔ جس طرح کہ خیر خواہ اور نیک خصال حکام چشمۂ فیض وقدر دانی سے سیراب، اسی طرح ظالم اور بد خواہ آتش غضب ظلم سوز سے ترساں اور لرزاں رہتے تھے، اس کو رعایا کی تکالیف ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ تھی، اور ہمیشہ کوشش یہ تھی کہ رعایا اپنے حکام سے خوش رہے اور اس کے جان و مال کی پوری پوری حفاظت کی جائے۔

شخصی سلطنت میں ملک اور رعایا کی بہبودی خاص بادشاہ کی ذات سے وابستہ ہے، اس بادشاہ کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے اپنی محنت اور جفاکشی، عدل و جود وسخا کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، رعایا نے اس کو العادل کا خطاب دیا تھا، اس لقب کو یہ نہایت عزیز رکھتا، اور اپنا فخر سمجھتا تھا ——— ہشام نے سات سال اور آٹھ یا نو مہینے حکومت کے بعد سنہ ۱۸۰ھ م سنہ ۷۹۶ء میں انتقال کیا۔ قبل انتقال مسجد قرطبہ کو جس کی بنیاد عبد الرحمن نے ڈالی تھی ختم کر دیا تھا۔

باب سوم

الحکم

صفر سنہ ۱۸۰ھ م سنہ ۷۹۶ء لغایت ذی الحجہ سنہ ۲۰۶ھ م سنہ ۸۲۲ء

الحکم کی تخت نشینی ـــ اس کے چچا سلیمان اور عبداللہ کی بغاوت ـــ جنگ جلیقیہ ـــ انتقال سلیمان ـــ عیسائیوں کے ساتھ جنگ اور ان کی شکست ـــ قحط عظیم ـــ انتقال ـــ طرز حکومت۔

الحکم کی تخت نشینی اور اس کے چچا سلیمان اور عبداللہ کی بغاوت

سلطان الحکم اپنے باپ سلطان ہشام کے بعد تخت پر بیٹھا۔ عربوں کی یہ خوش قسمتی تھی کہ لائق باپ کی میراث لائق تر جانشین کے حصہ میں آئی۔ لیکن مثل سابق اس کے رشتہ داروں نے اس کو بھی آرام لینے نہیں دیا۔ چنانچہ الحکم کے تخت پر بیٹھتے ہی اس کے دونوں چچاؤں یعنی عبداللہ اور سلیمان نے بغاوت شروع کردی، اگرچہ یہ لوگ علانیہ بغاوت کی قدرت نہیں رکھتے تھے، مگر چونکہ یہ سب سلطنت کے رکن اعظم تھے خفیہ طور پر اس کو اور اس کی سلطنت کو نقصان پہونچا سکتے تھے، اور اس تکلیف اور نقصان رسانی میں انھوں نے کوتاہی نہیں کی۔

فرانسیسیوں کا برشلونہ پر حملہ اور ان کا ملک سے اخراج

عیسائی بھی ہمیشہ ایسی سازشوں اور

خانہ جنگیوں کا انتظار، جن پر ان کی کامیابی منحصر تھی، کیا کرتے تھے۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ الحکم خانہ جنگی میں مشغول ہے فرانسیسیوں نے سنہ ۱۸۵ھ م سنہ ۸۰۱ء میں برشلونہ پر حملہ کیا، اور اس کو اپنے قبضہ میں لے آئے۔ عربوں نے وہ پورا صوبہ خالی کر دیا، اور سرحدی قلعوں میں پناہ گزیں ہوئے، لیکن قبل اس کے کہ عیسائی کچھ زیادہ نقصان پہونچاتے الحکم نے اپنے مشہور حاجب عبد الکریم بن مغیث کو معقول تعداد فوج کے ساتھ عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اس امیر نے نہایت دلیری اور ہوشیاری سے اپنے کارِ مفوضہ کو انجام دیا، اور ایک ہی جنگ میں فرانسیسیوں کو ملک سے خارج کر دیا، اور کافی انتظام کے بعد قرطبہ واپس آیا۔

امام مالک کے معتقدین کی بغاوت اور اس کا انجام

اسی اثناء میں معتقدانِ مالک بن انس نے جن کو اپنی سیادت اور تقدس پر ناز تھا، یہ خبر مشہور کی کہ چونکہ سلطان دنیوی عیش و آرام کی طرف متوجہ ہے، حکومت کے قابل نہیں رہا۔ اس الزام کے شہرت دینے اور فساد کے آغاز کرنے کا بانی یحییٰ بن یحییٰ اللیثی تھا۔ بغاوت قرطبہ کے مغربی حصہ سے شروع ہوئی، اگر سلطان فی الحقیقت جیسا کہ اس فرقہ نے اسے مشہور کیا تھا، امورِ سلطنت سے بے خبر اور لہو ولعب میں مصروف ہوتا، اور بے خبری کی حالت میں اس انقلاب اور بغاوت کو بڑھنے دیتا، تو معلوم نہیں کہ انجام کار کیا ہوتا۔ یہ خاندانِ معاویہ کی خوش قسمتی تھی کہ الحکم میں وہی صفات اور خوبیاں موجود تھیں، جن کی بدولت اس کے دادا عبد الرحمن بن معاویہ نے صرف خدائے عزوجل کی رحمت اور کرم سے اس ملک کو فتح کیا، اور اپنے خاندان کا نام قائم رکھا۔ یہ بغاوت کوئی نئی بات نہ تھی۔ تاریخ اس امر کی پوری شہادت دیتی ہے کہ انقلاب عظیم کے بانی اکثر مذہبی فرقے ہوئے ہیں، اور مذہب کی لگائی ہوئی آگ اپنا اثر کئے بغیر بجھتی نہیں۔

جس وقت الحکم کے مخبروں نے مالک بن انس کے معتقدوں کی مفسدہ پردازی کی

اطلاع دی، اس نے قبل اس کے کہ رعایا پر ان باغیوں کی سازش کا کچھ اثر ہو، اس حصہ شہر کو جس میں یہ لوگ مقیم تھے نیست اور نابود، اور جو لوگ باقی رہے ان کو سزائے سخت کے بعد اندلس سے خارج کر دیا، کچھ باغی دارالسلطنت مراکش میں سکونت پذیر ہوئے، اور کچھ مصر چلے گئے، لیکن باوجود اس سختی اور مصیبت اٹھانے کے بھی یہ لوگ اپنی شرارتِ جبلی سے باز نہیں آئے، اور مصر میں بھی آتشِ فساد بھڑکانی چاہی، مگر خلیفہ المامون کے قائم مقام عبداللہ بن طاہر نے کافی سزا کے بعد ان کو جزیرۃ اقریطس (۱) کی طرف نکال دیا، جس کو ان باغیوں نے فتح کیا، اور مدت دراز تک اس پر حکومت کرتے رہے، آخر کو میٹاس پسر قسطنطین نے سنہ ۹۶۱ھ میں اس جزیرہ کو فتح کیا، اور ملک یونان سے ملحق کر لیا۔ آخر بادشاہ ان کا عبدالعزیز خاندانِ ابوحفص سے تھا۔

عیسائیوں کے ساتھ جنگ اور ان کی شکستِ فاش

اندرونی بغاوتوں کو رفع کرنے، اور اپنے چچا سلیمان کے انتقال کے بعد الحکم سرحد کی درستی اور حفاظت کی طرف مائل ہوا، پہلے اس نے قلعجات سرحدی کو مکرر درست اور مستحکم کیا، اور پھر عیسائیوں کے حملوں کو روکنے کی غرض سے مختلف دستے فوج کے اپنے نامی اور جاں نثار امیروں کی سرکردگی میں سرحد کی طرف روانہ کئے۔ سنہ ۱۹۲ھ م سنہ ۸۰۷ء میں شاہ فرانس کی سازش سے لذریق نے شہر طرطوشہ کا محاصرہ کیا۔ جب اس محاصرہ کی اطلاع سلطان کو پہنچی تو باوجودیکہ پیشتر تجربہ کار امیر سرحدی لڑائیوں میں مصروف تھے۔ الحکم نے بذاتِ خود طرطوشہ کا عزم کیا، اور پہلے ہی مقابلہ میں اس کے بڑے بیٹے عبدالرحمن نے لذریق کو شکستِ فاش دے کر اپنی حدود سے باہر کر دیا۔

جنگِ جلیقیہ اس جنگ کے چار برس بعد سنہ ۲۰۰ھ مطابق سنہ ۸۱۵ء میں سلطان نے پھر جنگ کا عزم کیا، اور اپنے وزیر عبدالکریم بن مغیث کو جو

(۱) اس کو کریٹ یا کنیڈیا کہتے ہیں جس پر اب ترک حکمراں ہیں۔

فنون سپہ گری میں یکتائے زمانہ تھا۔ فرانسیسیوں کے مقابلہ میں بھیجا۔ عرب حدود جلیقیہ میں داخل ہوئے اور بلا کسی محنت اور مشقت کے سرحدی قلعجات کو اپنے قبضے میں لے آئے، ہنوز یہ سرحد کے قریب تسخیر شدہ ملک کے انتظام میں مصروف تھے، کہ ان کو شاہ جلیقیہ کی فوج کشی کی اطلاع پہنچی، دونوں فوجیں دریا کے کنارے خیمہ زن ہوئیں، چونکہ دریا دونوں کے بیچ میں حائل تھا جنگ چند روز تک ملتوی رہی، امیر عبدالکریم نے بہ مصلحت اپنی فوج کو کنارے سے ہٹالیا، اور عیسائیوں کو دوسری طرف آنے کا موقع دیا۔ تیرہ (۱۳) روز تک دونوں فوجیں لڑتی رہیں، لیکن باوجود کامیابی، بارش اور دریا کی شورش کی وجہ سے عرب اپنی کامیابی سے پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکے۔ جب امیر نے دیکھا کہ دریا کی طغیانی زیادہ ترقی کرتی جاتی ہے، اور طوفان بھی کم نہیں ہوتا، تو اس نے سلطان کو اطلاع کی اور حسب الحکم قرطبہ واپس چلا آیا۔

قحط عظیم اسی زمانہ میں اندلس میں ایسا شدید قحط پڑا کہ ہزارہا آدمی ہلاک ہو گئے، اس حادثۂ عظیم نے سلطان کا خواب وخور (سونا اور کھانا) حرام کر دیا تھا۔ اپنی عزیز رعایا کی تکلیف اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ عباس بن ناصح الجزیری [1] حسب ذیل اشعار میں اس واقعہ کو ظاہر کرتا ہے:

نَكِدَ الزَّمَانُ فَامَنَتْ أَيَّامُهُ ۞ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ بِعَصْرِهِ عُسْرُ

ظَلَعَ الزَّمَانُ بِأَزْمَةٍ فَجَلَا لَهُ ۞ تِلْكَ الْكَرِيهَةَ جُوْدُهُ الْغَمْرُ [2]

① زمانہ منحوس ہو گیا، مگر اس کے ایام اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ اس کے عہد میں تنگی اور پریشانی ہو۔

② زمانہ قحط کی وجہ سے لنگڑا ہو گیا، پس زمانہ کی یہ ناگواری اس کی فیاضانہ بخشش نے دور کر دی۔

(۱) اصل میں ''الجزائری'' ہے، نفح الطیب سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین) (۲) ان اشعار کی تصحیح نفح الطیب سے کی گئی ہے (اول، ۳۴۱، مطبوعہ دار صادر سنہ ۱۳۸۸ھ (محمد امین)

عباس بن ناصح ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ:

جب میں وادی الحجارہ کے قریب سے گزرا، تو ایک عیسائی عورت نے مجھ کو سلطان سمجھ کر بآواز بلند کہا: اے الحکم! کیا اس سخت زمانے کے ساتھ جس نے ہمارے باپ اور شوہر دونوں کو مارڈالا، تو بھی اپنی غریب رعایا کو جو بھوکی پیاسی تجھ کو یاد کررہی ہے بھول گیا۔ میں نے نہایت تشفی اور دلداری کے ساتھ اس تباہی کی وجہ دریافت کی، اس نے بیان کیا کہ جب ہم اپنے مردوں اور بچوں کے ساتھ وادی الحجارہ کے کھیتوں سے گذر رہے تھے، عیسائیوں کے ایک گروہ نے ہم کو گھیر لیا اکثر قتل ہوئے، اور بقیۃ السّیف کو گرفتار کر کے لے گئے۔

اس واقعہ کو بھی اس شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

تَمَلْمَلْتُ فِي وَادِي الْحِجَارَةِ مُسْهِرًا ۞ أُرَاعِي نُجُومًا مَا يُرِدْنَ تَغَوُّرَا

إِلَيْكَ أَبَا الْعَاصِي نَضَيْتُ مَطِيَّتِي ۞ تَسِيْرُ بِهِمْ سَارِيًا وَّمُهَجِّرَا

تَدَارَكْ نِسَاءَ الْعَالَمِيْنَ بِنُصْرَةٍ ۞ فَإِنَّكَ أَحْرَىٰ أَنْ تُغِيْثَ وَتَنْصُرَا [1]

① میں نے وادی الحجارۃ میں جاگ کر بے چینی سے رات بسر کی، میں ستاروں کو دیکھتا رہا کہ وہ ڈوبنے کا ارادہ نہیں کرتے۔

② تیری طرف اے ابو العاص! (یہ الحکم کی کنیت ہے) میں نے اپنی سواری کو دوڑایا، وہ رنج وفکر کے ساتھ رات دن چلتی رہی۔

③ نصرت سے دنیا کی عورتوں کی تلافی کر، کیونکہ تو فریادرسی اور نصرت کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

عباس بن ناصح نے دربار سلطانی میں اپنے قصیدے کو پڑھا جس سے سلطان اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً بذات خود مع فوج کے وادی الحجارہ پہنچا اور کامل تحقیقات کے بعد مجرموں کو قتل کیا، اور اس عیسائی عورت کے سامنے سلطان نے عباس کی طرف متوجہ

(۱) ان اشعار کی تصحیح نفح الطیب سے کی گئی ہے (نفح الطیب جلد اول ص: ۳۴۳، مطبوعہ: دار صادر، بیروت، سنہ ۱۳۸۸ھ مطابق سنہ ۱۹۶۸ء (محمد امین)

ہوکر کہا کہ اے عباس! اب اس عورت سے پوچھ کہ الحکم اپنی غریب رعایا کی آہ وزاری سنتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے مصائب کے دفع اور اس کے حقوق کی نگرانی کرنے میں خاص توجہ اور کوشش کرتا ہے یا نہیں؟ بیوہ یہ سن کر آبدیدہ ہوئی، اور رکاب سعادت کو بوسہ دے کر نہایت ادب سے عرض کیا کہ، اے امیر! جو کچھ میں نے اس وقت دیکھا، اور سنا اس کے صحیح ہونے میں بالکل شبہ نہیں، خدا تعالیٰ تجھ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

الحکم کے مشیر اور ارکان سلطنت

الحکم کے گرد و پیش جو مشیر اور ارکان سلطنت تھے، وہ اپنے اپنے فن میں وحید عصر تھے، ان کے نام نامی یہ ہیں۔ اسحاق بن المنذر۔ اور عباس بن عبداللہ۔ اور عبدالکریم بن مغیث۔ اور سعید بن حسین، یہ چار پانچ شخص الحکم کے خاص وزیر اور سپہ سالار تھے —— شہر قرطبہ کی قضات پر عمر بن بشیر، اور بشیر بن قطن۔ اور عبداللہ بن موسیٰ، اور حمید بن محمد بن یحییٰ، یہ مشہور عالم فقہ یکے بعد دیگرے مامور ہوئے —— اور اس کے خطیب حجاج بن العقیلی، اور فطیس بن سلیمان، اور عطاف بن زید تھے۔

ایک دوست کے تین سوال، اور قاضی محمد بن بشیر کے جوابات

سلطان الحکم کے علم دوست ہونے کی نسبت جو کچھ اوپر تحریر کیا گیا ہے، اس کی تائید متعدد مؤرخین سے ہوتی ہے۔ یہ قضات شہر کی اسی شخص کے سپرد کیا کرتا تھا، جو علاوہ عالم ہونے کے راست باز اور منصف مزاج ہوتا تھا، چنانچہ ایک مؤرخ کا بیان ہے کہ ابن عمران کے انتقال کے بعد محمد بن بشیر قاضی الجماعت [1] اندلس کا مقرر کیا گیا، اس کا باپ سعید بن بشیر [2] وہ مشہور اور واجب التعظیم عالم علم فقہ اور حدیث کا تھا، جس کو سلطان عبدالرحمٰن اول نے اس عہدے کے لئے منتخب کیا تھا۔ اس کا انصاف

(۱) اندلس کے قاضی کو قاضی القضات اور قاضی الجماعت دونوں کہتے تھے۔

(۲) اصل میں اسی طرح ہے (محمد امین)

صرف اندلس ہی میں نہیں، بلکہ کل ممالک اسلام میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔

نقل مشہور ہے کہ جب شاہی فرمان تقرر کا اس کے وطن مقام بیجہ پہنچا، اور یہ قرطبہ کی طرف روانہ ہوا، اس نے ایک منزل اپنے ایک پرانے دوست کے مکان پر بسر کی، اثنائے گفتگو میں ابن بشیر نے اپنے دوست سے کہا کہ، اگر سلطان نے مجھ کو اندلس کا قاضی مقرر کیا تو میں تجھ کو اپنا مددگار بنالوں گا، دوست نے جواب دیا کہ اس درخواست کے منظور کرنے میں مجھ کو عذر نہیں، بشرطیکہ تو میرے تین سوالوں کا جواب شافی دے۔

پہلا یہ کہ اگر تجھ کو عمدہ لباس، عمدہ کھانا اور عمدہ سواری دی جائے تو تجھے خوشی حاصل ہوگی یا نہیں؟ جواب دیا کہ لذیذ کھانوں کی مجھ کو پروا نہیں۔ غذا سے صرف زندگی منظور ہے، نہ کہ زندگی واسطے غذا، لباس سے ستر منظور ہے نہ (کہ) خوشنمائی، اور جب خدائے تعالیٰ نے پاؤں عطا فرمائے ہیں تو پھر سواری کی کیا ضرورت؟!۔

دوسرا سوال یہ کہ حسن خداداد(1) کے دیکھنے اور معشوق کے ناز و کرشمہ کے اٹھانے کی تاب تجھ میں موجود ہے یا نہیں؟ ابن بشیر نے جواب دیا کہ جب ان امور کا مجھ کو تجربہ ہی نہیں تو مجھ پر معشوق کے حسنِ خداداد کا کیا اثر ہوسکتا ہے؟!

تیسرا سوال یہ کہ اگر تیرے ہم قوم تیری خوشامد اور تعریف کریں تو کیا تو خوش ہوگا؟ اور اس عہدہ پر مامور ہونے کے بعد علحدہ کر دیا جائے تو کیا تو ناخوش ہوگا؟ جواب دیا کہ قسم ہے مجھ کو اللہ کی، کہ تعریف اور ستائش کی نہ مجھ کو پروا اور نہ بُرا کہنے کا مجھ کو رنج، پھر اس عہدے سے علیحدہ ہونا مجھ کو کیا بُرا معلوم ہوسکتا ہے؟! یہ سنتے ہی اس دوست نے ابن بشیر کے ہاتھ کو بوسہ دیا، اور کہا کہ میرے سوالات کے جواب مجھ کو حسب دل خواہ ملے، اور اب میں نہایت خوشی سے تیری نیابت کو قبول کرتا ہوں۔

الحاصل ابن بشیر اپنے دوست سے رخصت ہو کر سیدھا دارالسلطنت آیا، اور عہدۂ قضاء پر مامور ہوا۔ اس کے انصاف اور اس کی شرع کی پابندی نے اس کو ایسا شہرۂ آفاق کیا کہ دور

(۱) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوالات اس کی خوبی طبیعت اور طینت کی جانچ کے لئے کئے گئے۔

دور سے لوگ اس سے ملنے، اور اس کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے واسطے قرطبہ آنے لگے۔

قاضی ابن بشیر کا سلطان کے خلاف فیصلہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے خاص سلطان پر ایک قطعہ زمین کے متعلق جو قرطبہ کے پل کے قریب واقع تھا دعوی کیا۔ بعد تحقیقات ابن بشیر کو مدعی کا مقدمہ صحیح معلوم ہوا، اس نے حکم دیا کہ سلطان اپنا قبضہ اس جائداد سے اٹھالے۔ اب الحکم کے منصفانہ برتاؤ اور قانون کی پابندی کو دیکھنا چاہیے۔ کہ اس نے فریق اول کو طلب کر کے قیمت اس جائداد کی دریافت کی، اور جو قیمت مانگی گئی فوراً ادا کر دی۔

اسلام کا یہ بہت بڑا اصول ہے کہ جس قانون پاک کی رو سے بادشاہ، شیخ الاسلام کو معزول کر سکتا ہے، اسی قانون پاک کی رو سے شیخ الاسلام، بادشاہ کو سزا دے سکتا ہے۔ اسلام میں کیسی سخت اور جابرانہ شخصی سلطنت کیوں نہ قائم ہو، بادشاہ ہمیشہ قانون شرع کا تابع رہیگا۔

سلطان الحکم کی نگاہ میں قاضی ابن بشیر کی قدر و منزلت

جب الحکم کو یہ اچھی طرح یقین ہو گیا کہ ابن بشیر سے بہتر ملک کو قاضی القضاۃ نہیں مل سکتا، سلطان اس کی قدر و منزلت اور زیادہ کرنے لگا۔ اور اس کے مخالفین سے منہ پھیر لیا۔ چنانچہ ایک روز موسیٰ بن سمح نے جو شاہی اصطبل کا صاحب الخیل تھا۔ سلطان سے عرض کی کہ ابن بشیر نے میرے مقدمہ میں ناانصافی کی ہے، اور ایسے احکام جاری کئے ہیں جو خارج الاقتدار ہیں —— سلطان نے جواب دیا کہ تیرے بیان کی صحت اسی وقت ہو سکتی ہے کہ تو جا اور ابن بشیر سے ملاقات کر، اگر تو اس میں کامیاب ہوا تو میں تجھ کو سچا سمجھوں گا، اور اس کو عہدۂ قضاء سے معزول کر دوں گا، ورنہ اس میں اس کو اور زیادہ عزیز رکھوں گا۔

چنانچہ موسیٰ حسب الحکم ابن بشیر کے مکان پر گیا، اور اس سے ملنے کی خواہش کی،

سلطان نے موسیٰ کے عقب میں تحقیق حال کے لئے دو مخبروں کو بھی روانہ کیا۔ ان میں سے ایک واپس آیا اور الحکم سے عرض کیا کہ جب موسیٰ نے قاضی سے ملنے کی کوشش کی۔ قاضی کے ایک ملازم نے موسیٰ سے کہا کہ قاضی کہتا ہے کہ اگر تجھ کو کسی عدالتی معاملے میں کچھ کہنا ہے تو عدالت میں وقت مقرر پر حاضر ہو۔ الحکم یہ سن کر مسکرایا، اور کہا کہ مجھ کو پہلے ہی یہ یقین ہو چکا تھا کہ یہی ایک شخص اس عہدے کے لئے موزوں ہے۔ ابن بشیر کی تعریف نہ صرف ایک دو بلکہ جتنے عرب مؤرخین ہماری نظر سے گزرے سب کرتے ہیں۔

المَقّرِیٰ نے بھی نفح الطیب میں ابن بشیر کی نسبت ایک واقعہ قابل ذکر تحریر کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ الحکم کے چچا سعید الخیر بن عبدالرحمٰن الداخل نے ایک دعویٰ کیا۔ سعید کے مختار نے ایک دستاویز جائدادِ متنازعہ کی نسبت قاضی کے سامنے پیش کی۔ اس دستاویز پر مختلف لوگوں کی شہادت موجود تھی۔ لیکن اُن گواہوں میں سے سوائے سلطان الحکم اور ایک اور شخص کے کوئی زندہ نہ تھا، فریق ثانی نے یہ عذر پیش کیا کہ جب تک دستخطوں کی تصدیق نہ ہو دستاویز منظور نہیں ہوسکتی۔ ابن بشیر نے اس عذر کو تسلیم کرلیا، اور فریق اول کو حکم دیا کہ وہ گواہوں کو عدالت میں حاضر کرے۔ قاضی کے اس فیصلے سے سعید الخیر بہت متعجب ہوا، اور سلطان سے عرض کیا کہ اب ہماری حکومت اس قدر کمزور ہوگئی کہ ایک قاضی خاص سلطان کے دستخط کو منظور نہیں کرتا، الحکم نے اپنے چچا کی بہت کچھ تشفی کی، اور کہا کہ:

"تو قاضی کی صفات اور منصفانہ طبیعت سے واقف نہیں ہے، اس نے یہ احکام انصاف رسانی کی نیت سے جاری کئے ہیں، اور میں بھی نہیں چاہتا کہ میری رعایا میں سے جن کی جان و مال میرے ہاتھ میں خدائے تعالیٰ نے دی ہے کسی کی حق تلفی ہو۔ مجھ کو معلوم ہے کہ تیرا دعویٰ سچا ہے، دستخط کی تصدیق کر دینے میں کیا حرج ہے؟"

یہ کہہ کر سلطان نے اپنے دو قانونی مشیروں کو طلب کیا، اور ان کے سامنے اپنے ہاتھ سے اپنی دستخط کی تصدیق کی، اور اس کو بند کر کے انہیں مشیروں کے ذریعہ سے

قاضی کے پاس بھیج دیا۔ ابن بشیر نے یہ شاہی تحریر بغور پڑھی، اور سعید الخیر کے مختار کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ، جب تک تصدیق کُنِندہ اصالۃً حاضر ہو کر تصدیق نہ کرے، عدالت اس کو منظور نہیں کر سکتی۔ سعید الخیر پھر الحکم کے پاس آیا، اور کہا کہ قاضی کی عدول حکمی اب حد سے بڑھ گئی ہے، اگر اس کو فوراً سزا نہ دی گئی تو شاہی رُعب و داب کا قائم رہنا محال ہوگا۔ سلطان نے جواب دیا کہ ''قاضی نے اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا ہے، میں اس کو کس طرح سزا کا مستوجب قرار دوں'' سعید یہ سن کر اور برہم ہوا اور عرض کیا کہ ''کیا تو بھی میرے حقوق کو تسلیم نہیں کرتا'' الحکم نے کہا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تیرا مقدمہ بالکل سچا ہے، مجھ سے جہاں تک ہو سکتا تھا، میں نے تیری مدد کرنے میں کوتاہی نہیں کی، البتہ قاضی کے فیصلے کے خلاف کچھ نہ کروں گا۔

قاضی محمد بن بشیر اور سلطان الحکم کا انتقال

محمد بن بشیر نے سنہ ۱۹۸ھ میں امام شافعی سے [1] چھ برس قبل قرطبہ میں انتقال کیا۔ سنہ ۲۰۲ھ میں سلطان الحکم نے اپنے امراء اور اراکین سلطنت کو جمع کر کے کہا کہ:

''اب میری زندگی کے بہت تھوڑے روز باقی رہ گئے ہیں، میری خوشی ہے کہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو اپنا ولی عہد مقرر کروں، پس تم سب اس کی اطاعت کو بخلف قبول کرو''

سب سے پہلے شہزادوں نے، اور ان کے بعد حاجب اور قاضی القضات اور دیگر ارکان سلطنت نے، عبدالرحمٰن کے ہاتھ پر بوسہ دے کر اطاعت و فرماں برداری قبول کی، چونکہ اس زمانہ میں جنگ موقوف تھی، اور ملک میں امن تھا، عبدالرحمٰن کے ولی عہد ہونے کی عام طور پر خوشی کی گئی، اور سلطان کو بھی اپنی باقی عمر آرام سے گزارنے کا موقع ملا۔ الحکم نے ۲۵ ذی الحجہ سنہ ۲۰۶ھ م سنہ ۸۲۲ء بروز پنجشنبہ کو انتقال کیا۔ یہ طویل القامت، لاغر اندام آدمی تھا۔ رنگ سانولا دراز بینی جو سامنے سے کسی قدر کج تھی۔

(۱) اصل میں ''سے'' کی جگہ ''کے'' ہے (امین)

بابِ چہارم

عبدالرحمٰن ثانی

ذی الحجہ سنہ ۲۰۶ھ م سنہ ۸۲۲ء لغایت ربیع الثانی سنہ ۲۳۸ھ م سنہ ۸۵۲ء

عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی ـــــ عیسائیوں کے ساتھ جنگ ـــــ یونان کے سفیر کا قرطبہ آنا ـــــ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی اور عبدالملک بن حبیب ـــــ اندلس کا محاصل ـــــ عبدالرحمٰن کے ذاتی حالات۔

عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی اور جلیقیہ پر فوج کشی

سلطان الحکم کی وصیت کے موافق عبدالرحمٰن زیب دہ سریرِ مملکت (تخت شاہی کو زیب دینے والا) ہوا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے جلیقیہ پر فوج کشی کی، اور اس ملک کا بہت بڑا حصہ اندلس میں شریک کیا۔ اس جنگ کے اختتام کے بعد سلطان نے سنہ ۲۰۸ھ میں اپنے نامی سپہ سالار امیر عبدالکریم بن عبدالواحد کو مع فوج قسطلہ اور اَلَبہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ اس امیر نے عیسائیوں کے قلعوں پر قبضہ کیا، اور ان کو اِس معاہدے کی پابندی پر مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کو قید سے رہا کریں، اور حسب معمول خراج ادا کرتے رہیں۔

عیسائیوں کے ساتھ جنگ

جنگ مذکور کے بعد سلطان ریاست کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ عیسائیوں نے اس کو آرام لینے

نہیں دیا، اور پھر اندلس کی حدود میں آ کر مسلمانوں کو لوٹنا اور قتل کرنا شروع کیا۔ سلطان نے سنہ ۲۲۴ھ میں عبداللہ البلنسی کو ان کے مقابلے کے واسطے بھیجا۔ عبداللہ نے اہل قسطلہ کو شکست فاش دے کر اپنی حدود سے باہر کر دیا۔ دوسری جانب ابن موسیٰ نے بادشاہ جلیقیہ کو شکست دے کر سیکڑوں عیسائیوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ یہ سزا بظاہر عیسائیوں کے واسطے کافی نہ تھی۔ اس لئے عبدالرحمٰن بذات خود عازم جنگ ہوا، اور ابن موسیٰ کو دور تک اس ملک کے تاراج کرنے کا حکم دیا، اور جب ان کی قوت کو اچھی طرح برباد و منتشر کر چکا، ان قلعوں میں جو عیسائیوں نے سرحد کے قریب قائم کئے تھے فوج چھوڑ کر قرطبہ واپس آیا۔

فرانسیسیوں سے جنگ

سنہ ۲۲۶ھ میں عبدالرحمٰن نے ابن موسیٰ کو فرانسیسیوں کے مقابلہ کو بھیجا، اور پھر اسی میدان میں جہاں موسیٰ بن نصیر نے فرانسیسیوں کو شکست دی تھی، عرب اور عیسائی لڑائی کے لئے تیار ہوئے، اس دفعہ بھی عیسائی تعداد میں مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے، لیکن افسر فوج اپنے مشہور ہم نام امیر سے جرأت اور شجاعت میں کچھ کم نہ تھا، اس نے اپنی فوج کی قلت اور دشمن کی کثرت کی پروا نہیں کی، اور بلا خوف و ہراس فوج مخالف پر حملہ کیا۔ فرانسیسیوں نے بھی نہایت دلیری سے عربوں کا مقابلہ کیا۔ بہت دیر تک معرکہ کارزار گرم رہا، بارے آخر کو فرانسیسی منتشر ہو کر چار طرف بھاگ نکلے، اور عرب مظفر و کامیاب اندلس واپس آئے۔

ابن موسیٰ کی بغاوت

اس ہی سال موسیٰ بن موسیٰ اور سلطان کے ایک دوسرے مصاحب خوز بن مُوفق میں کسی وجہ سے نزاع پیدا ہوئی۔ سلطان نے خوز کی طرفداری کی، موسیٰ کو یہ امر اس قدر ناگوار گزرا کہ اس نے غرسیہ بادشاہ بنبلونہ کو اپنی شرکت اور امداد کا اطمینان دلا کر عربوں سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ عبدالرحمٰن نے اِن باغیوں کے دفع کرنے کے واسطے الحریث کو حکم دیا، ابتدائی لڑائیوں میں حریث فی الجملہ کامیاب رہا، لیکن ایک موقع پر دھوکے سے گرفتار ہو گیا۔ سلطان کو

جس وقت اس امیر کی گرفتاری، اور اپنی فوج کی شکست کی خبر پہنچی۔ اس نے فوراً اپنے بیٹے محمد کو فوج کثیر دے کر اس دھبے کو مٹانے کی غرض سے روانہ کیا۔ شہزادے نے شہر تطلیطہ (۱) کا جس میں موسیٰ مع عیسائی فوج کے مقیم تھا محاصرہ کرلیا۔ موسیٰ نے اپنے میں قوت مقابلہ نہ پاکر عفو قصور کی استدعا کی، شہزادے نے بمصلحتِ وقت اِس درخواست کو منظور کرلیا، اور خود غرسیہ کی طرف متوجہ ہوا، اور اس جنگ میں نہ صرف عیسائیوں کو شکست ہوئی، بلکہ ان کا بادشاہ بھی مارا گیا (۲)۔

شہر لِیوَن کا محاصرہ

اس فتح عظیم سے جو سنہ ۲۲۹ھ م سنہ ۸۲۹ میں حاصل ہوئی تھی، عربوں کو بے حد فائدہ پہنچا۔ بادشاہ غرسیہ عیسائی بادشاہوں میں ممتاز تھا، اور اسی کے بھروسہ پر چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو عربوں کے مقابلہ کی جرأت ہوتی تھی۔ جب اس طرف سے سلطان کو اطمینان کامل ہوگیا، تو چونکہ شاہ جلیقیہ مثل غرسیہ کے ہمیشہ مصدر شورش اور فساد کا رہا کرتا تھا، اور اب غرسیہ کے قتل ہو جانے سے اس کی کمر ہمت شکستہ ہوگئی تھی، عبدالرحمٰن کو یہ قرین مصلحت ہوا کہ جس قدر جلد ممکن ہو، اس دوسرے بانی شر و فساد کو بھی مثل اس کے معین کے باقی نہ رکھے، پس اس نے سنہ ۲۳۱ھ میں پھر ملک جلیقیہ کی طرف مع لشکر پیش قدمی کی، عرب لِیوَن تک بغیر کسی تعرض کے در آئے، اور اس کو محصور کرلیا، لیکن یہ شہر ایسا مضبوط اور مستحکم تھا کہ عرب ایک مدت تک اس کو گھیرے ہوئے گرد و نواح کے مقامات کو تاراج کرتے رہے، مگر بالآخر ان کو بے نیل مرام قرطبہ واپس آنا پڑا۔

یونان کے سفیر کا قرطبہ آنا

فتوحات متواترہ، زور و شجاعت، اور ترقیٔ علم و فنون نے عربوں کی فتوحات و وقار کا وہ سکہ دنیا میں جمایا تھا

(۱) اس شہر کو انگریزی میں ٹیوڈلہ کہتے ہیں (۲) مؤرخ کونڈے نے اس جنگ کا ذکر غلطی سے سلطان محمد کے عہد حکومت میں کیا ہے، اور یہی غلطی ایک دوسرے مؤرخ امام رومی نامی نے بھی کی ہے۔ المقری نے اس جنگ کا سنہ ۲۲۹ھ میں ہونا بیان کیا ہے، جس سے دوسرے عرب مؤرخین کو بھی اتفاق ہے۔

کہ یورپ کے چھوٹے اور بڑے حکمران کچھ بوجہ خوف، اور کچھ بوجہ شوق ان سے اتحاد ودوستی بڑھانے اور پیدا کرنے کی فکر میں پڑے۔

سنہ ۲۲۵ھ میں طوفیلس بادشاہ قسطنطنیہ نے عبدالرحمٰن سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی درخواست کی، اسی زمانے میں خلیفہ المامون، اور پھر خلیفہ المعتصم نے یونان پر فوج کشی کی تھی۔ اِس بادشاہ کی یہ خواہش تھی کہ عبدالرحمٰن کو جس کو وہ عباسیوں کا دشمن سمجھتا تھا اپنی مدد پر آمادہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے نامہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ عبد الرحمٰن نے اس درخواست کو قبول کیا، اور فوج اور روپیہ سے اہلِ یونان کی مدد کی، تو خود اس کو عمدہ موقع اپنی آبائی سلطنت شام کے مکرر قبضے میں لانے کا ملے گا۔

یحییٰ الغزال کا اعزاز واکرام اور اس کی جادو بیانی

عبدالرحمٰن نے اس کے جواب میں اپنے وزیر یحییٰ الغزال کے ذریعے سے بیش بہا تحائف طوفیلس کو بھیجے، اور یہ سفارتِ مُشَیَّد (مضبوط سفارت) بنائے دوستی و یک جہتی جانبین کی ہوئی۔ بادشاہ یونان نے نہایت اعزاز واکرام سے یحییٰ سے ملاقات کی، اور دعوت ومہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

ایک روز یحییٰ طوفیلس سے باتیں کر رہا تھا کہ اثناء میں بادشاہ کی بی بی پر تکلف لباس پہنے کمرے میں داخل ہوئی، یہ عورت ایسی حسینہ وجمیلہ تھی کہ یحییٰ اس کی صورت تکتا رہ گیا۔ اور ایک عرصے تک ایسا محو جمال ہوا کہ اصلاً بادشاہ کی موجودگی کا خیال بھی نہ رہا، طوفیلس کو سفیر کا یہ فعل بہت ناگوار گزرا۔ مترجم کے ذریعے سے اس خلاف تہذیب واقعہ کی وجہ پوچھی۔ یحییٰ نے ایسے عمدہ الفاظ میں شہنشاہوں کی تعریف کی کہ دونوں کا غصہ مبدل بخوشی ہو گیا، اور یحییٰ خوش وکامیاب اندلس واپس آیا، اپنے وزیر کی دانش وری اور جادو بیانی سے عبدالرحمٰن اس قدر مسرور ہوا کہ، جب کبھی ضرورت محسوس ہوتی تھی، سلاطین یورپ کے پاس یحییٰ ہی بطور سفیر روانہ کیا جاتا تھا۔ افسوس ہے کہ آخر عمر میں چشم حسد نے اس کو ایسا زخم کاری پہونچایا کہ عمر کا بقیہ حصہ بحالت جلاوطنی عراق وشام

میں بسر ہوا، یحییٰ نے پچاس برس کی عمر میں انتقال کیا۔

مجوسیوں کا اندلس پر حملہ

اسی زمانے میں مجوسی(۱) جو یورپ کے شمال میں رہتے تھے، اندلس پر حملہ آور ہوئے، اور اپنے جہازوں سے اتر کر سمندر کے کنارے کے مقامات کو نہ خت وتاراج کرنا شروع کیا۔ پہلی فوج جوان کے اخراج کے لئے بھیجی گئی تھی ناکام رہی، لیکن امداد کے پہونچنے کے بعد عربوں نے اس غیر قوم کو شکست دی، یہ لوگ جہازوں پر سوار ہو کر شدونہ کی طرف بھاگے، اور گو عربی جہازی بیڑوں نے ان کا تعاقب دور تک کیا۔ مگر یہ وحشی صفت بشونہ ہوتے ہوئے نظروں سے غائب ہو گئے۔ عبد الرحمٰن نے سمندر کے کنارے قلعجات مجوسیوں کے روکنے کی غرض سے قائم کئے۔

زریاب کا اندلس آنا اور اس کی صحبت کا اثر

عبدالرحمٰن کے عہد حکومت میں بہت سے نامی اور گرامی اہل سیف اور اہل قلم نے سلطنت عباسیہ کو چھوڑ کر اندلس کو اپنا وطن گردانا۔ ان لوگوں میں علی بن نقی معروف بہ زریاب(۲) جو اس زمانہ میں فن موسیقی میں دور دور تک مشہور تھا، عبدالرحمٰن کی طلبی پر اندلس آیا۔ علاوہ موسیقی کے یہ علم نجوم اور ہیئت اور جغرافیہ اور انشاء پردازی میں کامل دست گاہ رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کو ایک ہزار غزلیں حفظ یاد تھیں۔ یہ نہایت مہذب و با اخلاق خوش وضع وخوش تقریر شخص تھا۔ جہاں گیا وہاں معزز ومختار رہا۔ طباخی میں بھی اس کو بہت کچھ ملکہ حاصل تھا، انھیں خوبیوں کے باعث یہ ایسا مقرب بارگاہ سلطانی ہوا

(۱) اشارہ قوم نارمنز کی طرف ہے یہ فرانس کے شمال میں رہتے تھے۔

(۲) اس ہی زمانہ سے اندلس کے عربوں کو علم موسیقی کا شوق ہوا۔ اور اس کو انھوں نے درجۂ کمال تک پہونچادیا، رفتہ رفتہ ان کی تہذیب واخلاق اور نازک خیالی اور نفاست طرز معاشرت نے اہل یورپ کو اپنا مقلِد بنالیا۔

کہ عبد الرحمٰن اس کو ایک لحظہ کے لئے بھی اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ زریاب کی صحبت کا اثر تمام اہلِ ملک کی طرز معاشرت پر بھی بہت کچھ پڑا۔ چنانچہ پہلے اس ملک کے عرب اپنے کپڑوں کو گلاب یا اور کسی خوشبودار پانی میں برائے نام دھولیا کرتے تھے۔ اس نے پانی میں نمک ملوا کر کپڑے دھلوانا شروع کئے، جس سے زیادہ نفاست اور صفائی پیدا ہوئی، اسی طرح بعض ترکاریاں جو اس ملک میں بکثرت ہوتی تھیں، جن سے عرب بالکل ناواقف تھے، ان کے استعمال کی عادت اِن میں ڈالی، اور ہر موسم کے مناسب ایک خاص لباس مقرر کیا، بہرحال زریاب کی تقلید سے انکو بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن سے وہ روزمرہ فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

یحییٰ لیثی کے حالات اور ابن حبیب کا ذکر خیر

یحییٰ بن یحییٰ اللیثی اسی عہد میں فقہ اور حدیث کا بہت بڑا عالم گزرا ہے۔ یہ وہ شخص تھا کہ جس نے اس زمانۂ شوروشر میں ہزاروں میل کا سفر گوارا کیا، اور مدینہ منورہ جا کر مالک بن انس سے فقہ اور حدیث میں درس لیا، اور ایک زمانہ تک اس عالم کی صحبت سے مستفید ہوتا رہا، اور جو کچھ اس نے بکمال محنت و جانفشانی حاصل کیا تھا اس کو اندلس میں آکر اپنے ہم وطنوں کو بطور تحفہ نذر کیا۔

جو ذوق وشوق یحییٰ کو علم سے تھا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک روز یہ دوسرے طالب علموں کے ساتھ بیٹھا ہوا درس لے رہا تھا، کہ ایک بارگی ہاتھی کے اس طرف سے گزرنے کا غل ہوا۔ چونکہ ہاتھی اس ملک میں ایک نئی چیز تھی، اس محلہ کے لوگ اور نیز اس کے ہم درس سب اس کے دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔ لیکن یحییٰ اپنی جگہ سے نہیں ہلا، اور حسب دستور کتاب دیکھتا رہا۔ مالک بن انس نے پوچھا کہ ”ہاتھی اندلس میں بھی نہیں ہوتا پھر تو کیوں نہیں اس کو باہر جا کر دیکھتا“ جواب دیا کہ میں مغرب سے مشرق ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو دیکھوں،

اور آپ کی صحبت سے جو میرے ملک کو نصیب نہیں خود بھی فائدہ اٹھاؤں، اور اپنے ہموطنوں کو بھی اس سے مستفید کروں' مالک بن انس کے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ ''تو اس ملک کے لئے باعث فخر و مباہات ہے، جس میں تجھ ایسا علو ہمت و بلند حوصلہ آدمی پیدا ہوا''

سلطان عبدالرحمٰن نے ایک مرتبہ اپنے نامور علماء کو طلب کیا، اور ان سے کہا کہ ''مجھ سے یہ سخت خطا سرزد ہوئی ہے کہ میں رمضان میں دن کو محل میں چلا گیا۔ اس کا کفارہ کس طرح ممکن ہے'' یحییٰ نے جو اس جلسہ میں موجود تھا عرض کی کہ یا امیر! اگر تو دو مہینے متواتر روزہ رکھے، تو البتہ تیری بخشش کی صورت ہوسکتی ہے۔ حاضرین یہ سن کر خاموش ہو گئے، لیکن جب یہ لوگ دربار سے باہر آئے تو بعض نے یحییٰ سے پوچھا کہ کیا مالک بن انس نے اس کفارہ کا بدل بھی کوئی بتایا ہے یا نہیں؟ جواب دیا کہ معاوضہ (بدل) ضرور ہے لیکن اگر میں عبدالرحمٰن کو اس سخت سزا کا معاوضہ (بدل) بتا دیتا تو اس کو مکرر اسی گناہ کے کرنے کی جرأت ہوتی ——— اس پابند شرع بادشاہ کی ہمت کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے یحییٰ کے حکم کی پوری تعمیل کی۔

جیسا کہ یحییٰ متبحر عالم تھا، اس کی خوش قسمتی سے اسکو علم دوست بیٹا نصیب ہوا، جس کا نام عیسیٰ تھا۔ اس کو صغر سنی سے سیر و سیاحت اور علماء و فقراء کی صحبت میں بیٹھنے کا بدرجہ غایت شوق تھا۔ بعد تحصیل علم جب یہ اندلس واپس آیا تو عبدالرحمٰن نے عیسیٰ کو شہر قرطبہ کا قاضی القضات مقرر کیا۔

یحییٰ کے انتقال کے چار (۴) سال بعد اس کے ہم درس اور ہم فہم ابو مروان عبدالملک بن حبیب [۱] نے بھی انتقال کیا، جو یحییٰ سے کچھ کم مشہور نہ تھا۔ مؤرخین عرب تحریر کرتے ہیں کہ یحییٰ کی ایک ہزار تصنیفات، جن میں علاوہ اور علوم کے تاریخ اور صرف و نحو اور فقہ اور اصول قانون بھی شریک ہیں، اس کے دل و دماغ کی قوت اور ذہن کی تیزی کے بہترین ثبوت ہیں یحییٰ بن یحییٰ اللیثی نے سنہ ۲۳۴ھ میں انتقال کیا۔

(۱) یہ بھی ایک بڑا نامی گرامی عالم اس وقت کا تھا۔

غرضیکہ عبد الرحمٰن کی تاج میں علم وفضل وکمال کے ایسے بے بہا جوہر جڑے ہوئے تھے جن کی آب وتاب پر شرق وغرب عشعش کرتا تھا، ان ہی علماء کی فیضانِ صحبت کی بدولت اس کی [۱] شوکت اور دبدبہ نے دنیا کو اپنا مرعوب [۲] کرلیا تھا، اور ہر بادشاہ اس سلطنت سے اتحاد اور دوستی بڑھانا باعث عزت وفخر تصور کرتا تھا۔

عیسائیوں کی شرانگیزی اور سلطان کی خوش تدبیری

عبدالرحمٰن ثانی جب بیرونی دشمنوں کا کامل استیصال کر چکا، امور ملکی کی طرف متوجہ ہوا، لیکن کچھ ہی روز اطمینان سے بسر ہوئے تھے، کہ اس مرتبہ محکوم عیسائی شریر النفس مفسدہ پرداز باغی [۳] اپنے پادریوں کے علانیہ (سامنے) عام راستوں اور عدالتوں میں نقضِ امن کے مرتکب ہونے لگے۔ یہ لوگ شارعِ عام پر اور بعض اوقات دار القضا میں خاص قاضی کے اجلاس میں [۴] مذہب اسلام کی توہین، اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت ناسزا اور ناملائم الفاظ استعمال کرتے تھے۔ سلطان کی یہ اعلیٰ درجہ کی خوش تدبیری اور حُکّام عرب کی روشن خیالی اور ہوشیاری تھی، کہ سب نے ایسے نازک وقت میں نہایت تحمل سے کام لیا، اور اس فساد کو بلاکشت وخون رفع کرنے کی کوشش کی، اور ان مغویوں (گمراہ کرنے والوں) کو تازیانۂ اِغماض (چشم پوشی) سے ایسی سزا دی، کہ خود ان کے ہم قوم اور ہم مذہبوں نے نہ صرف ان کی حرکاتِ ناشائستہ پر لعنت وملامت کی، بلکہ ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

اس ہنگامہ کا بانی [۵] ایک عیسائی یولوجیس نامی تھا جو اپنے کو مرد پرہیزگار اور باخدا ظاہر کیا کرتا تھا، اس کے مریدوں میں دو عورتیں بھی تھیں، ان میں سے ایک کا نام فلورا

(۱) اصل کتاب میں ''کی'' کی جگہ ''کو'' ہے (محمد امین) (۲) اصل میں ''مرعوب'' کی جگہ ''مرغوب'' ہے (۳) اصل میں ''باغی'' کی جگہ ''باغوا'' ہے۔ (محمد امین) (۴) اصل میں ''میں'' کے بجائے ''پر'' ہے۔ (محمد امین) (۵) مورزان اسپین مصنفہ اسٹانلی لین پول باب ۵ صفحہ ۸۶۔

تھا، جس کا باپ مسلمان اور ماں عیسائی تھی۔ ماں نے خفیہ طور پر اس لڑکی کو تلقین اپنے مذہب کی کی تھی، جب یہ لڑکی سن شعور کو پہنچی تو ماں کے ورغلانے سے بھاگ کر ایک کانونٹ یعنی مَعْبَد میں پناہ گیر ہوئی۔ فلورا کے بھائی نے بمشکل تمام پتہ پا کر قاضی کے سامنے اسے پیش کیا، مگر لڑکی نے برسرِ اجلاس اسلام کی نہایت جرأت سے توہین کی۔ قاضی نے بکمال دور اندیشی اس کو مجنون قرار دے کر مقید کر دیا، اور اس کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی، مگر یولوجیس کی تعلیم کا اثر اس لڑکی پر ایسا پڑا تھا، کہ یہ اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہ آئی۔

لیکن عیسائی امراء (۱)، شاہانہ مراعات سے عبدالرحمٰن کے اس قدر گرویدہ اور جاں نثار بنے ہوئے تھے کہ، سب نے اپنی متحدہ کوشش سے اپنی جانوں پر کھیل کر عوام الناس کو پادریوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھا۔ یہ سب اُن خودغرض پادریوں کو یہ جواب دیتے تھے کہ:

''عربوں کی حکومت سے ہم کو کیا نقصان پہنچا ہے کہ ہم بلا وجہ تمہارا ساتھ دیں، اور اپنی جانوں اور آزادی کو کھو دیں، ہم ہر طرح آزاد اور ہماری جان اور مال ہر طرح محفوظ ہے، عرب ہمارے مذہب میں بالکل دخل نہیں دیتے، ہم بالکل مطلق العنان اور خوش حال ہیں، ان فوائد کے عوض محض حکومت کی تمنا میں اپنی جان اور مال تلف کر دینا عقل و دانش سے بالکل بعید ہے''

اندلس کا محاصل اور عبدالرحمٰن کی روشن خیالی

عبدالرحمٰن کو علاوہ فتوحات کے، ملک کو آراستہ اور اس کی مالی حالت درست، اور عمدہ اصول پر قائم کرنے کا بہت کچھ خیال و شوق تھا۔ بہ نسبت سلاطینِ سلف کے، اس کے عہد حکومت میں ملک بیرونی حملوں اور خانہ جنگیوں سے امن میں رہا۔ ملک سرسبز

(۱) مورزان اسپین مصنفہ اسٹانلی لین پول باب ۵ صفحہ ۸۳۔

اور رعایا خوش حال، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کی آمدنی پہلے سے دو چند ہوگئی۔ عبدالرحمٰن کی تخت نشینی کے زمانہ میں آمدنی چھ لاکھ دینار سرخ تھی، اور اب اس کے حُسنِ انتظام سے دس لاکھ دینار تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے عہد میں تین لاکھ دینار بڑے شہروں سے تجارت اور اہل شہر کی مالی حالت کے لحاظ سے وصول کئے جاتے تھے۔ ہر شخص کو ایک رقم معینہ خزانۂ عامرہ میں داخل کرنی پڑتی تھی، اور علاوہ اس ٹیکس کے یہودی اور نصاریٰ سے ان کی حیثیت کے موافق جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ یہی طرز اب بھی جاری رہا، لیکن کل آمدنی تین حصوں میں تقسیم کی گئی۔ ایک ثلث (تہائی) فوج پر صرف کی جاتی تھی، اور ایک ثلث (تہائی) سے حکام و عہدہ داران سلطنت وغیرہ کی تنخواہیں اور اخراجات ادا ہوتے تھے۔ بقیہ حصہ آمدنی کا خزانۂ عامرہ میں خاص موقعوں، مثلاً جنگ وغیرہ کے لئے محفوظ و امانت رکھا جاتا تھا۔ زکوٰۃ مطابق شرع، ذریعہ آمدنی کا تھا۔ جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی۔ صدقہ، زراعت، مویشی اور تمام تجارتی مال سے جو ملک سے برآمد و درآمد ہوتا تھا، دو دینار فی صدی بلحاظ قیمت مال لئے جاتے تھے۔

سونا چاندی اور جواہرات جو ہتھیاروں کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ اور گھوڑوں کا ساز و سامان، اور کتابیں اور وہ زیور جو شادی کے وقت دُلہن کو پہنایا جاتا تھا محصول سے بری تھا، لیکن جب بوجہ مصالح ملکی بحری و بری فوجوں کی ترقی پر بادشاہ مجبور ہوا تو نئے ذرائع آمدنی کے ایجاد کرنے پڑے۔ جب کبھی وہ آمدنی جو عیسائیوں اور یہودیوں سے وصول ہوتی تھی، ملک کی ترقی اور ضروریات کے لئے ناکافی سمجھی جاتی تھی، تو بار ٹیکس کا مسلمانوں پر ڈالا جاتا تھا، یہاں تک کہ ان کو خورد و نوش کی اشیاء پر بھی محصول دینا پڑتا تھا۔ ان نئے محصول کا نام، المُستخلاص اور جبایہ (باج و خراج) رکھا گیا تھا، جن کا جملہ محاصل سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار سالانہ ہوتا تھا۔

عبدالرحمٰن نے بہت کچھ روپیہ محلات اور باغات پر خرچ کیا، لیکن اس عہد میں

ایک ایسی یادگار قائم ہوئی جس سے عبدالرحمٰن کی روشن خیالی ظاہر ہوتی ہے۔اس نے آب رسانی کا محکمہ قرطبہ میں جاری کیا، اور پانی کے متعدد خزانے بنا کر نلوں کے ذریعہ سے شہر میں پانی پہونچایا۔ ملک میں پُل اور راستے اور بڑے شہروں میں مسجدیں تیار کی گئیں۔ قرطبہ کی مشہور مسجد بھی بڑھائی گئی، لیکن قبل اس کے کہ مسجد کی تعمیر ختم ہوتی عبدالرحمٰن ثانی نے سنہ ۲۳۸ھ م سنہ ۸۵۲ء میں اکتیس (۳۱) سال کی حکومت کے بعد انتقال کیا۔

عبدالرحمٰن ثانی کے ذاتی حالات

عبدالرحمٰن کے دوسو (۲۰۰) اولادیں تھیں، ڈیڑھ سو (۱۵۰) لڑکے اور باقی لڑکیاں، یہ نہایت ہی نیک نیت ہردلعزیز اور بیدار مغز بادشاہ تھا، اس کی عظیم الشان فتوحات کے لحاظ سے رعایا اس کو المظفر کے لقب سے یاد کرتی تھی۔ قیافہ شناس بے مثل تھا، اور کہا کرتا تھا کہ: ''حکومت اور اعزاز کی خواہش ایسے لوگوں کو رہتی ہے کہ جن کو ان کی قدر نہیں، پس بادشاہ کو چاہئے کہ اجزائے حکومت کے انتخاب میں از حد احتیاط اور دوراندیشی سے کام لے، اور کم ظرف، غیر معروف آدمیوں کو انتظام ملک میں دخیل نہ ہونے دے''
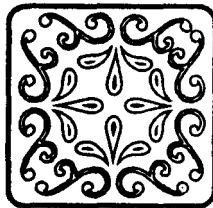
باب پنجم

سلطان محمد اور سلطان منذر اور سلطان عبداللہ کا یکے بعد دیگرے تخت نشین ہونا ——— ان کے زمانۂ حکومت کے مختصر حالات۔

سلطان محمد کی تخت نشینی اور اس کی دانشمندی

سنہ ۲۳۸ھ مطابق سنہ ۸۵۲ء عبدالرحمٰن ثانی کے انتقال کے بعد سلطان محمد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا (اور) مثل اپنے باپ کے فتوحات کا اس کو بھی بے انتہا شوق تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے موسیٰ بن موسیٰ کو سپہ سالار لشکر مقرر کیا، اور قسطلہ کی فتح کے لئے بھیجا، اور ایک دوسری فوج برشلونہ روانہ کی، ہنوز یہ مہم ختم نہ ہونے پائی تھی کہ طلیطلہ کے عیسائیوں کی ترغیب سے بادشاہ جلیقیہ نے اندلس پر حملہ کیا۔ سلطان نے بذاتِ خود یلغار کا عزم کیا، اور وادی السلیطہ کے کنارے پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مقابلہ میں بیس ہزار اہل طلیطلہ اور اسی قدر جلیقیہ کی فوج تھی۔ سلطان نے چند سوار بطور ہراول عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کئے، اور بقیہ فوج کو ٹیلوں اور درختوں کی آڑ میں پوشیدہ رکھا۔ ہراول کے افسر کو یہ حکم تھا کہ وہ عیسائیوں سے لڑتا ہوا اُن کو اِن درختوں میں لے آئے[1]۔ جب یہ سوار آگے بڑھے تو بادشاہ جلیقیہ نے انہیں کو پوری فوج سمجھ کر حملہ کا حکم دیا۔ سواروں نے پیچھے

(۱) اصل میں "لے آئے" کی جگہ "نے آ کیے" ہے۔ (محمد امین)

ہٹنا شروع کیا۔ عیسائیوں نے اسی خیال سے کہ عرب بہت تھوڑے ہیں، نہایت بے پروائی اور بے ترتیبی کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ اپنے زعم ناقص میں ان کو پسپا کرتے ہوئے جھاڑی کے اندر گھس گئے۔ سلطان ایک بلند مقام پر سے اس جنگ کا تماشا دیکھ رہا تھا، جیسے ہی یہ جھاڑی کے قریب پہنچے، اس نے فوج کو حکم دیا کہ تین طرف سے عیسائیوں پر حملہ کرے، عیسائیوں کو اس فوج کا گمان تک نہ تھا، اس قدر فوج کے دفعتاً پیدا ہو جانے سے ایسے بدحواس ہوئے کہ تابِ مقاومت نہ لا سکے، اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہزاروں قتل اور ہزاروں گرفتار ہوئے اور جو کچھ مال ان کے ساتھ تھا، تمام و کمال عربوں کے قبضے میں آیا۔

سلطان محمد کی عیسائیوں اور باغیوں پر یلغار

سلطان نے سنہ ۲۴۵ھ اور سنہ ۲۴۷ھ اور سنہ ۲۵۱ ہجری میں عیسائیوں اور باغیوں پر یلغار کی اور ہر بار منصور و مظفر رہا۔ سنہ ۲۵۱ھ میں اس کے بیٹے المنذر نے شاہ اُنفانزو کو شکست دی، اور جو مال و متاع اس کے ہاتھ آیا سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ اسی سال سلطان محمد نے جلیقیہ پر پھر فوج کشی کی، اور ملک کو تاراج، اور قلعوں اور شہروں پر قبضہ کرتا ہوا دارالخلافہ واپس آیا۔ غرضکہ اس کی عمر اسی قسم کی جنگ اور یلغاروں میں گزری۔ گو یہ بھی مثل اپنے باپ کے قدردان اہلِ علم و کمال تھا۔ اور اس نے بھی اپنے دربار میں مشہور علماء مثل ابوعبدالرحمٰن القرطبی وغیرہ کو جگہ دی، لیکن اس کی لڑائیوں نے اس کو اس طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں دیا۔ سلطان محمد کے ذی ہوش اور شجیع ہونے میں شبہ نہیں، لیکن بادشاہ میں علاوہ صفت بہادری اور بھی صفات کی ضرورت ہے۔ فی الحقیقت اس کے اور اس کے بعد جو دو بادشاہ گزرے ان کے زمانۂ حکومت میں کوئی نیا ملک دائرہ اسلام میں نہیں آیا۔ یہ زیادہ تر اپنے خودغرض اور خوشامد پسند مشیروں کی رائے پر چلتے تھے، جن کے ظلم و زیادتی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ملک میں بغاوت

پھیل گئی، جس کے فرو کرنے میں ان کی عمریں گزریں۔

سلطان مُنذر کی تخت نشینی اور شہادت

سلطان محمد نے سنہ ۲۷۳ھم سنہ ۸۸۶ء میں انتقال کیا، اور اسی سال المُنذِر تخت نشین ہوا، اس کا زمانہ بھی سرحدی لڑائیوں میں گزرا۔ دلیر ایسا تھا کہ جنگ میں اپنی جان تک کی پروانہ کرتا تھا۔ المُنذِر سنہ ۲۷۵ھ کی جنگ میں مارا گیا۔

عبداللہ بن محمد کی تخت نشینی اور اس کی بے پروائی

اس کے انتقال کے بعد اس کا بھائی عبداللہ بن محمد تخت پر بیٹھا۔ دنیا کی چھوٹی بڑی سلطنتوں میں یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ بعض بادشاہ اپنی لیاقت ومحنت اور جانفشانی سے ملک اپنے قبضۂ تصرف میں لائے، لیکن ان کے کوتاہ عقل اور ناعاقبت اندیش جانشینوں نے اپنے باپ دادا کی محنت اور عرق ریزی کی یہ قدر کی، کہ ناچ اور رنگ اور عیش وآرام کے پُتلے بن کر ملک کو برباد کردیا۔ چنانچہ عربوں کی سلطنتِ اندلس بھی اس مرض سے محفوظ نہ رہ سکی، اور عبدالرحمٰن ثانی کے جانشینوں نے کچھ بوجہ نالائقی، اور کچھ بوجہ آرام طلبی، انتظام اور انصرام سلطنت نظر انداز کردیا، اور خودغرض اور چرب زبان ندماء کے ـــــ کہ جن کے پاس سوائے زبانی جمع خرچ کے اصلی جوہر نہ تھا ـــــ ہاتھوں میں پھنس گئے۔ سلطان عبداللہ بوجہ تلوّن مزاجی اس قابل نہ تھا کہ اس نوعمر سلطنت کے اہم امور کا انصرام کرسکے۔ سختی اور نرمی کو ایسے بیجا موقعوں پر کام میں لایا کہ تمام رعایا اس سے اس قدر بیزار اور نالاں رہی کہ اس کو(۱) تخت پر سے اتار دینے کا بھی خیال پیدا ہوگیا تھا۔ اس کو ابھی پورے تین سال بھی تخت پر بیٹھے نہ ہوئے تھے کہ اُندلسیہ کا بڑا حصہ قریب قریب خودمختار ہوگیا۔ سلطنت کا ہر رکن ایک دوسرے کا مخالف، بادشاہ میں اتنی لیاقت اور دوراندیشی نہیں کہ سلطنت کے مختلف ارکان سے ان کی اہلیت وقابلیت کے مطابق کام لے۔ ہر عرب اور ہر بربری

(۱) اصل میں ''اس کو'' کے بجائے ''اس کے'' ہے۔ (محمد امین)

اور ہر عیسائی نے علانیہ خود مختاری سے کام لینا شروع کیا۔

غرض اس سخت بدانتظامی اور بادشاہ کی بے انتہا بے پروائی سے ہر طرف بدنظمی پھیل گئی۔ عیسائی پادریوں نے غل مچایا کہ سلطنتِ عرب اپنی عمر طبعی کو آ پہنچی ہے، اور زوال وادبار کے آثار روز بروز نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ وہ عرب امراء کہ جن کے ہاتھوں پر یہ ملک فتح ہوا تھا، اور جن کی آنکھوں میں ابھی تک عبدالرحمٰن اعظم اور الحکم کے دربار کی شان وشوکت کا سماں پھر رہا تھا، بوجہ ناقدردانی دارالخلافہ چھوڑ چھوڑ کر اپنی جاگیروں میں خودمختار بن بیٹھے، یہاں تک کہ ہر امیر اشبیلیہ، قرطبہ کی ہمسری اور برابری کرنے لگا۔ وہ شہر جو اس بدنظمی پر بھی علانیہ بغاوت کی قدرت نہ رکھتے تھے، صرف برائے نام عبداللہ کو بادشاہ مانتے تھے، دارالخلافہ کی نواح کے باہر جہاں سلطان کی فوج کا اثر نہیں پڑتا تھا، کوئی شہر یا صوبہ ایسا نہ تھا کہ خاندان (بنی) اُمیہ کی حمایت پر آمادہ ہو۔

موسیٰ اور اس کے بیٹوں کی فتنہ انگیزی

عیسائیوں کی سرکشی اور سلطان کی ناکامی

عربوں کی یہ حالت دیکھ کر قوم بربر کے قول وفعل سے بھی بغاوت اور خودمختاری کے آثار آشکارا ہوتے جاتے تھے، حتیٰ کہ انھوں نے پُرتغال کے جنوبی صوبہ اور اُندلسیہ کے مشہور شہر جَیّان پر قبضہ کرلیا، اور ان کے سرگروہ موسیٰ اور اس کے تین بیٹوں نے، جو فتنہ انگیزی اور کورنمکی میں اپنے آپ نظیر تھے، ملک کو تباہ وتاراج اور لوٹنا شروع کردیا۔ وہ عیسائی جو ابھی مسلمان ہوئے تھے، اور عربوں سے بھی زیادہ قواعد اسلام وشریعت کے پابند تھے، اور جو ابھی تک شاہی خاندان کے خیرخواہ اور طرفدار سمجھے جاتے تھے، دوسروں کی دیکھا دیکھی بادشاہ سے مخالفت اور سرکشی کرنے لگے، اور ملک کے مغربی حصہ کو دبا بیٹھے۔ وہ عیسائی جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور دامنوں میں چھپے ہوئے، اس ہی

(اسی) موقع کے منتظر تھے اب باہر نکل کر علانیہ فوجیں جمع کرنے لگے۔ سلطان نے بار ہا ان سے مقابلہ کیا۔ لیکن ہر بار ناکام رہا (اور) عربوں کی اس حالت زار پر زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ:

''اے اولاد عرب! تم یہ نہ سمجھو کہ نمک اس خاندان کا جس نے تم کو اور تمہاری اولاد کو پرورش کیا، اور وہ نمک جو تمہارے رگ وپے میں اثر کر گیا ہے، تمہارے یا تمہاری اولاد کے دامنوں کو چھوڑے گا۔ وہ ملک اور دولت جس کو تمہارے باپ اور دادا نے خوں بہا دے کر جان عزیز کے بدلے خریدا، یوں آناً فاناً ضائع کر دینا اچھا نہیں۔ بغاوت سے دین و دنیا دونوں نہ کھوؤ، اور سُرخروئی حاصل کرنے کے بعد اپنا منہ کالا نہ کرو، اور اپنے آباؤ اجداد کے صاف و پاک دامنوں کو کورنمکی کے دھبے سے بچاؤ''

نوبت بانجار سید

غرض جب عبداللہ نے دیکھا کہ دن بدن ملک کی حالت ابتر ہوتی جاتی ہے تو اس نے عیسائیوں سے صلح کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ بھی ایسی سُوئے تدبیر سے کہ جس سے اسی کو زَک اور نقصان پہنچا۔ شہر طلیطلہ سے بھی بغاوت کی خبریں پے در پے آنے لگیں، نوبت بانجار سید (نوبت یہاں تک پہنچی) کہ سوائے تخت اور تاج کے کسی قسم کا سرمایہ باقی نہ رہا، لیکن اس شدید مایوسی اور ہراس، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ نَزَع کی حالت میں اس سلطنت نے خفیف سا سنبھالا لیا، یعنی عربوں کو ملک سے نکالنے کے قبل ہی عیسائیوں میں باہمی حسد نے زور کیا، اور دشمن کے مقابلے کی عوض خانہ جنگی شروع ہوگئی، کہیں کہیں خود مختار عرب امراء نے اپنے انتظام اور خوش اسلوبی سے عیسائیوں پر قدیم رعب وداب قائم رکھنے کی کوشش کی۔ ان سب میں سر برآوردہ ابن حجاج تھا، جس نے صوبہ اشبیلیہ کو قرطبہ کا ہم پلہ بنا دیا، اور سلطان کو اپنے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے پر مجبور کیا، اور خود اپنے کو اس صوبہ کا بادشاہ کہا کرتا تھا، یہ چونکہ دیرینہ سال مدبر و تجربہ کار آدمی تھا، اس نے اپنی ریاست کو پُرانے اصول پر قائم رکھا تھا۔ فوج نہایت باقاعدہ، خزانہ معمور، اور دربار علماء و اہل فن

اور دانشوروں سے بھرا۔ وہ لوگ جو کسی زمانہ میں دربار شاہی کے رکن اعظم اور دارالخلافہ (۱) کی زیب وزینت تھے، جن کی تعظیم وتکریم کے لئے شاہانِ سلف اٹھ کھڑے ہوتے تھے، وہ اب اشبیلیہ میں نظر آنے لگے۔

مگر جب ملک سے اتحاد اور قومی عصبیت کا خیال جاتا رہے، اور ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ جائے، تو پھر ایک دو کی ترقی کا اثر تمام ملک پر کیوں کر پڑ سکتا ہے؟! جب عربوں کو دارالخلافہ کی ناموس کا خیال نہ رہا، اور عیسائی اور مسلمان دونوں قرطبہ کے لینے کی فکر میں ہوئے، تو سب کو یہی خیال ہوا کہ سلطنت ہاتھ سے گئی۔ ملک کی یہ حالت کہ خیر خواہانِ ریاست کا یہ حال کہ ہر شخص کو بجائے خود وارثِ تخت وتاج ہونے کا شوق۔ قریب تھا کہ طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کے ہاتھ کا روشن کیا ہوا چراغ، جواب ٹمٹما رہا تھا خاموش ہو جائے۔ سنبھلنے کی تمام امیدیں منقطع ہوگئی تھیں کہ قضاء وقدر نے چراغِ بے روغن کو قدرت کے تیل سے سیراب کیا، ایک بارگی معلوم ہوا کہ سلطان عبداللہ نے سنہ ۳۰۰ھ م سنہ ۹۱۲ء پچیس برس کی حکومت کے بعد ملک کو اس تباہ حال میں چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا۔
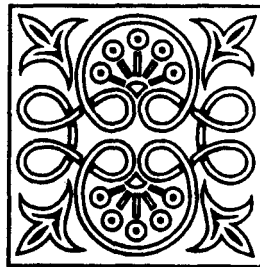
(۱) اصل میں ''دارالخلافہ'' کی جگہ ''دارالخافہ'' ہے۔ (محمد امین)

باب ششم

عبدالرحمٰن ثالث کی تخت نشینی ـــــ جلیقیہ اور نوآرا اور الٓبہ پر یلغار ـــــ عربوں کی شکست ـــــ عربوں کی فتح ـــــ اہلِ یورپ اور عبدالرحمٰن ـــــ سلطان کے بیٹے عبداللہ کا قتل ـــــ افریقہ پر یلغار ـــــ انتظام ممالک محروسہ ـــــ عمارات کا شوق ـــــ اس کا دربار ـــــ عبدالرحمٰن کا انتقال۔

عبدالرحمٰن ثالث کی تخت نشینی اور اس کی خوش اقبالی

عبدالرحمٰن ثالث بن سلطان محمد سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس خبر سے خیر خواہان بنی امیہ کے جان میں جان آئی۔ قرطبہ میں خوشی کے نقارے بجنے لگے۔ بادشاہ کی بیس برس کی عمر، جواں بخت اور جواں سال۔ عربوں کا طالع حکومت ہنوز عروج پر تھا کہ، تمام قریب کے رشتہ داروں اور تاج و تخت کے دعویداروں نے بھی بخوشی تمام عبدالرحمٰن کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اور دربار میں اُمراء سے پہلے دعویدارانِ سلطنت نے نذریں پیش کیں۔ تمکین و وقار اس کے چہرے سے نمایاں۔ اقبال و کامیابی کا ستارہ اس کی پیشانی سے درخشاں، سخاوت اور دلیری اس کے اطوار سے آشکار، مروت و فتوّت افعال سے نمودار، پھر کیوں اہل قرطبہ امیر و غریب اس پر اپنی جانیں نثار نہ کرتے۔ سب کی نظریں اس بست (۲۰) سالہ لڑکے کی طرف لگی ہوئی تھیں، اور سب نہایت مسرت و انبساط کے ساتھ اس کی ترقیٔ اقبال اور کامیابی کی دعائیں مانگ رہے تھے، اور دیکھ رہے تھے کہ یہ کیا طرزِ حکومت اختیار کرتا ہے۔

یہ دیکھ چکا تھا کہ عبداللہ کی تلوّن مزاجی اور بے موقع سختی اور نرمی سے ملک کس حالت کو پہنچ گیا تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی فوج کی تربیت شروع کی، اور عام حکم ممالکِ محروسہ میں اس مضمون کا نافذ کیا کہ، جو شاہی حکم سے ذرا بھی انحراف کرے گا، قتل کیا جائے گا، اور ان امراء اور عہدہ داروں کو جو باغی ہو کر خودمختاری کا دعویٰ کر رہے تھے حکم دیا کہ فوراً دربار میں حاضر ہو کر اپنے اپنے ملک کا حساب پیش کریں۔ یہ غیر ممکن ہے کہ کوئی حصہ ملک کا کسی کے تصرف میں بلا حکم شاہی رہ سکے، فرمان میں جو احکام مندرج تھے وہ نہایت صاف اور قطعی تھے۔ گو ملک کی یہ حالت تھی کہ ہر شخص اپنے مقبوضہ حصہ کا بادشاہ بنا ہوا تھا۔ لیکن عبدالرحمٰن بھی اپنی قوم کی(۱) تشدد پسند طبائع سے پوری طرح واقف تھا، پس وافر فوج کی(۱) فراہمی کے بعد ہی مصلحت آمیز سختی سے کام لینا شروع کیا۔

اس کی خوش اقبالی سے بغاوت کا زور کم ہو چلا تھا۔ اور وہ لوگ جو اس فساد کے بانی تھے بہت تو مر گئے تھے، جو باقی تھے ان کی ضعیفی نے کم قوت و بے کار کر رکھا تھا، عام رعایا بھی سالہائے دراز کی حکومت شور انگیز، اور انقلاباتِ پر آشوب سے جاں بلب متمنی امن کی تھی۔ عیسائیوں کو گو مسلمانوں کی باہمی مخالفت سے نفع پہنچا تھا، اور یہ پُر زور اور صاحبِ جرأت ہو گئے تھے۔ بلکہ کچھ ملک بھی ان کے قبضہ میں آ گیا تھا، تاہم یہ دیکھتے تھے کہ مسلمان اُسی طرح اندلس میں موجود اور حکمراں ہیں، ادنیٰ اور اعلیٰ کی یہی خواہش ہوئی اور اسی میں اپنی بہبودی دیکھی کہ سلطان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، تاکہ عزت و آبرو مال و دولت مخالفوں کی دست بُرد سے محفوظ رہے۔

عیسائیوں کو عدل و انصاف اور مکارمِ اخلاق سے زیر کرنا

غرضکہ اُمرائے عرب کے تصفیہ کے بعد اب عبدالرحمٰن نے عیسائیوں کی طرف عنانِ توجہ کو مُنعطف کیا۔ یہ نہایت مشکل مہم تھی، جہاں صرف شجاعت ہی نہیں، بلکہ خُلق اور تدبیر کو بہت کچھ دخل تھا، ایک عیسائی ابن حفصون

(۱) اصل میں دونوں جگہ ''کے'' ہے۔ (محمد امین)

نے موقع پا کر بہت کچھ خزانہ اور لشکر جمع کر لیا تھا، اور مع اپنے شرکاء کے ایک نہایت مستحکم اور دشوار گزار پہاڑی قلعہ میں پناہ گیر ہوا تھا، عبدالرحمٰن نے جب دیکھا کہ ان چند کوہ نشینوں کا استیصال آسان نہیں، اور نیز عیسائی عام طور پر ان کے ہمدرد، اور اگر موقع ملے تو ان کی مدد کرنے سے بھی باز نہ آئیں گے، اس نے نہایت دانشمندی سے بغرض تالیفِ قلوب عملاً عوام الناس پر یہ ثابت کر دیا، کہ عدل اور انصاف کی نظر میں مسلمان اور عیسائی اور یہودی سب در جہ مساوات کا رکھتے ہیں، جب عیسائیوں نے ـــــ جن کی کثیر تعداد مثل مسلمانوں کے امن کی بدل خواہش مند تھی ـــــ دیکھا کہ سلطان بلا لحاظ قوم وملت عدل پر آمادہ اور رعایا کے حقوق کا نگراں ہے، سب نے ہتھیار رکھ دیئے، اور دربار سلطانی میں حاضر ہو کر عفو خطا کے طلب گار ہوئے، سلطان نے نہایت دلجوئی اور دل دہی کے ساتھ سب کو بکمال خوشی رخصت کیا۔ جن عیسائیوں کی جائداد اس طوائف الملوکی میں ضائع ہوئی تھی ان کی امداد شاہی خزانہ سے کی گئی۔

دشمنوں نے بھی اطاعت قبول کر لی

لیکن ابن حفصون مع چند اشرار کے بدستور بغاوت اور جنگ پر آمادہ رہا۔ راتوں کو شبخون، لوٹ مار سے شاہی لشکر کو پریشان کر رکھا تھا، مگر بقول شخصے: ''یک پیری صد عیب'' بڑھاپے نے اس کی ہمت اور جرأت کو پست کر دیا تھا، صرف اسلام کی موروثی مخالفت اس کو لڑا رہی تھی، لیکن پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا، اس کے مرتے ہی اس کے ہمراہیوں نے اپنے کو بے یار و مددگار دیکھ کر ہتھیار رکھ دیئے، اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ سلطان مع چند سواروں کے قلعہ میں داخل ہوا۔ قلعہ کے ایک برج پر کھڑے ہو کر جب اس نے اجمالی نظر چار طرف ڈالی، اس کو نہایت مضبوط اور مستحکم پایا، اور اِس طرح بلا کشت وخون قلعہ کو اپنے قبضہ میں پا کر حالت وجد میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی، جن عیسائیوں نے اس کو اس قدر حیران و پریشان کیا تھا سب کو بغیر باز پرس معاف کر دیا، اور خود راستے کے شہروں کو فتح کرتا ہوا طلیطلہ پہنچا۔

یہی ایک شہر باقی رہ گیا تھا اس مشہور شہر کا قلعہ وسیع اور دیواریں نہایت مستحکم تھیں، لیکن سلطان فتح ونصرت نشاں کب ان مشکلات کو خیال میں لاتا تھا، بلا خوف وہراس اس کی دیواروں کے سایہ میں خیمہ زن ہوا۔ طلیطلہ وہ مقام تھا کہ جس نے بہادرترین بہادروں کی شمشیر کو برداشت اور بہت سے جنگجویان قلعہ شکن کو ناکام ونامراد واپس کیا۔ اس کی شان وشوکت گواہی دے رہی تھی کہ یہ شاہانِ سلف کا مایۂ ناز وفخر تھا، مگراب اس کو ایک بادشاہ کے سامنے کہ جس کا نیّر دولت وحکومت ترقیٔ روز بہ روز[1] پر ہے، سرِتسلیم خم کرنا پڑا۔ ابتدا میں طُلیطُلہ کی مستحکم دیواروں نے عربوں کے متواتر حملوں کو رد کردیا۔ عبدالرحمٰن نے جب دیکھا کہ معمولی تدبیروں سے کشائش کار ممکن نہیں، اس نے نہایت استقلال کے ساتھ اس کے قریب ایک دوسرا شہر موسوم بہ ''الفتح'' آباد کیا، اور محاصرہ کو بدستور قائم رکھا، ہر طرف کے راستے اور رسد کے ذرائع مسدود ومفقود ہوچکے تھے، چند ہی روز میں محصورین دستِ فقر وفاقہ سے ایسے تنگ آئے کہ انجام کار دروازے قلعہ کے کھول دیئے، اور اطاعت وفرمانبرداری قبول کرلی۔

عبدالرحمٰن ثالث کے اصولِ سلطنت

اٹھارہ برس کی تباہی وبربادی کے بعد جب پھر ایک بار تمام ملکِ اندلس خاندان بنی امیہ کے دائرہ حکومت میں آیا، اور امن قائم ہوچکا [illegible] ان نے اپنے طرز حکومت کو بدلا۔ عرب اُمراء سے جن کی خودغرضی اور سرکشی نے ملک کو تباہ وویران کیا تھا، وہ وسیع اختیارات جو ان کو اس وقت تک حاصل تھے چھین لئے، کوئی اہم کام سلطان کی

(۱) اصل کتاب میں عبارت اس طرح ہے: ''جس کا نیّر دولت وحکومت ترقیٔ روز بہ پر ہے'' لیکن اس کا مطلب واضح نہیں اس لئے احقر نے ''پر'' سے پہلے ''روز'' کا اضافہ کیا ہے، اس عبارت کا مطلب یہ ہے: جس کا نیّر دولت وحکومت روز بروز ترقی پر ہے۔ اور نیّر کے معنی ہیں: نہایت چمکدار ستارہ۔ (محمد امین)

بلا اجازت یہ نہیں کر سکتے تھے، اور صوبوں میں وہی اختیارات استعمال کر سکتے تھے جو دربار سلطانی سے عطا ہوئے تھے۔ عبدالرحمٰن کی طرزِ حکومت حسب ذیل اصول پر قائم تھی۔

(۱) شاہی اقتدارات کو سوائے سلطان کے اور کوئی امیر کام میں نہیں لا سکتا تھا، اور تمام اہم امورِ سلطنت بغیر شاہی اجازت کے کوئی امیر یا وزیر فیصل نہیں کر سکتا تھا۔

(۲) اس نے انہیں لوگوں کو بڑھایا جو خاص اس سے وابستہ و خیر اندیش تھے، تا کہ سازش و عدول حکمی کی بنیاد باقی نہ رہے۔

(۳) پُرانے امرائے عرب جن سے سازش اور عدول حکمی کا خوف تھا، سب کے اقتدارات سلب کر لئے گئے۔

(۴) شاہی رعب و داب قائم رکھنے کی غرض سے اس نے اپنی فوج کی تعداد کو بہت بڑھا دیا تھا۔ اور اپنے غلاموں کا ایک باڈی گارڈ قائم کیا، جس میں عیسائی اور مسلمان دونوں شریک تھے۔ یہ وہ فوج تھی جس نے نہایت نازک موقعوں پر سلطان کا ساتھ دیا، اور اس خاص فوج کے بڑھانے کی یہ ترکیب ایجاد کی تھی کہ ہر سپاہی کو حسب حیثیت جاگیر عطا کی، اور یہ حکم دیا کہ وہ اس کی آمدنی سے اپنی فوج تیار کرے، جو بوقت ضرورت شاہی فوج میں شریک کر لی جاتی تھی![1]

باڈی گارڈ قائم کرنے کا فائدہ اور نقصان

اس جدید طرزِ حکمرانی سے بظاہر ملک کو بہت فائدہ پہنچا۔ قدیم اُمراء کی قوتیں توڑ دینے سے فی الحال بغاوت اور سرکشی کا خطرہ جاتا رہا، اور نو دولتوں کو عبرت حاصل ہوئی۔ غلاموں کی خاص فوج قائم کرنے سے اور اس کو روز بروز ترقی دینے سے بدمعاش اور جرائم پیشہ کا نشان تک ملک میں باقی نہیں رہا، لیکن اس طرز حکومت سے آئندہ چل کر سلطنت کو ایسا نقصان پہنچا کہ جس کا حد و پایاں نہیں، اس وقت تو عرب رعایا جو خود غرض اور ظالم اُمراء کے ہاتھوں جاں بلب تھی، ایسے با اخلاق رعایا پرور، عدل گستر بادشاہ کا دل و جان سے ساتھ دینے اور مرنے پر آمادہ ہوگئی، لیکن

رفتہ رفتہ اس خاص فوج کا حال مثل ترکی ینی[1] چری کا سا ہوگیا، اور دن بدن اس قدر ترقی کی، کہ آئندہ چل کر یہ فوج جس کو چاہتی تھی بادشاہ بنادیتی، اور جس کو چاہتی تھی تخت سے اتار دیتی، آخر کار یہی فوج سلطنت کے بگاڑ کی بانی ہوئی۔

ملک بَربر پر قبضہ اور بحرِ متوسط پر حکومت

جب ملک اندلس خانہ جنگی کے جھگڑوں سے پاک وصاف اور سلطان کو اطمینان کامل حاصل ہوگیا، تو اب یہ اپنے بیرونی دشمنوں کی طرف متوجہ ہوا، دشمن صرف وقت کے منتظر تھے، اس کے دو قوی بازو: شمال کی جانب نصاریٰ، اور جنوب کی جانب بنی فاطمہ (تھے) جنھوں نے ابھی افریقہ کے شمالی حصہ میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔

جوانی کا عالم، بخت واقبال یاور (مددگار) فوج ورعایا اپنے دلیر و جفاکش اور غریب پرور بادشاہ پر جاں نثاری کے لئے دل سے آمادہ، اور وہ خزانے جو بدنظمی کے زمانہ میں خالی پڑے تھے معمور۔ بھلا یہ کب ان دشمنوں کو خیال میں لاتا، لیکن دوراندیشی اس کے خمیر میں تھی۔ اس نے فوج کشی سے قبل تدبیر سے کام لیا، اور چند ہی روز میں افریقہ کی رعایا میں مذہبی فساد کی بنیاد ڈال دی، اور خود بیٹھا ہوا اپنی تدبیر کی تاثیر کا تماشا دیکھتا رہا۔ مذہبی آگ بھلا کسی سے بجھ سکتی تھی!! جو حاکم اس کو فرو کرنے کی کوشش کرتے تھے، وہ کسی نہ کسی فریق کی طرفداری کر بیٹھتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ آتش فساد زیادہ مشتعل ہوتی تھی۔ ملاؤں کا بیچ میں ڈالنا تیل کا حکم رکھتا تھا۔ یہ اتنے آخر بیں کہاں کہ مصالحِ ملکی اور مہماتِ مملکت کو پیش نظر رکھیں، جہاں کسی نے ان کے فتوؤں پر اعتراض کیا، یہ فوراً اس کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے تھے، غرض اس فساد نے اس قدر طول کھینچا، اور سلطان نے اپنی دوراندیشی کے وہ جوہر دکھائے، کہ بغیر کشت وخون اور خرچ کے ملک بربر اس

(۱) ینی لفظ ترکی ہے بمعنی نئے کے۔ ینی چری یعنی نیا لشکر۔ سلطان محمود ثانی کے زمانہ حکومت تک سلطنت عثمانیہ میں یہی فیوڈل سسٹم یعنی فوجی جاگیروں کا قاعدہ جاری تھا، جس سے سلطنت کو ایسا نقصان پہنچا کہ بالآخر سلطان محمود نے اس کو بہت کشت وخون کے بعد مسدود کردیا۔

کے قبضہ میں آ گیا، اور اس نے فوراً فوج کثیر بھیج کر ملک اور سرحد کا انتظام کر لیا، بنی فاطمہ اندلس کو لینے کے عوض اپنی سلطنت کا عمدہ حصہ کھو بیٹھے، اور قلعہ سوطا پر بنی امیہ کا پھریرا ہوا میں لہرانے لگا۔

اس ملک کی آمدنی سے عبدالرحمن نے دریائی بیڑوں کو ساز و سامانِ جنگ سے آراستہ کیا، بحر متوسط کی حکومت جس کو بنی فاطمہ باعثِ فخر سمجھتے تھے وہ بھی سواحل افریقہ کے ساتھ ان کے قبضہ سے نکل گئی۔ یوں تو اسلام کے شاہان سلف اور معاصرین کو عموماً بحری قوت کے (یعنی کو) ترقی دینے کا شوق تھا، لیکن ملک گیری کے شوق و ذوق نے سلطان کے دل میں دریائی حکمرانی کا اس درجہ شوق پیدا کیا کہ، بہت تھوڑے عرصہ میں اس کے جنگی جہاز آبنائے طارق اور بحر متوسط پر حکومت کرنے لگے۔

عیسائیوں کی پیش قدمی

جب تک سلطان اس مہم جنوبی میں مشغول رہا شمالی دشمن کی روک تھام کرتا جاتا تھا، لیکن اب اس مہم کے اختتام کے بعد عیسائیوں کی طرف متوجہ ہوا، عیسائیوں نے جو ہر طرح جنگ کے واسطے آمادہ اور تیار تھے خود پیش قدمی کی، اور یلغار کرتے ہوئے سرحد اندلس میں داخل ہوئے۔

ہم اس تاریخ کے پہلے حصے میں بیان کر آئے ہیں کہ جب عربوں نے جلیقیہ کو فتح کیا، تو ایک عیسائی پلیو (یعنی بلائی) نامی مع تیس (۳۰) ہمراہیوں کے پہاڑوں میں جا گھسا تھا، اور وہیں سے عربوں کو ستانے اور اپنی قوم کو عربوں کی بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوششیں کرتا تھا۔ عرب ان چند گمنام آدمیوں کو ڈاکو اور رہزن تصور کر کے کچھ اعتناء نہ کرتے تھے۔ پلیو نے عربوں کی بے پروائیوں سے پورا فائدہ اٹھایا، اور گو یہ خود اپنے دلی مقصود کو نہیں پہنچا۔ لیکن اس کے جانشین اس کی وصیت پر ثابت قدم رہے۔ یہ وہی وحشی عیسائی ہیں جو اب پرزور لشکر کے ساتھ پہاڑوں میں روپوش رہنے کی عوض (بجائے) جنگ کے لئے پیش قدمی کر رہے ہیں، اور عربوں کی فوج اور ساز و سامان کو خیال میں نہیں لاتے۔ سنہ ۷۵۱ء میں الفانز وار دونی نے پلیو کی بیٹی سے شادی کی تھی، جس سے

پلیو کی قوت میں معتد بہ اضافہ حاصل ہوا۔ چنانچہ الفانزو کی مدد سے اور نیز باغی عیسائیوں کو اپنا معین و مددگار بنا کر، اس نے بڑے بڑے شہروں مثل سمورۃ۔ لیون الکبیرہ پر عربوں کو پسپا کر کے مُسلّط ہو چکا تھا، قریباً تمام ملک جلیقیہ اور قسطلہ عربوں کے دائرہ حکومت سے نکل گیا تھا، اور گو ابتداء میں عربوں نے ان کو اپنی سرحد میں آنے نہیں دیا، لیکن اہل طلیطلہ اور شاہ نوار کی مدد سے یہ لوگ عربوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔

عیسائیوں کا تعصُّب اور عربوں کا انصاف

عیسائی مذہبی تعصب سے اندھے ہو رہے تھے جنگ میں سپاہی اور غیر سپاہی عورتوں اور بچوں میں تمیز نہیں کرتے تھے، جو مسلمان ان وحشیوں کے سامنے آجاتا تھا اس کو بلا سوال و جواب قتل کر ڈالتے تھے۔ جن شہروں پر یہ قابض ہوتے تھے وہاں مسلمان بڈھوں اور عورتوں اور شیر خوار بچوں کے خون سے دریا بہا دیتے تھے۔ جو بچ جاتے تھے اُن کو جبراً عیسائی مذہب اختیار کرنا یا غلامی کا طوق گردن میں ڈالنا پڑتا تھا۔

خلاف اس کے کہ جب کبھی عرب میدانِ جنگ میں فتحیاب یا کسی ملک پر قبضہ کرتے تھے تو سوائے ان کے جو مردانہ وار تیر و شمشیر سے ان کے سدّ راہ ہوتے، ضعیف اور بچوں کو اور ان لوگوں کو جن کو لڑائی سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا، گو وہ عیسائی یا کافر کیوں نہ ہوں، اپنے عَلَم ظفر پیکر کے سایہ میں پناہ دیتے تھے۔ جب کبھی انھوں نے کسی شہر کو فتح کیا، تو انصاف و رحم دلی اور دل جوئی سے رعایا کے دلوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، ان کے سامنے مسلمان اور نصاریٰ اور یہودی سب بشرط قبول اطاعت برابر تھے، ان کی معابد گاہیں بدستور قائم، بلکہ عربوں نے یہاں تک کیا کہ یہودی اور نصاریٰ کے حقوق اور مذہب کی حفاظت کے لئے ایک علحدہ [1] محکمہ قائم کیا تھا۔

(۱) المقّری اور ''ہسٹری آف دی سارا سنس'' مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۳۱ ص ۵۷۳، جو امیر غیر مسلم کے مذہب اور جائداد وغیرہ کی حفاظت و نگرانی کے لئے مقرر کیا گیا تھا اس کو خطیب الزمام کہتے تھے۔

غرض کہ عربوں کے عہد حکومت میں مذہبی تعصب نام کو نہ تھا، لیکن باوجود ان تمام باتوں کے جب پیہم انقلابات اور بدنظمی نے سلطنت کو کمزور کیا، اور عیسائیوں نے موقع پاکر زور پکڑا، تو ان تمام احساناتِ سابق کو فراموش کر کے محض مذہبی تعصب اور اختلاف کی وجہ سے وحشیانہ طرز جنگ اختیار کیا، اور ہزاروں بے گناہ عورتوں اور بچوں اور ان لوگوں کو جن کو جنگ سے کچھ تعلق نہ تھا قتل کر ڈالا۔

لیون اور نوار پر یلغار اور عربوں کی شکست وفتح

عبدالرحمٰن مہم جلیقیہ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اردونی[1] ثانی کی یورش کی اطلاع پہنچی۔ اس نے فوراً ایک دستہ فوج کا بطور ہراول عیسائیوں کو سرحد پر روکنے کے لئے بھیجا، اس فوج نے یہاں تک کامیابی حاصل کی کہ اپنے سے چوگنی فوج کو ریلتی (دھکیلتی) ہوئی دشمن کی سرحد میں گھس گئی، اور متواتر شکستیں دے کر عیسائی فوج کو منتشر کر دیا، لیکن بالکل خلافِ توقع اردونی نے اپنی بربادشدہ فوج فراہم کر کے اس قدر تیزی سے اچانک عربوں پر حملہ کیا، کہ اس بار عرب اُس بری طرح پسپا ہوئے، کہ ان کے سپہ سالار نے ایسی بدنامی سے میدانِ جنگ میں مرنا پسند کیا، اور شمشیر بکف اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہوا یکہ وتنہا عیسائیوں کے انبوہ کثیر میں در آیا، اور شہادت کا درجہ پایا۔ عیسائیوں کا تعصب مذہبی اس واقعہ سے منکشف ہوتا ہے کہ اردونی دوں ہمت (کم ہمت) نے اس آدمی کے سر کو سؤر کے سر کے ساتھ قلعہ کے دروازے پر نصب کیا، لشکر صرف ہراول کی ہزیمت سے لیون اور نوار کے عیسائیوں کا دل اس قدر بڑھا کہ ان کو پھر مقابلہ کی جرأت ہوئی، لیکن دارالخلافہ کی فوج نے ان کو شکست دے کر واپس کر دیا۔

عبدالرحمٰن نے جب دیکھا کہ اس طرز جنگ سے یہ لوگ اپنی فتنہ انگیزی سے باز نہ رہیں گے، اور چھوٹی چھوٹی کامیابیوں کو فوز عظیم سمجھیں گے، یہ بذات خود عازم جنگ

(۱) لیون کا حکمراں — لیون فرانس میں واقع ہے۔

ہوا، اور سنہ ۳۰۸ھ مطابق سنہ ۹۲۰ء میں اپنے بہادر اور تجربہ کار اُمرا کو ساتھ لے کر عیسائیوں کا مقابلہ کیا۔ شاہ اردونی ثانی بن الفانزو کی مدد کے لئے شاہانِ فرانس اور البشکنس اپنی اپنی فوج لئے میدان میں موجود تھے۔ مختصر یہ کہ نہایت سخت معرکہ آرائی ہوئی عبدالرحمٰن قلب لشکر میں کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا، اور جہاں کہیں اپنی فوج کو کمزور اور ہٹتا ہوا دیکھتا، وہاں اپنی خاص فوج لے کر مثل بجلی کے جا گرتا تھا۔ اور دشمن کی فوج کو درہم و برہم کرتا ہوا اس کے لشکر کے قلب تک گھس آتا تھا۔ عیسائیوں نے اپنی فوج کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی، لیکن عربی سواروں کے آخر حملے کو جس سے یہ ہمیشہ خوف زدہ رہتے تھے روک نہ سکے۔ منتشر اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ کشتوں کی انتہا نہ تھی، جو گرفتار ہوئے تھے ان کی تعداد ہزاروں تھی، سلطان فتح کامل کے بعد وہاں کے قلعوں اور مورچوں کو تباہ اور منہدم کرتا ہوا دارالخلافہ واپس آیا۔

اَردونی اور شاہِ بنبلونہ کی شکست اور عبدالرحمٰن کا اقبال و خیر مقدم

عبدالرحمٰن چونکہ عیسائیوں کے بدترین قسم کے مذہبی تعصب اور منافقت سے خوب واقف تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ جب تک ان کی قوت پورے طور سے ٹوٹ نہ جائے گی، شرارت اور دغابازی سے باز نہ آئیں گے۔ اس نے اس جنگ کے بعد ہی اس بات کا مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ، اگر لڑائی کی نوبت آئے تو تا کامل تصفیہ لڑائی برابر جاری رکھے گا۔ لیکن عبدالرحمٰن ہنوز فوج کے ساز و سامان میں سرگرم تھا، کہ خبر پہنچی کہ اردونی اور شاہ بنبلونہ نے پھر چند سرحدی قلعوں پر قبضہ کرلیا، اور ملک و رعایا کو تباہ کر رہے ہیں —— یہ واقعہ سنہ ۳۱۱ھ م سنہ ۹۲۳ء میں ہوا۔

اطلاع اول کے بعد فوراً ہی دوسری خبر یہ آئی کہ، یہ سن کر کہ سلطان بذات خود عازم

جنگ ہے، عیسائی فوج قلعوں کو خالی کر کے خائف وہراساں اپنی اپنی سرحد کی طرف بھاگ گئی۔ بازہم (پھر بھی) عبدالرحمٰن اپنے ارادہ سے نہیں ہٹا، اور بعجلت تمام ان کے عقب میں بغیر کسی تعرض کے بنبلونہ کے پایۂ تخت تک چلا آیا۔ عیسائیوں کے خوف وہراس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ، بادشاہ مع فوج اپنے پایۂ تخت کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سلطان نے شہر میں داخل ہوکر شہر پناہ اور قلعوں کو منہدم کردیا۔

اس کے اقبال کو دیکھو! کہ یہیں بنبلونہ میں اردونی والیٔ لیون کے مرنے کی، اور اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوجانے کی خبر پہنچی۔ یہ مہم یوں بغیر محنت ومشقت سر ہوگئی۔ سلطان کی خوشی کا کیا پوچھنا تھا؟! وہیں جشنِ شاہانہ منعقد ہوا، اور سلطان وفوج دونوں شاداں وفرحاں دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں رعایا نے اپنے بادشاہ اور فوج کا اس دھوم سے خیر مقدم کیا کہ عبدالرحمٰن نے قرطبہ پہنچ کر جو دور کا تعلق مصلحتاً بغداد سے اس وقت تک چلا آتا تھا، اس کو منقطع کردیا، اور ان فتوحات متواترہ کی یادگار میں اپنی عزیز رعایا کی دلی خواہش پر امیر المؤمنین (۱) اور الناصر لدین اللہ کے خطاب سے اپنے تاج وتخت کو رونق بخشی۔

باغیوں کے بارے میں عبدالرحمٰن کا دستور

واقعات مذکورۂ بالا کے بعد سے عبدالرحمٰن کا یہ ہمیشہ دستور رہا کہ اگر کہیں بغاوت کی محض افواہ بھی سن لیتا تھا، تو فوراً بذاتِ خود مقام فساد پر پہنچ جایا کرتا تھا، چنانچہ سنہ ۳۲۲ھ م سنہ ۹۳۳ء میں یلغار کر کے پھر بنبلونہ پہنچا۔ وہاں کی شہزادی طوتہ نے بغاوت کا ارادہ کیا تھا، لیکن خلیفہ کے پہنچتے ہی حاضر ہوکر عفو خطا کی خواستگار ہوئی، سلطان نے اس کی خطا کو معاف کیا، اور اس کی بیٹی غرسیہ کو اس ملک کی حکومت

(۱) اس سے قبل اندلس کے بادشاہ امیر یا سلطان کہلاتے تھے، اس ہی (اسی) کے وقت سے یہ خلفائے اندلس کے نام سے مشہور ہوئے، لہٰذا ہم نے بھی یہاں سے بجائے سلطان کے خلیفہ لکھا ہے۔ عبدالرحمٰن پہلا بادشاہ ہے کہ جس نے دینی اور دنیوی دونوں قسم کے اقتدارات کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا، اور مساجد اندلس میں جہاں عبدالرحمٰن اول کے عہد سے خلفائے عباسیہ کا خطبہ بہ مصلحت پڑھا جاتا تھا وہ موقوف ہوا۔

بخشی، اور خود البہ ہوتا ہوا دارالخلافہ واپس آیا، مگر سنہ ۳۲۵ھ میں ملکہ بنبلونہ نے خلاف معاہدہ عمل کیا، جس کی فوراً تلافی کر دی گئی۔

جنگ خندق اور اُمیہ بن اسحاق کی نمک حرامی

عبدالرحمٰن ملک کے انصرام وانتظام میں مشغول تھا کہ ناگاہ خبر پہنچی کہ لیون میں خانہ جنگی ختم ہوگئی، اور رَدمیر ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ شخص نہایت دوراندیش اور شجیع تھا، مگر اپنے پیش رووں کی طرح، بلکہ ان سے سہ چند متعصب اور عربوں کا دشمن تھا، اسی اثناء میں احمد بن اسحاق کسی سنگین جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ یہ وزیر اور امیہ بن اسحاق صوبہ دار سرقسطہ کا بھائی تھا، جب اس کے قتل کی خبر اُمیہ کو پہنچی، اس نے پاس نمک اور قوم اور مذہب کو بالائے طاق رکھا، اور رَدمیر سے اپنے بادشاہ کے خلاف سازش کی۔ خلیفہ فوراً فوج لے کر سرقسطہ آیا، امیہ میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ سلطان کا سامنا کرتا، سرقسطہ سے بھاگ کر ردمیر سے جاملا، اور اس پر عربوں کے فوجی راز ظاہر کر دیئے۔ عبدالرحمٰن بھی سیدھا جلیقیہ کے پایۂ تخت سمورہ تک چلا آیا، اور شہر کا محاصرہ کرلیا، اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اُدھر جس وقت رَدمیر کو معلوم ہوا کہ خلیفہ بعزم جنگ سمورۃ تک آگیا ہے، یہ بھی دوچند فوج کے ساتھ بغرض مقابلہ آگے بڑھا۔

ماہ شوال سنہ ۳۲۷ھ م سنہ ۹۳۹ء میں جنگ الخندق شروع ہوئی، شہر سمورہ اور اس کا قلعہ سات مستحکم اور بلند دیواروں سے گھرا ہوا تھا، اور ہر دیوار کے بعد ایک نہایت عمیق اور پختہ خندق بنی ہوئی تھی، پہلے جو کچھ لڑائیاں میدان میں ہوئیں ان میں عرب ہمیشہ کامیاب رہے، لیکن سورج گہن کے تیسرے روز عیسائیوں نے بہت سخت حملہ کیا، عرب ان کو پسپا کرتے ہوئے قلعہ کی دو دیواروں کے اندر گھس گئے، مگر خندقوں کی وجہ سے فوج کی ترتیب وقاعدہ باقی نہیں رہا، تیسری دیوار کے قریب عرب ہنوز سنبھلنے نہ پائے تھے، کہ عیسائیوں نے ایک دفعہ مڑ کر حملہ کیا، اور اس فوج نے جو دیواروں کے پیچھے چھپی بیٹھی تھی،

چاروں طرف سے عربوں کو گھیر لیا، خندق میں جو عرب آ گئے تھے ان میں سے ایک نہ بچا، بیان کیا جاتا ہے کہ قریب پچاس ہزار عرب خندقوں میں ڈوب گئے۔

اندلس میں اس وقت تک ایسا حادثہ سخت عربوں پر نہیں گزرا تھا۔ جو پس ماندہ فوج اس آفت سے بچ کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگی تھی۔ اس کا تعاقب اگر ردمیر کرتا تو اس کا قتل اور غارت ہو جانا نہایت آسان امر تھا، لیکن امیہ بن اسحاق نے ردمیر کو اس خوف سے تعاقب سے روکا، کہ مبادا عرب جھاڑیوں میں نہ چھپے ہوں، اور پیچھے سے حملہ نہ کر بیٹھیں، اگر یہ فتح مُبدّل بہ شکست[1] ہو گئی تو جو بے حساب اسباب و دولت عرب چھوڑ گئے ہیں ہاتھ سے[1] نکل جائے گی —— یہ مشورہ بھی امیہ کی خودغرضی پر مبنی تھا، اس واسطے کہ باوجود کامیابی عیسائیوں میں مطلق مقابلہ کی سکت باقی نہ تھی، اور عبد الرحمٰن کی قہر اور غضب آلود طبیعت سے یہ بخوبی واقف تھا۔ یہ جانتا تھا کہ اس عظیم شکست اور نقصان کے بعد خلیفہ ایسا بدلہ لے گا کہ پھر شاید کوئی عیسائی اس ملک میں دکھائی دے۔ پس اس نے فوراً سلطان سے بہ عجز والحاح عفوِ خطا کی درخواست کی۔ خطا بخش عذر نیوش (عذر سننے والے) سلطان نے درخواست کو منظور کر لیا، اور اس سیاہ رو، نمک حرام نے جس کی وجہ سے ہزار ہا عرب شہید ہوئے تھے اپنے تئیں بادشاہ کے قدموں پر ڈال دیا۔ اس شکست اور قتل عام سے خلیفہ ایسا متاثر ہوا کہ پھر اس نے بذات خود فوج کشی نہیں کی۔ لیکن ہر سال اپنے فوجی امیروں کو ردمیر کے مقابلہ کے لئے بھیجتا رہا، جنھوں نے ایسا بدلہ عیسائیوں سے لیا کہ ردمیر کو عربوں کے مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔

شاہِ قسطنطنیہ کا سفیر اور عبدالرحمٰن کا دربار

ان متواتر کامیابیوں کا اثر نہ صرف ردمیر پر ہوا، بلکہ تمام

(۱) اصل کتاب میں عبارت اس طرح ہے: ''اگر یہ فتح مُبدّل بہ شکست نہ ہو گئی تو جو بے حساب اسباب و دولت کہ عرب چھوڑ گئے ہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے گی''، احقر نے دونوں جگہ ''نہ'' کو حذف کیا ہے۔ (محمد امین)

عیسائی قوتیں قریب ودور کی اس قدر متاثر اور خائف ہوئیں، کہ ہر بادشاہ نے سفیر عبد الرحمٰن کی دوستی اور رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے قرطبہ بھیجے، چنانچہ سنہ ۳۳۶ھ م سنہ ۹۴۷ء میں قسطنطین شہنشاہ قسطنطنیہ نے بیش بہا تحائف بذریعہ سفیر بھیجے۔ خلیفہ نے سفیر کا نہایت اعزاز واحترام کیا ——— شہر کثرت آئینہ بندی اور آرائش سے مثل دولہن معلوم ہوتا تھا۔ تمام فوج نئے سامان واسلحہ سے آراستہ، قصر اور دربار کی آراستگی کی تعریف نہیں ہوسکتی تھی۔ تخت پر خلیفہ رونق افروز، گرد وپیش شہزادے اور والیانِ ملک اور ارکانِ سلطنت دست بستہ حاضر، جس وقت سفیر اور اُس کے ساتھی سامنے پیش ہوئے، تو رعب وداب شاہی اور دربار کی شان وشوکت دیکھ کر دنگ ہوگئے، اور سر جھکائے تخت کے قریب آکر اپنے بادشاہ کا نامہ پیش کیا۔

عبد الرحمٰن نے علمائے حاضرِ دربار کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی شان وشوکت اور بزرگی، اور خلفائے اندلس کی فتوحات بیان کریں، لیکن حاضرِ دربار کے دلوں پر کچھ ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ ان مشہور علماء میں یکے بعد دیگرے ہر شخص نے تقریر شروع کی، لیکن دو چار لفظوں سے زیادہ نہ کہہ سکے۔ خلیفہ نے ولی عہد الحکم کے اتالیق ابوعلی القالی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ حال ہی میں عراق سے اندلس آیا، اور علم وفضل میں بے نظیر سمجھا جاتا تھا مگر اس کو بھی یارائے گویائی نہ ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر منذر بن سعید اپنے مقام پر کھڑا ہوا۔ گو مثل علمائے دیگر کے اس کا علم وفضل اس قدر مشہور نہ تھا، لیکن اس نے اس خوش اسلوبی اور نہایت شستہ تقریر میں خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی، اور ایک ایسا پرجوش برجستہ قصیدہ پڑھا کہ، اہل دربار کی زبانوں پر تعریف جاری ہوگئی۔ خلیفہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کو اسی وقت قاضی القضاۃ کے عہدے سے سرفراز کیا۔

اس دربار کے بعد عبد الرحمٰن نے کئی روز تک سفیروں کی مہمانداری کی، اور ہشام بن ہذیل کو اپنی جانب سے بصیغہ سفارت یونانی سفیر کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا، اور یہ حکم دیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ایک معاہدہ

لکھوائے۔ ہشام دو سال کے بعد کامیاب واپس آیا۔

جرمن وفرانس اور دیگر شاہانِ یورپ کی سفارت

اس کے بعد ذوقو بادشاہ سلاونیز اور شاہان المان (یعنی جرمن) اور فرانس نے یکے بعد دیگرے سفیر عبدالرحمٰن کے پاس بھیجے۔ خلیفہ ان سب سے نہایت اخلاق ومروت کے ساتھ پیش آیا، اور مناسب جوابات اور خلعتِ فاخرہ سے سرفراز فرما کر ان سب کو رخصت کیا۔

جب اردونی اور شاہ پرشیلونہ وغیرہ نے دیکھا کہ دور کے بادشاہ عبدالرحمٰن سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا باعث فخر سمجھ کر اس کی خوشامد کرنے میں تقدیم کر رہے ہیں، امید امداد وشراکت سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ جب ان کو اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی، ناچار اپنے سفیر دربار سلطانی میں روانہ کیے، اور استدعا کی کہ:

''ہم لوگوں کا دلی منشا یہ ہے کہ ہم خلیفہ کے ظلِ عاطفت میں اپنی عمر بسر کریں، جن ملکوں پر ہم اس وقت تک حکمراں ہیں ان کو ہم عطیۂ سلطانی تصور کرتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ سلطان ہم کو اپنا مطیع اور فرماں بردار سمجھ کر، جو فوجیں کہ ہمارے ملکوں کی طرف بھیجی گئی ہیں، وہ واپس کر لی جائیں، اور جس قسم کا معاہدہ منظور ہوگا وہ لکھ دینے پر ہم بسرو چشم آمادہ ہیں''

یہاں سخت گیری کے ساتھ عفوِ خطا کا دریا بہ رہا تھا، صرف عرض کرنے کی دیر تھی کہ خلیفہ نے بکمال مراحم خسروانہ درخواستوں کو قبول کیا، اور فوجوں کی واپسی کا حکم دیا۔

دوسری وجہ ان بادشاہوں کے مطیع اور منقاد ہونے کی بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اِن ہی دنوں میں اردونی ثالث کا انتقال ہوا تھا، اور اس کا بھائی شانجہ اس کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ یہ واقعہ سنہ ۳۴۶ھ م سنہ ۹۵۷ء میں ہوا۔ گونزلیر حاکم قسطلہ جو اردونی کے مرنے کے قبل شانجہ کو اُس کے خلاف مدد دے رہا تھا، اب ایک دفعہ شانجہ کو چھوڑ کر اردونی چہارم کا طرف دار بن گیا، اور اس لڑکے کو جلیقیہ کے تخت کا مالک قرار دیا، اس لڑکے

نے باوجود مفلوج ہونے کے دستِ ظلم وزیادتی دراز کررکھا تھا۔اس خانہ جنگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شانجہ کو تخت چھوڑ کر اپنی نانی طوتہ ملکہ اربونیہ کے پاس پناہ لینی پڑی۔اردونی چہارم گونزلیر کی مدد سے جلیقیہ کا حاکم بن بیٹھا۔خلیفہ بھی اپنی تجربہ کار نظروں سے اس خانہ جنگی کا تماشا دیکھ رہا تھا، اور یہ خوب جانتا تھا کہ ان ہی لوگوں کی درخواست پر اس کو دست اندازی کا موقع ملنے والا ہے، چنانچہ شانجہ کی تباہ حالت کو دیکھ کر ملکہ سے نہ رہا گیا، اوراس نے اپنے زبردست معاون عبدالرحمٰن سے امداد کی درخواست کی۔ شانجہ کا موٹاپا اعتدال سے بڑھ گیا تھا، یہاں تک کہ نشست وبرخاست دشوار ہوگئی تھی۔چونکہ اس زمانہ میں قرطبہ علم وفضل کا مرکز بنا ہوا تھا، اور یہاں کے حکمائے حاذق دنیا میں مشہور، اوراپنے علم وفضل میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے، ملکہ نے ایک طبیب کی درخواست کی، خلیفہ نے اپنے خاص طبیب کو شانجہ کے علاج کے لئے بھیجا، لیکن صلح کی نسبت سلطان نے شرائطِ معاہدہ میں کسی قدر سختی کی، مثلاً ایک شرط یہ تھی کہ چند قلعے جو نہایت مضبوط اور مشہور تھے، وہ خلیفہ کے حوالے کردیئے جائیں۔یہ شرط ایسی تھی کہ اس کا منظور کرلینا اور ریاست سے دست بردار ہوجانا یکساں تھا۔ایسی سخت پریشانی کی حالت میں ملکہ اپنے بیٹے شاہ نوار کے ساتھ عبدالرحمٰن کے پاس خاص دارالخلافہ آئی۔ یہ بہت ہی اخلاق سے پیش آیا، اوراس کے حسبِ مراتب تواضع اور تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، اور بالآخر ازراہ ترحم اس کی درخواستوں کو منظور، اور جو مدد اس نے چاہی تھی بغیر کسی سخت شرط کے دینے کا وعدہ کیا۔

سلطان کے بیٹے عبداللہ کا قتل

عبدالرحمٰن کے مدبرانہ طرز فرماں روائی اور اخلاق عام کا ایسا اثر ہوا کہ جملہ بادشاہان یورپ نے سلسلہ سفارت کا برابر جاری رکھا، اور اتحاد باہمی اور بنائے دوستی کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہے، مگر جتنی اسلامی تاریخیں ہماری نظروں سے گزریں، ان سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ شوقِ حکومت اور بغض وعناد نے مسلمانوں کے دلوں میں ایسی جڑیں

پکڑیں تھیں، کہ جن سے ہر بادشاہِ اسلام کو کم وبیش نقصان پہنچا۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ مسلمان یہ جانتے تھے کہ ایسا رعایا پرور اور بیدار مغز بادشاہ ـــــ جس نے ان کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو اپنی لیاقت اور جوانمردی سے سنبھال لیا، اور جس نے اپنی سلطنت کو اس قدر وسیع کیا کہ عبدالرحمٰن اول کے دور کو لوگ بھول گئے ـــــ نہ ہوا اور نہ ہوگا، لیکن پھر بھی اس کی مخالفت اور اس کو نقصان پہونچانے میں کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا، البتہ عوام الناس ہمیشہ اپنے بادشاہ کے طرفدار، اور اُمراء کی مخالفت اور ارکان خاندان شاہی کی خانہ جنگی سے ہمیشہ بری اور متنفر رہے۔ سنہ ۳۳۹ھ مطابق سنہ ۹۵۰ء میں ایک فقیہ عبدالباری نامی کے ورغلانے سے خلیفہ کے چھوٹے لڑکے شہزادہ عبداللہ نے جو بوجہ پابندیٔ صوم و صلوٰۃ، الزاہد کے لقب سے مشہور تھا، اپنے باپ اور بڑے بھائی الحکم دونوں کے قتل کی سازش کی، مگر قبل اس کے کہ یہ لوگ اپنے ارادے کو پورا کریں، اس واقعہ کی اطلاع عبدالرحمٰن کو پہنچی، وہ روز عیدالاضحیٰ کا تھا۔ خلیفہ نے جو کہ سختی اور نرمی دونوں میں مشہور تھا، اسی وقت عبداللہ کو گرفتار کرلیا، اور عید ہی کے روز اس کو قتل کر ڈالا، عبدالباری کو جو اس وقت قید میں تھا، جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اس نے فوراً خودکشی کرلی۔

افریقہ پر یلغار

اندلس میں یہ جھگڑے ہو رہے تھے کہ افریقہ میں ایسے واقعے در پیش ہوئے کہ جن سے عبدالرحمٰن کو ایک عمدہ موقع اس ملک کی تسخیر کا ملا۔ اس یلغار افریقہ کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ خاندانِ بنی فاطمہ افریقہ کو فتح کرتے ہوئے اندلس کے قریب تک چلے آئے تھے، اور چونکہ بنی فاطمہ اور بنی امیہ میں خاندانی مخالفت چلی آتی تھی، سواحل افریقہ کا مخالفوں کے قبضہ میں چلا جانا سخت ناگوار گزرا۔ خلیفہ نے فوراً ایک بیڑا جہازوں کا سامانِ حرب سے آراستہ بنی ادریس اور بنی صالح کی مدد کے لئے بھیجا۔ افریقہ کی جنگ کا ذکر ہم کچھ اوپر بھی کر آئے ہیں۔ اور یہ بتا آئے ہیں کہ اس میں مذہبی نزاع پیدا کر کے عبدالرحمٰن نے کیا فائدہ اٹھایا؟!

لیکن سلسلہ قائم رکھنے کی غرض سے ان واقعات کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا

ہے جن کی ابتداء سنہ ۳۰۵ھ سے ہوئی۔ اس سنہ میں عبداللہ جس کا مذہب تشیعی تھا ملک افریقہ کے شرقی حصہ کو اپنے دائرہ حکومت میں لایا، اور اپنے امیر مصلح بن حابس کو یحییٰ بن ادریس بادشاہ فاس کے مقابلے کے لئے بھیجا، مصلح نے یحییٰ کو شکست دے کر شہر فاس کا محاصرہ کرلیا، لیکن اس وقت اس ملک پر پورا قبضہ نہ کرسکا، سنہ ۳۰۹ھ میں اس امیر نے پھر فاس پر حملہ کیا، اور یحییٰ بن ادریس گرفتار و قتل ہوا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد یحییٰ کے ایک رشتہ دار الحسن نامی نے فاس کو فتح کیا، اور بادشاہ بن بیٹھا۔ تھوڑے ہی روز میں موسیٰ بن العافیہ نے جو من جانب شاہانِ بنی فاطمہ مغربی حصے کا گورنر تھا سنہ ۳۱۱ھ میں فاس کو فتح کیا، اور الحسن کو قتل کرڈالا، سنہ ۳۴۱ھ میں خاندان بنی ادریس نے پھر اس ملک کو سوائے شہر فاس کے فتح کیا، تھوڑے زمانہ تک خاندان بنی ادریس نے کسی قدر بے فکری سے حکومت کی، مگر ابوالعیش احمد کے عہد حکومت میں بنی فاطمہ نے اس پر اتنے حملے کئے کہ اس نے بحالت مجبوری عبدالرحمٰن سے مدد کی درخواست کی، اس مدد دینے سے قبل قلعجات طنجہ وسوطا ریغمال میں طلب کئے، ابوالعیش نے ان قلعوں کے دینے سے انکار کیا۔ خلیفہ نے فوراً جہازی بیڑے سواحل افریقہ کی طرف روانہ کئے۔ اور قلعوں پر بجبر قبضہ کرلیا، جس کا اثر قرب و جوار کے رؤساء پر یہ ہوا کہ لوگ مع ابوالعیش کے قرطبہ آئے، اور عبدالرحمٰن کو اپنا سرپرست اور بادشاہ تسلیم کیا۔ خاندان بنی صالح کے لوگ بھی اندلس میں داخل ہوئے، اور اس ملک میں بود و باش اختیار کی۔ غرض کہ عبدالرحمٰن نے اس تمام افریقہ کے حصے کو فتح کیا جو مغرب الاقصیٰ کے نام سے موسوم ہے۔

انتظام ممالک محروسہ

عبدالرحمٰن ثالث کی عمر اب قریب ستر برس کے آپہنچی تھی، جو کارِ نمایاں اس سے پنجاہ سالہ (پچاس سالہ) حکومت میں ظہور میں آئے ان کا مفصل ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں، بیس برس کی عمر میں یہ اپنے موروثی تخت پر متمکن ہوا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ سوائے قرطبہ

۔کے اور سب صوبے خود مختار ہو گئے تھے۔اور خانہ جنگی کا بازار گرم تھا۔قزاق اور راہزن تمام ملک میں بلاخوف وخطر رعایا کے جان و مال کو تبارہ کررہے تھے۔اندلس کے جنوب کی جانب مغربُ الاقصیٰ میں بنی فاطمہ حکومت کررہے تھے، اور اندلس داخل ہونے کا موقع ڈھونڈتے تھے۔شمال کی جانب عیسائی اندلس کو لینے کی فکر میں تیاریاں کررہے تھے، ایسی طوائفُ الملوکی کے زمانہ میں عبد الرحمٰن ثالث اپنے دادا عبدالرحمٰن اعظم کے قائم کئے ہوئے تخت پر بیٹھا۔اس کو تخت نشین ہوئے بیس سال بھی نہ گذرے تھے کہ ملک کے چاروں طرف سے امن وامان کی ہوا چلنے لگی۔سختیٔ سیاست سے بدمعاشوں کا نام ونشان تک نہ رہا۔چونکہ اُمرائے عرب اور ارکانِ سلطنت اس زمانہ تلاطم میں موقع پاکر خود مختار بن بیٹھے تھے، ان کی قوتوں کو توڑنے کی غرض سے اپنے غریب ملازمین کو انہیں کے مُساوی خطابات اور جاگیریں عطا کیں، عیسائیوں کی قوت کو اتنا توڑا کہ شاہنشاہ قسطنطنیہ اور بادشاہانِ فرانس واٹلی وجرمن نے نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ سفارتیں قرطبہ بھیجیں، اور خلیفہ اندلس سے اتحاد و دوستی پیدا کرنے کی کوشش کی، یورپ اور افریقہ میں عبد الرحمٰن کی فراست اور سپہ سالاری ضربُ المثل ہوگئی تھی، اور اس کی قدردانی علم وفن نے ان مشہور لوگوں کو جمع کرلیا تھا جو دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔

مختلف ذرائع آمدنی اور عمارات کا شوق

عبدالرحمٰن نے مختلف ذرائع آمدنی کے ایجاد کئے تھے۔چوّن (۵۴) لاکھ اسّی (۸۰) ہزار دینار اصل مال گزاری داخل خزانہ عامرہ ہوتے تھے۔علاوہ اس کے سات (۷) لاکھ پینسٹھ (۶۵) ہزار دینار مختلف ذرائع سے وصول ہوتے تھے۔یہ تمام آمدنی ملک کی ملک اور رعایا ہی پر خرچ کی جاتی تھی، علاوہ اس کے جو روپیہ بطور خراج وجزیہ عیسائیوں اور یہودیوں سے وصول ہوتا تھا، وہ خاص ذاتی خزانہ شاہی میں داخل کردیا جاتا تھا۔اس آمدنی کی کوئی تعداد معین نہ تھی، نہ کوئی باضابطہ حساب اس کا رکھا جاتا تھا۔اس میں سے ایک ثُلث (تہائی) فوج اور اعیان وملازمانِ سلطنت پر خرچ

ہوتا تھا۔ ایک ثلث خاص سلطان کی جیبِ خاص کے لئے مقرر تھا۔ باقی کل رقم عمارات اور پلوں اور ملک کی سڑکوں پر خرچ کی جاتی تھی۔

اس کے زمانہ حکومت میں شہر قرطبہ خوبصورتی اور ہر قسم کی آرائش میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ عبدالرحمن کو ہر طرح کی عمارت کا کمال شوق تھا، جن کے آثار اس وقت تک اُس زمانہ کی بے نظیر صنعت وحرفت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ قرطبہ کی مشہور مسجد اور قصر الزہرا وہ عمارتیں ہیں جو دنیا میں حسن وخوبصورتی اور صنعت معماری میں بے مثل و بے عدیل ہیں۔ اس زمانہ جدید میں اگر چہ اہل یورپ ہر چیز میں معاذ اللہ خدائی کا دعوی کرتے ہیں، تاہم ان عمارات کو عجوبہ روزگار سمجھتے ہیں۔

مسجد قرطبہ کی شان

مسجد کی تعمیر فی الحقیقت عبدالرحمن اعظم کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی، اور ہشام نے اس کو اختتام تک پہونچایا تھا، لیکن ان کے بعد بھی ہر بادشاہ نے مسجد کے بڑھانے اور مُشَیَّن (شاندار) کرنے میں دولت کی پروانہیں کی۔ اس مسجد کا طول شرق سے غرب تک قریب قریب پانچ سو فٹ کے تھا، اوراس کی خوشنما محرابیں ایک ہزار چار سو سترہ، سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھیں، جن پر سنہرا کام کیا ہوا تھا۔ محراب اس مسجد کی سات سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم اوراس قدر بلند اور خوبصورت تھی، کہ صرف اسی کے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے، محراب کے قریب ایک بلند ممبر خالص ہاتھی دانت اور چھتیس ہزار مختلف رنگ اور وضع کی لکڑی کے ٹکڑوں سے بنا، اور ہر قسم کے جواہرات سے جڑا ہوا رکھا تھا۔ اس ممبر ہی کی قیمت پینتیس ہزار سات سو پانچ (۳۵۷۰۵) دینار تھی، اور سات برس میں تیار ہوا تھا۔ عبدالرحمن ثالث نے قدیم میناروں کو گرا کر ایک نیا مینار ایک سو آٹھ فٹ بلند تیار کرایا، جس میں چڑھنے اترنے کے دو زینے تھے، اور ہر زینے میں ایک سو سات سیڑھیاں تھیں، اس مسجد میں دس ہزار جھاڑ روشنی کے چھوٹے بڑے جلا کرتے تھے، جن میں سے تین سب میں بڑے جھاڑ خالص چاندی کے اور باقی پیتل کے تھے۔ بڑے سے

بڑے جھاڑ میں ایک ہزار چار سو اسی پیالے روشن ہوتے تھے، اور ان تین چاندی کے جھاڑوں میں چھتیس سیر تیل جلا کرتا تھا۔ تین سو ملازم اور خدام اس مسجد پر متعین تھے۔ مسجد کے متعلق جو جدید تعمیر اس عہد میں کی گئی اس پر دو لاکھ اکسٹھ ہزار پانچ سو تیس دینار سرخ خرچ ہوئے تھے۔

قَصْرُ الزَّھْرا کا حال

عبدالرحمٰن نے علاوہ مسجد مذکور کے قرطبہ سے چار میل کے فاصلے پر جَبَلُ العروس کے پرفضا دامن میں ایک رفیع الشان قصر تیار کیا، اور اس کو اپنی محبوبہ کنیز الزہرا کے نام سے موسوم کیا۔ یہ اس قدر وسیع عمارت تھی کہ اس کو قصر نہیں بلکہ مدینۃ الزَھرہ کہتے تھے، اور فی الحقیقت یہ ایک چھوٹا شہر تھا جس میں علاوہ شاہی مکانات اور متعدد باغات کے ہزاروں ملازمین، اور فوجِ شاہی کے لئے علحدہ عمارتیں تیار کی گئی تھیں۔ اس محل کی وسعت کا صرف اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کے حدود کی دیواروں میں پندرہ ہزار بلند اور مثمّن دروازے نصب تھے۔

جس وقت یہ قصر ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار سرخ کی لاگت سے تیار ہوا، اور سلطان مع الزہرا کے اس میں رونق افروز ہوا، اور دونوں نے اس مَرغ زار کو جھروکوں سے دیکھا، سامنے قصر شاہی، سنگ مرمر کی عمارات اور برجوں اور میناروں سے آراستہ مثل موتی کے دکھائی دیتا تھا، اور اس کی پشت پر ایک کوہ سیاہ سر بفلک کشیدہ اپنا لطف علحدہ دے رہا تھا۔ الزہرا نے جس وقت اس بے نظیر سماں کو دیکھا، قصر اور سیاہ پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

یا امیر المؤمنین! یہ قصر مثل ایک معشوقۂ نازنین کے ہے، جو بصد ناز و انداز اس حبشی کے پہلو میں متمکن ہے۔

عبدالرحمٰن نے یہ جملہ سن کر حکم دیا کہ یہ پہاڑ اسی وقت بیخ و بُن سے کھود ڈالا جائے

——— یہ سن کر اُمرائے دربار نے خلیفہ سے کہا کہ انسان کی کیا مجال کہ کوہ کو جنبش تک دے سکے، اس کا اس مقام سے علحدہ کرنا اسی خالق حقیقی کے دستِ قدرت میں ہے جس نے اس کو اور ہم کو پیدا کیا۔ اس تقریر سے عبدالرحمٰن بھی اپنے دل میں قائل ہوا، اور یہ حکم دیا کہ اس کوہ کو فوراً صاف کر کے تہ سے چوٹی تک درختہائے میوہ دار مثل بادام اور انجیر وغیرہ کے نصب کئے جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس حبشی نے سبز پوشاک زیب بدن کی۔ درختہائے میوہ دار نے اپنی خوشبو سے اس دشت کو معطر کر دیا۔

طول اس قصر کا تقریباً چار میل، اور عرض قریب تین میل کے تھا۔ سنہ ۳۲۵ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی، اور پچیس سال میں ختم ہوئی۔ دس ہزار معمار اور مزدور اور قریب قریب چار ہزار اونٹ اور خچروں سے روزانہ اس کے بنانے میں کام لیا جاتا تھا، قصر چار ہزار تین سو سولہ برجوں اور ستونوں پر ——— جو اقسام کے پتھروں مثل سنگ مرمر وغیرہ کے بنے ہوئے تھے ——— قائم تھا۔ ان ستونوں میں سے بعض ستون بادشاہانِ یورپ مثل فرانس اور قسطنطنیہ وغیرہ نے تحفۂ عبدالرحمٰن کو بھیجے تھے، باقی خاص اندلس کے مَعادِن (کانوں) کے تھے، کچھ سنگ مرمر معمار عبداللہ اور حسن بن محمد اور علی بن جعفر کی نگرانی اور ذریعہ سے افریقہ سے بھی منگایا گیا تھا، ان ستونوں کو اندلس پہونچانے کی اُجرت دس دینار سرخ فی ستون مقرر کی گئی تھی۔

قصر میں دو فوّارے نصب کئے گئے تھے۔ ایک جو سب سے بڑا تھا بحرس کا تھا، اور اُس پر اس قدر ملمع کیا گیا (تھا) کہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا، اور اس پر نہایت خوشنما انسانی صورتیں بنی ہوئی تھیں، احمد یونانی اور ربیع پادری اس فوارہ کو قسطنطنیہ سے لائے تھے ——— چھوٹا فوارہ سنگ سبز کا شام سے منگوایا گیا تھا۔ یہ اس قدر خوبصورت تھا کہ خلیفہ نے اس کو قصر المونس میں نصب کرنے کا حکم دیا تھا۔ بارہ پرند اور چرند جانوروں کی صورتیں، مختلف جواہرات اور سونے سے بنی ہوئی اس میں لگائی گئی تھیں، اور ہر جانور کے منہ اور چونچ میں سے پانی کا فوارہ جاری ہوتا تھا۔ اس فوارے میں

کاریگر نے وہ دست کاری ظاہر کی تھی، کہ جن اہل یورپ سیّاحوں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، بیان کرتے ہیں کہ دیکھنا اور سننا تو ایک طرف، خواب وخیال کو بھی یہاں مجال دخل نہ تھی۔

قصر کا ایک حصہ قصر الخلفاء بھی قابلِ دید تھا، اس کی چھت طلائی بے غش اور سنگ مرمر سے —— جو ایسا صاف وشفاف تھا کہ دوسری طرف کی چیز مثل آئینہ کے نظر آتی تھی —— بنی ہوئی، اور باہر کی جانب سونے اور چاندی کے سِفالوں سے سجی ہوئی تھی۔ اس کے وسط میں ایک خوبصورت مرصع فوارہ نصب تھا، جس کے سر پر وہ مشہور موتی جڑا تھا، جس کو شہنشاہ یونان نے بطور تحفہ کے عبدالرحمن الناصر کو بھیجا تھا۔ سوائے اس فوارہ کے قصر کے بیچ میں ایک فوارہ نما طشت پارہ سے لبریز رکھا تھا، اور قصر کے گرد آئینے نہایت خوشنما ہاتھی دانت کے چوکھٹوں میں جڑے، اور مختلف اقسام کی لکڑیوں کے مُرصّع دروازے، سنگ مرمر اور بلوری چوکھٹوں پر نصب تھے۔ جس وقت یہ دروازے کھول دیئے جاتے، اور آفتاب کی شعاع سے مکان روشن اور منور ہوتا تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اس کی چھت اور دیواروں کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکے۔ اس حالت میں اگر پارہ ہلا دیا جاتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام مکان جنبش میں ہے۔ جو لوگ اس راز سے واقف نہ تھے وہ مکان کو فی الحقیقت جنبش میں سمجھ کر بے حد خائف ہوتے تھے۔

اس قصر کے انتظام اور نگہبانی کے لئے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم، اور تیرہ ہزار تین سو بیاسی غلام قوم نصاری متعین تھے۔ اندر حرم سرا کے چھ ہزار عورتیں خدمت گزاری کے لئے حاضر رہا کرتی تھیں۔ حوضوں میں روزانہ بارہ ہزار روٹیاں علاوہ اور اشیاء کے مچھلیوں کے لئے ڈالی جاتی تھیں۔

غرض مدینۃ الزہرا[1] وہ محل شاہی نادرالوجود تھا، جس کی تعریف سن کر دور سے تماشا دوست اور سیاحانِ جہاں آتے تھے، اور اس کی وسیع سنگ مرمر کی عمارات، دربار

(۱) اس قصر کی مفصل کیفیت مندرجہ المقری کی نفح الطیب میں موجود ہے۔

خاص و عام کی شان و شوکت، اس کے باغات کا پر فضا سماں —— جہاں ہزار ہا فوارے چھوٹتے ہوئے، اور نہریں اور حوض بہتے پانی سے چھلکتے ہوئے، سایہ دار درخت نہروں پر سایہ فگن، شاخہائے میوہ دار میوہ کے بوجھ سے زمین تک جھکی ہوئیں —— دیکھ کر محو تماشا ہو جاتے تھے، ہزار ہا لڑکے اور لڑکیاں خوش رو، اور خوش وضع، زرق برق لباس، اور زیور میں ڈوبی ہوئی خدمت کے لئے دست بستہ حاضر۔ افسرانِ فوج تجربہ کار، جنگ آزمودہ، فن سپہ گری میں یکتائے زمانہ، امراء وارکان دولت، اور علماءِ وقت اپنی اپنی جگہ پر حاضر۔ یہ قصر کیا تھا؟! خلافت اندلس کی شان و شوکت، اور عظمت و بزرگی، اور رعب داب کا مرکز تھا۔ عربوں نے اپنی صنعت وحرفت کو اس قصر پر ختم کر دیا تھا، اور اس کو اپنی صنعت وحرفت اور دست کاری کی نمائش گاہ بنا دیا تھا۔ افسوس صد ہزار افسوس! کہ عیسائیوں نے جو اس زمانہ میں وحشیوں سے بھی بدتر تھے، اس عجوبۂ روزگار عمارت کا نشان تک باقی نہ رکھا، ان کے عناد اور حسد، اور مذہبی تعصب نے مسجدوں کو شہید کیا۔ قبروں کو توڑا، اور ہڈیاں جو باقی رہ گئیں تھیں ان کو ہوا میں اڑا دیا۔

عبدالرحمٰن الناصر کے ذاتی حالات

عبدالرحمٰن الناصر کے انتقال کے بعد اس کے کاغذات میں ایک پرچہ اس ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا، اس مضمون کا ملا کہ اپنے پچاس سالہ حکومت میں صرف چودہ[1] روز مجھ کو آرام اور خوشی کے نصیب ہوئے۔ خیال کرنا چاہئے کہ یہ کس قدر بلند خیال اور جفاکش بادشاہ تھا، جس نے اپنی تمام عمر اور اپنا تمام وقت اپنی سلطنت کے انصرام، اور اپنی عزیز رعایا کی خدمت میں صرف کیا۔ اپنے عیش وآرام بلکہ اپنی صحت کی پروا ان امور کے مقابلہ میں نہیں کی۔

(۱) اصل کتاب میں ''چودہ'' کے بجائے ''چودہاں'' ہے، اخبار الاندلس کے اردو ترجمہ سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (اخبار الاندلس کا اردو ترجمہ ۱: ۶۳۶) (محمد امین)

عبدالرحمٰن کو دنیوی شان وشوکت کی نمائش پسند نہ تھی، لیکن وسیع تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ بغیر اس کے مملکت کی عظمت و جبروت کا معاصرین اور اغیار شورہ پُشت (سرکش) کے دلوں میں راسخ ہونا ممکن نہیں۔ جہاں بانی منحصر ہے دبدبہ اور رعب پر، جس کا ایک لازمی جز وظاہری شان وشوکت ہے۔ پس اس نے قیام واستحکام سلطنت کی نیت سے امیر المؤمنین کا خطاب اختیار کیا تھا، جس کے مستحق حقیقت میں خلفائے عباسیہ تھے علم دوست اس قدر تھا کہ اس کے دربار میں وہ علمائے کامل اور حکمائے حاذق اور صناع روزگار جمع تھے، جن کی بزرگ داشت (خاطر داری) یہ اپنا باعث فخر سمجھتا تھا۔

چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ خلیفہ نے مکان بنانے کی غرض سے ایک مقام کو پسند کیا، اور اس کے خریدنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے وہ مقام یتیم بچوں کی ملک نکلا، اور یہ بچے قاضی القضاۃ منذر البلوطی کی نگرانی میں تھے۔ قاضی مذکور علم فقہ اور حدیث کا مشہور عالم تھا، اور عبدالرحمٰن بوجہ فضل وکمال اس کی دل سے تعظیم کرتا تھا۔ جس وقت قاضی کو اِس واقعہ کی اطلاع ہوئی، اس نے جائداد کے فروخت کرنے سے انکار کردیا، اور کہلا بھیجا کہ یتیموں کی جائداد اُس وقت منتقل ہوسکتی ہے جب کہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پوری ہو۔

① یا تو کوئی سخت ضرورت لاحق ہو۔

② یا جائداد کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

③ یا ایسی قیمت ملتی ہو کہ جس کے منظور کرنے میں یتیموں کا آئندہ فائدہ متصور ہو

——— فی الحال ان شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہیں ہے، اور جو قیمت ملازمان شاہی نے اس جائداد کی تجویز کی ہے، وہ بہت ہی کم ہے۔

خلیفہ نے یہ دیکھا کہ قاضی بغیر قیمت بڑھائے باز نہ آئے گا، اور قاضی کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں خلیفہ اس مکان کو جبراً نہ لے لے۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ مکان منہدم کردیا جائے، بعدہٗ زمین دُونی قیمت پر شاہی ملازمان کے ہاتھ فروخت کردی۔ جب

عبدالرحمٰن نے یہ سنا فوراً قاضی کو طلب کیا، اور مکان کے گرادینے کا سبب پوچھا۔ منذر البلوطی نے بلاخوف عرض کیا کہ:

''جس وقت میں نے مکان کے گرانے کا حکم دیا، مجھے وہ واقعہ یاد آیا جہاں چند غریب آدمی ایک جہاز کے ذریعہ سے اپنی گزران کرتے تھے، لیکن جہاز کو بہت ہی شکستہ حالت میں رکھتے تھے، اس لئے کہ اُس ملک کے بادشاہ میں یہ بُری عادت تھی، کہ جس کے پاس اچھا جہاز دیکھتا تھا جبراً چھین لیتا تھا'' ــــــ یہ اشارہ قرآن شریف کی آیت کی طرف تھا ــــــ عبدالرحمٰن یہ سن کر خاموش ہوگیا اور اس روز سے قاضی کو اور زیادہ عزیز رکھنے لگا۔

منذر البلوطی کا انتقال سنہ ۳۵۵ھ میں ہوا۔ اس کی متعدد مشہور تصانیف علم فقہ اور دلائل فلاسفہ کے رد میں موجود ہیں۔ علاوہ اس کے فن عروض اور شعر و سخن میں کمال دست گاہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اکثر کتب تواریخ مثل النفح[1] اور حیان قاضی مذکور کی تعریف سے بھری ہیں۔

علاوہ المنذر البلوطی اور جو علماء اور حکماء اس کے دربار کی زیب و زینت تھے ان کے نام نامی یہ ہیں: احمد عبد الربیحی جس کا قصیدہ موسوم بہ عقد مشہور ہے۔ خلف ابن عباس الظہروی اس کے دربار کا مشہور طبیب، عبداللہ بن یونس المرادی، ابوبکر الزبیدی، محمد القہشانی، ابراہیم بن الشہبانی ــــــ وزرائے سلطنت میں موسیٰ بن جدیر، عبدالملک بن جھور، عبداللہ بن العلی اور احمد عبدالملک بن شہید، یہ آخرالذکر وزیر اس وجہ سے زیادہ تر مشہور ہوا کہ اس نے عبدالرحمٰن کو لاکھوں روپیہ خرچ کر کے بیش بہا چیزیں دور دور سے منگا کر بطور تحفہ نذر گورانی تھیں۔

ایک مینا کا قصہ اور عبدالرحمٰن الناصر کا انتقال

ایک روز عبدالرحمٰن الناصر نے فصد لینے کی غرض سے

(۱) اصل میں ''النفح'' کی جگہ ''الفتح'' ہے، اور ''النفح'' سے مراد مقّری کی نفح الطیب ہے۔ (محمد امین)

اپنے طبیب کو طلب کیا۔ طبیب چاہتا تھا کہ نشتر لگائے، دفعتاً ایک مینا اُڑتی ہوئی مکان کے اندر آئی اور سونے کے گلدستہ پر جو قریب رکھا تھا بیٹھ گئی، اور نہایت صاف الفاظ میں اس شعر کو اس خوش آوازی سے ادا کیا کہ سلطان پھڑک گیا۔

أَيُّهَا الْفَاصِدُ رِفْقًا ۞ بِأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَا
إِنَّمَا تَفْصِدُ عِرْقًا ۞ فِيْهِ مَحْيَا الْعَالَمِيْنَا [1]

(اے فصد کھولنے والے! امیر المؤمنین کے ساتھ نرم معاملہ کر، تو جس رگ کو کھول رہا ہے اس میں جہانوں کی زندگی ہے)

اور دریافت کیا کہ یہ مینا کس کی ہے؟ قبل اس کے (کہ) حاضرین میں سے کوئی جواب دے۔ مینا نے خود بیان کیا کہ ''میں مرجانہ والدہ ولی عہد الحکم مستنصر باللہ کی مینا ہوں'' عبد الرحمٰن یہ سن کر اور زیادہ خوش ہوا، اور بطور تحفہ اپنی بی بی مرجانہ کو بیس ہزار دینار سرخ دیئے۔

امیر المؤمنین عبد الرحمٰن الناصر لدین اللہ سنہ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۲ر رمضان سنہ ۳۵۰ھ میں ۷۳ سال کی عمر میں اپنے قصر الزہرا میں انتقال کیا۔
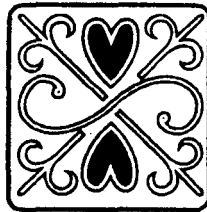
(۱) ان اشعار کی تصحیح مَقْرِی کی نفح الطیب سے کی گئی ہے (نفح الطیب جلد اول ص: ۳۶۱، مطبوعہ: دار صادر، بیروت) (محمد امین)

باب ہفتم (۱)

الحکم ثانی کی تخت نشینی ــــ عیسائیوں سے محاربات ــــ اوراردون چہارم کا قرطبہ آنا ــــ سفیروں کا قرطبہ آنا ــــ قسطلہ شہزادی کا قرطبہ آنا ــــ واقعات افریقہ ــــ علم کا شوق ــــ کتب خانہ ــــ ذاتی حالات اور انتقال۔

الحکم ثانی کی تخت نشینی

امیر المؤمنین عبدالرحمن الناصر لدین اللہ کے انتقال کے دو روز بعد بتاریخ ۵ر رمضان المبارک سنہ ۳۵۰ھ م سنہ ۹۶۱ء الحکم ثانی اپنے موروثی تختِ خلافت پر جلوس فرما ہوا، اور بروز جشنِ عام تمام فوج زرق برق لباس اور نئے سامانِ جنگ سے آراستہ، اس کے خاص رسالے سونے اور چاندی کے زِرہ بکتر پہنے اور ہتھیار جواہر نگار جسم پر لگائے ہوئے موجود، یہ بھی سماں قابل دید تھا۔

بعد معائنہ فوج الحکم نے دربارِ عام کیا۔ دونوں طرف اُمرائے سلطنت اور ارکانِ دولت حسب مراتب جواہر نگار کرسیوں پر متمکن، پُشت پر ملازمانِ خاص دریائے جواہر میں غرق دست بستہ حاضر۔ خلیفہ کے بھائی ابومروان عبداللہ الاصبغی اور عبدالعزیز جو دربار میں ایک روز قبل سے حاضر نہیں ہوئے تھے ان کو بذریعہ وزیر جعفر بن عثمان اور موسیٰ بن احمد طلب کیا، اور حکم دیا کہ اگر یہ حاضری سے انکار کریں تو جبراً حاضر کئے جائیں، چنانچہ

(۱) اصل میں یہاں ''ہفتم'' کے بجائے ''ششم'' ہے، لیکن اس سے پہلا باب ششم ہے، اس لئے یہ ترمیم کی گئی ہے، اور آگے بھی ترمیم کی جائے گی۔ (محمد امین)

حسب الحکم یہ شہزادے بھی تختِ سلطانی کے، جس پر سونے کا چتر (بڑی چھتری) سایہ فگن تھا چپ وراست (دائیں بائیں) موجود تھے، قصر شاہی کے دروازے سے لے کر دربار تک دونوں طرف حبشیوں کا رسالہ اور سلطان کی خاص فوج ننگی تلواریں لئے ہوئے صف بستہ کھڑی تھی، باہر سڑکوں پر بھی دونوں جانب فوج باساز وسامان حاضر تھی۔

الغرض الحکم کے تخت پر جلوس فرماتے ہی پہلے شاہزادے تخت کے سامنے بڑھے، اور خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اطاعت وفرماں برداری کا حلف کیا، ان کے بعد اُمراء مملکت حسب مراتب آگے آتے اور بیعت[1] کی رسوم ادا کرتے گئے، پھر خاص فوجِ سلطانی نے جاں نثاری اور خیر خواہی کا حلف کیا۔ عوام الناس کے لئے عیسیٰ بن فطیس دوسرے مکان میں حلف لینے کے لئے حاضر تھا۔ ان مراسم کے ادا ہونے کے بعد دربار برخاست ہوا۔ سوائے شہزادوں اور وزیروں کے اور سب کو جانے کی اجازت دی گئی۔ شہزادوں کو قصر الزہرا میں رہنے کا حکم ہوا۔ الحکم نے اپنے باپ کے وقت کے وزیروں کو اپنی خدمتوں پر بحال رکھا، اور جعفر الصقلبی کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ اس امیر نے ایک رسالہ سو (۱۰۰) فرانسیسی سواروں کا مسلح، اور تین سو بیس مختلف اقسام کے زرہ بکتر، تین سو خود فولادی، اور پچاس خود چوبی، تین سو یورپ کی بنی ہوئی تلواریں، ایک سو سلطانیہ سپر، اور دس زرہ بکتر خالص چاندی کی جن پر طلائی کام کیا ہوا تھا بطور تحفہ پیش کئے۔

عیسائیوں سے محاربات

سرحدی عیسائی بادشاہوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی خلیفہ انتقال کرتا تھا، تو یہ ضرور

(۱) المقّری: رسم بیعت کا رواج شام اور بغداد میں بھی تھا گو خلیفہ اپنے حین حیات اپنا جانشین نامزد کر دیتا تھا، لیکن امراء اور رعایا کی منظوری لازمی تھی، لہٰذا رسم بیعت سلطنت کے قواعد میں جزو اعظم سمجھی جاتی تھی، ارکان خاندانِ شاہی اور امرائے سلطنت خود یکے بعد دیگرے اپنا ہاتھ سلطان کے ہاتھ میں رکھ کر اطاعت وجاں نثاری کا حلف کرتے تھے، اور فوج کی بیعت بذریعہ اُمراء ہوتی تھی۔

نئے خلیفہ کے اوائل زمانہ میں سرکشی کرتے تھے، اور اگر افسونِ سازش چل جاتا تھا تو اندلس پر حملہ بھی کر بیٹھتے تھے، چنانچہ اس دور کے آغاز میں بھی الجلاقہ نے سرحد میں داخل ہو کر مسلمانوں کو تکلیف دینی شروع کی، اگر الحکم ان کی تنبیہ و تادیب کے لئے فوراً فوج نہ بھیجتا، تو معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا؟! جس وقت خلیفہ کو سرحدی واقعہ کی اطلاع ہوئی، بہ بذاتِ خود فوج کثیر لے کر جلیقیہ کی طرف روانہ ہوا، اور فرڈلند بن غند شلب کے قلعہ شنست اشبتین کو فتح، اور منہدم کر کے مظفر اور منصور قرطبہ واپس آیا۔

لیکن الجلاقہ نے اس قدر تنبیہ کی پروانہ کی، اور بغاوت کو برابر جاری رکھا۔ الحکم نے اپنے پروردہ امیر غالب کو فوج دے کر روانہ کیا۔ جس وقت امیر غالب شہر سالم کے قریب پہنچا تو اس کو معلوم ہوا کہ عیسائی فوج بہ نسبت عربوں کے تعداد میں کہیں زیادہ ہے۔ مگر غالب توکل علی اللہ بغیر امداد طلب کئے ہوئے فوراً حملہ آور ہوا، اور سخت معرکہ آرائی کے بعد تعاقب کناں فرڈلند کی ریاست کے بڑے حصہ کو تاراج کرتا ہوا قرطبہ واپس آیا۔

ہنوز اس مہم کا تصفیہ نہ ہونے پایا تھا کہ، شانجہ بن ردمیر بادشاہ البشکنس نہ فقط خود معاہدوں کے خلاف ورزی کا مرتکب ہوا، بلکہ قرب و جوار کی دیگر عیسائی ریاستوں کو بھی نقض عہد پر آمادہ کیا۔ الحکم کو جب اس سازش کی اطلاع ہوئی یعلی بن محمد التجیبی حاکم سرقسطہ کو اس نقض عہد کے انسداد کا حکم دیا، شانجہ، بادشاہ جلیقیہ سے امداد کا خواستگار ہوا۔ بادشاہ مذکور مع اپنی فوج و خزانہ کے شانجہ (کے) پاس آیا، اور دونوں مل کر عربوں کے مقابلہ کی غرض سے آگے بڑھے۔ لیکن شہر قورینہ کے قریب امیر التجیبی نے اس متحدہ فوج کو ایک ہی مقابلہ میں منتشر کر دیا —— اسی اثناء میں برشلونہ اور قسطلہ سے بغاوت کی خبر پہنچی، خلیفہ نے امیر التجیبی کو اہل برشلونہ، اور ہذیل بن ہاشم اور غالب کو القومس رئیس قسطلہ کے مقابلہ کے واسطے مقرر کیا، ان اُمراء نے اپنے اپنے فرائضِ

منصبی کو نہایت حسن وخوبی سے انجام دیا۔

عربوں کا ایک اہم اصول

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں بھی عربوں کو نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں، اور بیرونی اور اندرونی عیسائی رؤسا کی قرار واقعی سرکوبی ہوتی رہی، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ مثل اس کے باپ اور دادا کے الحکم کو بھی عیسائیوں نے چین لینے نہیں دیا، اور جب موقع ملا سرحد پر فساد برپا کرتے رہے۔ البتہ فرانس کی (۱) مہمات میں عرب خود ہی پیش قدمی کرتے تھے۔

ایک اصول کے ـــــــ جس پر ان روزمرہ جھگڑوں سے نجات، اور ان کی (۲) حکومت کے استحکام اور بقاء کا تمام تر مدار تھا ـــــــ عرب نہایت سختی سے پابند تھے، اور وہ اصول یہ تھا کہ مسلمان اس ملک میں اس کثرت سے بسائے جائیں کہ تعداد میں عیسائیوں پر غالب آجائیں۔

چند ملکوں کی فتح اور مجوسیوں کا تعاقب

سنہ ۳۵۴ ہجری سے پھر سلسلۂ جنگ شروع ہوا، امیر غالب نے البشکنس اور اس کے صدر مقام قلمریہ کو، اور قائدِ وَشقہ (۳) نے شہر قطوبیہ (۴) پر قبضہ کر کے ان دونوں ملکوں کو مسلمانوں کی آبادی سے معمور کر دیا۔ اس کے بعد امیر غالب مہم البتہ (۵) پر مامور کیا گیا۔ اس کے ساتھ دو مشہور جنگ آزمودہ امیر یعلی بن محمد التجیبی، اور قاسم بن مطرف ذی النون بھی شریک تھے۔ ان تینوں امیروں نے اس ملک کو فتح کیا، اور قلعہ عرماج (۶) کی جس کو نصاری نے منہدم کر ڈالا تھا مکرر تعمیر کی۔

---

(۱) اصل میں ''کی'' کی جگہ ''کے'' ہے۔ (محمد امین) (۲) اصل میں ''کی'' کی جگہ ''کو'' ہے۔ (محمد امین) (۳) انگریزی میں ہویز کا کہتے ہیں۔ (۴) مسیو رومی اپنی تاریخ اندلس جلد ۴ باب ۱۶ میں لکھتا ہے کہ یہ قلعہ ''ہویز کا'' کے قریب تھا، مگر اس مقام کا انگریزی نام نہیں معلوم ہوا۔ (۵) انگریزی میں الادا کہتے ہیں۔ (۶) اس کو سان اسٹیوان ڈی گوماز کہتے ہیں۔ عرب اس کو عرماج اور شنت اشبتین دونوں کہتے ہیں۔

اسی سال یعنی سنہ ۳۵۴ھ میں مجوسیوں (۱) کے جہاز سواحل اندلس پر نمودار ہوئے، اور شہر بشونہ (۲) کے قریب اتر کر گردونواح کے مقامات کو تباہ وتاراج کرنا شروع کیا، لیکن وہیں کی متعینہ فوج نے بغیر مزید امداد طلب کئے ان کو اپنے حدود سے خارج کر دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع جب الحکم کو شہر قرطبہ میں پہنچی، یہ مع فوج کثیر بذات خود بشونہ آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے پہلے سواحل کے استحکام اور مضبوطی کا بندوبست کیا، اور متعدد قلعے لبِ دریا قائم کئے، پھر اپنے قائدالبحر عبدالرحمن رماحس کو حکم دیا کہ ایک بیڑا جنگی جہازوں کا لے کر مجوسیوں کا تعاقب کرے، اگر مل جائیں تو ان کو زندہ نہ چھوڑے، لیکن پھر ان کا پتہ نہ ملا، صرف اس قدر معلوم ہوا کہ جن مختلف مقامات پر مجوسیوں نے جہازوں سے اترنے کا قصد کیا تھا، وہاں کی رعایا نے مار پیٹ کر ان کو ایسا بھگایا کہ پھر یہ لوگ کہیں نظر نہ آئے۔

اردون چہارم کا قرطبہ آنا، اور شاہی دربار سے مرعوب ہونا

بشونہ سے واپسی کے بعد الحکم کو قرطبہ میں خبر پہنچی کہ اردون (۳) چہارم بن ادفونش بغرض انقیاد وفرمانبرداری حاضر ہوا چاہتا ہے۔ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ خلیفہ عبدالرحمن الناصر نے اردون کو غاصب ریاست قرار دے کر شانجہ بن ردمیر کے سپرد جلیقیہ کی حکومت کی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ خلیفہ مذکور کے مقابلے میں اردون نے اپنے خسر فرڈلند بن غندشلب قومس قسطلہ سے مدد چاہی تھی، الحکم نے بھی شانجہ بن ردمیر کی سرپرستی اور سابقہ معاہدوں کو قائم رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اردون جس وقت اس خبر سے مطلع ہوا بحالت پریشانی صرف بیس مصاحبوں کے ساتھ بغرضِ اظہارِ عقیدت وارادت مندی دارالخلافہ کا عازم ہوا۔

(۱) انگریزی میں ان کو نارمنز کہتے ہیں۔ (۲) بسن، یہ اب پائے تخت ریاست پرتغال کا ہے۔
(۳) جلیقیہ کا حکمران۔

چونکہ ان کے سرحدِ اندلس میں داخل ہونے کے اغراض کی اطلاع کسی کو نہ تھی، اس لئے جب یہ لوگ مدینہ سالم کے قریب پہنچے، امیر غالب الناصری نے ان لوگوں کو آگے بڑھنے سے روکا، اور بغیر اجازت حدودِ ممالک محروسہ میں اس طرح بغیر اطلاع داخل ہونے کی وجہ دریافت کی، اردون نے جس وقت امیر غالب کو بذاتِ خود آتے ہوئے دیکھا مع اپنے ہمراہیوں کے گھوڑے پر سے اتر پڑا، اور امیر کے ہاتھ کو بوسہ دے کر کہا کہ:

''میں اپنے تئیں امیر المؤمنین کا ایک ادنی غلام سمجھتا ہوں، اس لئے میں نے باضابطہ اجازت کی ضرورت نہیں سمجھی، اور اب میری دلی خواہش وتمنا یہ ہے کہ مجھ کو اپنے خلیفہ کی دولتِ قدم بوسی حاصل ہو''

مگر امیر غالب نے بغیر حکم ان کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی، اور الحکم کو اس واقعہ کی مفصل اطلاع کی، سلطان نے اردون کی درخواست کو منظور کیا، اور کچھ فوج بغرض استقبال روانہ کی، جس وقت اردون قریب دارالخلافہ پہنچا، الحکم نے امیر ہشام المصحفی کو مع فوج اردون کو شہر میں لانے کے لئے بھیجا۔

امرائے فوج کی شان وشوکت اور فوج کی کثرت وآراستگی ہی کو دیکھ (کر) اردون اور اس کے ہمراہیوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ نظر حیرت واستعجاب سے یہ اس تماشہ کو دیکھتا تھا، اور بسبب خوف کے ہر امیر کے سامنے گھوڑے سے اتر کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھا۔ غرض جس وقت یہ قصر الزہرا کے باب الجنان کے سامنے پہنچا، تو اس نے ایک امیر سے پوچھا کہ خلیفہ عبدالرحمن الناصر لدین اللہ کا مزار کس جگہ ہے؟ جب روضہ بتایا گیا تو یہ فوراً گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ اور ٹوپی کو ہاتھ میں لئے گھٹنوں کے بل قبر کے قریب جا کر بہت دیر تک سرنگوں رہا، اور پھر قصر الناعوۃ کی طرف چلا۔

الحکم نے اپنے ملک وسلطنت کی عظمت وبزرگی کا سکہ ان عیسائیوں کے دلوں پر جمانے کی غرض سے ایک عالی شان دربار کے —— کہ جس کو اس نے بتوجہ خاص نادر

وبیش قیمت سامان واسباب سے آراستہ کیا تھا —— انعقاد کا حکم دیا۔ بروز شنبہ [1] الحکم نے اردون کو باریابی کی اجازت دی، اس روز تمام فوج لباس فاخرہ سے آراستہ، راستہ کے دونوں جانب صف بستہ ایستادہ، قصر شاہی میں خلیفہ تخت طلا پر جو بیش بہا جواہرات سے مرصع تھا، بصد شان وشوکت رونق افروز، اور سر پر چتر گوہر نگار سایہ فگن —— سریر خلافت کے چپ وراست شہزادے بکمال ادب کھڑے، علمائے [2] عصر وامرائے سلطنت وارکانِ دولت اپنی اپنی جگہ پر حاضر۔ علماء جو اس دربار میں حاضر تھے، ان میں سب سے پہلے نظر مُنذِر بن سعید البلوطی جو علوم فقہ وحدیث میں مشہورِ زمانہ، اور الناصر کے زمانہ سے قاضی القضاۃ کے عہدے کو زیب دیتا تھا پڑتی تھی۔

خلیفہ کے تخت پر بیٹھنے کے کچھ دیر بعد اردون محمد بن القاسم بن طملیس کے ساتھ دربار میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ قرطبہ کے معزز عیسائی اور ان کا قاضی، مع دیگر افسر مثل ولید بن خیرون اور عبداللہ بن قاسم المطران شرف باریابی سے سرفراز ہوئے، جس وقت اردون قصر شاہی میں داخل ہوا، اس نے دیکھا کہ دوطرفہ فوج مسلح نہایت ہی مہذب وباقاعدہ ایستادہ ہے، کثرت فوج کو دیکھ کر حیران رہ گیا، اردون اس عجیب سماں کے مشاہدہ سے محو حیرت بنا ہوا، اور ہر بار صلیب کا [3] نقشہ اشارے سے اپنے سینے پر بناتا ہوا باب السقبہ تک پہنچا، جہاں چند معزز اشخاص اس کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ سب گھوڑوں پر سے اترے، اور پیادہ پاروانہ ہوئے، لیکن اردون اور اس کے ساتھیوں کو محمد بن طملیس نے اپنے ہمراہ گھوڑوں پر سوار رکھا، دار الجندل کے قریب پہنچ کر یہ دونوں گھوڑوں پر سے اترے، اور قصر میں داخل ہوئے، اور ایک چبوترے پر جس پر کارچوبی فرش بچھا ہوا تھا، تا انتظارِ حکم خلیفہ، عیسائی بٹھا دیئے گئے۔

(۱) المقری نے سنہ اور تاریخ نہیں دی۔ غالباً یہ واقعہ سنہ ۳۵۴ھ کا ہے۔ (۲) دربار میں علماء کا درجہ امراء اور ارکان دولت سے پہلے تھا (۳) عیسائیوں کا ایک فرقہ جن کو رومن کیتھولک کہتے ہیں برکت سمجھ کر، اور بعض وقت حالت استعجاب میں اپنے سینوں پر اشارہ سے صلیب کی شکل بنا لیتے ہیں۔

چند لحظوں کے بعد اردون کو اندر آنے کا حکم ہوا، یہ مع اپنے ہمراہیوں کے اس مقام کے قریب پہنچا، جہاں الحکم تخت پر بیٹھا تھا، اس مکان کی شان وشوکت کو دیکھ کر ایسا متحیر ہوا کہ سر پر سے ٹوپی اتار لی، اور کچھ دیر تک سر برہنہ کھڑا رہا۔ ملازمین نے اس کو آگے بڑھنے کے لئے اشارہ کیا۔ جب یہ قریب تخت کے پہنچا، اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوکر نہایت ہی ادب سے زمین کو بوسہ دیا، اور پھر آگے بڑھ کر اسی طرح زمین کو بوسے دیتا ہوا اس مقام پر پہنچا کہ جو اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ یہاں سے اس نے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، اور اسی طرح پیچھے ہٹتا ہوا سنہری کرسی پر جا بیٹھا، ملازمین کے اشارے کے موافق اس کے ہمراہیوں نے بھی یکے بعد دیگرے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، اور اسی طرح پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے بادشاہ اردون کی پشت پر آ کھڑے ہوئے۔ رعب سلطانی اور داب شاہی کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں تھے، ان کی کچھ کھلی کچھ بند ٹمٹماتی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔ اردون نے کئی بار ولید بن خیرون کے اشارے پر بولنے کی کوشش کی، لیکن ایک حرف بھی اس کی زبان سے نہ نکلا۔

الحکم اس کی یہ حالت دیکھ کر کچھ دیر خاموش رہا، تاکہ اس کو اپنے ہوش وحواس درست کرنے کا موقع ملے۔ بعدازاں خلیفہ نے اردون کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ:

''اے اردون! ہم تیرے یہاں آنے سے بہت خوش ہوئے، اور امید کرتے ہیں کہ تیری خواہشات پوری ہوں گی، ہماری اس قدر عنایت والطافِ خسروانہ سے جن کی تجھے امید بھی نہ ہوگی، تجھ پر ثابت ہوگیا ہوگا کہ ہم تیرے سچے دوست ہیں، اور نیک رائے اور مشورہ دینے کے لئے ہر وقت موجود ہیں''

جب خلیفہ کی اس تقریر کا ترجمہ ولید بن خیرون قائد نصاریٰ نے اردون کو سنایا، قریب تھا کہ فرطِ خوشی سے شادی مرگ ہوجائے، اس نے فوراً کرسی سے اٹھ کر تخت کے سامنے نہایت ادب سے زمین کو بوسہ دیا، اور عجز وانکسار کے ساتھ عرض کیا کہ:

''اے سردار میرے! میں امیر المؤمنین کا ادنی غلام ہوں، جس کی زیارت جمال، اور نیز جو ظلم وتعدی مجھ پر گزرا ہے، اپنے مالک کے گوش گزار کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، خوشا نصیب میرے!!! اگر امیر المؤمنین میری اس درخواست کو قبول فرمائیں، اور مجھ کو زمرۂ غلامانِ شاہی میں شریک کر کے عزت بخشیں! میں جائز درخواستیں لے کر صدق دل سے حاضر ہوا ہوں''

الحکم نے جواب دیا کہ:

''ہم تجھ کو اپنے خیر خواہانِ دولت میں شمار کرتے ہیں، اور ہم بخوشی تمام تیری ان درخواستوں کو منظور کرتے ہیں۔ جس سے تیری عزت وآبرو تیرے ہم عصر وہم پلہ رؤسائے نصاری میں زیادہ ہو، بیان کر کہ وہ درخواستیں کیا ہیں؟''

اس جواب کا ترجمہ شاہ اردون نے سن کر پھر زمین کو بوسہ دیا، اور دیر تک اسی طرح سربسجود پڑا رہا۔ پھر عرض پرداز ہوا کہ:

''یا امیر المومنین! اس واقعہ کے اعادہ کی ضرورت نہیں کہ جب میرے چچا زاد بھائی شانجہ نے اسی شہر دار الخلافہ میں حاضر ہو کر خلیفہ الناصر لدین اللہ کو اپنا بادشاہ اور اپنا سرپرست گردانا تھا، اور اس زبردست معاون نے فوراً مثل مشہور خلفائے سابق کے شانجہ کو بے یار ومددگار دیکھ کر اس کی مدد کی تھی، لیکن شانجہ نے اپنی خواہش سے نہیں، بلکہ بوجہ مجبوری امیر المومنین کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کی تھی۔ یہ واقعہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، کہ اس کی رعایا نے اس کی طرز حکومت اور جابرانہ برتاؤ سے بددل ومتنفر ہو کر مجھ کو اپنا بادشاہ بنایا، خدا گواہ ہے کہ نہ مجھ کو تخت وتاج کی خواہش تھی، اور نہ میں نے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن جب میری رعایا نے بتضرع وزاری مجھ کو مجبور کیا تو مجھ کو بھی اُن کی حالت زار پر رحم آیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد جنگ شانجہ کو دار الخلافہ میں پناہ لینی پڑی، لیکن سلطان عبد الرحمٰن الناصر لدین اللہ نے اس کو ریاست واپس دلا دی، اور میری سچی خیر خواہی اور فرمانبرداری پر لحاظ نہیں فرمایا، میں

نے بھی بخوشی تمام خلیفہ کے فیصلہ کو منظور کرلیا، اس لئے کہ میں اس کو مثل تیرے اپنا بادشاہ سمجھتا تھا۔ شانجہ بوجہ مجبوری اپنی رعایا کو اپنی حکومت سے ناراض اور اپنے اخراج پر آمادہ پا کر یہاں آیا تھا، مگر میں اپنی خواہش دلی ورضائے قلبی سے حاضر ہوا ہوں، نہ تو رعایا مجھ سے ناراض اور نہ اخراج کا مجھ کو خوف۔ میرے آنے کا منشا یہ ہے کہ میں اپنے کو مع رعایا اور ملک تیرے سپرد کر دوں، امید ہے کہ امیر المومنین ہم کو اپنے ظل عاطفت میں رکھنا منظور فرمائیں گے"

الحکم نے جواب دیا کہ:

"ہم نے تیری اس تقریر کو غور سے سنا، اور تیرے منشاء ومطلب کو خوب سمجھے، اس میں شک نہیں کہ میرے باپ کے زمانے میں شانجہ نے یہاں آکر اطاعت وفرمانبرداری قبول کی تھی، لیکن یہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم فیصلہ سابق کو انصاف ومعدلت کے مقابلہ میں بحال رکھیں، اگر تیرے حقوق بہ نسبت شانجہ کے ہم کو مُرجّح معلوم ہوں گے، تو ہم ضرور تیری مدد کریں گے، اور تیرے ملک کو واپس دلا دیں گے، اور بذریعہ اپنی سند شاہی کے تجھ کو اس ریاست کا حاکم مقرر کریں گے"

یہ مژدۂ جاں فزا سن کر اردون نے فرط خوشی میں نہایت ادب کے ساتھ زمین کو بوسہ دیا، اور پھر دست بستہ اس ہی جگہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ خلیفہ نے دربار کے برخاست کا اشارہ کیا، اردون ملازمین کے اشارہ سے اسی طرح پیچھے ہٹتا ہوا دربار کے باہر اس جگہ آیا، جہاں خواجہ سرا وغیرہ اس کو دوسرے مکان میں لے جانے کے لئے حاضر تھے۔ یہ لوگ اس کو قصر کے اس مغربی حصہ کی طرف لے گئے، جہاں سے یہ سبز وشاداب باغوں کا تماشا دیکھ سکتا تھا۔ اس کے اور اس کے ہمراہیوں کے چہروں سے ظاہر تھا کہ اس نادر اور خوبصورت اور مشیّن قصر نے، اور دربار کی شان وشوکت نے جس سے اس عظیم الشان سلطنت کا عظمت وجلال ظاہر ہوتا تھا۔ ان کے دلوں پر کس قدر اثر کیا ہے۔ قبل اس کے کہ اردون بالاخانہ پر پہنچتا، یہ ایک مقام سے گزرا، جہاں

ایک تختِ شاہی جس پر جواہر نگار غلاف پڑا ہوا تھا۔ اردون نے خالی تخت کے سامنے جا کر زمین کو بوسہ دیا، اور دیر تک مؤدب اس طرح کھڑا رہا جیسے کہ خلیفہ خود اس تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے بعد جب یہ اپنی قیام گاہ پر آیا، تو حاجب جعفر بن مصحفی نے اس کو کامیابی کی مبارک باد دی، اور سلطان کی جانب سے ایک خلعت مکلف مع ایک جواہر نگار کمر بند کے عطا کیا، جس کو دیکھ کر ان وحشی سرِ شتوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے ساتھیوں کو بھی خلعتہائے فاخرہ سے سرفراز کیا، الحکم نے اردون کی چرب زبانی اور خوشامد آمیز تقریر پر بھروسہ نہیں کیا، اور اس کے بیٹے غرسیہ کو یرغمال میں لیا، تاکہ جو وعدے اس نے کئے تھے ان کی تعمیل و تکمیل میں پہلو تہی نہ کرنے پائے۔

شانجہ کا عریضہ اور اس کی منظوری

اِدھر تو اردون خوش و خرم اپنے ملک روانہ ہوا، اور اُدھر شانجہ بن ردمیر کو یہ خبر وحشت اثر پہنچی کہ خلیفہ نے اس کے مخالف سے صلح کر لی ہے۔ حالتِ یاس و نومیدی میں اپنے مشیروں سے مشورہ کیا۔ سب کی یہی رائے ہوئی کہ اس وقت عربوں کی مخالفت خلافِ دانش ہے، بہتر یہی ہے کہ شانجہ بھی اپنے سر کو الحکم کے قدموں پر رکھ دے، اور وہ وعدے کہ جو عبدالرحمٰن الناصرلدین اللہ نے اس کے ساتھ کئے تھے یاد دلائے، ممکن ہے کہ خلیفہ اس کی درخواست منظور کر لے، چنانچہ شانجہ نے اپنی اور جلیقیہ اور سمورہ کے قومسین کی جانب سے ایک عریضہ امیر المومنین کی خدمت میں بایں مضمون روانہ کیا کہ:

''ہم لوگ خیر خواہان دولت بنی اُمیہ ہیں، اور امیر المومنین کو اپنا بادشاہ اور سرپرست سمجھتے ہیں، مثل خلفائے سابق کے ہم کو خلیفہ سے یہی امید ہے کہ ہم موروثی خیر خواہوں کو تا دمِ مرگ مدد ملتی رہے گی''

اس درخواست کو الحکم نے اس شرط سے منظور کیا کہ تمام سرحدی قلعے منہدم کر دیئے جائیں، اور اس امر کی احتیاط کی جائے کہ بدمعاش عیسائی ممالک محروسہ میں داخل ہو کر مسلمانوں کو پریشان نہ کرنے پائیں۔ شانجہ نے اس شرط کو قبول ہی نہیں کیا بلکہ حکم کی

فوراً تعمیل کردی۔

دیگر سفیروں کا قرطبہ آنا اور الحکم کی شرطوں کو منظور کرنا

اِن واقعات کے بعد برشلونہ اور طرکونہ ودیگر ممالک کے بادشاہوں نے بھی سابق کے معاہدوں کی تجدید کی درخواست کی، اور بیش بہا تحائف خلیفہ کی خدمت میں روانہ کئے۔ الحکم نے جواب دیا کہ یہ درخواستیں ہم اسی وقت منظور کریں گے کہ جب تم لوگ مثل دوسرے بادشاہوں کے حسب ذیل شروط قبول ومنظور کرو گے۔

① ممالک محروسہ کی سرحد کے قریب جتنے قلعے قائم کئے گئے ہیں منہدم کردیئے جائیں۔

② عیسائی ہماری سرحد میں داخل ہوکر مسلمانوں کو پریشان نہ کرنے پائیں۔

③ اگر کوئی عیسائی بادشاہ ہمارے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو تو اس کی مدد نہ کریں۔

④ اگر کوئی عیسائی ہم سے جنگ کا قصد کرے تو اس کو اپنے ارادہ سے باز رکھیں۔

ان عیسائیوں میں اتنی کہاں ہمت تھی کہ وہ ان شرائط پر کسی قسم کا اعتراض کرتے، شرائط کو بہ منزلہ حکم کے مان کر فوراً منظور کرلیا۔ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی غرسیہ بن شانجہ والی البشکنس نے بھی اپنے مذہبی علماء اور قومسین کو بھیج کر آئندہ اطاعت وفرمانبرداری کا وعدہ کیا۔ باوجود بغاوت سابقہ خلیفہ نے اس کی خطاؤں کو معاف اور اس کی درخواست اور تحائف کو منظور کیا۔

قسطلہ کی شہزادی کا قرطبہ آنا

القومس لذریق بن بلاشک کی ماں بھی قرطبہ بغرض ملاقات آئی، الحکم نے اس کی بہت کچھ خاطر ومدارات کی، اور اس کی خواہشوں کو پورا کیا، غرض قریب وبعید کا کوئی عیسائی بادشاہ ایسا نہ تھا جس نے خلیفہ اندلس کے ساتھ مراسم دوستی اور اتحاد قائم کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔

واقعاتِ افریقہ

یہاں تو یہ واقعات پیش تھے، لیکن افریقہ کی حالت دگرگوں ہوتی جاتی تھی، یہ ہم اوپر تحریر کرآئے ہیں کہ ابوعیش کی وفات کے بعد الحسن بن اکنون اس کا بھائی یہاں کے تخت پر بیٹھا تھا۔ یہ بنی امیہ کا مطیع اور خیر خواہ بنا رہا، یہاں تک کہ خلفائے اندلس کا خطبہ بھی اپنے ملک میں جاری کیا تھا۔ اسی زمانہ میں بلکین بن زیری بن مناد ایک شریر امیر نے فوج کثیر کے ساتھ مغربُ الاقصیٰ پر حملہ کیا، اور ایک بہت بڑے حصہ ملک کو اپنے قبضہ میں کرلیا، لیکن بنی امیہ کی حکومت کو چنداں ضرر نہیں پہنچا، اور نہ اس ملک کی حالت میں زیادہ تغیر وتبدل واقع ہوا، مگر جب معد بن اسماعیل تخت بنی فاطمہ پر متمکن ہوا، اور اس نے سنا کہ مغربُ الاقصیٰ میں بنی امیہ کی قوت روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے، اس نے امیر جوہر کو یورش کا حکم دیا۔ اس وقت شہر طنجہ میں منجانب بنی امیہ یعلی بن محمد حاکم مقرر تھا۔ امیر جوہر کی یورش کی خبر سن کر یہ امیر بھی اس کے مقابلے کی غرض سے آگے بڑھا، عین میدان جنگ میں جب امیر یعلی بن محمد نے دیکھا کہ کامیابی کی کوئی امید باقی نہیں، اور فوج کو شکست مل چکی ہے، اس نے تنہا فوجِ دشمن پر مردانہ وار حملہ کیا اور شہید ہوا۔ اس کامیابی کے بعد امیر جوہر نے شہر فاس کو فتح کیا، اور حاکم شہر کو قتل کر کے ملک کو تاراج کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

جس وقت اس حادثۂ عظیم کی اطلاع قرطبہ پہنچی مسلمانوں کو بے انتہا رنج ہوا، الحکم نے فوراً امیر غالب کو اس حکم کے ساتھ مع فوج روانہ کیا کہ بغیر ملک فتح کیے اندلس واپس نہ آئے امیر غالب سنہ ۳۶۲ھ میں جب افریقہ پہنچا اس نے سنا کہ الحسن بن اکنون قلعہ حجر النصر میں موجود ہے، یہ پہلے وہیں آیا، اور قلعہ کو فتح اور الحسن کو گرفتار کر کے شہر فاس کی طرف متوجہ ہوا، جس کو بآسانی فتح کرلیا۔ غرض ایک سال کے عرصہ میں اس نے تمام ملک پر بنی امیہ کی حکومت قائم کردی، اور سوطا ہوتا ہوا سنہ ۳۶۳ھ میں مع قیدیوں کے اندلس واپس آیا۔

الحکم کی اس وقت مسرت کا کیا پوچھنا تھا جس وقت یہ امیر قریب دارالخلافہ کے

(۱) اصل میں ''معد'' کی جگہ ''مغز'' ہے، الاعلام سے تصحیح کی گئی ہے، ۷: ۲۶۵ (محمد امین)

پہنچا، خلیفہ نے امرائے سلطنت کو مع فوج اس کے استقبال کے لئے بھیجا، اور شہر کے دروازے کے باہر بذات خود اپنے لائق افسرِ فوج کو لینے گیا۔ خلیفہ مع وزراء اور ارکانِ دولت کے سر سے پا تک مسلح سفید گھوڑے پر سوار تھا۔ امیر غالب سُرنگ (۱) گھوڑے پر سوار زرہ بکتر فولادی پہنے ہوئے سامنے سے نمودار ہوا۔ امیر کے دستِ راست کی جانب الحسن تھا۔ جس وقت ان دونوں نے امیر المومنین کو بغرض استقبال آتے دیکھا گھوڑوں پر سے اتر پڑے، اور خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ الحکم خندہ پیشانی کے ساتھ الحسن سے ملا۔ بلکہ اسی وقت اس کی اور اس کے ساتھ تمام قیدیوں کی خطاؤں کو معاف، اور ان کو انعام وخلعتِ فاخرہ سے سرفراز کیا۔

علم کا شوق اور صاحبِ علم وفن اور اہل کمال کی قدردانی

الحکم علم وکمال کا عاشق، اور صاحب علم وفن کو بدل عزیز رکھتا تھا، اہلِ کمال بھی دور دور سے اس کی بیدار مغزی اور قدردانی کی تعریف سن کر اندلس میں اقامت اختیار کرنے کی غرض سے آتے، اور ملازم ہو جاتے تھے۔ چنانچہ قلیل عرصہ میں اس کا دربار مشہور علمائے وقت اور فُضلائے عصر سے معمور ہو گیا۔ یہاں ہم اس کے دربار کے چند مشہور علماء کا بہت مختصر طور پر ذکر کرتے ہیں۔

ابوعلی القالی بغدادی

ابوعلی القالی بغدادی جو عبدالرحمٰن کے زمانہ حکومت میں اندلس آیا تھا، نہایت نامی عالم تھا، الحکم اس کو اپنے پاس سے ایک دم بھی جدا نہ کرتا تھا، اس کی صحبت سے جو کچھ فیض اس کو پہنچا تھا اس پر فخر وناز کرتا تھا۔ کتاب الامالی اس کی معروف تصنیف ہے۔

ابوبکر الاَزرَق

ابوبکر الازرق خاندانِ سلمہ بن خلیفہ عبدالملک بن مروان سے، اور اپنے زمانے میں سربرآوردہ عالم تھا۔ سنہ ۳۴۳ھ میں قاہرہ

(۱) سُرنگ: ایسا گھوڑا جس کی ایال اور دُم کے بال سرخ ہوں (محمد امین)

سے افریقہ آیا۔ جب یہ قیروان پہنچا اہل تشیع نے جو کہ وہاں حکمران تھے، اس کو بجبر مذہب بدلنے پر مجبور کیا۔ جب اس نے صاف انکار کیا تو یہ مہدیہ کے تاریک جیل خانہ میں قید کر دیا گیا، جہاں روزانہ روحی اور جسمانی ہر طرح کی تکلیف اس کو پہونچائی جاتی تھی، لیکن جب شیعوں نے اس کو اپنے مذہب پر مضبوط اور ثابت قدم پایا تو ناچار رہا کر دیا۔ بعد رہائی یہ سنہ ۳۴۹ھ میں اندلس آیا، اور دار الخلافہ قرطبہ میں قیام پذیر ہوا۔ الحکم نے اس کے علم و کمال کی شہرت سن کر اس کو اپنے علمائے دربار میں جگہ دی۔ ابو بکر سنہ ۲۲۹ھ میں بمقام قاہرہ پیدا ہوا، اور ماہ ذیقعدہ سنہ ۳۸۵ھ میں قرطبہ میں انتقال کیا۔

ثفر البغدادی

ثفر البغدادی اپنے زمانہ کا مشہور نام برآوردہ خوشنویس تھا۔ بغداد سے قرطبہ آیا، اور اس ہی کو اپنا وطن بنایا، گو اس وقت الحکم کے دربار میں عمدہ سے عمدہ خوشنویس مثل القیاس بن عمر الصیقلی اور یوسف البلوطی وغیرہ موجود تھے، لیکن ثفر کا خط خلیفہ کو اس قدر پسند آیا کہ یہ نوکر رکھ لیا گیا، اور کتابوں کے لکھنے اور نقل کرنے کا کام اس کے سپرد ہوا۔

اسماعیل بن عبدالرحمٰن قریشی

اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن علی القریشی کا سلسلہ عبد بن زمعہ، سودۃ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بھائی سے ملتا تھا، قاہرہ سے اندلس آیا، اور شہر اشبیلیہ میں سکونت اختیار کی، الحکم نے اس عالم اور مصنف کی بھی بہت قدر کی، اور اپنے دربار میں شریک کیا۔

الحکم کا پایۂ علم اور اس کا کتب خانہ

گو اندلس کے خلفائے سابق بھی اکثر علم وفن کے بہت قدردان اور ماہر گزرے، لیکن الحکم کو علم ادب اور فلسفہ [1] سے ایک خاص مناسبت اور دلچسپی تھی۔ باوجودیکہ اس زمانہ کے مشہور علماء کو اس نے اپنے گرد جمع کیا تھا، لیکن اس کا بھی پایۂ علم ان سے

(۱) علوم فلسفہ نے الحکم کے زمانہ میں اندلس میں اشاعت پائی۔

کچھ کم نہ تھا۔اس نے اندلس کو معدن ہر قسم کے علم و کمال کا بنا رکھا تھا، کوئی کتاب کسی علم میں ایسی نہ تھی جو اندلس میں نہ ملتی ہو۔خلیفہ بے دریغ روپیہ خرچ کر کے مصنفین سے کتابیں خرید کرتا تھا، اور اپنے ملک میں مشتہر کراتا تھا، گو وہ مصنف مشرق الاقصیٰ کا رہنے والا کیوں نہ ہو، لیکن اس کی تصنیف پہلے اندلس ہی میں شائع ہوتی تھی، اور یہیں سے دیگر ممالک میں اشاعت پاتی تھی۔ چنانچہ ابوالفرج اصفہانی کو اصفہان، اور ابوبکر المالکی کو جس نے ابن عبدالحکم کی مشہور کتاب "المختصر" کی شرح لکھی تھی، ایک ایک ہزار دینار سرخ بھیج کر ان کی تصانیف منگا بھیجیں۔سب سے پہلے یہ کتابیں اندلس میں شائع کی گئیں۔

مذکورہ بالا مثالیں ہم نے بطور نظیر کے دی ہیں، ورنہ کوئی مصنف شرق اور غرب میں ایسا نہ تھا، جس کو زر کثیر بھیج کر سلطان نے از راہ قدر دانی بُلا نہ بھیجا ہو، یا اس کی کتاب خرید کر اندلس میں شائع نہ کی ہو۔

اس کے کتب خانے میں چار لاکھ کتابیں نفیس اور عمدہ جلدوں سے آراستہ موجود تھیں، جن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے میں چھ مہینہ صرف ہوتے تھے۔اس کتب خانہ کے ساتھ اگر کوئی کتب خانہ ٹکر کھاتا تھا (تو) وہ خاندان عباسیہ کے سلطان الناصر بن مستحفی باللہ کا کتب خانہ تھا، جس کو ہلاکو خان نے تاراج کیا، اور اندلس کا کتب خانہ اہل بربر کے ہاتھوں تباہ ہوا۔

کتب خانہ مختلف فنون پر منقسم تھا، ہر فن کی کتب کا انتظام اُن ہی لوگوں کے سپرد تھا جو اس فن میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ قاسم بن اصبغی اور احمد بن دھیم اور محمد بن عبدالسلام اور زکریا بن خطاب اور ثابت بن قاسم کو علاوہ نگرانی کتب خانہ، خلیفہ کی اُستادی کا بھی شرف حاصل تھا۔

الحکم خود علم تاریخ اور علم الرجال اور معدنیات میں کامل دست گاہ رکھتا، اور ان علوم میں یہ اعلیٰ درجہ کا مصنف مانا جاتا تھا، اس کے شوق کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ اس

کے کتب خانہ میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس پر اس کے خاص قلم کا حاشیہ نہ ہو۔ علاوہ علمائے مذکورہ بالا کے ابوعبداللہ محمد بن عبدون العذری اس کا ایک خاص طبیب تھا، جس نے ایک مدت دراز تک مصر میں رہ کر اس فن کو حاصل کیا، اور ایسا نامی ہوا کہ دور دور سے لوگ بغرض علاج اس کے پاس آتے تھے۔ ابوعبداللہ محمد بن مفرج نے علم فقہ اور حدیث میں نام پیدا کیا تھا۔ ابن مغیث اور احمد بن عبدالملک اور ابن ہشام القومی اور یوسف بن ہارون اور ابوالولید یونس اور احمد بن سعید بن ابراہیم الہمدانی شعر وسخن کی خدائی کا دعوی کرتے تھے۔ محمد بن یوسف التاریخی نے جو الورّاق یعنی کاغذ فروش کے لقب سے بھی مشہور ہے، الحکم کے حکم سے ایک صحیح تاریخ ملک افریقہ کی مع جغرافیہ لکھی تھی۔ عیسی بن محمد ابوالاصبغ اور ابوعمر احمد بن فرج اور یعیش بن سعید بن محمد ابوعثمان۔ اندلس کے نامی مورخ تھے۔ ان علماء اور مصنفین کی تصانیف سے الحکم کا کتب خانہ مزین تھا۔

الحکم ثانی کے ذاتی حالات

الحکم ثانی المستنصر باللہ نہایت رحم دل اور منصف مزاج بادشاہ تھا، یہ آخر زمانہ میں کتب بینی اور تالیف وتصنیف کی طرف اس قدر مشغول، بلکہ محو ہوا کہ انصرامِ سلطنت اپنے وزراء اور ارکان دولت پر چھوڑ دیا تھا، یہ لوگ حکومت کے شائق، خلیفہ کو بالکل بے فکر اور دوسرے اشغال میں مصروف دیکھ کر جو جی چاہتا تھا کر بیٹھتے تھے۔ آپس کے بغض وحسد نے اہم معاملات کی طرف مثلاً سرحدی انتظام اور نصاری کی بغاوت کی نگہبانی سے بالکل بے خبر کر رکھا تھا۔ چونکہ عبدالرحمٰن ثالث نے اپنے زمانہ حکومت میں وہ رعب عیسائیوں کے دلوں پر جمایا تھا، جس کا اثر قلیل زمانے میں زائل نہیں ہوسکتا تھا، اسی وجہ سے الحکم کے عہد حکومت میں کوئی ایسا نقص واقع نہیں ہوا جس کا اثر فی الفور ظاہر ہوجاتا، لیکن اس کے بعد ان افسوسناک واقعات کا سلسلہ شروع ہوا، جس

سے یہ عظیم الشان سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔

الحکم نہایت پابند مذہب اور متشرع آدمی تھا، نماز جمعہ ہمیشہ مسجد قرطبہ میں اپنی رعایا کے ساتھ پڑھا کرتا تھا، اور علماء اور حکام عدالت کو تاکیدی حکم دے رکھا تھا، کہ اس کے قلم رو میں کسی فرد بشر سے کوئی فعل خلاف شرع سرزد نہ ہونے پائے۔ بالخصوص شراب پینے والوں اور شراب فروشوں کے لئے سنگین سزائیں مقرر کی گئیں تھیں۔ کروڑ ہا روپیہ[1] مدارس اور مساجد پر خرچ کیا گیا تھا۔ حمام اور سرائیں اور آبدار خانے اور تجارت گاہیں تمام ممالک محروسہ میں بخرچ سرکاری قائم کی گئیں تھیں۔

الحکم کی چشم پوشی اور اس کا انتقال

رحم دل اس قدر تھا کہ اکثر عدول حکمی سے چشم پوشی کر جاتا تھا۔ چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابو ابراہیم نامی فقیہ اپنے مکان کے قریب کی مسجدِ ابو عثمان میں جس کا یہ امام بھی تھا وعظ بیان کر رہا تھا۔ علماء اور طلباء ہزار ہا آدمی جمع تھے۔ ابو القاسم بن مفرج کا بیان ہے کہ:

باوجودیکہ مجھ کو ابو ابراہیم کے خیالات سے بہت کچھ اختلاف تھا، لیکن اس روز اتفاقاً میں بھی شریک مجلس وعظ تھا۔ ہم لوگ باادب خاموش بیٹھے ہوئے سن رہے تھے کہ اتنے میں سلطانی خواجہ سرا مسجد میں آیا، اور ابو ابراہیم سے نہایت ادب سے سلام کے بعد کہا کہ امیر المومنین نے تجھ کو اسی وقت حاضر ہونے کا حکم دیا ہے، اور باہر تیرا انتظار کر رہا ہے۔

اس واعظ نے جواب دیا کہ میں ضرور امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کرتا، لیکن تو خود دیکھ رہا ہے کہ میں خانۂ خدا میں اپنے معبود برحق کے کام میں مشغول ہوں، جب تک کہ

(۱) عبدالرحمٰن ثالث نے باوجود بے دریغ داد و دہش اور رفاہ عام کے کاموں پر روپیہ صرف کرنے کے بوقت انتقال دو کروڑ دینار سرخ خزانہ میں چھوڑے تھے (فی دینار سرخ تقریباً تیرہ روپیہ سکہ حیدرآباد دکن کا ہوگا) ہسٹری آف دی عرب مصنفہ نکلسن صفحہ ۱۴۱ طبع سنہ ۱۹۰۷ء۔

میں یہاں سے فراغت حاصل نہ کرونگا، دربار میں حاضر نہیں ہوسکتا۔ تو یہی جا کر امیر المومنین کی خدمت میں عرض کر دے —— یہ کہہ کر ابوابراہیم نے پھر وعظ شروع کر دیا۔

خواجہ سرا نہایت متعجب ہوا، اور ڈرتے ڈرتے خلیفہ کو یہ جواب پہونچایا۔ اور پھر مسجد میں آکر ابوابراہیم سے کہا کہ امیر المومنین نے بعد سلام یہ کہلا بھیجا ہے کہ:

''میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ تو خدا کے کام میں بدل مصروف ہے۔ بعد ختم وعظ دربار میں حاضر ہو''

ابوابراہیم نے جواب دیا کہ ''بوجہ کبرسنی نہ میں پیدل چلنے کی طاقت رکھتا ہوں، اور نہ گھوڑے پر بیٹھ سکتا ہوں۔ باب السدۃ تک آنا محال ہے، لیکن باب الصنع اس مسجد سے قریب ہے، اگر امیر المومنین بمراحم خسروانہ اس کے کھولنے کا حکم دیں تو میں بلاتکلیف بسہانی دربار میں حاضر ہوسکتا ہوں''

خواجہ سرا نے یہ جواب بھی خلیفہ کو پہونچایا—— اور آکر کہا کہ امیر المومنین نے تیرے حسب استدعا اسی دروازے کے کھولنے کا حکم دیا ہے۔ یہ کہہ کر خواجہ سرا وہاں بیٹھ گیا، ابو ابراہیم نے باطمینان تمام اپنے وقت مقررہ پر وعظ کو ختم کیا، اور خواجہ سرا کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا، اور پھر اسی دروازے سے اپنے گھر واپس آیا۔ ابوالقاسم اسی سلسلے میں مُقر ہے کہ باب الصنع کو جو ہمیشہ بند رہتا تھا، اور خاص خاص موقعوں پر کھولا جاتا تھا، اسی شب کو کھلا دیکھا تھا، جہاں شاہی ملازمین ابوابراہیم کے انتظار میں کھڑے تھے۔

الحکم ثانی المستنصر باللہ سنہ ۳۰۲ھ میں پیدا ہوا، اور سنہ ۳۶۶ھ م سنہ ۹۷۶ء میں ترسٹھ (۶۳) برس کی عمر میں انتقال کیا۔
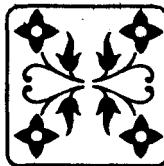
بابِ ہشتم(۱)

ہشام ثانی کی تخت نشینی ـــــ المغیرہ کا قتل ـــــ جعفر بن عثمان المصحفی ـــــ المنصور اور اس کی سازشیں ـــــ اس کا انتظام مملکت ـــــ نصاری کے ساتھ جنگ ـــــ زیری ابن عطیہ ـــــ ہشام اور علم وفن ـــــ عبدالملک بن منصور ـــــ عبدالرحمٰن بن منصور۔

ہشام ثانی کی تخت نشینی

الحکم نے انتقال سے قبل اپنی جانشینی کے لئے ہشام کا انتخاب کیا تھا، جس کی عمر اس کے انتقال کے وقت تقریباً گیارہ برس کی تھی۔ خلیفہ کی مدت سے دلی خواہش یہی تھی کہ ہشام اس کے بعد تخت وتاج کا وارث سمجھا جائے۔ لیکن اس کی کم سنی اور ناتجربہ کاری کے باعث اس پر ایک طرح کی مایوسی چھا گئی تھی۔ بعد غور وتامل الحکم نے اپنے انتقال سے چند ماہ قبل اپنے تمام امرائے دولت اور ارکانِ سلطنت کو جمع کیا، اور ان سب سے حلفی وعدہ کیا کہ بعد اس کے یہ لوگ ہشام کی اطاعت وفرماں برداری سے مُنحَرِف نہ ہوں، حلف نامہ پر ان کی سب دستخطیں لے کر حاجب المصحفی اور معتمد سلطنت محمد بن ابی عامر کو اپنی زوجہ ''سلطانہ صبح'' کی نگرانی میں جو نہایت لائق اور سمجھ دار عورت تھی ہشام کا اتالیق مقرر کیا، پس الحکم کی اس نصیحت کے موافق ہشام

(۱) اصل کتاب میں ''ہشتم'' کے بجائے ''ہفتم'' ہے، (امین)

ثانی المؤید باللہ سنہ ۳۶۶ھ مطابق سنہ ۹۷۶ء میں اپنے موروثی تخت پر بیٹھا۔

ہشام کے چچا المغیرہ کا قتل

لیکن جس وقت الحکم جان بحق تسلیم ہوا بعض ملازمین اور امراء نے ہشام کے خلاف اور اس کے چچا المغیرہ کی تائید میں سازش شروع کی۔ چنانچہ ادھر تو خلیفہ کا دم نکلا اور اُدھر دو خواجہ سراؤں نے جن کے نام فائق اور جوذر تھے آپس میں یہ اتفاق کیا کہ:

''اگر یہ کم عمر لڑکا تخت نشین ہوا تو جعفر المصحفی ہمارے ارادوں کو کبھی پورا نہیں ہونے دے گا، بلکہ ہم کو بے کار کر دے گا۔ مناسب یہی ہے کہ ہشام کے چچا المغیرہ کو تخت پر بٹھا دو، اور المصحفی کو موقع پا کر قتل ڈالو''

جوذر نے المغیرہ کے انتخاب سے تو پوری رضامندی ظاہر کی، لیکن المصحفی کے متعلق بیان کیا کہ محسن دیرینہ کا قتل مناسب نہیں، فائق نے جواب دیا کہ سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ المصحفی مار ڈالا جائے۔

بعد اس کے ان دونوں نے جعفر المصحفی کو الحکم کے انتقال کی اطلاع کی، اور المغیرہ کو تخت پر بٹھانے کی رائے دی، جعفر ایک جہاں دیدہ اور مدبر آدمی تھا۔ ان خواجہ سراؤں کے اصل مطلب پر فوراً جا پہنچا۔ اور یہ جواب دیا کہ:

''ایسے وقت نازک میں جو تمہاری رائے مصلحت اندیش ہو اس پر کار بند ہو۔ چونکہ تم لوگ بحیثیت معتمد خانگی بہت کچھ وقعت اور قوت رکھتے ہو، اور میرا کام یہ ہے کہ تمہارے حسب منشا کام کروں''

یہ کہہ کر المصحفی قصر شاہی سے باہر آیا، اور تمام فوج اور افسران فوج کو اس حادثۂ عظیم کی اطلاع کی۔ فائق اور جوذر کی سازش سے سب کو آگاہ کیا اور کہا کہ ''اگر ہم اپنے آقائے مرحوم کے وارث حقیقی کو اس حق سے محروم کریں گے تو دین و دنیا دونوں میں سوائے بدنامی اور رسوائی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا''

امراء اور ارکانِ دولت پہلے ہی ہشام کی اطاعت کا حلف لے چکے تھے، المصحفی

نے ان ہی کے مشورہ سے فوراً المغیرہ کے مکان پر محمد بن ابی عامر [۱] کو دستہ فوج کے ساتھ بھیجا، اور یہ حکم دیا کہ اس کو فوراً قتل کر ڈالے۔ جب ابن ابی عامر [۲] نے المغیرہ کو خلیفہ کے انتقال اور ہشام کی تخت نشینی کی خبر پہونچائی تو اس کو ان واقعات سے بے خبر پایا۔ المغیرہ دفعتاً خلیفہ کے انتقال کی خبر سن کر سخت پریشان ہوا، اور جواب دیا کہ میں اپنے نئے آقا کی بجا آوریٔ احکام اور خیر خواہی کے لئے حاضر ہوں، اس خلاف امید خیر خواہانہ جواب سے ابن ابی عامر [۳] بہت متفکر ہوا، اور المصحفی کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ جواب یہ آیا کہ ''فوراً قتل کر ڈالو اور اگر تم کو اس حکم کی تعمیل میں کچھ عذر ہے تو میں دوسرے کو روانہ کرتا ہوں'' چنانچہ المغیرہ مار ڈالا گیا۔

منصور کی سازشیں اور جعفر مصحفی کی معزولی

المغیرہ کے قتل کے بعد ابن ابی عامر نے ہشام کو اپنے قبضے میں لانے کی کوشش کی، اور جب دیکھا کہ المصحفی اور امیر غالب جیسے وزراء اور امرائے باوقعت کے

(۱) اصل کتاب میں ''محمد بن عامر'' ہے (محمد امین) (۲) اصل میں ''ابن ابی عامر'' کی جگہ ''ابی عامر'' ہے، اور آگے بھی جہاں اس کا نام آیا ہے کہیں ''ابی عامر'' اور کہیں ''ابن عامر'' ہے۔ ہر جگہ سیاق وسباق دیکھ کر تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

(۳) محمد بن ابی عامر کا سلسلہ نسب عبد الملک المعافری سے ملتا ہے جو طارق کے ہمراہ اندلس کے فتح کرنے میں شریک تھا۔ ابن ابی عامر کا لقب المنصور تھا، اس کا باپ عبداللہ فقیہ اور محدث تھا، لیکن ابن ابی عامر کے عروج تک اس کے حسب ونسب سے کوئی واقف نہ رہا تھا۔ اس کی ترقی ''سلطانہ صبح'' کی وجہ سے ہوئی جس کا یہ عرصہ تک خانگی ملازم رہا۔ اس نے خالص چاندی کا ایک مکان کا نقشہ سلطانہ کو بطور نذر دیا۔ جس کے صلہ میں سلطانہ نے الحکم سے اس کی اس قدر تعریف اور سفارش کی کہ الحکم نے ایک روز اہل دربار سے کہا کہ: ''اس لڑکے نے تحفے دے کر ہمارے سب محلوں (رانیوں) کو اپنا سرپرست اور معاون بنالیا ہے'' غرض بالآخر ابن ابی عامر ولی عہد ہشام کا اتالیق مقرر ہوا۔ المَقَرِی کا قول ہے کہ یہ نہایت خود غرض اور سفاک شخص تھا۔

مقابلے میں اپنے دلی مقصد کو پہنچنا غیر ممکن ہے، تو اس نے احسانات سابقہ کو بالائے طاق رکھا اور امراء اور وزرائے دولت میں باہمی دشمنی پیدا کر کے سب کو معطل و بے کار کر دیا، اور خود سلطنت کا مختار بن بیٹھا، ابن ابی عامر کی سازش کا واقعہ ہم ذیل میں تفصیل کے ساتھ تحریر کرتے ہیں۔

جس وقت ہشام تخت پر بیٹھا۔ جعفر المصحفی نے تمام انتظام ملک کو اپنے ذمہ لیا، اور تمام غیر ضروری شان وشوکت کو چھوڑ کر اپنے ملک ومالک کی خیر خواہی میں مصروف ہوا، لیکن محمد بن ابی عامر کبھی کسی معاملے میں اس کی سختی دیکھتا تھا، تو خفیہ طور پر المصحفی کو نہایت خودغرض اور ظالم ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ چونکہ عوامُ الناس کو بھی اس کی خودغرضانہ فیاضی نے اس کا خیر خواہ اور طرفدار بنادیا تھا، اس لئے وہ لوگ بھی اس کا ساتھ دیتے تھے۔ ان واقعات سے بےخبر المصحفی اس کو فی الحقیقت اپنا سچا دوست اور خیر خواہ سمجھتا تھا۔ گو ابن ابی عامر بھی بظاہر اس وزیر کو اپنا سرپرست ومحسن بنائے ہوئے تھا۔ لیکن یہ خوب جانتا تھا کہ المصحفی کی نظروں میں اس کی کچھ وقعت نہیں ہے۔

پس اس نے ملکہ صبح کو اپنی فطانت اور چالاکی سے ایسا راضی کیا کہ ملکہ نے ایک حکم بایں مضمون المصحفی کو بھیجا کہ آئندہ سے تمام اہم معاملات ریاست میں ابن ابی عامر کو بھی شریک کیا جائے، المصحفی نے خالی الذہن اس حکم کی فوراً تعمیل کی، بلکہ اس روز سے ابن ابی عامر کو اور زیادہ عزیز رکھنے لگا۔ سب سے پہلے اس نے المصحفی کے ذریعہ سے فوج صقالب کو جو ہمیشہ محل شاہی پر متعین رہا کرتی تھی برخاست کرادیا، اور ان افسر اور ملازموں کو جو اس کی ترقی کے حائل ہوتے تھے، تھوڑوں کو خارج البلد اور باقی کو قتل کروا ڈالا، اور بجائے ان کے اپنے خیر خواہ اور معتمد اشخاص کا تقرر کیا۔

اس کے بعد اس نے المصحفی اور امیر غالب میں مخالفت پیدا کرنے کی کوشش

کی۔ غالب ایک سیدھا سادہ سپاہی تھا، بہت جلد اس کے پھندوں میں پھنس گیا، اور یہ ۔۔۔ کر کے کہ المصحفی کو مجھ جیسے ہم سر مدِّ مقابل کا رہنا پسند نہیں۔ وزیر اعظم کی عدول حکمی کرنے لگا، المصحفی نے غالب کے طرز عمل کی شکایت مجلس امراء سے کی، سب کی یہی رائے ہوئی کہ کسی امر کی نافہمی سے جو نزاع پیدا ہوئی ہے اس کی صفائی کر لینی چاہئے۔ محمد بن ابی عامر کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان دونوں میں فی الحقیقت صلح نہ ہو جائے، اس نے غالب سے ملنے کی کوشش کی، اتفاقاً امیر غالب کسی سرحدی نزاع کے تصفیہ کی غرض سے اپنی فوج کے ساتھ گیا ہوا تھا، ابن ابی عامر بھی اجازت حاصل کر کے عیسائیوں کے انسداد کے لئے قرطبہ سے روانہ ہوا، ان مہمات کے تصفیہ کے بعد یہ دونوں راستے میں ایک دوسرے سے ملے، اور آپس میں یہ عہد و پیمان ہوا کہ جعفر المصحفی جہاں تک جلد ممکن ہو خدمت سے معزول کر دیا جائے۔ اس سازشی ملاقات کے چند روز بعد ابن ابی عامر نہایت شان و شوکت کے ساتھ قرطبہ میں داخل ہوا، میدان جنگ کی کامیابی نے عوام الناس کی نظروں میں اس کی وقعت کو دوبالا کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس گہری سازش اور نیز سلطانہ صبح کے روزمرہ تقاضوں سے متاثر ہو کر ہشام نے المصحفی کو خدمت سے معزول، اور محمد بن ابی عامر کو اس کی جگہ مقرر کیا، اور ایک بیش بہا خلعت اپنے ہاتھ سے اس کو پہنایا۔

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ وزیر اعظم کی معزولی کے بعد اس خدمت کو اس نے ایسی لیاقت و خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ المصحفی کا علحدہ ہونا باستثنائے چند خیر خواہانِ ریاست کسی کو ناگوار نہیں گزرا۔ اب المصحفی اپنے خواب غفلت سے چونکا، اور جب دیکھا کہ محمد بن ابی عامر میری بربادی پر آمادہ ہے، اس نے امیر غالب کو اس کی سازشوں سے مطلع کیا، اور بغرض صلح یہ درخواست کی کہ غالب اپنی لڑکی کی شادی اس کے لڑکے عثمان کے ساتھ کر دے، ابن ابی عامر کو یہ کب منظور تھا کہ ان اولوالعزم امیروں میں دوبارہ سلسلہ اتحاد و محبت کا قائم ہو۔ اس نے دونوں کو باہمی مصالحت پر

مستعد پا کر فوراً ایک خط امیر غالب کو اس مضمون کا لکھا کہ المصحفی دھوکہ دے کر محض اپنے ذاتی اغراض کے لئے تجھ کو میرا مخالف بنانا چاہتا ہے۔ چونکہ تمام امراء اور حکام اس کی افسون سازش سے رام ہو چکے تھے، اس نے غالب کے بعض خاص رشتہ داروں سے اپنے اس خط کی تصدیق بھی کرادی، جس کا اثر اس سادہ لوح سپاہی پر ایسا ہوا کہ اس نے المصحفی کے پیام کو نامنظور کر دیا، اور اپنی لڑکی کی شادی خود ابن ابی عامر سے کردی، محرم سنہ ۳۶۷ھ میں نسبت ہوئی، اور شب و روز کو نہایت ہی شان و شوکت سے نکاح کیا گیا۔ اس شادی میں خود ہشام شریک تھا۔

بریں ہم (اس پر بھی) المصحفی ایسا غیر معمولی آدمی تھا کہ اگر کچھ بھی یہ اپنے اثر سے کام لیتا تو ابن ابی عامر کا افسونِ سازش کبھی کارگر نہ ہوتا، لیکن یا تو بوجہ پیرانہ سالی، یا اپنے غیر معمولی اثر کے زعم میں یہ ایسا غافل رہا کہ نہ صرف خدمتِ وزارت سے معزول ہوا، بلکہ اس کے دیگر قدیم اقتدارات بھی سلب کر لئے گئے، اس پر بھی محمد بن ابی عامر کو اپنے محسن قدیم اور ایسے سچے خیر خواہ ریاست پر رحم نہ آیا، اور المصحفی کے تنزل ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ نو عمر سلطان کو اس کے دوستوں اور رشتہ داروں بلکہ بچوں تک سے بدظن کر دیا، اور حکم دیا کہ جو کچھ سرکاری روپیہ ان لوگوں کے ہاتھ سے اٹھا ہے اس کا کامل حساب پیش کریں، اور بہانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس قدر جرمانے ان پر کئے کہ فاقہ کشی کی نوبت پہنچ گئی۔ المصحفی کا مکان جو قصر شاہی کے بعد قرطبہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا جبراً ضبط کر لیا، اور جب موقع ملا المصحفی کو علاوہ روحانی صدمۂ عظیم کے جسمانی تکلیف مثل قید وغیرہ دیتا رہا۔ بالآخر الزہرا کے قید خانہ میں قید کر دیا ـــــ بعض ناقل ہیں کہ یہ زہر سے مار ڈالا گیا، اور اس کے قریب کے رشتہ داروں اور چند دوستوں نے اس کی نعش کو قید خانہ سے لے جا کر کسی گمنام مقام میں دفن کر دیا۔

جائے عبرت ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب کبھی جعفر بن عثمان المصحفی مسجد یا مکان سے باہر نکلا کرتا تھا تو لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ راستے پر چلنے کی جگہ نہیں ملتی

تھی۔ ایسے مواقع پر ہر حاجت مند کو عرضی دینے کا حکم تھا، بلکہ ملازموں کو یہ تاکید تھی کہ ایسے شخص کو بلا تامل ہمارے سامنے پیش کر دیا کریں ــــ پھر وہ زمانہ آیا کہ اس کے جنازہ کے ساتھ دو چار آدمیوں کے سوائے کوئی موجود نہ تھا۔ اپنے آخر زمانہ میں المصحفی یہ کہا کرتا تھا کہ:

''جو کچھ مجھ پر گزر رایا جواب گزر رہا ہے، یہ سب میرے اعمال کی پاداش ہے، میں نے اپنے زمانہ عروج میں ایک شخص کے ساتھ بے حد سختی کی تھی، بلکہ اس کو قید کر دیا تھا، اس نے میرے سامنے یہ بد دعا کی تھی کہ جن لوگوں نے مجھ کو اس درجہ تک پہونچایا، ان کو بھی یہی حالت خدا نصیب کرے، یہ سن کر میرے دل میں خدا کے خوف سے اثر کیا، اور میں نے فوراً اس کو رہا کر دیا، لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص بے گناہ تھا، خدائے تعالیٰ نے اس کا معاوضہ مجھ کو دنیا میں عطا فرمایا، امید ہے کہ آخرت میں اس کی باز پرس سے معاف کیا جاؤں''

المنصور کے ایک کاتب کا یہ بیان ہے کہ ایک دفعہ ابن ابی عامر نے عمداً المصحفی اور اس کے بیٹے عثمان کو ذلیل کرنے کی نیت سے جبراً اپنی فوج کے ساتھ رکھا، اور اس قدر سختی کی کہ ایک روز حالت اضطراب میں یہ اشعار المصحفی کی زبان پر جاری ہوئے:

تَـعَاطَيْـتُ صَرْفَ الْحَادِثَاتِ فَلَمْ يَزَلْ	أَرَاهَـا تُـوَفِّـي عِـنْـدَ مَـوْعِدِهَا الْحُرَّا
فَـلِـلّٰـهِ أَيَّـامٌ مَـضَـتْ بِسَبِيْلِهَـا	فَـإِنِّـي لَاأَنْسَى لَهَـا أَبَدًا ذِكْـرَا
تَـجَافَـتْ بِهَـا عَـنَّـا الْحَوادِثُ بُرْهَةً	وَأَبْـدَتْ لَـنَـامِنْهَا الطَّلَاقَةَ وَالْبِشْرىٰ
لَيَـالِي مَـايَـدْرِى الزَّمَـانُ مَكَـانَنَـا	وَلَا نَـظَـرَتْ مِـنْـهَـا حَـوَادِثُـهُ شَـزْرَا
وَمَـا هٰـذِهِ الْأَيَّـامُ اِلَّاسَـحَـائِبٌ	عَلٰى كُلِّ أَرْضٍ تَمْطُرُ الْخَيْرَ وَالشَّرَا [1]

① میں حوادث ہٹانے میں مصروف رہا، چنانچہ میں برابر ان کو دیکھتا رہا کہ وہ

(۱) ان اشعار کی تصحیح مقری کی نفح الطیب سے کی گئی ہے (۳: ۹۱، ۹۲۔ طبع شدہ دار صادر، بیروت) (محمد امین)

(حوادث) وقت آنے پر شریف آدمی سے وفا کرتے ہیں۔

② پس اللہ کے لئے ہیں وہ دن جنہوں نے اپنی راہ لی، پس میں کبھی ان کا ذکر نہیں بھولتا، یعنی خوشی کے دن گذر گئے مگر ان کی یاد باقی ہے۔

③ ان دنوں میں حوادث کچھ عرصہ تک ہم سے دور رہے، اوران ایام کے حوادث نے ہمارے سامنے کشادہ روئی اور بشاشت ظاہر کی۔

④ کچھ راتوں تک زمانہ ہماری قیام گاہ سے ناواقف رہا، اوران راتوں کے حوادث روزگار نے ترچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

⑤ اور یہ ایام (دن) ان بادلوں کے مانند ہیں جو ہر زمین پر بھلائی اور برائی برساتے ہیں۔

الغرض جعفر بن عثمان المصحفی کے انتقال کے بعد محمد بن ابی عامر نے دیکھا کہ اب سوائے امیر غالب کے اور کوئی حریف مقابل باقی نہیں رہا۔ اس نے اسی وقت غالب کی بربادی اور تباہی کی تدابیر سوچنی شروع کر دیں، اور موقع کا منتظر رہا۔

ایک مرتبہ کسی سرحدی مہم پر یہ دونوں امیر ساتھ تھے، ایک قلعہ پر دونوں دشمن کی فوج کی حالت دریافت کرنے کی غرض سے چڑھے۔ ان کی رائے میں اختلاف واقع ہوا، غالب چونکہ ابن ابی عامر کی خودغرضیوں اور سازشوں سے بخوبی واقف تھا، غصے کو نہ روک سکا، اور المنصور سے کہا کہ "اے شیطان! تو شاہی خاندان کو تباہ اوران قلعجات کو منہدم کرکے خود بادشاہ بنا چاہتا ہے" —— یہ کہہ کر امیر غالب نے ایک وار تلوار کا اس پر کیا، اگر افسران فوج حائل نہ ہوتے تو ضرور ابن ابی عامر کا کام تمام ہو جاتا، تاہم ایک شدید زخم اس کے سر پر آیا، اور قریب تھا کہ یہ قلعے کی دیوار سے نیچے جا رہے، لیکن اس کی خوش قسمتی سے کسی چیز نے اس کو گرنے سے روکا، اور افسران فوج اس کو اٹھا کر اس کے خیمے میں لے گئے، غالب اسی حالت غصہ میں انصاف سلطانی سے مایوس سیدھا عیسائیوں کے لشکر میں چلا گیا، اور اُن کا شریک ہو کر ابن ابی عامر پر حملہ

آور ہوا، مگر غالب نے اس جنگ میں نہ صرف شکست پائی بلکہ مارا گیا۔

محمد بن ابی عامر جب ان تمام امرائے جلیل القدر کو قتل اور تباہ کر چکا، میدان کو بالکل خالی پا کر اقتدارات شاہی کے غصب کرنے کی فکر و کوشش شروع کی، اور نہایت جرأت اور اطمینان سے سلطان کے احکام کی نافرمانی کرنے لگا، حتیٰ کہ خلیفہ کے خانگی ملازموں تک کو برطرف، اور ان کی جگہ خاص اپنے معتبر لوگوں کو مامور کیا ــــــ اس اثناء میں اس کو یہ خبر پہنچی کہ ملکہ صبح نے بشرکت دیگر عورتوں کے ان خزائن شاہی کو جو خاص محل میں رہا کرتے تھے، قرطبہ سے باہر بھیج دیا ہے۔ اور بجائے روپیہ اور جواہر کے صندوق معمولی چیزوں سے بھر کر اسی طرح مقفل کر دیئے ہیں۔

ابن ابی عامر نے ملازمین شاہی کو طلب کیا، اور ان سے کہا کہ ''امیر المومنین روپیہ کا محل میں جمع رکھنا پسند نہیں کرتے، علاوہ بریں چونکہ اس کا وقت زیادہ تر روزہ و نماز میں گزرتا ہے خزانے کی نگرانی نہیں ہو سکتی، پس مجھ کو یہ ہدایت کی ہے کہ روپیہ و جواہر وغیرہ اپنی نگرانی میں رکھوں'' ــــــ کسی کو مجال اس حکم کی سرتابی کی نہیں ہوئی، چنانچہ نہ صرف ستاون لاکھ دینار سرخ موجودہ خزانہ محلات اس کے خاص قلعہ نما مکان میں جو اس نے خود قرطبہ کے باہر بنایا تھا منتقل کیے گئے، بلکہ اپنی محسن ملکہ صبح سے جس نے اسے خاک سے پاک کیا تھا، وہ روپیہ تمام و کمال جو اس نے شاہی خزانے سے لیا تھا، اور جو ہنوز محل ہی میں رکھا تھا، جبراً وصول کر لیا۔

اس نے اپنی ظاہری اطاعت و فرماں برداری سے نوجوان خلیفہ کے دل پر ایسا قبضہ کیا تھا کہ اس کے خلاف کسی شکایت کا خلیفہ پر مطلق اثر نہ ہوتا تھا، بلکہ ہشام اس کو ایک مردِ با خدا صاف باطن اور ملک و مالک کا سچا خیر خواہ باور کرتا رہا ــــــ رفتہ رفتہ محمد بن ابی عامر کی جرأت اس درجہ بڑھی کہ اب اس نے فوج پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے اس نے افسران سابق کو معزول، اور بجائے ان کے اپنے خیر خواہوں کو مامور کیا، اور پھر باطمینان تمام سب فوج اہل بربر اور زناتہ سے بھر دی۔

ہشام کی نظر بندی اور منصور کی خود مختاری

فوج کا مطیع ہونا کیا تھا کہ تمام ملک اس کے قبضۂ تصرف میں آ گیا۔ چونکہ تمام امرائے عرب مرعوب ہو ہی چکے تھے، اس نے اپنے کو بالکل خود مختار پا کر ہشام کو محل میں نظر بند کر دیا، اور خود خلیفہ کے نام سے حکومت کرنے لگا، اور یہ حکم نافذ کیا کہ آئندہ سے سب اس کو الحاجب اور المنصور کے القاب سے خطاب کیا کریں۔ اس نے بغرض حفاظت اپنا قیام قلعہ الزاہرہ میں اختیار کیا، اور تمام دفاتر و خزائن و حکام کو اسی قلعہ میں رہنے کا حکم دیا۔ الغرض بتدریج ابن ابی عامر کو ایسی ثروت و قوت حاصل ہوئی کہ ممالک محروسہ کی تمام مساجد میں بعد خلیفہ کے اس کا نام بھی خطبہ میں پڑھا جاتا تھا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ المنصور نے لباس شاہنشاہی علانیہ پہننا شروع کیا۔ سکہ پر بھی خلیفہ کے نام کی جگہ المنصور دکھائی دینے لگا۔ بوقت جنگ فوج کو یہ بذات خود لڑاتا تھا۔ مشہور ہے کہ چھپن (۵۶) بار یہ لڑا، اور ہمیشہ کامیاب رہا۔ مخبروں کو افریقہ بھیج کر وہاں کے قبیلوں اور رئیسوں میں نزاع کی بناڈالی، اور پھر فوج بھیج کر مغربی افریقہ کو اپنے دائرہ حکومت میں لایا، اپنے بیٹے عبدالملک کو افریقہ زیری بن عطیہ حاکم فاس کی تنبیہ کے لئے صرف اتنی بات پر بھیجا کہ زیری نے چند ناسزا الفاظ اس کی شان میں استعمال کئے تھے، اور اپنے بادشاہ ہشام کو قید کرنے کی نسبت ملامت کی تھی، ابن ابی عامر کی فتوحات کے واقعات ہم ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

عیسائیوں سے جنگ اور منصور کی فتوحات

خلیفہ الحکم کے انتقال کے پانچ یا چھ سال کے بعد امرائے عرب کو خانہ جنگی میں مصروف پا کر عیسائیوں نے اندلس پر حملہ کیا۔ المصحفی کو سازشوں نے پریشان کر رکھا تھا، اس یورش کا فوراً انسداد نہ کر سکا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی نہایت جرأت کے ساتھ بلامزاحمت قرطبہ کے قریب آ پہنچے۔ جب اطراف واکناف سے عیسائیوں کے ظلم

وزیادتی کی شکایتیں متواتر پہنچیں، تو اس نے فوج بھیجنے کے عوض (بجائے) صرف یہ حکم دیا کہ دریائے ٹیکس کا پل گرادیا جائے۔ المصحفی کے اس تساہل سے ابن ابی عامر نے پورہ فائدہ اٹھایا، اس نے غل مچایا کہ جب فوج کثیر جنگ کے لئے تیار، اور خزانے معمور ہیں، تو پھر کیوں نہیں عیسائیوں کو کافی سزادی جاتی۔ المصحفی نے جب دیکھا کہ سب کو ابن ابی عامر کی رائے سے اتفاق ہے مجبوراً اپنے دشمن (یعنی ابن ابی عامر) کی سرکردگی میں فوج عیسائیوں کے مقابلہ کے واسطے روانہ کی۔ ابن ابی عامر کی دلی خواہش بھی یہی تھی، یہ اسی وقت ایک لاکھ دینار لے کر روانہ ہوا، اس نے باون (۵۲) روز میں عیسائیوں کو سرحد کے باہر کردیا، اور بہت کچھ مال غنیمت لے کر واپس آیا۔

المنصور سنہ ۳۷۲ھ مطابق سنہ ۹۸۲ء میں یلغار کر کے جلیقیہ پہنچا، اور وہاں کے مشہور شہروں مثل لیون وغیرہ کو لوٹنا چاہا۔ لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ عیسائی اس کے آنے کی خبر پاکران شہروں سے تمام مال واسباب لے کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے ہیں، المنصور کسی شہر میں داخل نہیں ہوا، بلکہ جن مقامات سے یہ گزرا، ان کو تاراج کرتا ہوا قرطبہ آیا، لیکن دوسرے ہی سال پھر آکر لیون پر قبضہ کیا، اور قلعوں کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔

المنصور سنہ ۳۷۴ھ م سنہ ۹۸۵ء میں بعد اعلانِ جہاد بجّیان۔ البیرۃ۔ بسطہ [1] اور تدمیر [2] ہوتا ہوا بَلَنسِیه آیا، اور یہاں چند روز فوج کو آرام دے کر بادشاہ بُریل کے ملک میں داخل ہوا، جس کو اس نے شہر برشلونہ کے قریب شکست فاش دی، اور بتاریخ ۱۵ ر صفر اپنے جھنڈے کو اس قلعہ پر نصب کیا ——— اس مرتبہ بھی نامی مؤرخین و مصنّفین وشعراء اس کے ساتھ تھے، جنھوں نے اس کی اور اس کی فتوحات کی تعریف میں دفتر کے دفتر سیاہ کردیئے تھے۔

---

(۱) اس کو انگریزی میں بازا کہتے ہیں۔ (۲) تدمیر اندلس کے ایک صوبہ کا نام تھا جو قرطبہ کے مشرق کی جانب واقع تھا، اوائل زمانہ میں اس صوبہ کے حاکم کا نام بھی تدمیر تھا، جس کو طارق بن زیاد اور پھر عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر نے شکست دی تھی۔

منصور کے زمانہ کے چند علماء

ایک مشہور مؤرخ نے جو اس جنگ میں المنصور کے ساتھ تھا، ان لوگوں کے نام کی فہرست بھی دی ہے، جس سے اس امر کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے، کہ اس کے عہد حکومت میں کیسے کیسے عالم موجود تھے۔ ہم چند لوگوں کے نام اس مقام پر درج کرتے ہیں:

ابو عبداللہ بن حسن، ابو القاسم بن الحسین بن الولید جو زیادہ تر ابن العارف کے نام سے مشہور ہے۔ ابن شہید عبدالرحمٰن بن احمد، ابو العلا صاعد[1] بن الحسین[2] اللغوی جس کی مشہور تصنیف فصوص موجود ہے۔ ابو بکر زیادۃ اللہ بن علی بن حسن الیمنی۔ عمر بن النجم البغدادی، ابو الحسن علی بن محمد القریشی العباسی، عبدالعزیز بن الخطیب المحدود۔ موسیٰ بن طالب، مروان بن عبدالرحمٰن، یحییٰ بن ہذیل بن عبدالملک، سعد بن محمد، علی النکاس البغدادی، ابو بکر یحییٰ بن امیہ بن وہب، محمد بن اسماعیل الزبیدی جس کی کتاب مختصر فی اللغۃ، اور کتاب العین کا خلاصہ جو خلیل بن احمد کے نام سے مشہور ہے، اور مختلف کتابیں صرف ونحو اور تاریخ میں موجود ہیں۔ محمد بن عبدالباصر، احمد بن عبدالملک بن شہید جو علاوہ مصنف ہونے کے وزیر بھی رہ چکا تھا۔ محمد بن حسن القریشی، طاہر بن محمد جو مشہور ریاضی دان تھا، ابن امیہ بن غالب۔

الحسن کا قتل اور ابن عطیہ کی سفارت سنہ ۳۷۵ھ میں المنصور نے اپنے چچازاد بھائی ابو الحکم عمر کو فوج دے کر، الحسن بن اکنون ادریسی کی تنبیہ کے لئے بھیجا۔ اس نے شہر بصرہ[3] پر قبضہ اور الحسن کو مع فوج محصور کر کے صلح پر مجبور کیا، بعد صلح خلاف معاہدہ اس کو گرفتار کر لیا، اور حسبُ الحکم

(۱) اصل کتاب میں ''ابو العلا صاعد'' کی جگہ ''ابو الاعلیٰ سعید'' ہے اس کا مفصل تذکرہ آگے آرہا ہے وہاں تصحیح کا حوالہ مذکور ہے (محمد امین) (۲) اصل میں ''الحسین'' کی جگہ ''الحسن'' ہے (محمد امین)

(۳) اس نام کا شہر غرب میں بھی ہوگا جس کا پتہ ہم کو نہیں ملا۔

المنصور اس کو قتل کر کے اس کے سر کو قرطبہ بھیجا،

سنہ ۳۸۱ھ مطابق سنہ ۹۹۱ء میں زیری بن عطیہ المغربی نے جو اہل زناتہ کا حاکم تھا، جس کا ذکر اوپر مجملاً ہو چکا ہے، ایک سفارت مع تحائف کے ـــــــ جن میں دوسو گھوڑے، پچاس اونٹ نہایت تیز رفتار، ایک ہزار سپر گینڈے کے چمڑے کی، تیروکمان زاب کی بنی ہوئیں، اور بہت سے نادر جانور مثل گینڈے اور ہاتھی اور شیر، اور ایک ہزار تھیلے خرمے کے، اور نادر افریقہ کی اشیاء شریک تھیں ـــــــ بھیجی۔

اس سفارت کے روانہ کرنے سے اصل غرض یہ تھی کہ زیری سے جو عظیم الشان فتوحات عمل میں آئی ہیں، اور جو نیا ملک اس نے خلیفہ کے نام سے فتح کیا ہے، اس سے المنصور کو مطلع کر دیا جائے۔ جس وقت دارالخلافہ میں یہ واقعات عام طور پر ظاہر کئے گئے تمام شہر نے خوشی منائی، اور المنصور نے سفیروں کو خلعت اور تحفے دے کر مع فرمان منجانب خلیفہ ہشام واپس کیا۔ اس فرمان کے ذریعہ سے زیری اس تمام ملک مفتوحہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

ابن عطیہ کا قرطبہ آنا اور اس کو وزیر سلطنت مقرر کرنا

اس واقعہ کے دوسرے سال یعنی سنہ ۳۸۲ھ میں زیری بن عطیہ نے بذات خود قرطبہ آکر المنصور سے ملاقات کی، اور خلیفہ کے لئے پہلے سے بھی زیادہ بیش بہا اور نادر تحفے ساتھ لایا۔ اس کے ہمراہ تین سو حبشی سوار، اور اسی قدر پیادے تھے۔ المنصور نے بھی بہت ہی دھوم سے اس کا استقبال کیا، اور جلد وہیں ایسی حسن خدمات کے عوض اس کو وزیر سلطنت مقرر کر کے جعفر المصحفی کا مکان اس کی سکونت کے واسطے تجویز کیا ـــــــ زیری ابھی قرطبہ ہی میں تھا کہ اس کو خبر پہنچی کہ ابن یعلی الیفرونی نے اس کی عدم موجودگی میں موقع پا کر فاس پر قبضہ کر لیا ہے۔ زیری فوراً افریقہ واپس آیا اور کئی لڑائیوں کے بعد جب ابن یعلی قتل ہوا تو سنہ ۳۸۳ھ میں فاس پر دوبارہ قابض ہوا۔

منصور اور ابن عطیہ کے درمیان نزاع

عرب مؤرخین نے جہاں ابن ابی عامر المنصور کی ملک داری اور فتوحات کی تعریف کی ہے، اس کی نمک حرامی، خود غرضی، اور ظلم پر اظہارِ نفرت میں بھی تأمل نہیں کیا، اگر اندلس میں بسبب قرب کسی میں جرأت گویائی باقی نہ رہی تھی، تو افریقہ والوں کی آواز ملامت ونفرین اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھی، پس جیسا جیسا زیری بن عطیہ کو المنصور کا مکروزور معلوم ہوتا گیا، اسی قدر زیری کو اس سے نفرت ہوتی گئی، لیکن اصل نزاع ان دونوں میں اُسی روز سے شروع ہوئی جبکہ زیری نے نہ صرف علانیہ المنصور کی جابرانہ طرز حکومت، اور اس بیہودہ برتاؤ کی، جو اس نے اپنے بادشاہ کے ساتھ رکھا تھا، نہایت ہی بُرے الفاظ میں مذمت کی، بلکہ اس کے مقابلہ میں جنگ کی تیاری شروع کردی، المنصور نے اس کو منحرف پاکر ایک صقلبی افسر کو مع فوج افریقہ روانہ کیا، یہ افسر طنجہ سے فاس کی طرف روانہ ہوا۔ زیری نے بھی اپنی فوج زناتہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا، اور اس کو پسپا کرتا ہوا طنجہ میں محصور کردیا۔ المنصور کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی اس نے فوراً اپنے بیٹے عبدالملک کو مدد کے لئے بھیجا، عبدالملک نے زیری کو بتاریخ ۱۵رمضان سنہ ۳۸۷ھ م سنہ ۹۹۷ء کامل شکست دے کر فاس پر قبضہ کرلیا، اور اہل زناتہ ہی کے ایک امیر کو اس شہر اور ملک کا افسر مقرر کیا، مگر زیری اس ناکامی کے بعد بھی المنصور کا مقابلہ کرتا رہا، اور ہشام کا سچا خیر خواہ بنا رہا۔ زیری زاب اور شلف پر قبضہ کرکے آگے بڑھ رہا تھا کہ سنہ ۳۹۱ھ مطابق سنہ ۱۰۰۰ء میں اس کا انتقال ہوگیا، اس کے لڑکے المعز نے جب اپنے میں مقابلے کی قوت نہ دیکھی، المنصور سے صلح کرلی۔ المنصور نے بھی بمصلحت اس کے باپ کی خطاؤں سے درگزر ہوکر اس کو منجانب خلیفہ افریقہ کا حاکم تسلیم کرلیا۔

منصور کی پیش قدمیاں

جس زمانے میں مغربی افریقہ میں جنگ وجدال کا بازار گرم تھا، المنصور عیسائیوں

پر بھی متواتر فتح پا رہا تھا، سنہ ۳۷۵ھ سے اس نے باغیوں کو اس قدر برباد اور تباہ کر رکھا تھا کہ ان لوگوں میں بغاوت کی قوت باقی نہ رہی تھی، بازہم (پھر بھی) المنصور ہر سال ایک دو بار فوج کشی اسی غرض سے کرتا رہا کہ اسلام کا رعب ان کے دلوں پر قائم رہے، اسی قصد سے المنصور بتاریخ ۲۳ر جمادی الاخری سنہ ۳۸۷ھ یورش کرتا ہوا شنت یاقوہ(۱) کی طرف آیا، اس شہر کو عیسائیوں کا کعبہ سمجھنا چاہئے، اِس لئے کہ یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارین میں سے ایک کی قبر تھی، جس کی زیارت کی غرض سے نہ صرف اندلس بلکہ دور دور سے عیسائی آیا کرتے تھے، المنصور نے شہر سمورہ میں جس کو جلیقیہ کا پایۂ تخت سمجھنا چاہئے، چند روز قیام کیا، اور یہاں کے قومسین یعنی امراء کو مع فوج ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ ان عیسائیوں نے طوعاً و کرہاً اس حکم کی تعمیل کی، اور فوج اسلام کے ساتھ علاقہ شنت یاقوہ میں داخل ہوئے۔

المنصور نے یلغار کے قبل ہی حکم دیا تھا کہ بیڑا جنگی جہازوں کا مع فوج بندر قصر ابی دانس میں تیار رہے، جس وقت المنصور دریائے ڈیورو کے قریب پہنچا یہ بیڑا بھی حسن اتفاق سے اس ہی روز اس دریا میں داخل ہوا، اور جہازوں کے ذریعہ سے المنصور مع فوج دوسرے کنارے پر اترا۔ چونکہ رسد اور فوج کے آرام و آسائش کا پورا سامان مہیا ہو چکا تھا، فوج شہر مذکور کی طرف روانہ ہوئی، اور مختلف دریاؤں اور جنگلوں کو طے کرتی اور فرتارش سے جو لطافت و آب و ہوا، اور کسانوں کی محنت سے ایک بوستان جنت نشاں بنا ہوا تھا، گزرتی ہوئی ایک نہایت ہی پُر فضا کہسار میں داخل ہوئی۔ اس راستہ کو دونوں طرف کے بلند اور تنگ پہاڑوں نے اس قدر دشوار گزار بنا دیا تھا کہ جو لوگ دلیل راہ تھے وہ بھی اس کے طے کرنے میں بہت حیران و پریشان ہوئے۔

لیکن المنصور اس قسم کی دشواریوں کی کب پروا کرتا تھا، اس نے فوج کو حکم دیا کہ تبروں کے ذریعہ سے راستہ کشادہ کر دیا جائے، چنانچہ بہت ہی مشکلوں سے راستہ

(۱) اس کو انگریزی میں سینٹا گو کہتے ہیں۔

صاف اور کشادہ ہوا۔ اس کوہ کنی اور محنت شاقہ کا نعم البدل مسلمانوں کو یہ ملا کہ جس وقت عرب کہسار سے باہر نکلے، اور دریائے منوہ [۱] کو عبور کر کے دوسری طرف پہنچے تو ان کو ایک طرف مرغزار ایسا نظر آیا، جہاں کی خوشگوار اور فرحت بخش ہوا اور نہر ہائے شیریں نے ان کے دل و دماغ کو تر و تازہ کر دیا، اور کثافت راہ مبدل بہ راحت ہوگئی۔

یہاں سے المنصور سیدھا دیرقسان آیا۔ یہاں پر ایک بہت قدیم عیسائیوں کی عبادت گاہ بنی ہوئی تھی، دیرقسان [۲] سے بلنسوا جولب دریائے شور واقع تھا ہوتا، اور شنت بلائی کے قلعہ کو منہدم اور وہاں سے غنیمت حاصل کرتا ہوا ایک جزیرے کے قریب پہنچا، جس میں اطراف واکناف کے باشندے عربوں کی دہشت سے پناہ گزیں ہوئے تھے۔ المنصور نے ان سب عیسائیوں کو گرفتار کیا، اور وہاں سے بجانب کوہ مرسیہ [۳] آیا، اور دریائے اُلہ سے پار ہوتا ہوا ایک قدیم گرجا کے قریب پہنچا، شنت یاقوہ کے بعد عیسائی اس مقام کو نہایت ہی متبرک سمجھتے تھے، اور یہاں بھی دور دور سے حتی کہ ملک حبش سے عیسائی بغرض زیارت آیا کرتے تھے، اس مقام کو عربوں نے بالکل زمین دوز کر دیا، اور یہاں سے روانہ ہو کر بتاریخ ۳ رشعبان چہار شنبہ کے روز خاص شہر شنت یاقوہ پہنچے، تو دیکھا کہ شہر پناہ کے دروازے کھلے ہیں، اور کسی فرد بشر کا نشان تک نہیں، تاہم اس شہر کی مشہور عمارات اور معبد کو تاراج، اور جو کچھ مال باقی رہ گیا تھا اس پر المنصور نے قبضہ کیا، اور اطراف واکناف کے شاداب اور مزروعہ مقامات کو تباہ و برباد کرتا ہوا، ایسے مقامات میں سے ہوتا ہوا جہاں اس کے قبل کوئی مسلمان نہیں آیا تھا، ان قومسون کے ملک میں جو کہ اس کے ہمراہ رکاب تھے داخل ہوا، ان بدنصیب قومسوں (عیسائی حاکموں) نے اپنی آنکھوں سے اپنے متبرک اور مشہور عبادت خانوں کو نہ صرف مٹتے دیکھا بلکہ اکثر اوقات ان کے مٹانے میں خود بھی جبراً شریک ہوئے۔

---

(۱) اس کو انگریزی میں مینو کہتے ہیں۔ (۲) اس کو انگریزی میں شنٹ کاسمو کہتے ہیں۔ (۳) اس کو انگریزی میں مورازد کہتے ہیں یہ مقام دیگو کے قریب واقع ہے۔

یہاں آکر عربوں نے لوٹ سے دست کشی کی، اوران مقامات سے گزرتے ہوئے قلعہ ہلیقیہ آئے، یہاں پر المنصور نے دربار عام کیا، اوران قومسوں اورفوجی عیسائیوں کوجواس کے اس اڑتالیسویں[1] یلغار میں شریک تھے خلعت تقسیم کرکے اپنے اپنے ملکوں کوواپس جانے کی اجازت دی، اس مقام سے المنصور نے اپنی فتوحات سے اہل قرطبہ کومطلع کیا۔ دارالخلافہ کا اس وقت جوش مسرت اوروفور نشاط احاطۂ تحریر سے باہر ہے، جب المنصور مع اپنی فوج کے دارالخلافہ میں داخل ہواتوتمام مسجدوں میں شکریہ کی نمازیں پڑھی گئیں، اور بہت کچھ روپیہ خیرات کیا گیا۔

خلیفہ ہشام کی قابل رحم حالت

جس حالت میں کہ ہشام کوالمنصور نے رکھا تھا، اس کا کچھ ذکرہم اوپر کرچکے ہیں۔ قصر کی چاردیواری کے اندر پوری آزادی خلیفہ کوحاصل تھی، مگر باہر نکلنے کی بلکہ کسی جھروکے سے منہ تک نکالنے کی سخت ممانعت تھی، جس کی نگرانی کے لئے المنصور نے اپنے خاص لوگوں کومقرر کیا تھا۔ جب کبھی المنصور مجبوراً ہشام کوکسی باغ میں[1] جانے کی اجازت دیتا تھا، تواس کے چہرہ پرنقاب ڈال دی جاتی تھی، اوروہ راستہ جدھر سے خلیفہ گزرتا تھا، واپسی کے وقت تک رعایا کی آمدورفت کے لئے بند کردیا جاتا تھا۔ اور جب کبھی المنصور کوقرطبہ سے باہر جانے کی ضرورت ہوتی تھی توسلطان کی حفاظت ونگرانی کے لئے بہت سخت انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کے آخرزمانے میں جب رعایا اپنے خواب غفلت سے چونکی توہرطرف سے شکایتوں کے آوازے بلند ہونے لگے، اوریہ خبر مشتہر ہوئی کہ خلیفہ کواس وزیر نے مارڈالا ہے، رعایا کوبرہم دیکھ کر المنصور بہت ڈرا، اور ہشام کواپنے ساتھ گھوڑے پرسوار کرکے تمام شہر میں گشت کی، خلیفہ کے دیکھنے کے لئے دوردور سے رعایا جمع ہوگئی تھی۔ ہشام لباس شاہانہ پہنے اورتمام نشانات خلافت

(۱) جملہ چھپن لڑائیاں لڑا تھا (۲) اصل میں ''میں'' کی جگہ ''کے'' ہے (محمد امین)

کے لگائے گھوڑے پر سوار، المنصور عصائے وزارت ہاتھ میں لئے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے چل رہا تھا، اپنے خلیفہ کو جب رعایا نے بچشم خود دیکھا تو ان کے دلوں کو اطمینان ہوا، اور جو کچھ شکوک المنصور کی نسبت پیدا ہوئے تھے وہ رفع دفع ہو گئے۔

المنصور نے علاوہ امرائے جلیل القدر مثل المصحفی اور غالب کے تمام ارکان خاندان شاہی کو ہشام سے جدا کرنے کی غرض سے کسی نہ کسی بہانے پر ان کو قرطبہ سے باہر بھیج دیا تھا، چنانچہ بنی امیہ کے اس قابل رحم حالت کو ایک شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

أَبَنِي أُمَيَّةَ! أَيْنَ أَقْمَارُ الدُّجٰى ۞ مِنْكُمْ وَأَيْنَ نُجُومُهَا وَالْكَوْكَبُ

غَابَتْ أُسُوْدُ مِنْكُمْ عَنْ غَابِهَا ۞ فَلِذَاكَ حَاذَ الْمُلْكَ هٰذَا التَّغْلِبُ

① اے بنو امیہ! تمہارے تاریک راتوں کے چاند کہاں ہیں؟! اور کہاں ہیں پروین وستارے؟!

② تمہارے شیر اپنے جنگلوں سے غائب ہو گئے، اسی لئے ملک پر یہ تغلبی مُسلّط ہو گیا۔

منصور کی آخری یلغار

ماہِ صفر سنہ ۳۹۲ھ مطابق سنہ ۱۰۰۲ء میں المنصور نے اپنی آخری (۵۲) یلغار کا ارادہ کیا، اور فوج کو مختلف مقامات مثل افریقہ وغیرہ سے فراہم کر کے دریائے ڈیورو سے اتر کر قسطلہ کی سرحد میں داخل ہوا۔ اس ملک کا قومس اپنے قلعہ کے قریب مع فوج خیمہ زن تھا، اور اس کی مدد کے لئے اطراف وجوانب کے تمام عیسائی حاکم اپنی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھے۔ اس مقام پر ایک جنگ عظیم واقع ہوئی۔ جس کے متعلق عیسائی مؤرخین قدیم نے بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے، مگر اس جنگ کا اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو کامل فتح حاصل ہوئی۔

المنصور کی فکر اور آرزو

اس فتح کے بعد المنصور ایک ایسے سخت مرض میں مبتلا ہوا کہ جس سے یہ جانبر نہ ہوا۔ اپنے اخیر زمانے میں جب

اس کو اپنی زندگی سے ایک طرح کی مایوسی ہوگئی تھی، سلطنت کی آئندہ ترقی اور ریاست کے قیام واستحکام کی نسبت اس کو فکر وتردد رہا کرتا تھا، اگر اس غیر معمولی آدمی کے حالات اور واقعات بنظر سرسری دیکھے جائیں، تو اس سے زیادہ خود غرض اور بدخواہ سلطنت کوئی نہ ملے گا، لیکن اگر اس زمانے کی تاریخ کو کوئی شخص بنظر حقیقت دیکھے، اور جو رائے کہ مختلف مؤرخین نے اس کی نسبت قائم کی ہے، اس پر کامل غور کرے، تو ہر انصاف پسند آدمی کو یہ ماننا پڑے گا کہ محمد بن ابی عامر ایک سچا خیر خواہ اپنے ملک کا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے اپنے بادشاہ کو بالکل بے دست و پا کر رکھا تھا، اور نہ اس میں شک ہے کہ اس نے اپنے مربی وسرپرست مثل جعفر بن عثمان المصحفی اور غالب جیسے امرائے جلیل القدر اور خیر خواہان سلطنت اندلس کو نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل وتباہ کیا، بلکہ ان لوگوں کے خاندانوں کے نام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، لیکن باوجود نمک حرامی اور محسن کشی جب ہم اس کے زمانے کی حکومت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے قابل یادگار کارناموں سے اعتراف کرنا پڑتا ہے (کہ) اگر اس کو دنیا میں کوئی فکر تھی تو وہ یہ تھی کہ اس سلطنت کے قیام واستحکام میں کوئی فرق نہ آنے پائے، اور اگر اس کی کوئی آرزو تھی تو یہ تھی کہ:

''میں بعونِ الٰہی علم وفن اور سلطنت کی عظمت وبزرگی کو اس قدر ترقی دوں، کہ میرے بعد اس کو کوئی آفت نہ پہنچے، اور تمام دنیا خلیفہ اندلس کے نام سے لرزتی رہے''

منصور کے زمانہ میں علم وفن کا عروج

ہشام ثانی کے عہد اور المنصور کے زمانۂ وزارت میں جس قدر علم وفن کو عروج حاصل ہوا، اس کی نظیر زمانہ گزشتہ کی تاریخ میں بہت کم ملے گی۔ المنصور کی کوشش یہ تھی کہ علم کا شوق عام طور پر پیدا کیا جائے۔ ان خیالات کا اثر امیر اور غریب سب پر ایسا پڑا کہ اہل صقلب بھی جو زیادہ تر فوجی اور محض جاہل، اور ادنی ملازمین محلاتِ شاہی کے زمرہ میں شمار کئے جاتے تھے، حصولِ علم کی طرف ایسے رجوع ہوئے اور ایسی شہرت

پائی کہ یہ بھی مجلس علماء میں شریک کر لئے گے۔ عبادة[1] بن هسیما اور حبیب الصقلبی[2] اس نہج کے عالم گزرے ہیں جن کی کتابیں اس وقت تک موجود ہیں۔

ابو العلاء صاعد لغوی کے حالات

المنصور نے ابو العلاء صاعد[3] بن الحسین[4] بن عیسیٰ اللغوی کو بغداد سے تعریف سن کر بلایا تھا، لیکن جس وقت ابو العلاء قرطبہ پہنچا تو کچھ تو دوسرے علماء کی شکایت سے جن کو ایک نئے شخص کا آنا بہت ناگوار گزرا تھا، اور کچھ اس وجہ سے کہ اس کو اس قدر ذی علم جیسی کہ تعریف سنی گئی تھی نہیں پایا، المنصور نے ابتدا میں اس کی طرف زیادہ التفات نہیں کیا۔ دوسروں نے موقع پاکر ابو العلاء کو نالائق ثابت کرنا چاہا، مگر یہ ایسا سمجھدار اور حاضر جواب آدمی تھا کہ اس کی ظرافت اور بذلہ گوئی نے المنصور کو اس کی طرف پھر متوجہ کرلیا۔ البتہ دیگر علمائے دربار سے بدستور ردوقدح جاری رہی۔

جب اس نے دیکھا کہ بغیر اظہارِ لیاقت کامیابی دشوار ہے، اس نے ایک روز المنصور سے درخواست کی، کہ مجھ کو اگر اجازت ہو تو تیرے ذاتی اور خاندانی حالات کی نسبت ایک ایسی کتاب تیار کروں جو کتاب النوادر[5] سے بہتر ہو، چنانچہ اس نے ایک

(۱) اس کی کتاب تذکرۃ الشعراء موجود ہے۔ (۲) اس کی کتاب الاستظهار والمغالبه علی من انکر فضائل الصقالبه مشہور اور موجود ہے، اس ہی حیثیت کے لوگوں میں المغیرہ بن خرم اور ابو الولید اور ابن الدباغ اور یوسف بن عبد البار کے نام بھی اس زمانہ کی فہرست علماء میں نظر آتے ہیں، ان سب نے اپنے اپنے زمانہ کی تاریخ لکھی ہے۔ (۳) اصل میں یہاں اور آگے جہاں اس کا نام آیا ہے "ابوعلی سعید" ہے، مقری کی نفح الطیب سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (نفح الطیب ۸۶:۲) محمد امین (۴) اصل میں "الحسین" کی جگہ "الحسن" ہے، نفح الطیب سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (محمد امین) (۵) یہ کتاب عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ سلطنت میں ملک الشعراء ابوعلی القالی نے تصنیف کی تھی، اس میں خاندان بنی امیہ کے حالات وواقعات مندرج تھے۔

کتاب لکھی، اور اس کا نام فصوص رکھا۔ اس کے تمام ہم عصر علماء اس کتاب کی اشاعت کے منتظر تھے۔ اس کے شائع ہوتے ہی اس پر حملے ہونے لگے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش ہوئی کہ نہ صرف یہ کتاب جھوٹ اور مبالغہ سے بھری ہوئی ہے، بلکہ یہ شخص خود بڑا جھوٹا اور دغاباز ہے۔ اس کے اشعار بھی جو قابل تعریف ہیں وہ سب مسروقہ (چوری کئے ہوئے) ہیں، اپنے اس بیان کی تصدیق میں ان علماء نے محض سادہ کاغذ کی ایک کتاب تیار کی، اور اس کا نام کتاب النکت، اور اس کے مصنف کا نام ابوالغوث، جلد کے باہر لکھ کر کتاب کو ایک ایسی جگہ رکھا کہ جہاں سے صاعد ہمیشہ گزرا کرتا تھا، جس وقت یہ وہاں آیا المنصور نے کتاب کو اس خیال سے اٹھالیا کہ کہیں اس کو کھول کر نہ دیکھ لے، اور صرف کتاب اور مصنف کا نام بتا کر پوچھا کہ ''یہ کتاب بھی تیری نظر سے کبھی گزری ہے یا نہیں؟ صاعد نے بلا تامل جواب دیا کہ:

''ہاں اس کتاب کو میں نے ایک شیخ کے ساتھ پڑھا تھا، چونکہ اس کو پڑھے ہوئے ایک زمانہ ہوتا ہے، مجھ کو اس کا پورا مضمون یاد نہیں رہا، صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس میں مختلف اور نہایت مختصر واقعات درج ہیں''

المنصور یہ سن کر نہایت برہم ہوا، اور یہ کہا کہ ''میں نے تجھ سے زیادہ جھوٹا اور دغاباز آدمی دنیا میں نہیں دیکھا'' اپنے سامنے سے نکلوا دیا ——— وہ لوگ جو اس کی ذلت کے بانی تھے ان میں سے ایک نے یہ شعر کہا:

قَدْ غَاصَ النَّهرَ كِتَابُ الفُصُوْصْ ۞ وَهٰكَذَا كُلُّ ثَقِيلٍ يَغُوْصْ [1]

(کتاب الفصوص نے دریا میں غوطہ لگایا، اور اسی طرح ہر بوجھل چیز غوطہ لگاتی ہے)

جس کا جواب ابوالعلاء صاعد نے نظم میں یوں دیا:

عَادَ إِلٰى مَعْدِنِهِ إِنَّمَا ۞ تُوْجَدُ فِيْ قَعْرِ الْبِحَارِ الفُصُوْص [1]

(لوٹی (فصوص) اپنے مرکز کی طرف، سمندروں کی تہ میں نگینے ہی پائے جاتے ہیں)

(۱) ان اشعار کی تصحیح نفح الطیب سے کی گئی ہے، ۲:۸۸ (محمد امین)

ابو العلاء، صاعد گو ایک خود غرض اور حیلہ ساز آدمی تھا، تاہم بعض وقت اس کے قلم سے ایسا پھڑکتا ہوا اور پرمضمون شعر نکل جاتا تھا کہ جسے دیکھ کر شعرائے وقت دنگ ہو جاتے ایک روز یہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ مے کشی میں مشغول تھا کہ ان میں سے ایک نے قطرہ، شراب کا لب جام لگا ہوا دیکھ کر نظم کرنے کی خواہش کی۔ صاعد نے فی البدیہ یہ شعر پڑھا:

كَأَنَّ رِيحَ الرَّوْضِ لَمَّا أَتَتْ ۞ فَتَّتْ عَلَيْنَا مِسْكَ عَطَّارِ
كَأَنَّمَا اِبْرِيقُنَا طَائِرٌ ۞ يَحْمِلُ يَاقُوتًا بِمِنْقَارِ (۱)

(۱) گویا باغ کی ہوا جب آئی، تو اس نے ہم پر عطر فروش کا مشک چھڑکا۔
(۲) گویا ہمارا جام ایسا پرندہ ہے، جو چونچ میں یاقوت کا دانہ اٹھائے ہوئے ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے المنصور کو گلاب کا پھول غیر موسمی لا کر دیا اتفاقاً صاعد بھی اس وقت موجود تھا۔ اس نے فوراً یہ شعر پڑھا:

أَتَتْكَ أَبَا عَامِرٍ وَرْدَةٌ ۞ يُذَكِّرُكَ الْمِسْكَ أَنْفَاسُهَا
كَعَذْرَاءَ أَبْصَرَهَا مُبْصِرٌ ۞ فَغَطَّتْ بِأَكْمَامِهَا رَأْسَهَا (۲)

(۱) اے ابو عامر! آپ کے پاس گلاب کا پھول آیا، جس کی خوشبو آپ کو مشک یاد دلاتی ہے۔

(۲) جیسے وہ کنواری لڑکی جس کو کسی دیکھنے والے نے دیکھا، تو اس نے اپنا سر آستین سے چھپالیا۔

المنصور ایسے نادر اور برجستہ کلام سے نہایت محظوظ ہوا لیکن ابن العریف (۳) نے المنصور سے کہا یہ اشعار صاعد کے نہیں، بلکہ ایک بغدادی شاعر کے ہیں، جو قاہرہ میں

(۱) ان اشعار کی تصحیح مقّری کی نفح الطیب سے کی گئی ہے، ۲:۹۶ (محمد امین) (۲) ان اشعار کی تصحیح نفح الطیب سے کی گئی ہے، ۲:۸۸ (محمد امین) (۳) اصل کتاب میں ''العریف'' کے بجائے ''العارف'' ہے، تصحیح نفح الطیب سے کی گئی ہے، ۴:۷۹، دار صادر، بیروت۔ (محمد امین)

رہتا ہے اس نے اپنے قلم سے میری ایک کتاب میں لکھ دیئے ہیں، المنصور نے اس کتاب کے لانے کا حکم دیا، ابن العریف فوراً ایک شاعر ابن بدر نامی سے یہ اشعار نظم کرالایا، جن میں صاعد کے شعر بھی درج ہیں۔

عَشَوْتُ إِلَى قَصْرِ عبّاسة ۞ وَقَدْجَدَّلَ النَّوْمُ حُرَّاسَهَا

فَأَلْفيتُها وهي فِي خدرِها ۞ وَقَدْ صَرَّعَ السُّكْرُ أُنَاسَهَا

فَقَالَتْ: أَسَارٍ عَلَىّ هجعة ۞ فَقُلْتُ بَلَى، فَرَمَتْ كَأْسَهَا

وَمَدَّتْ يَدَيْهَا إلى وردةٍ ۞ يُحَاكِي لَكَ الطِّيبُ أَنْفَاسَهَا

كَعَذْراءَ أَبْصَرَهَا مُبْصِرٌ ۞ فَغَطَّتْ بِأَكْمَامِهَا رَأْسَهَا

وَقَالَتْ خِفِ اللّٰهَ لاتفضحنّ ۞ فِيْ إِبْنَةِ عَمِّكَ عَبَّاسَهَا

فَوَلَّيْتُ عَنْهَا عَلَى غفلةٍ ۞ وَمَا خُنْتُ نَاسِي وَلاَ نَاسَهَا(۱)

(۱) میں رات کو آگ دیکھ کر اس کی روشنی میں عبّاسہ کے محل تک گیا، جبکہ نیند نے اس کے پاسبانوں کو پچھاڑ دیا تھا۔

(۲) پس میں نے اس کو اس حال میں پایا کہ وہ اپنے پردہ میں تھی، اور نشہ نے اس کے لوگوں کو پچھاڑ دیا تھا یعنی سب لوگ مخمور تھے۔

(۳) پس اس نے کہا: کیا تو آغازِ شب میں میرے پاس آ گیا! میں نے کہا: ہاں، پس اس نے اپنا پیالہ پھینک دیا۔

(۴) اور اس نے اپنے ہاتھ گلاب کے پھول کی طرف دراز کیے، حکایت کرتی ہے

---

(۱) یہ اشعار اصل کتاب میں غلط چھپے ہوئے ہیں، مقّری کی نفح الطیب سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (۲:۸۸) لیکن نفح الطیب کے قدیم نسخہ میں عشوتُ کے بجائے غدوتُ ہے، جبکہ اصل کتاب میں عشوتُ ہے، اور معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ لفظ صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لئے عشوتُ کو باقی رکھا ہے ـــــ اس کے بعد بندہ ڈابھیل (گجرات) گیا، وہاں نفح الطیب کا جدید نسخہ ہے جس کو دار صادر بیروت نے شائع کیا ہے اس میں "غدوتُ" کے بجائے "عشوتُ" ہے (نفح الطیب ۳:۹۷، دار صادر، بیروت) (محمد امین)

تیرے لئے (گلاب کی) خوشبو عباسہ کے سانسوں کی، یعنی گلاب کی خوشبو عباسہ کے انفاس جیسی ہے۔

(۵) اس کنواری لڑکی کی طرح جس کو کسی دیکھنے والے نے دیکھا، تو اس نے اپنا سر آستین سے چھپالیا۔

(۶) اور اس نے کہا: اللہ سے ڈر! اور اپنے چچا کی لڑکی کے بارے میں اس کے عباس کو ہرگز رسوانہ کر۔

(۷) پس میں نے اس کے پاس سے غفلت کی حالت میں پیٹھ پھیری، اور نہ میں نے اپنے لوگوں سے خیانت کی، نہ اس کے لوگوں سے۔

ابن العریف نے یہ اشعار ایک مصری لکھی ہوئی کتاب میں چسپاں کر کے المنصور کے سامنے پیش کئے، المنصور نے دوسرے روز ایک نہایت عمدہ کشتی مختلف چیزوں سے سجی ہوئی اپنے سامنے رکھی، اور صاعد سے کہا کہ آج تیری لیاقت اور سچائی کا امتحان ہم کو منظور ہے، اسی وقت فی البدیہ کشتی کی تعریف میں کچھ اشعار کہہ۔ صاعد نے فوراً قصیدہ نظم کیا اور پڑھا۔

أَبَا عَامِرٍ! هَلْ غَيْرُ جَدْ وَاكَ وَاكِفُ ‖ وَهَلْ غَيْرُ مَنْ عَادَاكَ فِي الْأَرْضِ خَائِفُ
يَسُوْقُ إِلَيْكَ الدَّهْرُ كُلَّ غَرِيْبَةٍ ‖ وَأَعْجَبُ مَا يَلْقَاهُ عِنْدَكَ وَاصِفُ
وَشَائِعُ نَوْرٍ صَاغَهَا هَامِرُ الْحَيَا ‖ عَلَى حَافَتَيْهَا عَبْقَرٌ وَرَفَارِفُ
وَلَمَّا تَنَاهَى الْحُسْنُ فِيْهَا تَقَابَلَتْ ‖ عَلَيْهَا بِأَنْوَاعِ الْمَلَاهِي الْوَصَائِفُ
كَمِثْلِ الظِّبَاءِ الْمُسْتَكِنَّةِ كُنَّسًا ‖ تُظَلِّلُهَا بِالْيَاسْمِيْنَ السَّقَائِفُ
وَأَعْجَبُ مِنْهَا أَنَّهُنَّ نَوَاظِرٌ ‖ إِلَى بِرْكَةٍ ضُمَّتْ إِلَيْهَا الطَّرَائِفُ
حَصَاهَا اللَّآلِي سَابِحٌ فِيْ عُبَابِهَا ‖ مِنَ الرُّقْشِ مَسْمُوْمُ الثَّعَابِيْنَ زَاحِفُ
تَرَىٰ مَاتَرَاهُ الْعَيْنُ فِي جَنَبَاتِهَا ‖ مِنَ الْوَحْشِ حَتّٰى بَيْنَهُنَّ السَّلَاحِفُ (۱)

(۱) ان اشعار کی تصحیح مقّری کی نفح الطیب سے کی گئی ہے (۲:۸۹ قدیم مصری، ۳:۸۰، دار صادر، بیروت) (محمد امین)

(۱) اے ابو عامر! کیا تیری بخشش کے سوا کوئی موسلا دھار برسنے والا بادل ہے؟ اور جس نے تجھ سے دشمنی کی اس کے سوا کوئی روئے زمین پر خائف ہے؟

(۲) ہر نادر چیز کو زمانہ تیرے پاس کھینچ لاتا ہے، اور عجب تر چیز جو تیرے پاس مداح کو ملتی ہے (وہ) کلیوں کی چھت ہے جن کو ابرِ اراں نے ڈھالا ہے، اس کے دونوں کناروں پر عَبقر (ریشمین کپڑا) اور رفرف (باریک ریشمی کپڑا) ہے۔

(۳) جب اس کا (یعنی کلیوں کی چھت کا) حُسن انتہا کو پہنچا، تو آمنے سامنے بیٹھ گئیں اس پر کنیزیں (یعنی گڑیاں) انواع واقسام کے کھلونوں کے ساتھ۔

(۴) (وہ کنیزیں) ان ہرنیوں کی طرح ہیں جو اپنے مسکنوں میں چھپی ہوئی ہیں، اور ان پر گلہائے یاسمین کی چھتیں سایہ فگن ہیں۔

(۵) اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ کنیزیں حوض کا نظارہ کر رہی ہیں، جسے عجائب روزگار نے گھیر رکھا ہے۔

(۶) اس کے سنگریزے موتی ہیں، اور اس کی موجوں میں چتّی دار سانپوں میں سے زہریلے سانپ آہستہ آہستہ تیر رہے ہیں۔

(۷) تو اس کے کناروں میں وہ چیز دیکھ رہا ہے جس کو ہر آنکھ دیکھ رہی ہے، یعنی جنگلی جانور اور ان کے درمیان پکھوے ہیں۔

المنصور برجستہ اور عمدہ کلام سن کر بہت مسرور ہوا، اور اس کو ایک ہزار دینار سرخ مع خلعتِ فاخرہ عطا: اور تیس (۳۰) دینار اپنی جیبِ خاص سے ماہانہ بطور وظیفہ جاری کئے۔

ایک روز صاعد نے ایک ہرن مع ایک قصیدے کے جس کے چند اشعار ہم ذیل میں تحریر کرتے ہیں، المنصور کو تحفۃً بھیجا:

يَا حِرْزَ كُلِّ مُخَوَّفٍ! وَأَمَانَ كُلِّ مُشَرَّدِ! وَمُعِزَّ كُلِّ مُذَلَّلِ!

يَا سِلْكَ كُلِّ فَضِيلَةٍ! وَنِظَامَ كُلِّ جَزِيلَةٍ! وَثَرَاءَ كُلِّ مُعَيَّلِ!

عَبْدٌ جَذَبْتَ بِضَبْعِهِ وَرَفَعْتَ مِنْ مِقْدَارِهِ أَهْدَى إِلَيْكَ بِأَيِّلِ

سَمَّيْتُــهُ غَـرْسِيَّةً وَبَعَثْــهُ فِـى حَبْـلِـهِ لِيَصِحَّ فِيْهِ تفَاؤُلِى [1]

① اے ہر خوفزدہ کی پناہ! اور ہر دھتکارے ہوئے کی امان! اور ہر خوار کو عزت بخشنے والے!

② اے ہر فضیلت کی لڑی! اور ہر بخشش کا ہار! اور ہر عیالدار کی ثرْوَت و دولت!

③ اس بندے نے جس کا بازو تھام کر تو نے اپنی جانب کھینچا ہے، اور جس کو اس کے مرتبہ سے تو نے بلند کیا ہے، اس نے تیری خدمت میں ایک بارہ سنگھا تحفہ میں پیش کیا ہے۔

④ میں نے اس کا نام غَرْسِیَہ رکھا، اور اس کو اس کی رسّی کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس کے بارے میں میرا نیک شگون درست ہو۔

حسن اتفاق سے جس روز یہ قصیدہ جس میں غرسیہ کا بھی ذکر تھا پیش ہوا اسی روز عرب، قومس قسطلہ کو جس کا نام غرسیہ تھا اور جو اتفاقاً شکار کھیلنے نکلا تھا گرفتہ وبستہ دربار میں حاضر لائے۔ المنصور اس نادر واقعہ سے بہت محظوظ ہوا اور صاعد کو پہلے سے بھی زیادہ عزیز رکھنے لگا۔

منصور کی عدالتی احکام سے صرف نظر

المنصور کی یہ نہایت دوراندیشانہ مصلحت تھی کہ اس نے عدالتی احکام میں کبھی بلا وجہ معقول دخل نہیں دیا، اور نہ ایسے معاملات میں کبھی سعی و سفارش پر عمل کیا، چنانچہ ایک روز المنصور نے فصد لینے کی غرض سے اپنے جراح محمد نامی کو طلب کیا، معلوم ہوا کہ وہ کسی الزام میں قاضی کے حکم سے قید کر دیا گیا ہے۔ المنصور نے جراح کو قید خانے سے بلوایا، اور فصد لینے کے بعد جب اس جراح نے اپنی رہائی کی درخواست کی، تو جواب دیا کہ میں عدالت کے احکام میں بشرطیکہ وہ صحیح اور منصفانہ ہوں ہرگز دخل نہیں دیتا۔ یہ

(۱) اصل میں یہ اشعار غلط چھپے ہوئے ہیں، نفح الطیب سے اس کی تصحیح کی گئی ہے، ۲: ۹۰
(محمد امین)

کہہ کر جراح کو جیل خانہ واپس بھیج دیا۔

المنصور کی حالات پر نظر

المنصور امراء اور رعایا سب کے حالات خفیہ طور پر دریافت کیا کرتا تھا، بالخصوص عیسائیوں کی نگرانی اور ان کی سازشوں نے اس پر دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ تمام شب اسی فکر و اندیشہ میں بسر ہوتی تھی۔ ایک بار کسی امیر نے شب کو آرام لینے کی نسبت اصرار کیا، المنصور نے جواب دیا کہ "رعایا کی استراحت و آرام، ملک کا امن وامان میری بیداری پر موقوف ہے" یہ کہہ کر المنصور نے ایک سوار کو حکم دیا کہ شہر پناہ کے دروازے پر کھڑا ہو، اور علی الصباح جو شخص پہلے باہر نکلے اس کو میرے پاس حاضر کر۔

چنانچہ صبح کو ایک نہایت معمر عیسائی گدھے کو ہنکاتا ہوا شہر کے باہر نکلا، سوار نے بڈھے کے اس بیان پر کہ میں لکڑی لانے کے واسطے جنگل جا رہا ہوں، اور نیز اس خیال سے کہ ایک ضعیف از کار رفتہ کا لے جانا بے سود ہے، معترض نہ ہوا، مگر المنصور کی عدول حکمی کی دہشت نے سوار کو ایسا بے چین کیا کہ وہ اس بڈھے کے پیچھے دوڑا، اور کشاں کشاں اس کو دربار میں لے آیا، المنصور نے اس بڈھے کی جامہ تلاشی کا حکم دیا، جب اس کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی تو گدھے پر جو ایک چمڑا پڑا ہوا تھا دیکھا گیا۔ بہت کچھ تلاش کے بعد اس چمڑے میں سے ایک خط نکلا، جس میں شہر کے عیسائیوں نے اپنے ہم مذہب رئیسوں کو یہاں کے واقعات سے مطلع کر کے عربوں پر فوج کشی کی رائے دی تھی، المنصور نے ان باغیوں کو فوراً گرفتار کر لیا۔

المنصور کی بہادری اور عربوں کا رعب

ابن ابی عامر کے عہد میں اس قدر رعب عربوں کا عیسائیوں پر چھایا تھا کہ وہ عیسائی صرف اس کے رایتِ لشکر کو دور سے دیکھ کر شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں جا

چھپتے تھے۔ ایک دفعہ جب عرب جنگ کے بعد اپنے ملک کو واپس ہو رہے تھے ایک علم ان کا مقام مفتوحہ کے قریب کسی بلند ٹیلہ پر گڑا رہ گیا، باوجودیکہ تمام فوج کوسوں دور نکل گئی تھی، لیکن پھریرے کو ہوا میں لہلہاتا دیکھ کر کئی روز تک دروازے شہر کے بند رہے، اور کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ شہر سے باہر نکل کر اس واقعہ کو دریافت کرتا۔

میدانِ جنگ میں المنصور کا نام سن کر عیسائی افسر اور فوج سب پر ایسی دہشت غالب آجاتی تھی، کہ آغاز جنگ کے قبل ہی یہ اپنی کامیابی سے بالکل ناامید ہو جاتے تھے۔ بعض وقت جب اس کو عیسائی گھیر لیتے تھے اور ظاہراً رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، اس وقت بھی اس کی ہمت مردانہ سے وہ کارنمایاں [1] ظہور میں آتے تھے کہ جس کے دوست دشمن دونوں معترف ہیں۔

چنانچہ المنصور ایک بار عیسائیوں سے لڑتا ہوا، ایک نہایت تنگ و تاریک راستے سے جو دو سر بفلک کشیدہ (بہت بلند) پہاڑوں کے بیچ میں واقع تھا، گزر کر دشمن کے ملک میں داخل ہوا۔ اثناءِ تعاقب میں اس نے دیکھا کہ عرب اپنی سرحد سے بہت دور نکل آئے ہیں، اور عیسائی جنگ سے برابر گریز کر رہے ہیں، رسد اور امداد کا پہنچنا دشوار ہو رہا ہے، اس نے فوراً فوج کو واپسی کا حکم دیا ——— لیکن جس وقت عرب درّہ مذکور کے قریب پہنچے، عیسائیوں کو دونوں طرف پہاڑوں پر مورچہ بند پایا، المنصور دل میں اپنی اس غفلت پر نادم تھا، اس نے تشویش کو ظاہر نہیں ہونے دیا، اور بکمال استقلال اپنی لشکر گاہ سابقہ پر واپس آکر حکم دیا کہ: "اطراف کے تمام مقامات پر قبضہ کرلیا جائے، اور فوج کے واسطے یہیں مکانات تیار ہوں، جب تک ہم یہاں قیام کریں سوائے عورتوں اور بچوں کے جو عیسائی نظر آئے اس کو فوراً قتل کر کے لاش اس درّہ کے سامنے ڈال دیا کریں"

غرض چند ہی روز میں ایک انبارِ عظیم ان نعشوں کا عیسائیوں کے سامنے جمع ہو گیا، عیسائی اپنے ملک و قوم کو اس طرح تباہ ہوتے دیکھ کر بہت پریشان ہوئے، اور المنصور

(۱) اصل کتاب میں "کارنمایاں" کے بجائے "کارنمائیاں" ہے (محمد امین)

کو کہلا بھیجا کہ: ''اگر جو عورتیں اور بچے مقید ہیں رہا کر دیئے جائیں، اور مالِ غنیمت واپس کر دیا جائے، تو ہم تجھ کو اور تیری فوج کو بلاتعرض دَرّۂ کوہ سے گزرنے دیں گے'' المنصور نے یہ جواب دیا کہ ''میری فوج فی الحال اس ملک سے جانا نہیں چاہتی، یہاں پر سب قسم کا بندوبست اپنے آرام و آسائش کے لئے کرلیا ہے، اور اگر ہم اس وقت واپس گئے بھی تو سال آئندہ موسم بہار میں ہم کو پھر یہاں آنا ہوگا، اس آمد و رفت کی تکلیف گوارا کرنے کی عوض ہمارا یہیں رہنا مناسب ہے، اب بغیر کامل فتح ہمارا قدم پیچھے نہ ہٹے گا'' عیسائی اس کے کمال استقلال اور علوِ ہمت کو دیکھ کر بہت ڈرے اور نہایت عجز وانکسار کے ساتھ اپنی عفوِ خطا کی درخواست کی، المنصور خود اپنی رہائی کی فکر میں تھا، آخر کار اس نے اس شرط پر کہ:

① عیسائی فوج فوراً منتشر کر دی جائے۔

② عیسائی فوج عرب کی بار برداری اور رسد کا ایسا انتظام کریں کہ قرطبہ تک عربوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

③ خود عیسائی افسر اور امراء اپنے ہاتھوں سے لاشوں کو راستہ سے الگ کریں۔

اُن کی خطاؤں کو معاف کیا۔

ایک مؤرخ نے اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ ''اس سے زیادہ دشمنانِ اسلام کی کیا توہین ہوگی، اور اس سے زیادہ خدائے تعالیٰ کا کیا قہر ان مغروروں پر نازل ہو سکتا تھا، کہ اپنے مقتولوں کی نعشیں ان کو اٹھانی پڑیں'' عیسائیوں نے ان تمام شرائط کو پورا کر دیا، اور عرب بلاتعرض درّۂ کوہ سے گزر کر اپنے ملک واپس آئے۔

المنصور کی سخت گیری اور فوج کی آراستگی

اگر ہم المنصور کی یلغاروں اور عیسائیوں کے ساتھ جس قدر کہ محاربات اس کے زمانے میں واقع ہوئے ان سے قطع نظر کریں، اور صرف سلطنت کی اندرونی حالت پر

نظر ڈالیں، تو معلوم ہوگا کہ اس کی حکومت کے استحکام کے ساتھ ملک میں امن اور رعایا کو فارغ البالی حاصل ہوتی گئی، لیکن ابتدائی واقعات ہمیشہ اس کی ہر دل عزیزی میں حائل رہے، چنانچہ لوگ اگر کوئی اچھا کام بھی کرتے تھے تو دیکھ لیتے تھے کہ کہیں المنصور کے خلافِ طبع نہ ہو، ملازمین سلطنت کی کیا مجال تھی کہ ان سے کسی قسم کی بے ضابطگی عمداً یا سہواً سرزد ہو جاتی، سب سے زیادہ اس کو اپنی فوج کی آراستگی کا خیال تھا، ادنیٰ سے ادنیٰ خلاف ورزی کی پاداش میں اہل فوج کو نہایت ہی سنگین سزائیں بلکہ اکثر سزائے قتل دی جاتی تھی، المنصور کے زمانہ میں فوج کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی، ایک روز یہ اپنی فوج کا معائنہ کر رہا تھا، اور رسالے اور پلٹنیں نہایت ہی باقاعدہ اور باترتیب بالکل خاموش اس کے سامنے سے گزر رہی تھیں، اس کا حکم تھا کہ ایسے موقعوں پر گھوڑے کی آواز بھی کان تک نہ پہنچے، اتفاقاً کسی سپاہی کی تلوار کی جھلک نظر آئی، اس بدقسمت نے خلاف قاعدہ بلا اجازت اپنے افسر کے تلوار میان سے نکال لی تھی، المنصور نے اس کو اپنے سامنے طلب کیا، اور صرف اتنی سی غفلت پر اس کے قتل کا حکم دیا[1]۔

المنصور کی تعمیرات اور اس کی وفات

المنصور کو تعمیر مکانات کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ حکومت میں جو عمارتیں بنائی گئی تھیں وہ بھی کچھ کم مشہور نہیں ہیں۔ مسجد قرطبہ کو جس کی نسبت ہم بہت کچھ تحریر کر چکے ہیں، اس کے زمانے میں وسعت دی گئی، اور دارالخلافۃ سے کچھ فاصلے پر سنہ ۳۸۷ھ میں قلعہ الزاہرۃ تعمیر کیا گیا، جو رفتہ رفتہ اس کے زمانہ عروج میں ایک خاصہ شہر بن گیا تھا۔ عمدہ اور نفیس مکانات جن کے سنہرے گنبد مثل آفتاب منور تھے، اور پر فضا سیر گاہوں اور خوشنما بازاروں سے مزین تھا، دریائے وادی الکبیر کا پل ایک لاکھ چالیس ہزار دینار سرخ کے صَرف (خرچ) سے سنہ ۳۷۹ھ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ علاوہ ان

(۱) المقّری نفح الطیب۔

کے اور بہت سی عمارتیں اور پل اندلس اور افریقہ میں اس کے زمانے میں تیار ہوئے۔
المنصور راسخ الاعتقاد پابند شرع اور بقول المقّری قرآن اپنے ہاتھ سے لکھا کرتا تھا،
جس وقت یہ اپنی آخری جنگ سے لیوَن کو فتح کر کے واپس ہو رہا تھا، شہر سالم میں ماہ
رمضان سنہ ۳۹۲ھ مطابق سنہ ۱۰۰۲ء میں اس نے انتقال کیا۔

عبدالملک بن المنصور کا تقرر اور انتقال

جب المنصور کے انتقال کی خبر عام طور پر معلوم ہوئی، تو صرف اس کے مخالفین ہی نہیں بلکہ تمام رعایا اپنے خلیفہ کی رہائی کے خیال سے ایسی خوش تھی کہ قصر الزہرا کے نعرہ ہائے شادمانی سے تمام دار الخلافۃ گونج رہا تھا، اعلیٰ اور ادنیٰ کا یہی خیال تھا کہ اپنے جابر وزیر کے مرنے سے خلیفہ بہت خوش ہوگا، لیکن زمانہ دراز کی بے کاری نے ہشام کو اس قدر آرام طلب اور عیش پسند کر دیا تھا کہ جب اس کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، تو بجائے خوشی کے آثار رنج و فکر کے اس کے چہرے سے نمودار ہوئے، اور عبدالملک بن المنصور کے آنے تک یہ بالکل ساکت رہا۔ جب عبدالملک مدینہ سالم سے اپنے باپ کو دفن کر کے قرطبہ آیا، ہشام نے اپنے ہاتھ سے اس کو خلعت پہنایا، اور المنصور کی جگہ اس کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ ظاہر ہے کہ اس خلافِ توقع تقرر سے عام طور پر کیا اثر ہوا ہوگا؟! ہشام کے تمام بہی خواہان نے بحالت مایوسی اس کی تائید سے دست کشی اختیار کر لی، اُدھر عبدالملک نے تالیفِ قلوب کا جال بچھایا، چنانچہ اپنے باپ کے خیر خواہوں کو بدستور ان کی خدمتوں پر قائم رکھا، سنہ ۳۹۳ھ میں مصلحتاً المعز بن زیری بن عطیہ کو اس کے حسب استدعا بذریعہ فرمان شاہی مغرب الاقصیٰ کا مستقل حاکم مقرر کیا، اور مثل اپنے باپ کے ہر سال عیسائیوں پر فوج کشی کرتا رہا، مؤرخین تحریر کرتے ہیں کہ اس نے اپنے زمانہ حکومت میں آٹھ بار فوج کشی کی، اور ہر بار کامیاب رہا۔

سنہ ۳۹۴ھ سنہ ۱۰۰۴ء میں بادشاہ جلیقیہ کو شکست عظیم دے کر اس کے پائے تخت

لیون کو تاراج کیا، جس کے صلہ میں سلطان نے اس کو سیف الدولہ اور المظفر کا خطاب عطا کیا۔ عبدالملک نے تقریباً سات سال کی حکومت کے بعد ماہ محرم سنہ ۳۹۹ھ م سنہ ۱۰۰۸ء میں انتقال کیا۔

عبدالرحمٰن بن المنصور کا تقرر اور تاج وتخت کی ہوس

عبدالملک کے بعد اس کا بھائی عبدالرحمٰن بن المنصور حاجب مقرر ہوا، اور مثل اپنے باپ اور بھائی کے بلا مزاحمت حکومت کرتا رہا۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ المنصور نے اپنے زمانہ حکومت میں قدیم امرائے عرب کی قوت کو اس قدر توڑا تھا کہ زمانہ دراز تک کوئی اس کے خاندان کا مقابلہ نہ کرسکا، عبدالرحمٰن نے اپنے تقرر کے چند ہی روز بعد المامون، یا جیسا کہ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ الناصر لدین اللہ کا لقب اختیار کیا، اور تمام لوازمات اور اقتداراتِ شاہی کو کام میں لانے لگا۔

المنصور نے گو فی الحقیقت بادشاہی کی تھی، لیکن ہمیشہ اپنے کو ہشام کا وزیر ظاہر، اور احکام وفرمان شاہی خلیفہ ہی کے نام سے جاری اور نافذ کرتا تھا، لیکن عبدالرحمٰن نے اس ظاہری تابعداری اور خیر خواہی کو بھی بالائے طاق رکھا، موجودہ امرائے دربار چونکہ سب اسی خاندان کے ساختہ وپرداختہ تھے، ہر حالت میں اسی کے طرفدار ومعاون بنے رہے، علاوہ بریں عامۂ خلائق بھی اب ہشام سے مایوس اور اس طرز حکومت کی عادی ہوگئی تھی، کسی نے ان باتوں پر اعتراض نہیں کیا، رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ عبدالرحمٰن کے دل میں تاج اور تخت کی ہوس پیدا ہوئی۔ اس نے ایک فرمان ابوحفص بن برد سے تیار کرا کر اس کی ایک نقل خود سلطان سے جبراً کرائی، اور اس حکم سلطانی کا اعلان تمام ممالک محروسہ میں کیا گیا، یہ فرمان جو کہ ایک معاہدہ کی شکل میں تھا حسب ذیل ہے۔

''امیر المؤمنین ہشام المؤید باللہ بہ ثبت دستخط اپنی عزیز رعایا سے بحلف یہ وعدہ کرتا ہے کہ جو کچھ اس فرمان میں درج ہے، اس کی پوری پوری پابندی کرے گا، بعد بہت غور

اور تامل اور ان عنایات اور بخشش ہائے ایزدی کو پیش نظر رکھ کر، جو خدائے تعالیٰ نے بمقتضائے کرم اور فضل خلیفہ ہشام بن خلیفہ الحکم المستنصر باللہ بن خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کو عطا فرمائی ہیں، اور اس کو عامہ خلائق کا امام اور امیر المومنین گردانا ہے، یہ خوف عظیم امیر المومنین کے دل میں پیدا ہوا کہ اگر میں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں قاصر رہا، اور اپنی عزیز رعایا اور ملک کا جن کو خدائے تعالیٰ نے بطور ودیعت میرے سپرد کیا ہے، بغیر معقول انتظام کئے بے یار و مددگار، اور بغیر ایسے سرپرست کے سپرد کئے جو سچا خیر خواہ ملک و رعایا کا ہو، اس جہان فانی سے کوچ کر گیا، اس وقت منتقم حقیقی کو کیا جواب دیا جائے گا۔

پس خلیفہ نے مصمم قصد کر لیا ہے کہ خاندانِ قریش یا ان عربوں میں سے جنھوں نے اس ملک کو اپنا وطن گردانا ہے، کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین اور وارث ملک اور قوم کا نگہبان مقرر کرے، جو قوم کا سچا ہمدرد اور دلی بہی خواہ ہو، اور جو سچے عقائد کے ساتھ اپنے مذہب کا پورا پابند ہو، جس کا آئینہ قلب زنگِ خود غرضی اور خودستائی اور مردم آزاری کی ضلالت سے صاف اور روشن ہو، جو معدلت گستری اور رعایا پروری اور راست بازی میں مشہور عالم ہو۔ غرض وہ ایسا آدمی ہو جو ہمیشہ اپنے خدا اور رسولؐ سے ڈرتا رہے، اور ان کے احکام سے سرمو انحراف نہ کرے، اور جس سے خدا و رسول اور عامۂ خلائق خوش رہیں، بعد جستجوئے بسیار میں نے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا ہے، جس میں یہ تمام صفات موجود ہیں، اس کا نام المطرف عبدالرحمٰن بن المنصور محمد[1] بن ابی عامر ہے۔

یہ شخص ایک خاندانِ عالی شان کا رکن اعظم ہے، اور بلحاظ لیاقت اور متانت اور سنجیدگی، اور دیگر صفات حمیدہ اس قابل ہے کہ میرے بعد خلافتِ اندلس کو انجام دے، اس کا نادر العصر، اور اس میں ان تمام باتوں کا جمع ہونا جو کہ بادشاہوں میں لازمی اور ضروری ہیں، جن کے باعث اس کو اپنے ہم عصروں پر ہر طرح فوق حاصل ہے،

(۱) اصل میں المنصور بن محمد ہے (محمد امین)

کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ اس لئے کہ یہ شخص المنصور کا بیٹا اور المظفر کا بھائی ہے۔

ایک دوسری وجہ اسی شخص کو منتخب اور دوسروں پر ترجیح دینے کی یہ ہوئی کہ جب امیر المومنین نے علم نجوم سے کام لیا، تو معلوم ہوا کہ خلیفہ کے بعد ایک شخص بنی قطن سے تخت خلافت کو زینت دے گا، جس کی تصدیق عبداللہ بن عمرو بن العاص[1] اور ابو ہریرہ کی اس تحریر (یعنی روایت) سے ہوتی ہے کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

ایک وقت وہ آنے والا ہے کہ بنی قطن کا ایک شخص آدمیوں کو اپنے سامنے لکڑی سے ہنکائے گا۔

چونکہ اس آدمی میں تمام خوبیاں جس سے انسان بنتا ہے موجود ہیں، اور چونکہ کوئی اس کا ہم سر نظر نہیں آتا، لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ وہی آدمی ہے۔

پس میں اپنی خاص خواہش اور رغبت سے اور گواہوں کے سامنے خدا اور رسول اور چار خلفائے راشدین کو اپنے اس فعل کا گواہ گردان کر اپنے زمانۂ زندگی میں المامون عبدالرحمٰن بن المنصور کو سلطنت کا انتظام سپرد کرتا ہوں، اور بعد میرے انتقال کے یہی تخت و تاج کا وارث ہوگا، المامون عبدالرحمٰن بن المنصور جو اس وقت حاضر ہے، اس کو قبول کر کے وعدہ کرتا ہے کہ اپنے کارِ مفوضہ کے انجام دینے میں ہمہ تن مصروف رہے گا۔

یہ فرمان جس کو سند ولی عہدی کہنا چاہئے ماہ ربیع الاول سنہ ۳۹۹ھ مطابق سنہ ۱۰۰۸ء میں دربار عام میں بہ حاضری وزرائے سلطنت اور اعیانِ دولت پڑھا گیا، اور حاضرینِ دربار کی اس پر دستخطیں لی گئیں، اور عبدالرحمٰن ولی عہد تسلیم ہوا۔

ابن المنصور کی بداقبالی اور خلیفہ ہشام کی معزولی

الغرض جب عبدالرحمٰن کی امیدیں پوری ہوئیں، اور اس کی ولی عہدی کا اعلان مسجد قرطبہ کے ممبر سے کیا گیا، تو اس نے نہایت اطمینان اور استقلال کے ساتھ اپنے خیالات کے موافق سلطنت کا انتظام شروع کیا، لیکن اس

(۱) اصل میں ''العاص'' کی جگہ ''القاص'' ہے (محمد امین)

کی سختی کے باعث عروج کے ساتھ ہی آثار انحطاط، اور بداقبالی کے نمودار ہونے لگے، ان امرائے عرب کو جواب تک اس شہاب ثاقب کی تیز رفتاری اور غیر معمولی روشنی سے متحیر اور بے حس وحرکت ایک سکتے کے عالم میں پڑے تھے، جب اس کے ناقابل برداشت نظام نے بیدار کیا، تو ان کو محسوس ہوا کہ ایک شخص جس کا باپ ان کی خوشامد اور کفش برداری کو اپنا کمال فخر سمجھتا تھا، اس کے دل میں اب اس عظیم الشان سلطنت کے تاج وتخت کی آرزو پیدا ہوئی، بلکہ اس نے ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی ہے، سب اس کی مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ان کی خوبیٔ بخت سے چند ہی روز میں ان کو عمدہ موقع حصولِ مقصد کا ملا، یعنی اسی اثناء میں عبدالرحمٰن نے مثل اپنے باپ کے عیسائیوں سے جنگ کا قصد کیا، اور فوج لے کر بذات خود قرطبہ سے جلیقیہ کی طرف روانہ ہوا، امرائے عرب نے رعایا کو مختلف تدبیروں سے اس جدید انتظام سے ناخوش اور برداشتہ خاطر کر ہی دیا تھا، اس کی عدم موجودگی میں افسر فوج کو جس کے سپرد عبدالرحمٰن نے دارالخلافہ کا انتظام کیا تھا قتل کر ڈالا، اور خلیفہ کو معزول کر کے خلیفہ عبدالرحمٰن الناصرلدین اللہ کے دوسرے بچوں میں سے محمد بن ہشام بن عبدالجبار کو ہشام کی جگہ تخت خلافت پر بٹھادیا اور قلعۃ الزاہرہ(۱) کو بھی منہدم کر ڈالا۔
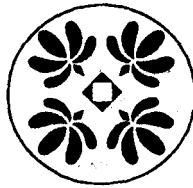
(۱) یہ قلعہ ابن ابی عامر نے قصر الزہرا کے مقابلہ میں تعمیر کیا تھا۔

باب نہم[1]

طوائف الملوکی ـــــ محمد بن ہشام بن عبدالجبار المہدی[2] ـــــ سلیمان ـــــ سلطان ہشام کا دوبارہ تخت پر بیٹھنا ـــــ اہل بربر کی بغاوت ـــــ قتل عام ـــــ خلیفہ ہشام کا قتل۔

محمد المہدی باللہ کے مختصر حالات

محمد المہدی باللہ کے مختصر حالات یہ ہیں: کہ اس کے باپ ہشام بن عبدالجبار نے عبدالملک بن المنصور کے زمانہ حکومت میں تخت پر بیٹھنے کی کوشش کی تھی، لیکن بہت جلد عبدالملک کو اس کے ارادے کی اطلاع ہوگئی، اور اس نے سنہ ۳۹۷ھ مطابق سنہ ۱۰۰۶ء میں اس کو قتل کر ڈالا، اس کے قتل کے بعد محمد بن ہشام کا جو کہ صاحبِ ہمت و جرأت آدمی تھا، یہ قصد ہوا کہ اپنے باپ کے شروع کئے ہوئے کام کی تکمیل کرے، لیکن عبد الملک کی ہوشیاری اور حسن انتظام نے اس کو اس قصد سے باز رکھا۔ جب عبدالرحمٰن اپنے بھائی کی جگہ وزیر مقرر ہوا، اور بہ جبر خلیفہ کو معطل کر کے اپنی ولی عہدی کا اعلان کیا۔ محمد بن ہشام نے عامۂ خلائق کو اس بات سے بے انتہا ناراض، اور عبدالرحمٰن کی عدم موجودگی میں میدان خالی پا کر اس کے خلاف میں سازش شروع کر دی، جس کی

(۱) اصل کتاب میں ''نہم'' کے بجائے ''ہشتم'' ہے (محمد امین)

(۲) اصل میں ''محمد ابن الجبار المہدی'' ہے (محمد امین)

ابتدا حسن بن یحییٰ اور ایک شخص مطرف نامی کی تائید سے ہوئی۔

محمد المہدی کی یورش اور اس کا تخت نشین ہونا

عبدالرحمٰن نے قرطبہ چھوڑنے کے قبل احمد بن حزم اور عبداللہ بن عمرو کو جن کی خیر خواہی اور ہوشیاری پر اس کو پورا بھروسہ تھا، دارالخلافہ کا حاکم مقرر کیا۔ چونکہ اس کو پورے طور پر یقین تھا کہ اب میرے مقابلہ میں کوئی شخص سر بشورش نہیں اٹھا سکتا، لہٰذا دارالخلافہ میں زیادہ فوج چھوڑنے کی چنداں ضرورت نہ سمجھی، اس سہل انگاری کا یہ ثمر ملا کہ اس کے جاتے ہی اس کے مخالفین درپے اس کی بربادی کے ہو گئے، محمد بن ہشام بن عبدالجبار [1] کے ہم رازوں میں سے کسی کی غلطی سے قبل از وقت تمام شہر میں یہ افواہ پھیلی: ''کہ ایک زبردست شخص ابن ابی عامر سے عنقریب حکومت چھینا چاہتا ہے'' ابن عمرو نے جب اس خبر وحشت اثر کو سنا تو فوراً شہر میں اس گمنام شخص کے گرفتار کرنے کی غرض سے جاسوس مقرر، اور مشتبہ اشخاص کی نگرانی کے لئے سخت احکام جاری کئے۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز تک باغیوں کو اپنا کام ملتوی کرنا پڑا۔

لیکن تھوڑے روز بعد موقع پا کر بتاریخ ۱۵ / جمادی الاخری روز دوشنبہ سنہ ۳۹۹ھ مطابق سنہ ۱۰۰۹ء محمد بن ہشام بن عبدالجبار [2] نے اپنے ہم رازوں میں سے تیس آدمیوں کو جن کی جرأت اور خیر خواہی پر اس کو پورا اطمینان تھا، یہ حکم دیا کہ یہ پُل کے دروازہ سے قرطبہ میں داخل ہوں، اور فصیل پر جہاں شام کو لوگ بطور تفریح جمع ہوا کرتے ہیں، مثل تماشائیوں کے کھڑے ہوں، اور حکم کے منتظر رہیں۔ ان کی روانگی کے بعد محمد بن ہشام بن عبدالجبار خود ایک خچر پر سوار ہوا، اور تنہا اس دروازہ پر آیا، جس کی فصیل پر یہ لوگ حکم کے منتظر کھڑے تھے، چشم زدن میں تمام شرکاء جمع ہو گئے۔

(۱) اصل میں ''محمد بن ہشام عبدالجبار'' ہے (محمد امین)

(۲) اصل کتاب میں ''محمد بن عبدالجبار'' ہے (محمد امین)

یہاں سے دربانوں کو، یا اور جو کوئی ان کا سدِراہ ہوا قتل کرتے ہوئے سب ابن عمرو کے گھر پر حملہ آور ہوئے، جہاں یہ دو عورتوں کے ساتھ مے کشی میں مشغول تھا۔ محمد بن ہشام بن عبدالجبار خود خواب گاہ میں گھس آیا، اور ابن عمرو کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، اور پھر قصر شاہی کی طرف متوجہ ہوا۔

یہاں حاکم شہر کے قتل کی پہلے ہی خبر پہنچ چکی تھی، دروازے قصر کے بند کر کے ہر جگہ فوج متعین کر دی گئی تھی، لیکن فوج اتنی نہ تھی کہ تمام شہر والوں کا مقابلہ کرتی، نتیجہ یہ ہوا کہ باغی باب السباع اور باب الجنا کی دیوار کو توڑتے اور فوج کو شکست دیتے ہوئے قصر میں داخل ہو گئے، محمد بن ہشام بن عبدالجبار بھی اسی وقت باب السدۃ کی طرف سے ان کی مدد کے لئے پہنچا۔ باوجودیکہ قلعہ الزاہرہ(۱) میں اعلیٰ عہدہ دار اور افسران فوج مثل ابوعمر بن حزم اور عبداللہ بن سلامہ وغیرہم مع فوج موجود تھے، لیکن ان پر خوف اس درجہ طاری تھا کہ یہ سب صرف قلعہ کے دروازے بند کر کے رات بھر مسلح یورش کی انتظاری میں بیٹھے رہے۔

جب خلیفہ ہشام کو المہدی کے قصر میں گھس آنے کی خبر ہوئی تو اس نے کہلا بھیجا ''کہ اگر تو میری ہلاکت سے درگزرے تو میں سلطنت سے دست بردار ہو جاتا ہوں'' المہدی نے جواب دیا کہ'' خدا میری نیت سے واقف ہے کہ میں اپنے خاندان کا دشمن نہیں اور نہ میں اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے قتل کا قصد رکھتا ہوں، ہشام اگر اس ملک کی حکومت سے کنارہ کش ہو تو میں اس کے ساتھ وہی برتاؤ کروں گا، جو اس کے لائق اور سزاوار ہوگا'' اس کے بعد اس نے علماء اور امراء اور رعایا کے سربرآوردہ لوگوں کو جمع کیا، اور ایک فرمان تیار کرایا، جس کا مضمون یہ تھا کہ:

''ہشام سلطنت سے دست بردار اور محمد بن ہشام بن عبدالجبار المہدی(۲) اس کی جگہ تخت نشین ہوا''

(۱) اس قلعہ کو بالس بھی کہتے ہیں۔ (۲) اصل میں ''محمد بن الجبار المہدی'' ہے (محمد امین)

اس دستاویز پر تمام حاضرین دربار نے اپنے دستخط کئے۔

قلعۃ الزاہرہ کی تسخیر اور ابن المغیرہ کی غارت گری

بروز چہار شنبہ علی الصباح سلطان محمد اول المہدی نے مستقل طور پر دار الخلافہ کا انتظام شروع کیا۔ اس نے سب سے پہلے اپنے ایک چچا زاد بھائی محمد بن المغیرہ کو حاجب، اور دوسرے اُمیہ بن الحاف کو صاحب المدینۃ یعنی حاکم قرطبہ مقرر کیا، اور ان دونوں کو حکم دیا کہ فوراً جدید فوج کی بھرتی بلا لحاظ قوم اور پیشہ شروع کر دی جائے۔ اس کی فیاضی کی خبر سن کر اتنے لوگ بخواہش دلی جمع ہوئے کہ قلیل عرصہ میں عمدہ فوج تیار ہوگئی۔

اس انتظام کے بعد المہدی نے اپنے حاجب کو الزاہرہ کی تسخیر کا حکم دیا۔ دار الخلافہ پر قبضہ کر لینے کے بعد اہل بالس [1] ایسے مایوس و پست ہمت ہوئے کہ بغیر لڑے دروازے فوراً کھول دیئے۔ محمد بن المغیرہ قلعہ میں داخل ہوا۔ باوجودیکہ وہاں کی رعایا نے کسی قسم کی مخالفت نہیں کی تھی، تاہم چند روز تک لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ عامہ خلائق اور شاہی مکانات اور امراء کے باغ وغیرہ سے نہ صرف مال و متاع ہی لیا، بلکہ مکانات کو اس قدر شکستہ و برباد کیا کہ یہ قلعہ چند ہی روز میں خرابہ ہوگیا [2]۔ مگر ابن المغیرہ [3] نے اس غارت گری اور تباہی پر بھی اکتفا نہ کیا، اور بتاریخ ۱۹ر جمادی الاخری سنہ ۳۹۹ھ قلعہ میں آگ لگا کر اس کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن المنصور کے استیصال کی تیاری

اُس ہی روز محمد المہدی جشن شاہانہ کے ساتھ تخت

(۱) یہ دوسرا نام قلعہ الزاہرہ کا ہے۔ جس میں ابو عمر بن حزم وغیرہ قلعہ بند تھے۔ (۲) المقری رقم طراز ہے کہ اس لوٹ سے سترہ لاکھ دینار اور اکیس لاکھ روپیہ خاص حاجب محمد بن المغیرہ کے حصہ میں آیا تھا۔ (۳) اصل میں ''ابن المغیرہ'' کی جگہ ''المغیرہ'' ہے (محمد امین)

خلافت متمکن ہوا، مسجد قرطبہ میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس خطبہ میں عبدالرحمن بن المنصور کی بہت کچھ مذمت کی گئی۔ ختم خطبہ کے بعد عامۂ خلائق کی اطلاع کے واسطے ایک فرمان جو مشتمل بایں مضمون تھا کہ ''بجائے ہشام، المہدی فرماں روائے اندلس ہوا'' صادر ہوا، اور ہشام کی نسبت جو محل کے ایک حصہ میں قید تھا مصلحتاً یہ مشہور کیا کہ خلیفہ فوت ہو گیا۔

بتاریخ ۲۵/ جمادی الاخری سنہ ۳۹۹ھ م سنہ ۱۰۰۹ء المہدی نے مسجد قرطبہ میں بذات خود جا کر عامۂ خلائق کے ساتھ نماز پڑھی، اور امام نے ممبر پر کھڑے ہو کر حاضرین سے باآواز بلند کہا کہ:

''امیر المومنین کا یہ حکم ہے کہ میری عزیز رعایا مجھ کو عبدالرحمن اور اس کے ساتھیوں کے استیصال میں مدد دے''۔

اس حکم کے مشہور ہوتے ہی دور دور سے لوگ جو عبدالرحمن کے خاندان سے نالاں تھے قرطبہ میں جمع ہوئے، اور فوج میں شریک کر لیے گئے۔ اس نئی فوج کو حکم ہوا کہ قرطبہ کے باہر میدان سرادق میں خلیفہ کے خیمے کے گرد اقامت پذیر ہو۔

ابن المنصور کی پریشانی اور ابن عومس کی صلاح

اِدھر دارالخلافہ میں یہ واقعات پیش تھے، اور اُدھر عبدالرحمن بن المنصور ان معاملات سے بالکل بے خبر کمال اطمینان اور خوشی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جاتا تھا، لیکن جب یہ مع فوج شہر طلیطلہ میں داخل ہوا تو اس کو یہ خبر وحشت اثر پہنچی کہ قرطبہ میں مخالفین کا قبضہ ہو گیا ہے، فوج اور ملازمین بلکہ اس کے تمام رفقاء جن پر اس کو کمال اطمینان اور بھروسہ تھا، باغیوں کے شریک ہو گئے، اور روز بروز المہدی کی قوت اور حکومت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ فوراً طلیطلہ سے قلعات واپس آیا، اور فوج اور جو امراء اس کے ساتھ تھے ان سب سے خیر خواہی کا عہد مواثیق لینا چاہا، مگر فوج نے حلف اٹھانے

سے قطعی انکار کیا، اور صاف جواب دیا کہ ہم ایک بار حلفاً اقرار کر چکے ہیں وہی کافی ہے، اس جواب سے شنشول[1] نہایت حیران اور خوفناک ہوا کہ شاید بغاوت کا اثر یہاں تک پہنچ گیا ہے، چنانچہ جب اس نے محمد یعلی الزناتی کو جوان منکروں میں شریک تھا، بلا کر یہ سوال کیا کہ ''تیرے اور میرے عہدہ اور وقعت میں کوئی فرق مابہ الاتیاز ہے یا نہیں''؟ ـــــ اس امیر نے جواب دیا کہ ''میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے علاوہ اس فوج میں کوئی شخص تجھ کو ایسا نہ ملے گا جو تیرے حکم سے یا تیرے بچاؤ کے لئے اپنی تلوار کو میان سے کھینچے'' ـــــ عبدالرحمٰن نے پھر پوچھا کہ ''تیرے پاس اس فوج کے منحرف ہو جانے کا کیا ثبوت ہے'' ـــــ اس نے جواب دیا کہ ''تو اپنے باورچیوں اور خیر خواہوں کو یہ حکم دے کہ یہ لوگ طلیطلہ روانہ ہوں، خود معلوم ہو جائے گا کہ اس فوج میں سے کون تیرا ساتھ دینے پر آمادہ ہے'' ـــــ یہ سن کر شنشول نہایت برداشتہ خاطر ہوا، اور حالت غضب میں کہا کہ ''تیرے بیان کی تصدیق ابھی ہوئی جاتی ہے''

اس وقت عبدالرحمٰن کے ہمراہ ایک عیسائی حاکم ابن غومس بھی موجود تھا، اس نے عبدالرحمٰن کو اس حالتِ پریشانی میں دیکھ کر یہ صلاح دی کہ ''مناسب وقت یہی ہے کہ تو میرے وطن کو چلا چل، درستی لشکر میں بھی تیرا ساتھ دینے پر ہمہ تن آمادہ ہوں''

چونکہ عبدالرحمٰن کے تنزل کا زمانہ آ گیا تھا، اس مشورہ کو نامنظور کیا، اور کہا کہ ''میں قرطبہ ضرور جاؤں گا، اور مجھ کو قطعی امید ہے کہ جب لوگ مجھ کو دارالخلافہ کے قریب دیکھیں گے تو یقیناً میری مدد کے لئے آمادہ ہو جائیں گے''

ابن غومس نے بار دیگر باصرار تمام اس کو اس ارادے سے باز رکھنا چاہا، اور کہا کہ ''ایک امید موہوم پر اپنی جان کھونا عقلمندی اور دانشوری سے بعید ہے۔ بخدا کہتا ہوں کہ اقبال نے تجھ سے اپنا منہ پھیر لیا، اور فوج تجھ کو صاف جواب دے چکی ہے'' جب

(۱) شنشول سے اشارہ عبدالرحمٰن کی طرف ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حاجب کو شنشول بھی کہا کرتے تھے۔

اس عیسائی نے دیکھا کہ شنشول پر باوجود تباہی کوئی افسوں کارگر نہیں ہوتا۔ مجبوراً کہا کہ ''بہتر ہے کہ جو امر تجھ کو مناسب معلوم ہو اس پر عمل کر، میں تیرا ساتھ کسی حالت میں نہ چھوڑوں گا، حالانکہ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ جو طرز تو اختیار کرنا چاہتا ہے، وہ ہم دونوں کو تباہ کرے گا''

ابن المنصور کا قرطبہ کی طرف کوچ کرنا اور اس کی گرفتاری

عبدالرحمٰن اپنے ارادہ پر قائم رہا، اور مع ابن عومس قرطبہ کی طرف کوچ کیا۔ باوجودیکہ اس کو اثنائے راہ میں یہ برابر خبر پہنچتی گئی کہ دور دور سے لوگ بخوشی تمام آ کر المہدی کی فوج میں شریک ہو رہے ہیں، عبدالرحمٰن اسی طرح بڑھتا چلا گیا، اور بتاریخ ۲۹ جمادی الاخریٰ سنہ ۳۹۹ھ اس نے قرطبہ کے قریب مقام کیا۔ اسی رات کو اس کی بربری فوج جو پہلے سے منحرف تھی المہدی کی فوج میں جا کر شریک، اور صبح تک باقی ماندہ فوج بھی بلا اطلاع قرطبہ کی طرف روانہ ہوگئی، صرف اس کے چند خانگی ملازم اور ابن عومس مع اپنی فوج کے رہ گئے۔ اس عیسائی نے عبدالرحمٰن کی تباہ حالت دیکھ کر اس کو پھر سمجھایا کہ اس آفت عظیم سے بچنے کے لئے جو قلیل وقت باقی رہ گیا ہے، اس کو غنیمت سمجھ اور اپنی بربادی کے قبل بھاگ چل، لیکن شنشول نے پھر وہی جواب دیا کہ میں ضرور قرطبہ جاؤں گا، ہاں قبل روانگی میں اپنے قاضی کو بھیج کر وہاں آنے کی اجازت منگوا لیتا ہوں، لیکن اس احتیاط سے بھی اس نے قطع نظر کی، اور وہاں سے چل کر بتاریخ ۳؍ رجب روزِ چہار شنبہ دیر شوس[1] میں قیام کیا۔ اسی اثناء میں محمد المہدی کو عبدالرحمٰن کے آنے، اور اس کی فوج کی بغاوت کی اطلاع پہنچی، فوراً محمد بن المغیرہ کو دو سو سوار دے کر اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ حاجب نے دیر شوس کے قریب ایک افسر ابن ذری نامی کو ایک رسالے کے ساتھ آگے جانے کا حکم دیا۔ ابن ذرّی

(۱) یہ ایک نہایت مستحکم عیسائیوں کا معبد تھا۔

نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے بروز جمعہ علی الصباح دیر شوس کے سامنے نمودار ہوا۔ عبدالرحمٰن نے فصیل پر سے ذری کے آنے کی وجہ دریافت کی، اور کہا کہ میں المہدی کی فرماں برداری کے لئے ہمہ تن موجود ہوں، یہ کہہ کر اس نے گرجا کے دروازے کھول دینے کا حکم دیا، اور خود مع ابن عومس اور عیسائی افسروں کے ابن ذری کے ساتھ ہوگیا۔ اسی روز بعد ظہر ابن المغیرہ بھی وہاں آیا، اور ان سب کو ساتھ لے کر قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔

عبدالرحمٰن بن المنصور کا قتل

یا تو چند ہی ماہ پیشتر عبدالرحمٰن نے تخت خلافت کا دعوی کیا تھا، اور ان قدیم امرائے عرب کو جن کو اپنی نسل اور خاندان پر کمال فخر تھا، اپنے ملازمین خانگی سے بھی کم تر سمجھتا تھا ــــــ یا اب یہ وقت آیا کہ محض اپنی جان کے خوف سے عبدالرحمٰن نے حاجب کی صرف تعظیم ہی نہیں کی، بلکہ اس کے گھوڑے کے سموں اور پٹھوں کو بوسہ دیا۔ ابن عومس سرنگوں بالکل خاموش ایک طرف کھڑا ہوا اس انقلاب عظیم کا تماشا دیکھتا رہا۔ دوسرے روز جب یہ لوگ اپنی قیام گاہ سے روانہ ہونے لگے، تو قبل از روانگی حاجب کے حکم سے عبدالرحمٰن کی مشکیں خوب مضبوط باندھی گئیں، کچھ دور تو یہ بمشکل تمام چلا، لیکن جب تکلیف کے برداشت کرنے کی قوت نہ رہی تو اس نے نہایت ہی عجز وانکسار سے اپنی رہائی کی استدعا کی۔ ابن المغیرہ کو بھی اس کے حال زار پر رحم آیا، اور اس کی مشکیں کھول دینے کی اجازت دی۔

عبدالرحمٰن کی بدبختی اور کوتاہ اندیشی کو دیکھنا چاہئے کہ جب دیر شوس کی بلند اور مستحکم دیواریں اس کو اپنی آغوش پناہ میں لئے ہوئے تھیں، اس نے اپنے بچانے کی مطلقاً فکر نہ کی، بلکہ برضا ورغبت خود اپنے کو دشمنوں کے حوالے کر دیا، اور جبکہ یہ ان لوگوں کے قبضے میں پوری طرح آچکا، اس نے صرف اپنے ہاتھوں کو رہا پا کر چھری سے جو اس کے کپڑوں میں پوشیدہ تھی، ایک سپاہی پر جو اس کے قریب کھڑا تھا حملہ کیا، مگر قبل

اس کے کہ یہ کسی کو ضرر پہنچائے، محمد بن المغیرہ نے آگے بڑھ کر اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، اور اسی طرح ابن عوسں کو راہِ عدم دکھا کر ان دونوں کے سر اور عبدالرحمٰن کی لاش قرطبہ لایا۔ یہاں عبدالرحمٰن کا سر باب السدۃ پر لٹکایا گیا، اور اس کی لاش کو دروازے کے سامنے ایک ستون پر نصب کر دیا۔ اور اس کی فوج کے سپہ سالار الرسان نامی کو نعش کے قریب کھڑا کیا، اور اس کو حکم دیا کہ بآواز بلند کہتا رہے کہ "شنشول المامون یہی ہے۔ اس کے اور میرے سروں پر خدائے تعالیٰ اپنا قہر نازل کرے"

عبدالرحمٰن بن المنصور کے ذاتی حالات

عبدالرحمٰن بن المنصور ماہ محرم سنہ ۳۹۹ھ مطابق ستمبر سنہ ۱۰۰۸ء میں خلیفہ ہشام کا حاجب مقرر ہوا تھا، اور ۴؍ ماہِ رجب سنہ ۳۹۹ھ مطابق ۴؍ مارچ سنہ ۱۰۰۹ء میں تقریباً سات مہینہ کی حکومت کے بعد قتل ہوا۔ اس کے ذاتی حالات کی نسبت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ گو یہ مثل اپنے باپ اور بھائی کے نہایت ہوشیار اور تجربہ کار تھا، لیکن المنصور اور عبدالملک میں عمدہ خصائل بھی ایسے تھے کہ ان نمک حراميوں کو جو انھوں نے اپنے بادشاہ کے ساتھ کی تھیں، ایک حد تک مٹا کر ان کو قوم و ملت کا سچا خیر خواہ ظاہر کرتے ہیں۔ عبدالرحمٰن ان عمدہ خصائل سے مُعَرّا (خالی) تھا۔ یہ اس قدر خود غرض تھا کہ اس کو سلطنت کی بربادی اور بہبودی کی پروا نہ تھی، صرف اپنے ذاتی نفع سے غرض رکھتا تھا، یہی سبب تھا کہ فوج اور رعایا المنصور اور المظفر کو عزیز رکھتی تھی، اور عبدالرحمٰن کے برتاؤ سے ناراض ہو کر بالکل برگشتہ ہو گئی تھی۔ علاوہ اس کے عوام اس کی زناکاری اور شراب خواری اور فسق و فجور سے نہایت متنفر تھے ——— ایک روز حسب اتفاق اس کے سامنے مسجد قرطبہ میں مؤذن نے اذان دی تو اس نے کہا کہ "اس شخص کو یہ اذان دینی چاہئے کہ یہاں آ کر خدا سے انکار کرد" چونکہ عبدالرحمٰن لاولد تھا، اور کوئی عزیز بھی اس کا موجود نہ تھا، پس خاندان ابن ابی عامر کا خاتمہ اس ہی پر ہو گیا۔

قوم بربر کے مظالم اور رعایا کی برافروختگی

محمد المہدی کو عبدالرحمٰن بن المنصور ودیگر مخالفین کے استیصال کے بعد بھی بغاوت سے نجات نہ ملی۔ قوم بربر جس نے المنصور اور المظفر کو اس قدر مدد دی، اور جو ہمیشہ ان کے اور ان کے خاندان کے خیر خواہ تھے، محض عبدالرحمٰن کے طرز برتاؤ سے ناراض ہوکر محمد المہدی کے شریک ہوگئے تھے، اس قوم نے پھر عامہ خلائق کے ساتھ مظالم شروع کیے۔ گو المہدی خوب جانتا تھا کہ اگر حسب خواہش رعایا، اس ظلم وزیادتی کا فوراً انتقام نہ لیا گیا، تو عام بلوہ وفساد کا بڑا اندیشہ ہے، مگر کچھ ایسے واقعات چند در چند پیش تھے کہ اس کو بمقابلہ رعایا، اہل بربر کی طرفداری کرنی پڑی۔ خلاف امید پادشاہ کو اپنے دشمنوں کا معاون پاکر رعایا ایسی برافروختہ خاطر ہوئی کہ خاص قرطبہ میں ایک ہنگامہ عظیم برپا ہوگیا، اور بربری افسروں کے مکانات ایک آن میں زمین دوز کردیئے گئے۔ المہدی نے اہل بربر کے دباؤ اور خوف سے جو لوگ اس فساد کے بانی تھے؛ نہ صرف ان کے قتل کا حکم دیا، بلکہ جو لوگ راستوں پر بربر امراء کی توہین کے مرتکب ہوتے تھے، ان کو بھی سخت سزائیں دی گئیں۔ ان واقعات سے المہدی کے ساتھ رعایا کی مخالفت دن بدن بڑھتی گئی۔ اگرچہ المہدی بظاہر بربر کا شریک ومعاون تھا، باطناً ان کا مخالف اور ان کی قوت کو[1] توڑنے کی فکر میں رہا کرتا تھا، جب اس نے پوشیدہ طور پر ان کا بندوبست کرنا چاہا تو اس قوم نے مخالفت کی خبر پاکر باہم مشورہ کیا، کہ المہدی کو فوراً معزول کرکے ہشام[2] بن سلیمان کو تخت پر بٹھانا چاہیے —— امرائے عرب نے جب دیکھا کہ المہدی دراصل بربر کا طرفدار نہیں ہے، سب نے اِس سازش کی اطلاع پاتے ہی بہ مشارکت تمام رعایا، بربر کو بوجہ نخوت غافل پاکر بہتوں کو مع ہشام بن سلیمان قتل کرڈالا، اور جو اس قتل عام سے بچے وہ دارالخلافہ سے بھاگ کر جابجا روپوش ہوگئے۔

(۱) اصل میں "کو" کی جگہ "کی" ہے (محمد امین) (۲) ہشام کا سلسلہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث سے ملتا ہے۔

المہدی اور سلیمان بن الحکم کے درمیان لڑائیاں اور مسلمانوں کی تباہی

ہشام کے ساتھ اس کا بھائی ابوبکر بھی مارا گیا، لیکن ان کا ایک عزیز سلیمان بن الحکم جس کو بربر نے المستعین باللہ کے لقب کے ساتھ اپنا امیر اور دعویدار سلطنت تسلیم کرلیا تھا، طلیطلہ کے قریب بمقام ثاغر فوج بربر کو ترتیب دے کر آمادہ بہ جنگ ہوا، اس نے احمد بن نصیب کو اپنا وزیر مقرر کیا، اور فوراً وادی الحجارہ پر قبضہ کر کے مختلف ذرائع سے کوشش کی، کہ کسی طرح واضح العامری حاکم مدینہ سالم کو اپنا معاون اور طرف دار بنائے، مگر واضح نے عبدالرحمن کے قتل کے بعد ہی المہدی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا۔ سلیمان کے خوشامد آمیز الفاظ اور ترقی کے وعدوں پر بالکل التفات نہ کیا، المہدی نے فوراً چند رسالے اپنے غلام قیصر کے ساتھ واضح کی امداد کے لئے روانہ کئے، ان دونوں مخالف فوجوں میں متعدد لڑائیاں ہوئیں، اور ہر بار المہدی کی فوج کو شکست ملی، آخر جنگ میں دونوں طرف بے انتہا مسلمان ایک دوسرے کی شمشیر خون آشام کے لقمہ ہوئے، اور قیصر قتل ہوا۔ واضح بمشکل تمام باقی ماندہ فوج کے ساتھ مدینہ السالم میں قلعہ بند ہوگیا۔ اس نے بربروں کے آنے کے قبل ہی قلعہ کے اطراف کے تمام شاداب مقامات کو ایسا خراب کیا تھا کہ پندرہ روز میں بوجہ نایابی غلہ محاصرہ قائم رکھنا دشوار ہوگیا۔

جب سلیمان نے دیکھا کہ رسد وغیرہ کا اگر فوراً کوئی انتظام نہ ہوا، تو بربر شکستہ دل اور تابِ فاقہ کشی نہ لاکر منتشر و فرار ہوجائیں گے، اس نے اپنے فوجی افسروں سے مشورہ لیا، اور بموجب صوابدید ان کے دو آدمی بطور سفیر ابن مادویہ ایک عیسائی قومس کے پاس بھیجے، اور اس سے درخواست کی کہ ''تم ہماری اور المہدی کی مصالحت کرادو، اور اگر المہدی صلح پر راضی نہ ہوا تو پھر ہم اور تم دونوں قرطبہ پر حملہ کریں گے''

جب سفارت ابن مادویہ کے پاس پہنچی، سفیروں نے دیکھا کہ المہدی اور واضح کے قاصد بھی اس عیسائی کو اپنی مدد پر آمادہ کرنے کی غرض سے آئے ہوئے ہیں، اور قریب ہے کہ اس کو بہت کچھ طمع دے کر اپنا طرفدار اور معاون بنالیں۔ المہدی نے منجملہ دیگر وعدوں کے یہ بھی کہلا بھیجا تھا کہ ''بشرط کامیابی سرحدی قلعوں پر تمہارا قبضہ کرادیا جائے گا''

ادھر سلیمان کے لوگوں نے ابن مادویہ کے ہموار کرنے میں کوشش بلیغ کی، بالآخر عیسائیوں نے سلیمان کے شرائط کو منظور کرلیا، اور بہت کچھ سامان خورد ونوش مع ایک ہزار بیل اور گائے اور پندرہ ہزار بکرے اور ضروری لباس وغیرہ سلیمان کو بھیجا۔

اس امداد کے پہنچتے ہی اس نے بڑے پیمانہ پر جنگ کا انتظام کیا، اور ماہِ محرم سنہ ۴۰۰ھ م سنہ ۱۰۰۹ء میں قرطبہ کی طرف فوج کثیر کے ساتھ روانہ ہوا۔ واضح، المہدی کی مدد کے لئے ان کے عقب میں آرہا تھا، کہ راستہ میں اس کو خبر ملی کہ المہدی بذات خود دارالخلافہ کے باہر انتظار جنگ میں خیمہ زن ہے، اس نے فوراً المہدی کو اطلاع کی کہ بربروں پر اگر ہم دونوں اس وقت حملہ کریں تو ان کو بآسانی منتشر کرسکتے ہیں۔ لیکن اس سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ بغیر صحتِ واقعہ اور انتظار جواب، سلیمان کے ساتھ جنگ شروع کردی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شکست فاش کھا کر بمشکل تمام یکہ وتنہا قرطبہ بھاگ آیا ——— یہاں پہنچ کر اس کو معلوم ہوا کہ المہدی ان واقعات سے بالکل بے خبر اور بے پروا نشۂ حکومت سے مست نائے ونوش میں مصروف تھا۔ جس وقت واضح اور اس کے بعد اس کی فوج کے چار سو آدمی ہزیمت خوردہ نہایت پریشان اور تباہ قرطبہ میں داخل ہوئے، تب المہدی کی آنکھیں کھلیں، اور بحالت پریشانی وسراسیمگی اس نے شہر کے باہر میدان سرادق میں اپنی فوج کو فراہم کیا۔ لشکر کے اطراف ایک نہایت عمیق خندق بنوائی۔

یہ ہنوز انتظام میں مصروف تھا کہ اس کا ایک خواجہ سرا ابلیق نامی دوسو سواروں کے ساتھ افتاں وخیزاں سلیمان کی فوج کے ہراول دستہ سے اپنی جان بچا کر آیا ہی تھا، کہ اتنے میں سلیمان کی فوج نمودار، اور وہیں شہر کے سامنے خیمہ زن ہوئی۔ المہدی نے

حکم دیا کہ شہر میں جو مرد ہتھیار اٹھانے کے قابل ہیں وہ سب مسلح میدانِ سرادق میں حاضر ہو جائیں۔

الحاصل بتاریخ ۱۳ ربیع الاول سنہ ۴۰۰ھ مطابق ۳ نومبر سنہ ۱۰۰۹ء دونوں فوجیں باترتیب اور صفت بستہ ایک دوسرے کے سامنے استادہ ہوئیں۔ سب سے پہلے سلیمان نے اپنے خاص تین ہزار جنگ آزمودہ سوارانِ جوشن پوش کو حملہ کا حکم دیا۔ ان سواروں نے اس دلیری اور شجاعت سے المہدی کی فوج پر حملہ کیا کہ جس کی تاب قرطبی نہ لا سکے، اور پراگندہ ہو کر شہر کی طرف بھاگ نکلے۔ واضح العامری اپنی جان بچا کر طلیطلہ کی طرف بھاگ آیا۔

محمد المہدی نے جب اس تباہی کا سامنا دیکھا، میدان جنگ سے سیدھا قصر شاہی واپس آیا، اور خلیفہ ہشام کو قید سے رہا کر کے اعلان کیا کہ:

''جب کہ ہمارا بادشاہ زندہ اور سلامت ہے میں کسی طرح سلطنت کا مستحق نہیں ہو سکتا، میں صرف امیر المومنین کا وزیر اور فرماں بردار ہوں''

اس کے بعد المہدی نے پہلے خود خیر خواہی اور جاں نثاری کا حلف کیا، اور حاضرین دربار سے بھی اطاعت وراست بازی کا حلفی وعدہ لیا، پھر المہدی نے بوساطت اپنے قاضی کے اہل بربر کو یہ کہلا بھیجا کہ ''میں امیر المومنین خلیفہ ہشام کا ایک ادنیٰ سچا غلام ہوں، وہ میرا خلیفہ برحق ہے، اور میں اس کا حاجب ہوں، ملک ورعایا کا وہی مالک ہے'' —— بربروں نے جواب دیا کہ: ''اے دروغ گو! ہمارے سامنے سے فوراً چلا جا۔ کیا ہم نہیں جانتے کہ یہ کل ہی کا واقعہ ہے کہ یہ مشہور کیا گیا تھا کہ خلیفہ ہشام کا انتقال ہو گیا، اور تو نے ہی اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی تھی، اور تو ہی اب یہ کہتا ہے کہ امیر المومنین زندہ ہے، اور یہ خلافت اس ہی کو سزاوار ہے، ہم کس بات کو باور کریں'' —— قاضی اس طرز گفتگو سے نہایت خائف ہوا، اور کسی حیلہ و بہانہ سے قرطبہ واپس آیا۔

قرطبہ کی رعایا ان خانگی لڑائیوں سے اس قدر تنگ اور پریشان تھی، کہ اس لڑائی

کے بعد ہی ہرکس وناکس شہر کا سلیمان کے پاس آیا، اور اس فتحیابی پر ہر شخص نے اپنی خوشنودی ظاہر کی، سلیمان نے رعایا کو جب اپنا اس قدر طرفدار پایا تو یہ شہر میں داخل ہوا۔ المہدی اپنی جان بچا کر کسی طرف بھاگ گیا۔

جب سلیمان المستعین باللہ نے دارالخلافہ پر اپنا قبضہ کیا، تو اب ابن مادویہ نے ایفائے وعدہ کا تقاضا کیا۔ سلیمان نے جواب دیا کہ ابھی تمام ملک میرے زیر حکومت نہیں آیا ہے، بعد تسلط واطمینان قطعی کے تمام شرائط کی تکمیل کر دونگا۔ اس قرارداد کے بعد ابن مادویہ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول سنہ ۴۰۰ھ مطابق سنہ ۱۰۰۹ء اپنے ملک واپس چلا گیا۔ سلیمان نے اس عیسائی کے چلے جانے کے بعد سب سے پہلے خلیفہ ہشام کو محل میں قید کیا، اور عبدالرحمٰن کی نعش کو ستون سے اتار کر اس کے باپ اور بھائی کی قبر کے پائنتی دفن کرا دیا۔

المہدی چندروز تک قرطبہ میں اپنے ایک دوست کے مکان میں روپوش رہا، اور بمشکل تمام اپنی جان بچا کر بتاریخ یکم جمادی الاولیٰ سنہ ۴۰۰ھ مطابق ۲۰ دسمبر سنہ ۱۰۰۹ء طلیطلہ پہنچا، یہاں کے باشندے خلافِ امید بمدارا پیش آئے۔ جس سے اس کا انتشار کسی قدر برطرف ہوا، لیکن چندروز میں جس بات کا اس کو خوف تھا وہی پیش آئی، یعنی بتاریخ ۱۸ جمادی الاخریٰ سنہ ۴۰۰ھ مطابق ۶ جنوری سنہ ۱۰۱۰ء سلیمان کا بیٹا ہشام اس کی گرفتاری کی غرض سے مع فوج طلیطلہ وارد ہوا۔ شہر میں داخل ہونے کے قبل اس نے چند علماء کو بجانب شہر بدیں غرض روانہ کیا کہ رعایا کا خیال المہدی کی نسبت دریافت (کریں) اور اگر عامہ خلائق اس کی طرفداری پر آمادہ ہوں تو اس کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ اہل طلیطلہ نے المہدی کا ساتھ چھوڑنے سے قطعی انکار کر دیا ——— اس ہی اثناء میں ایک شخص القریشی نے بغاوت کے جھنڈے کو بلند کیا، سلیمان نے اپنے ایک افسر علی بن داعہ کو اس شخص کی تنبیہ کے لئے بھیجا، علی نے القریشی [1]

(۱) القریشی قرطبہ میں بحکم سلیمان قتل کیا گیا۔

کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

سلیمان نے بذات خود بایں امید طلیطلہ کا عزم کیا کہ یہاں کی رعایا میری رو ورعایت سے المهدی کی طرفداری نہ کرے گی۔ چنانچہ یہ یلغار کر کے پہلے مدینة السالم آیا۔ ابن مسلمہ بھی اس کی فوج خاص لے کر یہاں پہنچا۔ واضح[1] نے جب اس کے آنے کی خبر سنی تو وہ یہاں سے بھاگ کر طرطوشہ میں پناہ گزیں ہوا، اور منافقانہ صلح کی درخواست بشرط جان بخشی پیش کی۔ سلیمان اس کے دھوکہ میں ایسا آیا کہ اس نے صرف واضح کی خطاؤں کو معاف ہی نہیں کیا، بلکہ اس سمت کی فوج اور ملک کا افسر و حاکم اس کو بنا کر مخالف عیسائیوں کے تصفیہ کا حکم دیا، اور طلیطلہ کا عزم ملتوی کر کے خود قرطبہ واپس چلا آیا۔

واضح کو جب خلاف امید یہ حکومت اور قوت حاصل ہوئی، اس نے خفیہ طور پر عیسائیوں کو لالچ اور طمع دلا کر بمقابلہ سلیمان ان کو المهدی کی مدد پر آمادہ وراضی کیا، قلیل عرصہ میں یہ عیسائی اپنی اپنی فوج لے کر المهدی کے پاس جمع ہو گئے، سلیمان کو جب خبر پہنچی کہ المهدی عیسائیوں کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے آرہا ہے، اس نے بھی اپنی فوج کو درست کیا، اور عقبة البقر کے قریب المهدی کی فوج سے آملا۔ بتاریخ ۹ یا ۱۰ ر شوال سنہ ۴۰۰ھ یہ جنگ شروع ہوئی۔ سلیمان اپنے حبشی رسالہ کے ساتھ لشکر کے قلب میں ایستادہ تھا، بربروں نے نہایت بہادری کے ساتھ عیسائیوں پر حملہ کیا، لیکن ناکام رہے، اور عیسائیوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ اس ابتدائی جنگ میں اہل بربر کو پسپا دیکھ کر سلیمان کچھ ایسا مایوس اور منتشر الحواس ہوا کہ بعوض مدد اس نے اپنی خاص فوج کو واپسی کا حکم دیا، اور خود بعجلت تمام مع مصاحبین قرطبہ بھاگ آیا، بایں ہمہ بربر باستقلال تمام اپنی پسپا شدہ فوج کو مکرر ترتیب دے کر نہایت شجاعت اور مردانگی سے تادیر عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے، حتی کہ ارمنغید بادشاہ فرنگ کو مع نامی افسران فوج

(۱) واضح قرطبہ سے مدینة السالم بھاگ آیا تھا۔

کے قتل کیا۔ مگر جب ان کو سلیمان کا میدان جنگ سے فوج کو بے سر چھوڑ کر بھاگ جانا معلوم ہوا، تو یہ حالت غصہ اور نا امیدی میں مگر صف بستہ نہایت اطمینان سے لڑتے ہوئے الزہرا میں داخل ہوئے، لیکن اس ہی رات کو جب انھوں نے اپنے میں تاب وتوانائی جنگ اور امید مدد کی نہ پائی، اس مقام کو خالی کر دیا۔ سلیمان سات مہینہ کی حکومت کے بعد قرطبہ سے شاطبہ چلا آیا۔

جنگ مذکور کے دوسرے روز المہدی مع اپنی عیسائی فوج کے دارالخلافہ میں داخل ہوا، اور بتاریخ ۶/ ذیقعدہ سنہ ۴۰۰ھ مطابق ۲۱/ جون سنہ ۱۰۱۰ء اس نے عیسائیوں کو بربروں کے تعاقب کا حکم دیا، اور خود بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس ہی روز ایک سخت جنگ واقع ہوئی، جس میں تین ہزار عیسائی قتل، اور باقی ماندہ نہایت تباہ حال المہدی کے ساتھ قرطبہ بھاگ آئے۔ یہاں عیسائیوں نے حالت رنج وغصہ میں اس قدر ظلم وزیادتی شروع کی کہ رعایائے شہر جو پہلے ہی ان خانگی جھگڑوں سے تباہ وتنگ تھی از حد پریشان وبرباد ہوئی۔ بالآخر اِن عیسائیوں نے لڑنے سے انکار کر دیا، اور سب اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ المہدی دوبارہ بربروں کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوا، فوج کے واسطے رعایا سے بجبر روپیہ وصول کیا، مگر یہ نئی فوج تاب مقاومت نہ لاسکی، اور بغیر لڑے واپس چلی گئی۔

جب المہدی نے فوج کی یہ حالت دیکھی تو اب بغرض حفاظت خود ایک عمیق خندق شہر کے گرد، اور اس کے قریب ایک نہایت مستحکم دیوار تیار کرائی، لیکن جائے افسوس ہے کہ باوجود ملک کی تباہی، اور عامۂ خلائق کی بربادی، اور متواتر شکستوں کے اس خندق ودیوار کو سدِ سکندری سمجھ کر، پھر بعادتِ معہود عیش وعشرت میں مصروف ہوگیا۔ فوج نے بادشاہ کو عیش پسند اور بے خبر اور اپنے کو مطلق العنان پاکر خلائق پر ظلم وتعدی شروع کر دی۔

ہشام کا دوبارہ تخت پر بیٹھنا اور المہدی کا قتل

واضح سے قرطبہ اور رعایا کی یہ سخت تباہی دیکھی نہ گئی۔ پہلے اس نے خود المہدی سے ان امور کی اصلاح کی درخواست کی۔ اور جب

المہدی کو اس طرف متوجہ نہیں پایا، تو یہ مع چند باخدا امراء کے المہدی کی بے پروائی اور مذموم حرکات سے متنفر ہوکر غریب رعایا کی حمایت پر آمادہ ہوگیا، اور بتاریخ[1] ۲۱ ذی الحجہ سنہ ۴۰۰ھ سب یہ نعرہ مارتے ہوئے کہ "ہم اپنے حقیقی خلیفہ ہشام کے حلقہ بگوش اور فرماں بردار ہیں" قصر شاہی کی طرف آئے، اور ہشام کو قید سے رہا کر کے تخت خلافت پر بٹھایا۔

المہدی اس وقت حمام میں مصروف تھا، یہ خبر وحشت اثر سن کر فوراً دربار میں آیا، اور ہشام کے ساتھ تخت پر بیٹھنے کا قصد کیا کہ ایک خواجہ سرا عَنبَر نامی نے اس کو پکڑ کر نیچے اتارا، اور جبراً تخت کے نیچے بٹھا دیا۔ خلیفہ اس کی نمک حرامی کا ذکر اور شکایت تادیر کرتا رہا۔ بعدہٗ عنبر نے تلوار اس کے قتل کی نیت سے کھینچی۔ المہدی اپنی موت کو سامنے دیکھ کر عنبر کے جسم سے لپٹ گیا، اور نہایت عاجزی سے اپنی جاں بخشی چاہی، لیکن کسی پر اس کی تضرع زاری کا اثر نہیں ہوا، اور عنبر نے اس کو اس ہی حالت میں قتل کیا۔ اس کی لاش شہر کے فصیل پر سے خندق میں پھینک دی گئی۔ محمد بن ہشام بن عبدالجبار المہدی[2] ۳۵ سال کی عمر میں دس مہینہ کی حکومت کے بعد قتل ہوا۔ ابن بسام نے اس کی حکومت چندروزہ کو یوں سلک نظم میں کھینچا ہے:

قَدْ قَامَ مَهْدِيُّنَا وَلٰكِنْ ۞ بِمِلَّةِ الْفِسْقِ وَالْمُجُوْنِ

وَشَارَكَ النَّاسَ فِي حَرِيْمِ ۞ لَوْلَاهُ مَازَالَ بِالْمَصُوْنِ

مَنْ كَانَ مِنْ قَبْلِ ذَا أَجَماً ۞ فَالْيَوْمَ قَدْصَارَ ذَا قُرُوْنِ

(۱) بیشک ہمارے مہدی نے حکومت کی، لیکن فسق اور بیہودگی کی راہ و رسم کے ساتھ۔

(۲) اور لوگوں کو حریم (یعنی حکومت و سلطنت) میں شریک کیا۔ اگر لوگوں کو شریک نہ کرتا تو محفوظ رہتا۔

(۳) جو شخص پہلے بے سینگ تھا، آج وہ سینگ والا ہو گیا ہے۔

(۱) بعض مؤرخین ۸ ذی الحجہ تحریر کرتے ہیں (۲) اصل میں محمد بن عبدالجبار المہدی ہے (محمد امین)

قوم بربر کا سلطان ہشام کی اطاعت سے انکار

خلیفہ ہشام نے بار دیگر اپنے آبائی تخت خلافت پر بتاریخ ۱۱ ذی الحجہ سنہ ۴۰۰ھ مطابق ۲۴ جولائی سنہ ۱۰۱۰ء جلوس کیا، اور بمشورہ وزراء المہدی کے سر کو اہل بربر کے پاس بمقام وادی شوس بھیج کران کو بغاوت، اور سلیمان کی شراکت سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن خلاف امید بربروں نے ہشام کی اطاعت سے یک لخت انکار کر دیا، اور جو لوگ منجانب خلیفہ آئے تھے، ان کو یہ کہہ کر کہ اگر اپنی جان عزیز رکھتے ہو تو فوراً چلے جاؤ، واپس کر دیا۔ جب واضح نے دیکھا کہ صلح کی کوئی امید باقی نہیں رہی، اور سلیمان نے پھر اس قدر رسوخ حاصل کر لیا ہے کہ بربر اپنے خلیفہ کے ساتھ برسر پرخاش ہیں، ناچار دارالخلافہ کے قلعہ اور برجوں کے استحکام اور بندوبست کی طرف متوجہ ہوا، اور دشمن کے سواروں کے روکنے کے لئے خندقیں کھدوائیں، اور مناسب موقعوں پر جدید بُرج تیار کئے۔

سلیمان کا قصر الزہرا پر قبضہ

ادھر سے سلیمان مع اپنی فوج شہر کی طرف بڑھا، لیکن متعدد یورشوں کے بعد جب اس نے دیکھا کہ شہر پر قبضہ کرنا ممکن نہیں۔ بتاریخ ۲۴ ربیع الاول سنہ ۴۰۱ھ مطابق ۵ نومبر سنہ ۱۰۱۰ء قصر الزہرا کی طرف متوجہ ہوا، اور اس پر قبضہ کر کے قتل عام کا حکم دیا۔

فاقہ کشی کی نوبت

اور پھر بتاریخ ۲۴ شعبان سنہ ۴۰۱ھ مطابق ۲ فروری سنہ ۱۰۱۱ء قرطبہ کی تسخیر کے خیال سے، شہر کے اطراف و اکناف جو باغات اور میوہ دار درخت اور کھیت، جن میں نہریں آب شیریں کی بہہ کر شہر کو سیراب کرتی تھیں، واقع تھے، نہایت بے دردی سے تباہ کرنا شروع کئے۔ ان مقامات کی رعایا حیران اور پریشان جو کچھ سرمایہ ہاتھ آیا قرطبہ میں پناہ گزیں ہونے لگی۔ شہر میں پہلے ہی سے سامان خورد و نوش کی تکلیف تھی، ان لوگوں کے مجمع سے فاقہ کشی کی نوبت پہنچی، یہاں تک کہ گیہوں کے دو پیمانے تین سو درہم کو بھی نہایت دشواری سے

دستیاب ہوتے تھے۔

ابن مادویہ کے معاہدہ کی تکمیل اس حالتِ نزاع و پریشانی میں ابن مادویہ نے سلیمان سے تکمیل معاہدہ کا تقاضا کیا۔ ایسے نازک وقت میں اس عیسائی کو ناراض کرنا خلاف مصلحت تھا بہت گفت وشنید کے بعد اس وعدہ پر کہ عیسائی اس کے خلاف کوئی امر نہ کریں گے، اور دشمنوں کو کسی قسم کی مدد نہ دیں گے، دوسو قلعہ علاوہ چند بڑے شہروں کے جو خلیفہ الحکم مستنصر باللہ کے زمانہ سے عربوں کے قبضہ میں چلے آتے تھے، ابن مادویہ کے حوالہ کردیئے گئے۔ اس انحطاط وکمزوری کو دیکھ کر ہر عیسائی نے سرشورش اٹھایا۔ چنانچہ ابن سیالس [1] نے اپنی بغاوت کا خوف دلا کر چند قلعوں کی درخواست کی، جو مجبوراً منظور کرلینی پڑی۔

بربروں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش اور واضح کا قتل

اہل بربر نے عیسائیوں کی اس سرکشی پر مطلقاً التفات نہ کیا، بدستور ملک کو تاراج کرتے رہے، جو شہر اور قصبے کہ سیکڑوں سال کی محنت اور عرق ریزی سے آباد اور سرسبز ہوئے تھے، ان کو نیست ونابود کردیا، صرف چند شہر مثل مدینہ سالم اور طلیطلہ جو اس حصہ ملک سے باہر تھے تباہی سے محفوظ رہے۔

ملک اور رعایا اس قدر تاراج ہوئی کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر دو مہینہ تک سفر کرتا تو راستہ میں کسی فرد بشر سے ملاقات نہ ہوتی۔ چونکہ خلیفہ کی حفاظت اور شہر و باشندگان شہر کی امن وآسائش کا دارومدار فوج ہی پر تھا، لہٰذا فوج کے ساتھ ہشام بہت رعایت کیا کرتا تھا، لیکن اب رفتہ رفتہ جب فوج پر بھی وہی سختیاں گزرنے لگیں، تو فوج میں بھی آثار عدول حکمی اور سرکشی کے پیدا ہونے لگے، اور واضح ذمہ دار تمام ان آفات کا جو فوج پر گزر رہی تھیں، گردانا گیا۔ واضح نے اپنے بچاؤ کی نیت سے ایک بار پھر اپنے خاص

(۱) یہ بھی ایک عیسائی حاکم تھا،

رفیق ابن بکر کو سلیمان کے پاس بھیج کر بربروں کو راہِ راست پر لانا چاہا۔ مگر جب ابن بکر بربروں سے مل کر شہر میں داخل ہوا، برداشتہ خاطر فوج نے اس کو بلاوجہ قتل کر ڈالا، اور اس کے خون آلودہ سر کو ایک نیزہ پر بلند کر کے شہر کا گشت لگایا۔ اس واقعہ سے واضح کو اپنی جان کا خوف پیدا ہوا، اور اس نے خفیہ طور پر یہاں سے فرار ہونے کا ارادہ کیا، لیکن اس کی بدنصیبی سے اس کے ایک مخالف ابن ابی ودعاۃ کو اس ارادہ کی خبر پہنچ گئی۔ ابن ابی ودعاۃ نے فوراً آ کر واضح کو گرفتار کیا، اور افسرانِ فوج کی شرکت سے اس کو اسی وقت اور نیز جو لوگ کہ اس کے دوست اور معاون سمجھے جاتے تھے سب کو قتل، اور ان کے گھروں کو زمین دوز کر دیا۔ واضح بتاریخ ۱۵ / ربیع الاول سنہ ۴۰۲ھ م ۱۶ / اکتوبر سنہ ۱۰۱۱ء قتل ہوا، اسی روز ابن ابی ودعاۃ والی مدینہ مقرر کیا گیا۔

سلیمان کا غلبہ اور خلیفہ ہشام کا قتل

سلیمان ان اندرونی واقعات سے ناواقف نہ تھا۔ اس نے بربروں کو لے کر محاصرہ میں سختی کی۔ بالآخر ایک زمانہ دراز کے محاصرہ کے بعد بتاریخ ۳ / شوال سنہ ۴۰۲ھ مطابق ۱۷ / اپریل سنہ ۱۰۱۲ء بعد قتل عظیم سلیمان غالب آیا۔ بتاریخ ۵ / شوال قصرِ شاہی میں داخل ہوا، اور خلیفہ ہشام کو اپنے سامنے طلب کر کے اس سے سوال کیا کہ ''تجھ کو یاد نہیں کہ تو نے بطور خود خلافت کو میرے سپرد کیا تھا، پھر کیوں تو اپنے وعدہ سے منحرف ہوا؟'' ــــ خلیفہ نے جواب دیا کہ ''جو واقعات کہ مجھ سے سرزد ہوئے، ان کا میں اپنی خواہش نفس سے مرتکب نہیں ہوا، بلکہ یہ امور مجھ سے بحالتِ مجبوری وقوع میں آئے'' ــــ اس جواب وسوال کے بعد ہی خلیفہ ہشام بن خلیفہ الحکم خفیہ طور پر سلیمان کے حکم سے مار ڈالا گیا۔

قتل عام

ان اہل افریقہ نے جو ظلم وستم کہ عامۂ خلائق پر کیا وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ وہ دن دار الخلافہ کے لئے قیامت کا نمونہ تھے۔ جو شہری راستہ پر ان ظالموں کے سامنے آتا تھا بے تأمل اور بلا خوف مُنصِفِ حقیقی (یعنی خدا تعالیٰ) لقمۂ

تیغ اجل ہوتا تھا۔ اس قتل عام میں مشہور علمائے وقت اور امام زمانہ اور قاضی جن کو خلفائے سابق نے نہایت قدردانی اور شوق علم سے فراہم کر کے دارالخلافہ قرطبہ کو وہ رونق اور زینت بخشی تھی جس پر بغداد اور شام اور مصر کو رشک آتا تھا شہید ہوئے۔ ان میں ابوالولید[1] عبداللہ بن محمد بن یوسف بن نصر القرطبی جو زیادہ ابن الفرضی کے نام سے علمی دنیا میں مشہور ہے شریک تھا۔

بربری افسروں کی خود مختاری

غرض اس ظلم اور خون ریزی کے بعد سلیمان المستعین باللہ یہ سمجھا کہ اب کوئی مخالف ایسا باقی نہیں رہا جو اس کا معترض ہو، لیکن اس خانہ جنگی سے ملک میں ایسی بدنظمی پھیلی تھی کہ مستحق وغیر مستحق جس کسی نے اپنے کو قرطبہ سے دور اور کسی قدر مقتدر پایا شرابِ غرور سے سرمست سلطنت کا دعویدار بن بیٹھا۔ سب سے پہلے سلیمان کو قوم بربر کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جس کی مدد سے اس کو خلافت نصیب ہوئی تھی۔ بربری افسروں نے بڑے بڑے شہروں اور مختلف ملک کے حصوں پر اپنا قبضہ کیا، اور خود مختاری کا دم بھرنے لگے۔ چنانچہ بادیس بن حابوس نے غرناطہ پر، اور البرزائی نے قرمونہ پر اور حزرون نے سریش پر اپنا قبضہ کرلیا، جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

سلیمان اور اس کے باپ الحکم کا قتل

جن بربروں نے سلیمان کا ساتھ دیا تھا، ان میں دو شخص نہایت باوقعت علی[2] اور القاسم بھی شریک تھے، ان کا دادا ادریس خلیفہ ہارون الرشید کے خوف سے افریقہ چلا

(۱) اصل کتاب میں عبارت اس طرح ہے: ''ابوالولید ابومحمد عبداللہ ابن یوسف ابن نصر القرطبی جو زیادہ ابن الفراضی کے نام سے'' ـــــ احقر نے ابن الفرضی کے حالات سے جن کو صاحب کتاب نے آخر میں ذکر کیے ہیں، ناموں کی تصحیح کی ہے (محمد امین)

(۲) علی اور القاسم کا سلسلہ یہ ہے: ابن حمود بن احمد بن علی بن عبداللہ بن عمر بن ادریس بن عبداللہ بن حسن بن حسین بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب۔

آیا تھا، اور بربروں کے ملک میں اقامت اختیار کی تھی، چند روز میں یہاں اس نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی، اور ایک زمانہ تک خلیفہ مذکور کے ملک پر متواتر حملہ کرتا رہا۔ ادریس کے بیٹے ادریس ثانی نے شہر فاس کو آباد کیا تھا، علی اور قاسم دونوں المنصور کے زمانہ حکومت میں اندلس وارد ہوئے، اور فوجی ملازمت اختیار کی۔ دونوں آدمی نہایت جری اور دلیر تھے۔ چند ہی روز میں عیسائیوں کی جنگ میں ان دونوں نے وہ جوہر مردانگی اور شجاعت دکھائے کہ المنصور نے ان کو مختلف فوجوں کا افسر مقرر کردیا۔ جب یہ جنگ بربریہ قرطبہ میں شروع ہوئی تو یہی دو آدمی تھے، جنھوں نے سلیمان کا ساتھ دے کر خاندان ابن ابی عامر کو تباہ، اور سلیمان کو تخت پر بٹھا کر بنی امیہ کو دوبارہ ترقی دی، سلیمان نے اس خیر خواہی کے صلہ میں فوج پر صرف امرائے بربر کو افسر مقرر کیا، اور انہیں میں سے بعض کو صوبوں کی حکومت سپرد کی، چنانچہ علی بن حمود طنجہ اور دیگر صوبجات افریقہ کا والی مقرر ہوا، جہاں اس نے پوری خود مختاری کے ساتھ حکومت کی۔

گو ظاہراً (وہ) سلیمان کا مطیع بنا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ بعض صوبوں کے حاکم سلیمان سے منحرف ہو گئے ہیں، اس نے بھی اطاعت اور فرماں برداری اور پاس نمک کو بالائے طاق رکھا، اور اپنے دائرہ حکومت کو بڑھانے کی کوشش شروع کی۔

اس امیر کی بغاوت کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ خلیفہ ہشام المؤید باللہ نے علم نجوم کے ذریعہ سے جس میں اس کو کامل دست گاہ تھی یہ دریافت کیا تھا کہ ''بنی امیہ کی حکومت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اور ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے، جس کا سلسلہ حضرت علی بن ابی طالب اور جس کا نام حرف ''ع'' سے شروع ہوگا، اور وہ شخص اس ملک کا بادشاہ ہوگا — جب سلیمان نے قرطبہ کو فتح کیا، اور خلیفہ ہشام کے قتل کے درپے ہوا، ہشام نے علی بن حمود کے کہ جو اس زمانہ میں امرائے بربر میں سربرآوردہ تھا، حالات دریافت کئے، اور اس کو لکھا کہ '' میں یقین رکھتا ہوں کہ تو ضرور مالک تخت وتاج ہوگا،

مجھ کو اپنی زندگی کی امید باقی نہیں، اگر سلیمان نے مجھ کو قتل کیا تو میں اپنا انتقام تیرے سپرد کرتا ہوں''

معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ نے اس امیر کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اُس ہی زمانہ سے سلطنت کی ہوس اس کے دل میں پیدا ہوئی۔ بہر کیف علی بن حمود نے اپنے بیٹے یحییٰ کو اپنا جانشین کیا، اور خود مع فوج جرار آبنائے طارق کو عبور کر کے اندلس میں داخل ہوا۔ والی المیرؔ ۃ اس کی مدد پر آمادہ ہو گیا تھا، علی نے اندلس پہنچ کر یہ مشہور کیا کہ ''میں صرف خلیفہ ہشام کے خون ناحق کا انتقام لینے کی غرض سے یہاں آیا ہوں''

سلیمان کو جس وقت اس کا منشائے فساد معلوم ہوا، یہ بھی فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ماہ محرم سنہ ۴۰۷ھ مطابق سنہ ۱۰۱۶ء میں طالقہ [1] کے میدان میں سخت جنگ واقع ہوئی، جہاں سلیمان کی فوج نے شکست کھائی، اور یہ خود گرفتار ہوا۔ علی بن حمود نے قرطبہ پر قبضہ کیا، اور جنگ کے چند روز بعد اسی ماہ محرم میں سلیمان اور اس کے باپ الحکم کو قتل کروا ڈالا، اور خود تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

سلیمان کی سات سالہ حکومت

سلیمان المستعین باللہ نے تقریباً سات سال حکومت کی تھی۔ وہ بھی اس زمانہ غدر میں جبکہ تمام ملک میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک رہی تھی، لیکن پھر بھی چونکہ یہ بذات خود ذی علم شخص تھا، بالخصوص شعر و سخن میں مہارت کامل رکھتا تھا، اس نے دار الخلافہ میں علم و فن کو فروغ دینے کی بہت کوشش کی تھی، اگر یہ سلطنت پر پوری طرح مسلط ہو جاتا تو ممکن تھا کہ اس کی حکومت سے ملک اور رعایا کو بہت کچھ فائدہ پہنچتا۔

(۱) اس کو ٹالیکا کہتے ہیں۔ یہ میدان اشبیلیہ کے قریب واقع ہے۔

خلافتِ اندلس
حصہ سوم

اس حصہ میں خودمختار حکمرانوں اور خاندان مرابطین (یعنی یوسف بن تاشفین کے خاندان) اور موحدین (یعنی عبدالمؤمن اور اس کے احفاد) کے حالات، مسلمانوں کی عیسائیوں کے ساتھ محاربات، مسلمانوں کا ملک اندلس سے اخراج، اور اسلامی اندلس کے مجمل حالات کا تذکرہ ہے —— یعنی اس حصہ میں مسلمانوں کے عبرت آمیز تنزل کی دلخراش داستان ہے۔

حصہ سوم

باب اوّل

بنی حمود ـــــ علی بن حمود کی تخت نشینی ـــــ اس کا ظلم ـــــ خیران کی بغاوت ـــــ علی کا قتل ہونا ـــــ القاسم کی تخت نشینی ـــــ المرتضی اور اُس کا قتل ـــــ یحییٰ بن علی کی بغاوت ـــــ المُستَظہِر کی تخت نشینی اور اُس کا قتل ـــــ محمد ثالث المُستَکفِی ـــــ ہشام المعتد باللہ [1] ـــــ یحییٰ کا قتل۔

علی بن حمود کی تخت نشینی اور اس کا عدل وانصاف

علی نے تخت پر بیٹھنے کے بعد الناصر لدین اللہ کا لقب اختیار کیا، اور اپنی حکومت کے مضبوط کرنے کی غرض سے، اہل بربر کو جو بالکل مطلق العنان اور بے خوف ہو گئے تھے، اپنے قبضے میں لانے کی کوشش شروع کی، پہلے پہل اس کے انصاف اور رعایا پروری نے خاطر خواہ اپنا اثر کیا۔ چنانچہ رعایا جو بربروں کے ہاتھ سے تباہ ہو رہی تھی۔ بادشاہ کو اپنا حامی اور مددگار سمجھ کر بربر اور بدمعاشوں کے استیصال میں مدد دینے پر آمادہ ہوئی۔ اور چند روز میں ایک حد تک امن ملک ورعایا کو نصیب ہوا۔ علی بن حمود روزانہ قصر شاہی

(۱) اصل میں ''المعتز باللہ'' ہے، نفح الطیب سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

کے دروازے پر عام دربار کیا کرتا تھا، جہاں ہر شخص کو بلا تکلف عرض معروض کرنے کی عام اجازت تھی، جب کبھی کوئی بربر کسی جرم کی علت (الزام) میں گرفتار ہوتا تھا اُس کو مجمع عام میں قتل کرتا تھا۔ علی نے اِس دل دہی اور جفاکشی سے ملک کا انتظام کیا کہ اس کے انصاف اور دادرسی کی لوگ مثال دیا کرتے تھے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ جب یہ باب عامر سے گزر رہا تھا، اس نے ایک بربر کو دیکھا کہ گھوڑے پر سوار ایک بہت بڑا بار انگور کا لئے جاتا ہے، علی نے اس سوار کو روک کر اُس سے پوچھا کہ ''یہ انگور کہاں سے لایا'' بربر نے جواب دیا'' کہ ان کو میں نے اپنی جوانمردی سے حاصل کیا ہے'' یہ گستاخانہ جواب سن کر علی نے اس کو قتل کیا، اور اُس کا سر انگوروں پر رکھ کر تمام شہر میں پھرایا، تاکہ اس کے ہم قوم کو عبرت ہو۔

علی بن حمود کا عدل وانصاف سے انحراف

اٹھارہ مہینے تک سلطان نے یہی اپنا طرز جاری رکھا، یہ ممکن تھا کہ اگر اہل اندلوسیہ المرتضی مروانی کی تائید نہ کرتے تو یہ شاہراہِ انصاف وعدل سے کبھی منحرف نہ ہوتا۔ ان لوگوں نے خاندان (بنی) امیہ کے قائم کرنے کی نیت سے بغاوت کے عَلم کو بلند کیا۔ علی بن حمود کو تخت پر بیٹھے ہوئے چند ماہ کا عرصہ ہوا تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ''جس معدلت گستری (عدل وانصاف) اور رحم دلی سے میں نے کام لیا ہے، اس کو لوگوں نے میری پست ہمتی اور بزدلی پر محمول کیا ہے'' اِس نے فوراً اپنی طرز حکومت کو بدل دیا۔ اور بربروں کے ساتھ جو سختی اس نے شروع کی تھی وہ کم کردی۔ اس کا نتیجہ بتدریج یہ ہوا کہ بربر مثل سابق پر شور بن گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دارالخلافہ کی عجوبہ روزگار عمارات کو منہدم، اور شہر کے متمول اور خوشحال لوگوں کو اس قدر لوٹا کہ یہ لوگ نانِ شبینہ کو محتاج ہوگئے۔ بربروں کی اس ظلم وزیادتی میں سلطان نے بھی بہت کچھ مدد دی، اور اس قدر جدید محصول اور ٹیکس رعایا پر لگائے کہ جس کی وہ متحمل نہ ہوسکی، اور مجبوراً ترک وطن اختیار کرنا پڑا۔ جو بچے وہ بوجہ عدم ادائی زر محصول محبوس ہوئے،

اور اُن کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں، اِن آفت زدہ لوگوں میں ایک شخص ابوالحزم[1] نامی بھی شریک تھا۔

خیران کی بغاوت اور علی بن حمود کا قتل

اس جابرانہ طرز حکومت سے علی بن حمود جس قدر کہ پہلے ہردلعزیز تھا، اُس سے زیادہ خلق اللہ اُس سے نفرت کرنے لگی، اور ایسی سخت بغاوت کا سلسلہ شروع ہوا کہ بجز گوشہ قبر کوئی مأمن (جائے پناہ) اس کو نہ ملا۔ خیران صقلبی حاکم المریہ نے جو باوجود انقلاب زمانہ بنی امیہ کا حامی تھا۔ اہل قرطبہ کو علی بن حمود اور بربروں سے بددل ومتنفر پا کر اپنے صوبے میں بغاوت اور مخالفت کی بنیاد ڈالی، اور بنی امیہ کے ایک رکن عبد الرحمن بن محمد المرتضی کو وارث خلافت ظاہر کر کے مع اپنے ہم خیال وہم راز مقتدر اُمراء کے بافوج کثیر دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا۔ علی جب اُمرائے مذکور کی بغاوت سے مطلع ہوا، اُس نے حتی الامکان اپنے خیر خواہوں کو مقابلے کے لئے فراہم، اور آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کے ظلم نے اس کے گرد دشمنوں کا وہ جال بچھایا تھا کہ کشت وخون کے قبل ہی گھر ہی کے لوگوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ چنانچہ ماہ ذیقعدہ سنہ ۴۰۸ھ مطابق سنہ ۱۰۱۷ء میں یہ ایک روز حمام میں مصروف تھا کہ چند صقلبی ملازموں نے جو بظاہر خیر خواہ ومطیع بنے ہوئے تھے، حمام میں جا کر اس کو قتل کیا۔ جس وقت دارالخلافہ میں علی بن حمود کے قتل کی خبر معلوم ہوئی امیر وغریب سب نے خوشیاں منائیں۔

علی بن حمود کے ذاتی حالات

جب ہم علی بن حمود کے تقریباً دو سالہ زمانہ حکومت پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کے ذاتی حالات کو بنظر انصاف جانچتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ بالذات یہ شخص لائق اور رحم دل تھا۔ چنانچہ اوائل زمانہ میں جس متانت وسنجیدگی سے اس نے حکومت کی تھی، وہ

(۱) یہ شخص آئندہ چل کر قرطبہ کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔

اس امر کی خود گواہی دیتی ہے، کہ اگر اُس وقتِ خاص کی بغاوتیں اور سازشیں اس کو مجبور نہ کرتیں، تو یہ کبھی ایسی مذموم باتوں کو اختیار نہ کرتا، جن کی وجہ سے یہ بدنام ہی نہیں ہوا، بلکہ اپنی جان عزیز کو کھو بیٹھا۔ اس کی لیاقت وقدر دانی کا اندازہ ہم اس کے مصاحبین کی لیاقت سے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کے زمرۂ مصاحبین میں ایسے مشہور علماء وشعراء مثل ابن الخیاط القرطبی اور عُبادہ بن ماءالسماء اور ابن دُرّاج القسطلی شریک تھے۔ عبادہ مذہب امامیہ رکھتا تھا، شعر وسخن میں مشہور زمانہ تھا۔

القاسم کی تخت نشینی

ابن حمود کے انتقال کے بعد اس کا بھائی القاسم حاکم اشبیلیہ تخت نشین ہوا، باوجودیکہ علی کے دو بیٹے ایک یحییٰ حاکم افریقہ اور دوسرا ادریس حاکم صوبہ مالقہ موجود تھے، اور نیز علی نے اپنے حین حیات یحییٰ کو اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا تھا، لیکن بربروں کی جماعت کثیر نے القاسم (۱) کا اس وجہ سے ساتھ دیا کہ اولاً بہ نسبت یحییٰ کے سن رسیدہ اور زیادہ تجربہ رکھتا تھا، ثانیاً یہ کہ القاسم، علی کے قتل کے وقت دارالخلافہ کے قریب مقیم تھا، جس وقت القاسم کو اپنے بھائی کے قتل کی خبر پہنچی، اور فوج نے اُس سے تخت پر بیٹھنے کی درخواست کی تو پہلے یہ ڈرا۔ اور یہ خدشہ اس کے دل میں پیدا ہوا کہ "یہ خبر مشہور کر کے علی کہیں میری خیر خواہی اور محبت کو آزماتا نہ ہو" دو چار روز تک یہ اپنے مقام سے نہ ہلا، لیکن جب اس کو یقین کامل ہو گیا کہ یہ واقعہ فی الحقیقت صحیح ہے، اس نے فوراً قرطبہ پہنچ کر شہر پر قبضہ کیا۔

عبدالرحمٰن المرتضی مروانی کا قتل

القاسم کی طبیعت شر وفساد سے بالکل نافر، حکم اور انصاف کی طرف مائل تھی، اور اگر بربر

(۱) القاسم کے انتخاب میں اس قدر تعجیل کی وجہ یہ تھی کہ بربر خیران سے ڈرے ہوئے تھے۔ جس نے علانیہ عبدالرحمٰن بن محمد المرتضی کی حمایت کی تھی۔

اس کا پورا ساتھ دیتے تو ممکن تھا کہ اس کا زمانہ بغیر کشت وخون گزر جاتا، لیکن چند ہی روز میں بربر کے برتاؤ سے یہ امر مترشح ہونے لگا کہ یہ محض بہ مصلحت خاص تخت پر بٹھایا گیا، ورنہ ان کا رجحان دراصل یحییٰ بن علی کی طرف ہے۔ جب یہ راز القاسم پر منکشف ہوا۔ اس نے محض اپنے تحفظ کی نیت سے صقلبی غلاموں کی فوج نہ صرف اپنے گرد جمع کی، بلکہ صوبجات کی حکومت بھی انہیں لوگوں کے سپرد کر دی۔

اِدھر تو یہ حال تھا اور اُدھر عامہ خلائق بنی حمود سے اس لئے نفرت کرتی تھی کہ اس خاندان کا قیام واستحکام محض بربروں کی قوت پر منحصر تھا، جو فی الحقیقت بادشاہت کر رہے تھے، پس یہ لوگ بدل عبدالرحمٰن [۱] بن محمد کی مدد پر مستعد ہو گئے، جس طرف امیر خیران، عبدالرحمٰن کو لئے نکل جاتا تھا، اس طرف کے چھوٹے بڑے رئیس؛ امیر کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے شریک ہو جاتے تھے۔ نامی اُمراء میں سے علاوہ خیران عامری [۲] کے منذر التجیبی حاکم سرقسطہ، اور دو عیسائی قومس بھی اس کے شریک ہوئے۔

لیکن عین وقت پر خود عبدالرحمٰن کی ناعاقبت اندیشی نے اس کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ محض اس خیال نے کہ موروثی منصبِ خلافت اس کو ملنے والا ہے، عبدالرحمٰن کی عقل کو ایسا مختل کیا کہ اپنے زبردست اور سچے خیر خواہ منذر و خیران سے بھی بہ غرور اور کج ادائی سے پیش آنے لگا۔ ان نامی امراء نے بکمال افسوس اس کی تائید سے دست کشی اختیار کی، ان کے ساتھ باستثنائے چند خود غرضوں کے تمام عامہ خلائق پر اثر رکھنے والے افسروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

چونکہ القاسم سے صفائی کی ان کو امید نہ تھی سب نے بعد مشورہ بذریعہ خیران، ابن زیری امیر غرناطہ کو ایک نامہ اس مضمون کا لکھا کہ ''ہم لوگ بنی مروان کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ عبدالرحمٰن اس ملک کا بادشاہ بنایا جائے، اگر تم اس پر حملہ

(۱) عبدالرحمٰن بن محمد الملقب بہ المردانی کا سلسلہ خلیفہ الناصر لدین اللہ سے ملتا ہے۔ یہ خاندان (بنی) سیہ کا ایک رکن تھا۔ (۲) خیران العامری جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، صوبہ المریہ کا حاکم تھا۔

کرنے کا وعدہ کرو تو ہم یہ وعدہ کرتے ہیں، کہ ہم بوقت جنگ عبدالرحمٰن سے علحدہ ہو جائیں گے'' چونکہ ابن زیری خود قوم بربر سے تھا اس نے اس درخواست کو منظور کرلیا۔

عبدالرحمٰن ان واقعات سے بالکل بے خبر، اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں، منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا قلعۂ غرناطہ کے سامنے پہنچا، اور ابن زیری کو لکھا کہ'' تم میری اطاعت وفرماں برداری قبول کرو'' جس وقت یہ خط ابن زیری کے سامنے پڑھا گیا، اس نے اس کی پشت پر سورۃ الکافرون لکھ کر واپس کردیا۔ عبدالرحمٰن نے یہ جواب دیا کہ'' ہوشیار ہو جا کہ میں بہادر تریں سپاہیوں کو اپنے ساتھ لئے موجود ہوں'' اس فقرے کے آخر میں یہ شعر لکھا:

إِنْ كُنْتَ مِنَّا أَبْشِرْ بِخَيْرٍ ۞ أَوْلَا فَأَيْقِنْ بِكُلِّ شَرٍّ

اگر تو ہم میں سے ہے تو تجھے خیر وخوبی کی بشارت دی جاتی ہے۔ ورنہ ہر مصیبت وشر کا یقین کرلے۔

اسی خط کے پشت پر ابن زیری نے پھر قرآن شریف کی ایک آیت (۱) لکھی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ'' مال واولاد کے فراہم اور زیادہ کرنے کی ہوس تم کو مشغول رکھتی ہے، تا اینکہ تم قبر میں جاؤ''

ان گستاخانہ جوابوں سے عبدالرحمٰن ایسا مغلوب الغضب ہوا کہ اس نے قرطبہ کے ارادوں کو ترک کر کے پہلے اس امیر کی تنبیہ کا ارادہ کیا۔ زیری نے خَیران اور مُنذِر کے اعتماد وبھروسہ پر اپنے سواروں کے ساتھ عبدالرحمٰن پر حملہ کیا۔ عبدالرحمٰن نے نہایت جوانمردی کے ساتھ اس حملے کا جواب دیا، لیکن عین وقت کارزار پر عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ منذر اور خیران مع اپنی فوج کے علحدہ ہوئے جاتے ہیں، باوجود اس حادثۂ عظیم کے یہ کچھ دیر تک اپنی تھوڑی سی فوج لئے مردانہ وار دشمن کا مقابلہ کرتا رہا، بالآخر حالت یاس ونومیدی میں فوج کو پسپا دیکھ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ چند روز تک یہ قرب

(۱) أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (محمد امین)

وجوار غرناطہ میں پوشیدہ رہا لیکن انجام کار گرفتار اور قتل ہوا۔

یحییٰ بن علی کی بغاوت

اس جنگ کے اور عبدالرحمٰن المرتضیٰ کی شکست کے بعد بربر ملک اندلس پر پورے طور سے قابض اور مسلط ہو گئے۔ القاسم نے مصلحتاً اس آفت ناگہانی کو دفع کرنے کی غرض سے بربروں کی دلجوئی کرنے میں کمی نہیں کی، اور خفیہ تدابیر بربر کی قوت کے توڑنے کی بدستور جاری رکھی۔ لیکن رعایا جو بربروں کی سخت مخالف تھی، اس راز سے ناواقف رہی کہ القاسم بمصلحت بربر کی محبت اور دوستی کا دم بھرتا ہے۔ اگر یہ عامۂ خلائق پر اپنا راز دلی کسی طرح ظاہر کر دیتا تو رعایا کو پوری قوت اور جرأت حاصل ہو جاتی، اور بآسانی تمام یہ بربروں کی قید سے رہائی پا جاتا۔

اِدھر تو رعایا بادشاہ کو اپنا مخالف اور بربروں کا معاون سمجھتی تھی، اُدھر بربر اس کے طرز عمل سے ناخوش تھے۔ اس غیر مطمئن طرز حکومت کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰ بن علی نے علانیہ سلطنت کا دعویٰ کیا، اور ایک تحریر اس مضمون کی بربر افسروں کے پاس بھیجی کہ:

''صحیح وارث تخت کا میں ہوں میرے چچا نے جبراً میرا حق غصب کر لیا ہے، اور صرف اس ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تمہارے ساتھ بھی وہ بہت ناانصافی کے ساتھ پیش آیا، چنانچہ اس کے برتاؤ سے صاف ظاہر ہے کہ رفتہ رفتہ وہ تم کو تمام منصب اور عہدوں سے علیحدہ، اور بجائے تمہارے اپنے حبشی غلاموں کو مامور کیا چاہتا ہے، حالانکہ تمہاری مدد سے اس کو یہ رتبہ اور ثروت حاصل ہوئی، میں اپنے حقوق کے تصفیہ اور انتزاع سلطنت کے لئے آیا ہوں، اگر میں کامیاب ہوا تو جن عہدوں پر تم پہلے مامور تھے، اور جن جاگیروں پر تم پہلے حکومت کرتے تھے، ان پر پھر مقرر کئے جاؤ گے، اور ان نو دولتوں کا معقول بندوبست کروں گا''

بربروں کو راضی پا کر یحییٰ نے فوراً اپنے بھائی ادریس حاکم مالقہ کی شرکت اور مدد سے جنگ کا ارادہ کیا، اور ادریس کو اپنی جگہ سوطا اور افریقہ کا حاکم مقرر کر کے مع فوجِ

کثیر اندلس میں داخل ہوا، خیران حاکم المریہ نے باظہار تعلقاتِ سابقہ درخواست کی کہ "اگر حکم ہو تو میں بھی فوج وغیرہ سے تمہاری مدد کو حاضر ہوں" ـــــــ ادریس نے اپنے بھائی کو ہوشیار کیا کہ یہ شخص نہایت بدباطن اور خود غرض ہے، ہرگز ہرگز اس کے وعدوں پر بھروسا نہ کرنا۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ "اس وقت ہم کو اپنے دوست اور دشمن دونوں سے کام نکالنا چاہئے، بعد تصفیہ جیسا مناسب ہوگا ان کے حق میں کیا جائے گا"

یحییٰ اندلس میں داخل ہوتے ہی فوراً قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔ القاسم میں اتنی بھی عقل وتمیز نہ تھی کہ یہ اپنے دوست اور دشمن کو پہچانتا۔ حالت تذبذب اور پریشانی میں عقل وہوش نے بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کی، اور بغیر میدان جنگ میں قسمت آزمائے رات کے وقت اپنے پانچ خاص رفقاء کے ہمراہ بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر سنہ ۴۱۰ھ مطابق سنہ ۱۰۱۹ء قرطبہ سے بھاگ کر اشبیلیہ میں قاضی ابن عباد کے گھر میں پناہ گزیں ہوا۔ یحییٰ بن علی بلاتعرض بتاریخ یکم جمادی الاخری ایک مہینہ کے بعد دارالخلافہ میں داخل اور سریر خلافت پر متمکن ہوا، اور المتعالی کا لقب اختیار کیا۔

مؤرخین عرب کا تجزیہ

مؤرخینِ عرب یحییٰ اور قاسم کا مقابلہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ القاسم کی معزولی کا سبب اس کی طبیعت کا تلوّن تھا۔ قوت فیصلہ اس میں نام کو نہ تھی، اعتبار اور بے اعتباری، مروت اور سختی کا اس نے ایسا بے محل استعمال کیا کہ اس کے طرفدار مایوس ہو کر اس سے علحدہ ہوتے گئے، اور یحییٰ کو جو نہایت کوتاہ اندیش اور پست حوصلہ آدمی تھا یہ چندروزہ کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ یحییٰ صرف قرطبہ پر قابض ہوتے ہی اپنے تئیں تمام ملک کا بادشاہ سمجھنے لگا، اور لہو ولعب میں مشغول ہو گیا، اس کو اپنی عالی خاندانی پر کہ جس کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا تھا، اس قدر ناز وتفاخر تھا کہ بڑے بڑے خاندانی امرائے عرب کو بنظر حقارت دیکھتا تھا، لیکن سب سے بڑی غلطی اس سے یہ ہوئی

کہ جن شرائط پر بربروں نے اس کی مدد کی تھی ان کو پورا نہیں کیا، عرب اور بربر بددل ہوکر پھر القاسم سے آملے، یحییٰ نے بحالت سراسیمگی اپنے ہوا خواہوں کے مشورہ سے ملاقہ (مالقہ) کا رخ کیا۔

جیسا کہ ہم قبل ازیں گذارش کر چکے ہیں کہ یہاں کا صوبہ دار اس کا بھائی ادریس تھا، جو اس ہی کے حکم سے افریقہ میں بمقام سبتہ مقیم تھا۔ ملاقہ [1] کی رعایا باوجود خیران کی ریشہ دوانی کے فی الجملہ ثابت قدم رہی، اور صوبہ الجزائر کے ساتھ یحییٰ کی امداد پر آمادہ ہوگئے، چونکہ ان مقامات پر یحییٰ نے بغیر استرضا اپنے بھائی کے قبضہ کیا تھا، اس واقعہ کو بنیاد مخاصمت قرار دے کر ادریس، طنجہ اور اس کے مضافات پر مسلط ہوگیا۔ یہ محض ایک بہانہ تھا۔ ورنہ ادریس کی علحدگی کا سبب اندلس کی خانہ جنگیاں اور یحییٰ کی ناعاقبت اندیشی تھی۔

القاسم کی گرفتاری اور اس کا قتل

جس وقت القاسم نے سنا کہ یحییٰ قرطبہ سے چلا گیا ہے۔ یہ اشبیلیہ سے روانہ ہوا، اور اخیر ذیقعدہ سنہ ۴۱۳ھ مطابق سنہ ۱۰۲۳ء میں بروز سہ شنبہ دارالخلافہ میں داخل ہوا۔ مگر چند ہی روز میں وہی مخالفتیں اور سازشیں پیدا ہوگئیں۔ اہل بربر میں سے بعض نے اس کی طرفداری اختیار کی، اور بعض نے اس کے بھتیجے کا ساتھ دیا، باقی خاندان (بنی) امیہ کے خیر خواہ بنے رہے، ان تینوں فرقوں میں روزانہ جھگڑے اور فساد ہوتے تھے، اور القاسم میں اتنی قوت نہ تھی کہ ان پر وہ کسی قسم کا اثر ڈال سکے۔ ان میں سے سب سے کمزور بنی امیہ کا گروہ تھا، جس کے ساتھ القاسم اس سختی سے پیش آیا کہ یہ لوگ اپنی جانوں کو بچا کر قرطبہ سے دور دور روپوش ہوگئے۔

دارالخلافہ میں بربر اور عامۂ خلائق میں نزاع اس قدر بڑھی کہ بالآخر شارع عام پر

(۱) اس کو مالقہ بھی کہتے ہیں۔

روزانہ کشت و خون ہونے لگا۔ رعایا نے بہت روز بربروں کے ظلم و ستم کو برداشت کیا۔ جب تکلیف انتہا کو پہنچ گئی تو تمام رعایا ایک دفعہ ان پر حملہ آور ہوئی، اول تو تعداد میں اہلِ قرطبہ بربروں سے کہیں زیادہ تھے، اور دوسرے یہ کہ جان پر کھیل کر یورش کی تھی، آنِ واحد میں بربروں کو مع القاسم کے شہر سے [1] باہر کر دیا، اور فوراً شہر پناہ کے دروازے کو بند اور اُن کو چونے پتھر سے چن کر تقریباً دو مہینہ تک بربروں کے حملوں کا جواب دیتے رہے۔ جب اہل شہر پر خورد و نوش کی تکلیف ہونے لگی تو شہر کے سربرآوردہ لوگوں نے باہم مشورہ کیا، اور یہ رائے قرار پائی کہ فاقہ کشی سے میدان میں ایک بار قسمت آزمائی کر کے جان دینا بہتر ہوگا۔ چنانچہ آخر ماہ شعبان سنہ ۴۱۴ھ مطابق سنہ ۱۰۲۳ء بروز پنجشنبہ اہل بربر کو غافل پا کر دفعتاً ایسی سخت یورش کی کہ بربر بدحواس ہو کر ملاقہ کی طرف بھاگے، اور القاسم نے مع اپنے حبشی غلاموں کے اشبیلیہ میں پناہ لینی چاہی۔

القاسم نے قرطبہ آنے سے [1] قبل اپنے بیٹے محمد کو اشبیلیہ کا صوبہ دار اور محمد بن زیری اور محمد بن عباد کو اس کا مشیر اور معاون مقرر کیا تھا۔ یہ دونوں امیر اپنے اپنے گروہ میں سربرآوردہ تھے، اور ان میں ہر ایک بجائے خود حکومت کا خواہاں تھا، چونکہ مرتبہ اور قوت میں دونوں مساوی تھے، اس لئے غلبہ کسی کو حاصل نہ ہوتا تھا۔ جب القاسم شکست خوردہ اشبیلیہ آیا تو ان دونوں امیروں نے باتفاق رعایا شہر کے دروازوں کو بند کر دیا، اور مقابلہ پر آمادہ ہو گئے، القاسم نے کشایش کار سے مایوس ہو کر ان کو کہلا بھیجا کہ اگر تم میرے بیٹے اور رشتہ داروں کو حوالہ کر دو تو میں تم سے معترض نہ ہونگا'' ان دونوں [2] نے اس درخواست کو منظور کر لیا، اور القاسم مع اپنے بیٹے محمد و دیگر عزیزوں کے قلعہ سریش میں اقامت پذیر ہوا، مگر یہاں بھی اس خفیف العقل کو اطمینان نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ واقعات مذکورہ کے دوسرے ہی برس سنہ ۴۱۵ھ م سنہ ۱۰۲۴ء میں یحییٰ کے ہاتھ گرفتار

(۱) اصل میں ''سے'' کے بجائے ''کے'' ہے (محمد امین)

(۲) المقری تحریر کرتا ہے کہ اشبیلیہ کا انتظام باتفاق امرائے شہر تین امیروں کے سپرد ہوا تھا۔

ہوا۔ اور کئی سال کی قید سخت کے بعد سنہ ۴۲۷ھ سنہ ۱۰۳۵ء میں قتل کیا گیا۔

عبدالرحمٰن چہارم کی تخت نشینی اور اس کا قتل

اب قرطبہ کا حال سنو کہ القاسم کی ہزیمت اور اخراج کے بعد دارالخلافہ تقریباً دو مہینہ تک بغیر کسی حاکم اور انتظام کے حالت نزاع میں پڑا رہا۔ سب حیران تھے کہ کس کو بادشاہ مقرر کریں، اسی اثناء میں بتاریخ ۱۵؍ رمضان المبارک سنہ ۴۱۴ھ مطابق سنہ ۱۰۲۳ء خاندان (بنی) اُمیہ کے تین شہزادے عبدالرحمٰن بن ہشام اور سلیمان بن المرتضیٰ اور ایک شخص[1] تخت و تاج کے دعویدار شہر میں داخل ہوئے، اور ان میں سے ایک کے انتخاب کے لئے رعایا جمع ہوئی۔ اگرچہ سلیمان کے طرفداروں کی جماعت کم نہ تھی، لیکن عبدالرحمٰن بن ہشام نے اپنی خوش سلیقگی اور فراست سے عوام الناس کو پہلے ہی اپنا معاون بنالیا تھا، بغلبہ آراء (رایوں کی کثرت سے) اس منصب عظیمہ کے واسطے منتخب کیا گیا، اور دیگر دعویداران ریاست کو طوعاً و کرہاً اس کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔

عبدالرحمٰن چہارم نے المستظہر کا لقب اختیار کیا، اور تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی سلیمان اور محمد بن عبدالرحمٰن کو فوراً قید اور اپنے خیر خواہوں اور متوسلین کو عہدہ ہائے جلیلہ سے سرفراز کیا۔ ان نو سرفرازوں میں صرف ایک ابو عامر ابن شہید اعلیٰ درجہ کا فوجی افسر تھا، مابقی مثل ابومحمد بن حزم اور عبدالوہاب بن الحزم کا تقرر ـــــ جن کی ناشائستہ حرکتوں سے سب بیزار اور متنفر تھے ـــــ اہل دربار کو سخت ناگوار گزرا۔ عبدالرحمٰن نیک خصلت اور علم دوست ضرور تھا، لیکن حکمرانی کا اس میں مطلقاً مادہ نہ تھا، چنانچہ باوجودیکہ رعایا نے بڑی امیدوں کے ساتھ اسے بادشاہ بنایا تھا، اور القاسم و یحییٰ بن علی کی بربادی کی[2] وجوہ اور بربر کے شدید مظالم کے واقعات اس کے پیش نظر تھے، اس نے بھی محض چند امراء اور علماء کو منحرف پاکر اہل بربر کے ساتھ ناجائز رعایت

(۱) تیسرے کے نام کا پتہ نہیں ملا۔ (۲) اصل میں ''کی'' کی جگہ ''کے'' ہے (محمد امین)

شروع کردی، اوراس خودغرض قوم کے بھروسہ پر امور حکومت اپنے خودغرض مشیروں کے سپرد کر کے خود اپنے چند خاص ذی علم مصاحبین کے ساتھ مشاغل علمی میں مصروف ہوگیا۔ رعایا ہنوز برداشتہ خاطر تھی، امراء کے ساتھ فوراً فساد پر آمادہ ہوگئی، اور جیل خانے بغاوت وفساد کی علت میں معمور ہونے لگے۔

ان قیدیوں میں ابوعمران بھی شریک تھا، اس کو عبدالرحمٰن نے اپنے وزراء کی رائے کے خلاف قید سے رہا کیا، یہی بالآخر سلطان کی تباہی کا باعث ہوا۔ عبدالرحمٰن کو مہمات سلطنت سے بالکل غافل پاکر اس شخص نے سلطان کے ناعاقبت اندیش وزراء اور اہل بربر میں ایسی سخت مخالفت پیدا کی کہ بربروں نے بتاریخ ۳/ذیقعدہ تخت نشینی کے سینتالیسویں (۴۷) روز تیس سال کی عمر میں عبدالرحمٰن کو قتل کرڈالا، اوراس کی جگہ اس کے ایک رشتہ دار محمد نامی کو بادشاہ بنادیا۔

محمد ثالث کی تخت نشینی اوراس کا انتقال

محمد بن عبدالرحمٰن بن [1] عبداللہ المستکفی [2] باللہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ سنہ ۴۱۶ھ م سنہ ۱۰۲۵ء میں المتعالی یحیٰی بن علی جو اپنے چچا القاسم کی گرفتاری کے بعد سریش اور ملاقہ اور الجزائر پر حکمراں تھا مع فوج قرطبہ کی طرف روانہ ہوا، سلطان محمد کو فوج کے فراہم کرنے میں کچھ ایسی دشواریاں پیش آئیں کہ یہ بلالڑے ثاغر [3] کی طرف بھاگ آیا، اور چند ہی روز بعد بتاریخ ۲۵/ربیع الاول سنہ ۴۱۶ھ انتقال کیا۔

ہشام کی تخت نشینی

یحیٰی نے قرطبہ کی حکومت ابن عطاف کے سپرد کی، اور خود ملاقہ واپس آکر

(۱) اس کے باپ کو المنصور بن ابی عامر نے قتل کیا تھا۔ (۲) اصل میں "المستحفی" ہے، (محمد امین) (۳) صوبہ ارغوان کو ثاغر بھی کہا کرتے تھے۔

ابوالقاسم محمد بن عباد حاکم اشبیلیہ کی تسخیر کی غرض سے فوج کی درستی اور انتظام میں مصروف ہوا۔ دارالخلافہ میں سنہ ۴۱۷ھ مطابق سنہ ۱۰۲۶ء میں اہل قرطبہ نے بغاوت کی، اور بہت کچھ کشت وخون کے بعد ابن عطاف کو مع فوج شہر سے باہر کر دیا، اور ابومحمد جَہور[1] بن محمد نامی[2] کے مشورہ سے المرتضیٰ کے بھائی ہشام کو جو خاندان (بنی) امیہ سے تھا خلافت اندلس کے واسطے منتخب کیا۔ ہشام اس زمانہ میں لریدۃ میں مقیم اور وہاں کی خانہ جنگیوں کے فرو کرنے میں مصروف تھا۔ جب ابن ہود نے منجانب ابومحمد یہ خوش خبری سنائی، ہشام نے فوراً قرطبہ آنے کا قصد کیا، لیکن تنازعاتِ مذکور نے تقریباً تین سال تک اس کو مصروف رکھا۔ بالآخر اس نے رؤسائے مخالف سے اس شرط پر صلح کر لی کہ ''اگر یہ لوگ قرطبہ کو اندلس کا پائے تخت تسلیم، اور اس کے احکام سے انحراف نہ کریں گے تو یہ بھی ان کا مزاحم نہ ہوگا'' سب نے اس شرط کو قبول کر لیا۔

ہشام آخر سنہ ۴۲۰ھ مطابق سنہ ۱۰۲۹ء میں قرطبہ آیا، اور بلقب المُعتَد[3] باللہ تخت نشین ہوا۔

ہشام کی معزولی اور یحییٰ کا قتل

ہشام نہایت رحم دل اور بیدار مغز بادشاہ تھا، جس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے تئیں ہر دل عزیز بنانے کی بہت کچھ کوشش کی، لیکن مرض نافرمانی نے امیر اور غریب سب پر کچھ ایسا غلبہ حاصل کر لیا تھا کہ رعایا نے اس کا ساتھ بُرے وقت پر نہ دیا، اور تخت نشینی کے دو ہی سال بعد سنہ ۴۲۲ھ میں فوج نے اس کو تخت سے اتار دیا۔ یہ بھی بوجہ مایوسی حکومت سے دست کش ہو کر سیدھا لریدۃ چلا آیا، جہاں اس نے سنہ ۴۲۸ھ م سنہ ۱۰۳۶ء میں انتقال کیا۔

گو طوائف الملوکی کی بناء دراصل المنصور بن ابی عامر کے زمانہ میں قائم ہو چکی

(۱) اصل میں ''جھوار'' ہے (محمد امین) (۲) اس کو ابوالحزم جھور بھی کہتے ہیں۔ (۳) اصل میں ''المعتمد'' ہے (محمد امین)

تھی، باز ہم (پھر بھی) جو شخص قرطبہ پر قابض ہوتا تھا، وہ برائے نام ہی بادشاہ کیوں نہ ہو، عبدالرحمٰن اول کا جانشین اور اندلس کا خلیفہ مانا جاتا تھا، پس اس لحاظ سے مؤرخین عرب ہشام کو سلطنت اندلس کا آخری خلیفہ تصور کرتے ہیں، ہشام کی معزولی کے ساتھ ساتھ اور عبدالرحمٰن الداخل کی تخت نشینی کے دو سو چوراسی (۲۸۴) برس بعد ملک چھوٹی چھوٹی خودمختار اور متمرد ریاستوں میں منقسم ہوگیا۔ قرطبہ کی شانِ دارالخلافہ باقی نہیں رہی۔ گو یحییٰ بن علی نے سلطنت کے سنبھالنے کی کوشش کی، اور اہل قرطبہ نے بھی اس کو بادشاہ تسلیم کیا۔ لیکن سنہ ۴۲۷ھ م سنہ ۱۰۳۵ء جب کہ یہ ابو القاسم [1] بن عباد کے تصفیہ کی غرض سے اشبیلیہ جا رہا تھا، شہر قرمونہ میں اپنے ملازمین کے ہاتھ قتل ہوا۔
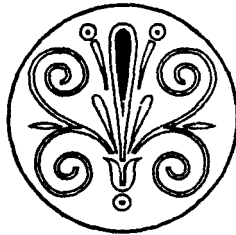
(۱) اصل میں ''ابوالقاسم'' کے بجائے ''القاسم'' ہے (محمد امین)

باب دوم

خانہ جنگی کا نتیجہ: سلطنت کا چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو جانا ـــــ دیگر حالات ۔

خانہ جنگی کا نتیجہ

ہم بغاوت اور خانہ جنگی کے حالات ـــــ جہاں تک کہ مختلف تواریخ سے معلوم ہوئے ہیں ـــــ بالتفصیل اوپر تحریر کر چکے ہیں ۔ جس محنت و جانفشانی سے الداخل عبدالرحمن اعظم نے اس عظیم الشان سلطنت اندلس کو قائم کیا، اور جس اولو العزمی، عظمت و جلال کے ساتھ الحکم ثانی اور عبدالرحمن ثالث تک اس خاندان نے اس وسیع جنوب و غربی گوشۂ یورپ پر، جس کے زیر تسلط شمالی افریقہ کا ایک بڑا حصہ بھی تھا کوسِ حکومت بجایا، اُس سلطنت کو انہی کے بعض پست فطرت خفیفُ العقل، عیش دوست، اور فراغت طلب جانشینوں نے ایسا برباد کیا کہ، تمام ملک چھوٹی چھوٹی کم زور اور مُتمرّد ریاستوں میں بٹ گیا، اور ان کی کمزوری اور آپس کی نزاعوں کی بدولت عیسائیوں کو اس ملک پر دوبارہ قبضہ کرنے کا عمدہ موقع ملا، قرطبہ اور صوبجات غرناطہ، طلیطلہ، اشبیلیہ، مالقہ، الجزائر، سرقسطہ، المیریہ، افریقہ وغیرہ میں ہر امیر اور صوبہ دار نے کوس: اَنَــا وَلَا غَیرِیْ (میں ہی، میرے سوا کوئی نہیں) کی صدا بلند کی ۔ اور ایک دوسرے کی تباہی کے ایسے خواہاں ہوئے کہ اپنے ہم مذہب اور ہم قوم کو اپنا دشمن، اور اپنے اصلی دشمنوں کو اپنا دوست سمجھنے لگے ۔

خودمختار ریاستوں کے قیام میں بنی حمود کی پیش قدمی

چھوٹی خودمختار ریاستوں کے قائم کرنے میں سب سے پہلے بنی حمود نے پیش قدمی کی۔ قرطبہ کی رعایا اور جو فوج کہ وہاں باقی رہ گئی تھی، سب نے سلطنت کے سنبھالنے میں بڑی کوشش کی، لیکن جن کا انھوں نے بادشاہت کے لئے انتخاب کیا وہ سب ایسے خودغرض اور نفس پرست نکلے کہ سلطنت کی حالت روز بروز ابتر اور تباہ ہوتی گئی۔ جو لوگ کہ ایک قرطبہ کا انتظام نہ کر سکے، وہ اس عظیم الشان سلطنت کو کیا قائم رکھ سکتے تھے؟! یہ نہ تھا کہ شجاعت وحکمرانی کے جوہر اس قوم سے مفقود ہو گئے ہوں، اس زمانہ میں بھی نہایت لائق اور بیدار مغز افراد موجود تھے۔ لیکن حکم حاکم حقیقی بدیں نہج ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا، جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے) نافذ ہو چکا تھا، فراست ودور بینی اس قوم سے کنارہ کشی اختیار کر رہی تھی، اور اس کا بخت نگوں سار (اوندھا نصیب) ان کو اعلیٰ سے اسفل کی طرف لے جا رہا تھا۔ ان پر ایسی غفلت طاری ہوئی تھی کہ ان میں اپنے بھلے اور برے کے پہچاننے کی قابلیت باقی نہ رہی۔ اگر چہ زندہ تھے، لیکن بدتر از مردہ تھے۔

ادریس بن علی کا قرطبہ آنا اور ابوالقاسم کا قتل

آمدم برسر مطلب: المتعالی یحییٰ بن علی جب سنہ ۴۲۷ھ میں قتل ہوا تو اہل قرطبہ نے فوج بے افسر، اور ملک بے بادشاہ دیکھ کر اس کے بھائی ادریس حاکم افریقہ کو سوطا سے بلا بھیجا۔ ادریس بن علی نے خواجہ سرا ناجا کی نگرانی میں اپنے بیٹے حسن کو اپنا قائم مقام مقرر کیا، اور خود فوراً قرطبہ آیا۔ یہاں آ کر اس نے سب سے پہلے اپنے بھائی یحییٰ کے قتل کا انتقام، ابوالقاسم اسماعیل بن عباد سے لینے کا ارادہ کیا، اور اسی غرض سے فوج اشبیلیہ روانہ کی، کئی سال کی متواتر لڑائیوں کے بعد ابوالقاسم سنہ ۴۳۱ھ مطابق سنہ ۱۰۳۹ء میں گرفتار اور قتل ہوا۔

ادریس بن علی کا انتقال، اور حسن بن ادریس کا قتل

ادریس کا پیمانۂ عمر بھی لبریز ہوچکا تھا، اس واقعہ کے دو ہی روز بعد اس نے بھی انتقال کیا، اور فوج نے اس کے دوسرے بیٹے یحییٰ بن ادریس کو تخت پر بٹھانا چاہا۔ یہ خبر سن کر ناجا حسن کو لے کر بتعجیل تمام ملاقہ پہنچا، اور یہ اعلان کیا کہ صحیح وارث سلطنت کا حسن بن ادریس ہے۔ یحییٰ بن ادریس بغیر لڑے قلعہ قماریش میں روپوش ہوگیا، اور یہیں سنہ ۴۳۴ھ مطابق سنہ ۱۰۴۲ء میں اس نے انتقال کیا۔ اسی سال یحییٰ بن ادریس کی ایک بہن نے اپنے بھائی کے انتقام میں حسن کو زہر دے کر مار ڈالا۔

عالی باللہ کی تخت نشینی

حسن کے انتقال کے بعد ناجا نے خود ملاقہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ لیکن بربروں کے ہاتھ سے یہ بھی بالآخر قتل ہوا، اس واقعہ کے بعد بربروں نے ادریس (۱) بن یحییٰ المتعالی کو جو اس وقت قید تھا، رہا کر کے اخیر ماہ جمادی الثانی سنہ ۴۳۴ھ میں بلقب العالی باللہ تخت پر بٹھایا۔ سب سے پہلے صوبہ غرناطہ اور قرمونہ نے ادریس کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ یہی ادریس ہے جس کی تعریف میں ابوزید عبدالرحمٰن ساکن بشونہ نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو ابن بسام کے ذخیرہ میں موجود ہے۔

عالی باللہ کی معزولی اور اس کا صوبۂ مالقہ پر قبضہ

ادریس سنہ ۴۳۸ھ مطابق سنہ ۱۰۴۶ء میں حکومت سے معزول کیا گیا، اور اس کا برادر عم زاد محمد بن ادریس بن علی الملقب بالمہدی تخت نشین ہوا، یہ سنہ ۴۴۴ھ مطابق سنہ ۱۰۵۲ء میں فوت ہوا، اور حکومت ادریس (۲) بن یحییٰ بن ادریس الملقب بالموفق باللہ کے سپرد ہوئی، لیکن خلاف رسم مروجہ اس کی تخت

(۱) حسن کا چچازاد بھائی۔ (۲) محمد بن ادریس بن علی کا بھتیجا۔

نشینی کا اعلان مساجد میں نہیں کیا گیا۔ چند مہینے کے بعد اس کے چچا ادریس العالی باللہ نے جو بعد معزولی قلعہ قماریش میں پناہ گزیں ہوا تھا، موقع پا کر صوبہ مالقہ پر قابض ہو گیا، اور شہر مالقہ کو اس قدر تباہ کیا کہ رعایا شہر چھوڑ کر دوسرے مقامات میں جا بسی۔ الموفق باللہ نے سنہ ۴۴۶ھ م سنہ ۱۰۵۴ء میں انتقال کیا۔

بنی حمود کا آخری حکمراں الموفق باللہ کے بعد اس کا بیٹا محمد المتعالی باللہ بادشاہ ہوا۔ لیکن سنہ ۴۴۹ھ م سنہ ۱۰۵۷ء میں بادیس بن حابوس بادشاہ غرناطہ نے ملاقہ[1] پر فوج کشی کی، اور محمد المتعالیٰ باللہ شکست کھا کر المیریہ چلا آیا۔ یہ خاندان حمود کا، جس نے ملاقہ پر خودمختارانہ حکومت کی تھی، اخیر بادشاہ تھا۔ روز کی خانہ جنگیوں سے یہ تنگ آ کر حکومت سے کنارہ کش ہوا، اور سنہ ۴۵۶ھ م سنہ ۱۰۶۳ء میں اہل ملیلہ اور قلوع جارہ کی درخواست پر افریقہ چلا آیا، جہاں یہ سنہ ۴۶۰ھ، م سنہ ۱۰۶۷ء تک حکومت کرتا رہا۔

بنی حمود کی حکومت سے محرومی ان ہی ایام میں الجزائر اور اس کے مضافات پر محمد المعتصم باللہ رکن خاندان حمود حکمراں تھا۔ محمد نے سنہ ۴۴۰ھ تک بادشاہت کی، اور اس کے بعد اس کا بیٹا القاسم الواثق باللہ سنہ ۴۵۰ھ مطابق سنہ ۱۰۵۸ء تک بلاتعرض الجزائر پر حاکم رہا۔ سال مذکور میں المعتضد بن عباد بادشاہ اشبیلیہ نے الجزائر پر قبضہ کر لیا، اور بنی حمود حکومت سے محروم کر دیئے گئے۔

غرناطہ کے خودمختار حکمراں

جس زمانہ میں بنی حمود نے ملاقہ میں اپنی حکومت قائم کی تھی، ایک بربر امیر زاوِی

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ بنی حمود کے حکمرانوں نے بجائے قرطبہ، ملاقہ جسے مالقہ بھی کہتے ہیں اپنا مرکز حکومت قرار دیا تھا۔

بن زیری[1] غرناطہ پر مسلط تھا، اس نے سنہ ۴۱۰ھ میں اپنے بھتیجے حابوس کو اپنا قائم مقام مقرر کیا، اور خود بضرورت افریقہ چلا آیا۔ حابوس اپنے چچا کی عدم موجودگی میں موقع پا کر خودمختار ہو گیا۔ سنہ ۴۲۹ھ مطابق سنہ ۱۰۳۷ء میں حابوس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا بادیس المظفر غرناطہ کا حکمراں ہوا، مگر بنی حمود کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا، اور بالآخر ان کی اطاعت قبول کر لی، لیکن بنی حمود کے انحطاط کے زمانہ میں خفیہ طور پر اس نے اپنی ایسی قوت بڑھائی کہ سنہ ۴۴۹ھ میں ظہیر صقلبی حاکم المیریہ، محمد البرزالی حاکم قرمونہ اور اس کے معاون حاکم اشبیلیہ کو یکے بعد دیگرے زیر کرتا ہوا القادر بن ذی النون رئیس طلیطلہ کے ساتھ سلسلہ جنگ کا شروع کیا، اور اسی سال یعنی سنہ ۴۴۹ھ میں مالقہ کو اپنے دائرہ حکومت میں شریک کر لیا۔

بادیس صوبۂ غرناطہ کا پہلا رئیس تھا، جس نے شہر غرناطہ کے گرد مستحکم فصیل کی بنیاد ڈالی تھی، اس کا انتقال ۲۰ر شوال سنہ ۴۶۹ھ مطابق سنہ ۱۰۷۷ء میں ہوا۔ اس کا پوتا عبداللہ بن بَلکِّین المظفر جانشین ہوا۔ عبداللہ نے صوبہ مالقہ کا انتظام اپنے بھائی تمیم کے سپرد کیا، اور خود سنہ ۴۸۳ھ مطابق سنہ ۱۰۹۰ء تک بلا تعرض بکمال اطمینان غرناطہ اور اس کے مضافات پر حکومت کرتا رہا۔ سنہ مذکور میں یوسف بن تاشفین نے اس کو اس حصۂ ملک کی حکومت سے معزول کیا۔

اہل قرطبہ کی تلوّن مزاجی

یہ ہم اوپر تحریر کر آئے ہیں کہ جب بنی حمود کو دولت و ثروت حاصل ہوئی، اور مالقہ مستقر حکومت قرار پایا۔ قرطبہ کی شانِ دارالخلافہ باقی نہیں رہی، زیادہ تر یہی سبب تھا

(۱) زیری وہی شخص ہے جو بزمانۂ ابن ابی عامر المنصور افریقہ سے اندلس آیا تھا، قریب قریب اسی زمانہ میں زیری نے غرناطہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ المقری نے لکھا ہے کہ بنی حمود کے ابتدائی زمانہ میں زیری زندہ تھا مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ زیری نے کب انتقال کیا، اور زاوی کس سنہ میں یہاں کا حکمراں ہوا۔

کہ قرطبی جو دو صدیوں سے حکومت کے عادی تھے بنی حمود سے ناراض رہے، اور بالآخر یہی انتزاع (اختتام) ریاست کے باعث ہوئے۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے گذارش ہو چکا ہے، اہل قرطبہ نے موقع پا کر مالقہ سے اپنا تعلق منقطع کر لیا، اور خاندان (بنی) امیہ کے ایک شہزادے ابو بکر ہشام بن محمد بن عبد الرحمٰن الناصر کی اطاعت تسلیم کر لی۔ باوجودیکہ یہ ایک رحیم اور عدل گستر بادشاہ تھا۔ لیکن تین سال کی حکومت کے بعد اہل قرطبہ نے بسبب اپنی تلون مزاجی کے اس کو بھی معزول کر دیا۔

ابوالحزم جَھْور کی ناکام حکمت عملی

ہشام کے بعد چونکہ اب اس خاندان کا کوئی سربرآوردہ رکن باقی نہ رہا تھا، امرائے شہر نے باستمزاج رعایا ابوالحزم جَھور[1] بن محمد کو جو بلحاظ تجربہ ولیاقت شہر میں وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، اور بنی عامر کے زمانے میں عہدۂ وزارت سے بھی ممتاز رہا تھا۔ حکومت سپرد کی۔

اس دور اندیش امیر نے بکمال خلوص اسلامی ملک کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں خیال عصبیت پیدا کرنے کی غرض سے یہ مشہور کیا کہ امیر المومنین المؤید باللہ[2] ہنوز زندہ ہے۔ اور اسی کے نام کا خطبہ شہر کی مساجد میں پڑھا گیا۔ بعدہٗ اس نے قاضی ابن عباد رئیس اشبیلیہ، اور المنذر رئیس سرقسطہ، اور ابن ذی النون رئیس طایطلہ کو فرمان شاہی از طرف خلیفہ ہشام بایں مضمون بھیجے کہ ''تم حلف نامے اطاعت و فرماں برداری کے روانہ کرو'' اور ''قرطبہ کو بدستور اس سلطنت کا دارالخلافہ سمجھو'' چونکہ خلیفہ ہشام کے مرنے کے اس قدر زمانے کے بعد لوگوں کا اس دھوکے میں آنا اگر غیر ممکن نہیں، تو دشوار تو ضرور تھا، کسی نے اس فرمان پر التفات نہ کیا۔ ابوالحزم کے واسطے اس بے غرضانہ حکمت عملی کا کارگر نہ ہونا قیامت تھا۔

(۱) اصل میں ''جھوار'' ہے (محمد امین) (۲) یعنی ہشام ثانی جو قرطبہ کے قتل عام میں قتل ہوا تھا۔

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی ۞ یہ جو ایک لذت ہماری سعی لاحاصل میں ہے

یہ ان معدودے چند عرب امراء کا مایوسی میں ہم خیال تھا جو آپس کی خونریزی کے باعث عیسائیوں کے غلبہ کے خطرۂ عظیم کو محسوس کر چکے تھے، اور سچے دل سے کوشاں تھے کہ اپنے اولوالعزم اجداد کے نام و نشان کو سرزمین اندلس سے محو ہونے نہ دیں۔ باوجودیکہ ابوالحزم کی حکومت کا اثر قرطبہ اور اس کے محدود مضافات کے باہر بالکل نہ تھا، بایں ہمہ اس نے اپنی بیدار مغزی، انصاف اور رحم دلی سے اس صوبہ میں مرتے دم تک امن قائم رکھا۔ اس نے ماہ صفر سنہ ۴۳۵ھ مطابق سنہ ۱۰۴۳ء میں انتقال کیا، اور اس کا بیٹا ابوالولید محمد تخت نشین ہوا، اور مثل اپنے باپ کے دادرسی اور معدلت گستری میں نام پیدا کرتا رہا۔ اخیر عمر میں بوجہ انحطاط و کمزوری اس نے اپنے بیٹے عبدالملک کو اپنا جانشین مقرر کیا، اور خود دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی، عبدالملک جس کا ذکر آئندہ گذارش ہوگا بہت روز حکمراں نہ رہ سکا۔

بنی عباد کا تذکرہ

جس زمانۂ شورانگیز میں قرطبہ، مالقہ، غرناطہ اور الجزائر میں یہ ہنگامہ آرائیاں ہورہی تھیں، صوبہ اشبیلیہ اور الغرب میں بنی عباد[1] اپنی اساس حکومت کے مستحکم کرنے میں مصروف تھے۔ اس خاندان کے مفصل حالات مشہور مؤرخ ابوبکر عیسیٰ نے اپنی کتاب ''الاعتماد فی اخبار بنی عباد'' میں رقم کئے ہیں۔ بلکہ بقول المقّری مؤرخین

(۱) خاندان (بنی) عباد کا پہلا شخص جس نے اندلس میں سکونت اختیار کی تھی عطاف تھا، اور یہ سنہ ۱۲۳ھ م سنہ ۷۴۱ء میں امیر بلج بن بشر کے ساتھ اندلس آیا تھا، بنی عباد کی ترقی کا بانی ابوالولید اسماعیل بن قریش تھا جو بزمانہ خلیفہ ہشام المؤید باللہ صاحب الشرطۃ یعنی کوتوال، اور پھر اشبیلیہ کا حاکم مقرر ہوا، بعد ازاں اشبیلیہ کی حکومت اس کے بیٹے محمد ابوالقاسم کے سپرد کی گئی جو زمانہ غدر میں خود مختار بن بیٹھا۔ (المقّری)

اور شعراء کا بڑا گروہ بنی عباد کا معرف (تعریف کرنے والا) پایا جاتا ہے۔ اگر اس خیال سے کہ ابوبکر عیسیٰ متوطن اشبیلیہ تھا، اور دیگر مصنفین و شعراء اس خاندان کے ہم عصر تھے، ان کی (۱) آراء کو آزاد تصور کرنے میں ہم کو جائز تامل ہو تب بھی یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بمقابلہ دیگر معاصر حکمرانوں کے بنی عباد کی حالت بہت اطمینان بخش تھی۔ بالخصوص المعتمد ابن عباد تو ابوالحزم والی قرطبہ کا ہم خیال تھا۔

قاضی محمد بن عباد کی خود مختاری اور اس کی ناکام حکمت عملی

ناظرین کو یاد ہوگا کہ سنہ ۴۱۴ھ میں جب القاسم بن حمود قرطبہ سے ہزیمت پا کر اشبیلیہ آیا، تو یہاں کے امراء و اہلِ شہر نے دروازے بند کر دیئے، اور یہ صاف طور سے ظاہر کر دیا کہ ''اس خاندان کی حکومت ہم کو منظور نہیں'' اور امرائے شہر میں سے تین امیروں کا انتخاب کر کے مساوی اختیارات کے ساتھ ان کو حاکم مقرر کیا۔ ان امیروں میں قاضی محمد بن عباد بھی شریک تھا۔ چونکہ یہ اپنے شرکاء سے کہیں زیادہ ذی ہوش اور بندۂ حرص تھا، بہت جلد اس نے اپنے دیگر شرکاء کو معطل و بے کار کر دیا، اور خود بلا شرکتِ غیرے حکومت کرنے لگا۔

لیکن یحییٰ بن علی کے تصفیہ کے بعد ابن عباد نے یہ بات محسوس کی کہ پورے ملک اندلس پر تسلط بغیر تائید بنی امیہ ممکن نہیں۔ پس اس نے بھی اسی حکمت عملی سے کام لینا چاہا۔ جس کے ذریعہ سے ابوالحزم اور واضح نے سلطنت کے سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ ابن عباد نے بہ مشکل تمام ہشام المؤید باللہ کا ہم شکل اور ہم وضع ایک شخص پیدا کیا، اور بحیثیت حاجب یہ اعلان نافذ کیا کہ ''امیر المومنین زندہ ہے بمقتضائے خیر خواہی و خیر اندیشی اہل اندلس کو چاہیئے کہ خلیفہ کی زندگی میں اس بغاوت اور خانہ جنگی کو موقوف کریں'' مگر یہ بھی ابوالحزم کی طرح ناکام رہا، اور یہ دیکھ کر کہ طمع دنیا نے سب کو دیوانہ

(۱) اصل میں ''کی'' کے بجائے ''کے'' ہے (محمد امین)

بنا رکھا ہے، اس نے بھی دائرہ قناعت سے قدم باہر رکھا، اور اپنے بیٹے اسماعیل کو قرمونہ کی تسخیر کے واسطے بڑی فوج دے کر روانہ کیا۔ قرمونہ کا والی محمد بن عبداللہ البرزالی بھی بامداد والیان غرناطہ اور مالقہ بعزم رزم آگے بڑھا۔ اس لڑائی میں جو سنہ ۴۳۱ھ م سنہ ۱۰۴۰ء میں واقع ہوئی تھی، اشبیلیہ کی فوج سے شکست فاش کھائی، اور اسماعیل گرفتار اور قتل ہوا۔ اس کے دو برس بعد اخیر جمادی الاولی سنہ ۴۳۳ھ میں قاضی ابن عباد نے انتقال کیا، اور اس کا بیٹا ابو عمر و عباد فخر الدولہ المعتضد باللہ مسند نشین ہوا۔

المعتضد باللہ کے متضاد خصائل

ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ شاید اس زمانۂ قیامت خیز کا اقتضاء تھا کہ المعتضد باللہ کی ذات میں متضاد خصائل مجتمع ہو گئے تھے۔ فراست، خوش تدبیری اور علم و فن کی قدر میں ممتاز، مگر وحشیانہ مظالم میں ایسا خونخوار کہ تمام ملک اس کے نام سے پناہ مانگتا تھا۔ اس کی عمر زیادہ تر میدان جنگ میں صرف ہوئی، اور جو لوگ کہ اس کی خاص شمشیر خون آشام کے لقمہ ہوئے تھے، ان کے سروں کو اس نے ایک خاص مکان میں جمع کیا تھا، جن کو یہ روز جا کر بہت دیر تک بنظر عبرت دیکھا کرتا تھا، اور بعض وقت اس ہولناک سماں سے رحم کا دریا اس کے سینے میں ایسا جوش زن ہوتا تھا کہ بے ساختہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، اور اپنے مظالم پر آپ نادم ہوتا تھا، لیکن یہ حالت اس پر صرف اس مکان میں طاری ہوتی تھی، باہر آتے ہی مثل سابق سنگ دل ہو جاتا تھا۔ اس کو شعر و سخن سے بہت شوق [1] تھا۔

(۱) ممکن ہے کہ المعتضد باللہ کا شوق علم و فن نمائشی نہ ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ تمام حکمران جو غاصبانہ طور پر ملک کے مختلف حصوں پر مسلط ہو گئے تھے اپنی علمی لیاقت اور علوم و فنون کی سرپرستی کا اظہار نہایت شد و مد کے ساتھ محض اس غرض سے کیا کرتے تھے کہ ان کے نو دولت اور غاصب ہونے کا دھبہ باقی نہ رہے، اور علماء اور شعراء کی تصنیفوں اور قصائد کے ذریعہ سے ان کا نام اور شہرت ہمیشہ کے واسطے قائم ہو جائے، بجنسہ یہی حالت سولہویں صدی میں ملک اطلیہ کی تھی۔

المعتمد کے احوال

المعتضد باللہ نے جمادی الاخری سنہ ۴۶۱ھ مطابق سنہ ۱۰۷۱ء میں اٹھائیس برس کی مستقلانہ حکومت کے بعد انتقال کیا، اور اس کا بیٹا المعتمد انتیس (۲۹) سال کی عمر میں وارث ریاست قرار پایا۔
یوں تو اکثر مؤرخ المعتمد کی ثنا خوانی [1] میں ہم زبان ہیں، لیکن ابوبکر عیسیٰ اپنی کتاب ''الاعتماد فی اخبار ابن عباد'' میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس کے کارناموں، اور ذاتی صفات کے تذکرہ کے سلسلہ میں، اس کے علم وفضل اور حلم ومروت کا معترف ہے۔
المَقَّرِی نے المعتمد کا مقابلہ خلفائے بنی عباسیہ کے بہترین افراد سے کیا ہے، کہتے ہیں کہ اس نے سنہ ۴۷۵ھ تک اپنی رعایا کو غدر اور طوائف الملوکی کے اثر سے محفوظ رکھا۔

عیسائیوں کی ترقی اور ابن شالب یہودی کا قتل

لیکن اس آسودگی کو افاقۃ الموت سمجھنا چاہئے۔ اس لئے کہ اندلس میں عیسائی مسلسل ترقی کرتے جاتے تھے، اس ترقی کے اسباب وہی تھے جو صدیوں کے بعد ہندوستان میں قوم انگریز کے تسلط کے باعث ہوئے۔
یہ سب خود مختار حکمراں ایک دوسرے کے خون کے ایسے پیاسے تھے کہ، ہر امیر عیسائیوں کو تائید کے وعدے پر ان کی ہر شرط کو منظور کر لیا کرتا تھا۔ عیسائی بھی عربوں کے باہمی فتنہ وفساد کو ہر ممکنہ طور پر ترقی دینے میں غفلت نہیں کرتے تھے، اور جس کو قوی پاتے تھے اس کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۴۷۵ھ میں ایک یہودی ابن شالب نامی مع چند عیسائی امراء کے منجانب اوفونش [2] حسب معاہدہ سالانہ روپیہ لینے کی غرض سے اشبیلیہ آیا۔ المعتمد نے فوراً وہ رقم اس یہودی کو بھجوادی، لیکن اس نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا کہ ''میں سوائے خالص سونے کے اور کچھ نہ لوں گا، اور سال آئندہ سے اس ملک کا پورا محاصل ادا کیا کرو'' المعتمد اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکا، اور

(۱) اصل میں ''خوانی'' کے بجائے ''خواہی'' ہے (محمد امین)
(۲) الفانزو کو اوفونش اور الفونش دونوں کہتے ہیں۔

یہودی کو گرفتار کر کے حکم دیا کہ ایک تختے پر لٹا کر اس کے ہاتھوں اور پیروں میں میخیں ٹھونک دو'' یہودی نے بالحاح وزاری عرض کیا کہ ''اگر تو مجھ کو چھوڑ دے تو میں اپنے ہموزن سونا تجھ کو تول دیتا ہوں'' المعتمد یہ سن کر اور زیادہ خشمناک ہوا، اور کہا کہ ''تو اپنی جان کی عوض تمام افریقہ اور اندلس کی حکومت بھی مجھ کو دے تب بھی تیرے قتل سے باز نہ آؤں گا'' غرض ابن شالب قتل ہوا، اور اسکے ہمراہ جس قدر عیسائی آئے تھے قید کر دیئے گئے۔

عیسائیوں کی شکست فاش

جس وقت اس واقعہ کی اطلاع الفونش کو ہوئی، اس نے جرأت کے ساتھ نقض عہد کی شکایت کی، اور اس موقع سے جس کے عیسائی ہمیشہ منتظر رہا کرتے تھے پورا فائدہ حاصل کرنا چاہا۔ چنانچہ باوجودیکہ المعتمد نے فوراً قیدیوں کو رہا کر دیا تھا، الفونش نے علانیہ یہ عہد کیا کہ ''جب تک میں آبنائے طارق تک نہ جا پہنچوں گا کہیں دم نہ لوں گا'' (اور) آمادۂ جنگ ہوا۔

المعتمد کو جب یہ خبر ہوئی کہ الفونش فساد پر آمادہ ہے اور اپنے میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ پائی اسی وقت جہاز پر سوار ہو کر افریقہ آیا، اور یوسف بن تاشفین سے جو سوطا کی تسخیر میں سرگرم تھا مدد کا طالب ہوا۔ یوسف اس خطرہ کو اچھی طرح محسوس کر چکا تھا کہ اگر اندلس کے عیسائی انتزاع حکومت میں کامیاب ہوئے تو افریقہ بھی ان کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا، پس یہ المعتمد کے ساتھ نہایت دلجوئی کے ساتھ پیش آیا، اور وعدہ کیا کہ ہم سوطا سے فراغت پا کر خود اندلس آئیں گے، المعتمد اشبیلیہ آکر فوج فراہم کر رہا تھا کہ، یوسف حسب وعدہ مع فوج اشبیلیہ پہنچا، اور بمقام زلاقہ معرکۂ عظیم واقع ہوا۔ اس ایک ہی لڑائی میں عیسائیوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ انھوں نے اپنی سرحد تک دم نہ لیا، اور نہ پھر ان کو مقابلہ کی جرأت ہوئی۔

یوسف بن تاشفین کا اشبیلیہ پر حملہ اور المعتمد کی بہادری

اس جنگ کے بعد یوسف افریقہ واپس چلا گیا، لیکن اندلس کی زرخیزی اور سیاسی

کمزوری دیکھ کر اس کے دل میں یہاں کی حکمرانی کی ہوس پیدا ہوئی۔ چنانچہ یہ دوبارہ اشبیلیہ آیا۔ باوجودیکہ یوسف نے اپنے ارادے کے پوشیدہ رکھنے میں نہایت احتیاط کی تھی، بازہم (پھر بھی) اس کی طرز حالات سے المعتمد کو بقرائن اس کی نیت فاسد کا حال معلوم ہوگیا۔ سوطا واپس ہوتے ہی ابن تاشفین نے المعتمد کو لکھا کہ اگر جزیرۃ الخضراء مع شہر اور بندرگاہ میرے حوالے کر دیا جائے، تو میں بھی ہمیشہ تمہاری مدد پر آمادہ رہوں گا'' المعتمد نے اس درخواست کے منظور کرنے میں پہلو تہی کی، یوسف دفعتاً سو (۱۰۰) جنگی جہاز لے کر اس جزیرے کے سامنے نمودار ہوا۔ یزید بن المعتمد نے اپنے باپ کو اس یورش کی خبر دی، المعتمد نے اپنے میں قوت مقاومت نہ پا کر یزید کو حکم دیا کہ جزیرہ یوسف کو دے دیا جائے، اور بطور مہمان عزیز کے اس کے ساتھ نہایت لطف و مدارا سے پیش آئے، تاکہ یوسف اپنے اس خلافِ عہد اور مروت برتاؤ سے خود نادم ہوکر جبر و تشدد سے احتراز کرے ـــــ مگر ابن تاشفین پر اس صلح جوئی کا برعکس اثر ہوا، اور وہ یہاں سے باطمینان رسد کا انتظام کر کے خاص شہر اشبیلیہ پر حملہ آور ہوا۔

المعتمد نے اس حالت ناامیدی اور یاس میں عیسائیوں سے مدد چاہی، یوسف کو جب اس امر کی خبر ہوئی تو اس نے اشبیلیہ میں عیسائیوں کے داخل ہونے سے قبل ہی فوراً آگے بڑھ کر عیسائیوں کا مقابلہ کیا، اور ان کو بآسانی منتشر کر دیا، بعد ازاں قلعہ کا محاصرہ کر کے بذات خود قلعہ کے اس رخ پر جہاں الرشید بن المعتمد متعین تھا، ایسا سخت حملہ کیا کہ فوج خندق سے گزر کر شہر پناہ کا دروازہ توڑتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔

اس واقعہ سے المعتمد بہت پریشان ہوا۔ اور چونکہ خود ایک صحیح النسب عرب تھا۔ موروثی غیرت و شجاعت نے حرکت کی، شمشیر بکف باب الفرج، جدھر سے یوسف بن تاشفین کی فوج داخل ہوئی تھی آیا، اور یکہ و تنہا دشمن کے انبوہ کثیر میں در آیا، اور نقارچی کو قتل کرتا ہوا قلب لشکر کی طرف متوجہ ہوا۔ الرشید اپنے باپ کے پس پشت بغرض حفاظت موجود تھا۔ اس کے جاں باز محافظینِ قلعہ نے بھی اپنے سردار کا ساتھ دیا

اور دشمن پر چپ وراست سے حملہ آور ہوئے۔ المعتمد کی غیر معمولی شجاعت اور جرأت سے دشمن ایسے متاثر ہوئے کہ حالتِ بدحواسی میں کچھ تو دروازہ کے باہر نکل آئے، اور جو فصیلوں پر چڑھ گئے تھے انھوں نے اپنے تئیں خندق میں گرادیا، المعتمد نے دروازہ اپنے سامنے بند کرایا، اور پھر قلعہ کا معائنہ کرتا ہوا باب السباغین کی طرف جہاں اس کا ہونہار بیٹا مالک دشمن کے تیر سے ہلاک ہوا تھا۔ کچھ دیر تک یہ اپنے بیٹے کی لاش پر خاموش کھڑا رہا، لیکن یہ وقت رنج وغم کا نہ تھا، دشمن ہر طرف سے متواتر حملے کررہے تھے، اور قریب تھا کہ قلعہ کے بیرونی حصہ میں داخل ہوں یہ فوراً اندرونی حصہ میں چلا آیا۔ یوسف کی فوج پھر قلعہ کے اندر داخل ہوئی۔ بالآخر صرف اس شرط پر کہ شہر اور بیرونجات کی رعایا لوٹ اور غارت گری سے محفوظ رہے گی، المعتمد[1] نے ہتھیار رکھ دیئے۔ اس نے افریقہ کے قید خانہ میں انتزاع حکومت کے تقریباً بارہ (۱۲) سال بعد سنہ ۴۸۸ھ م سنہ ۱۰۹۵ء انتقال کیا۔

بنی ذوالنون کے مختصر حالات

ایک دوسری خود مختار ریاست جو سلطنت اندلس کے کھنڈروں پر قائم ہوئی تھی ریاست طلیطلہ تھی، جسے بنی ذوالنون نے قائم کیا تھا۔ اس خاندان کا پہلا حکمراں اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن عمر بن ذوالنون تھا۔ اس خاندان کے مختصر واقعات وترقی مدارج کے اسباب یہ ہیں کہ، یحیٰی اور الفتح اور مطرف ایک بربر افسر موسیٰ بن ذوالنون حاکم شنت بریہ کے بیٹے تھے۔ موسیٰ کا سلسلہ السمح سابق والی اندلس سے ملتا ہے، جس زمانہ میں سلیمان، موسیٰ کا باپ شنت بریہ میں مقیم تھا۔ سلطان

(۱) اس جنگ اشبیلیہ کی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں ملا، لیکن بلحاظ واقعات ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آغاز نزاع سنہ ۴۷۵ھ سے ایک سال کے اندر یعنی سنہ ۴۷۶ھ میں بنی عباد کی حکومت ختم ہوگئی ہوگی۔ اس خاندان کا دور سنہ ۴۱۴ھ لغایت سنہ ۴۷۶ھ تقریباً ساٹھ (۶۰) سال رہا۔

عبد اللہ [1] کا ایک خاص اور عزیز خواجہ سرا اس قدر علیل ہوا کہ سرحد ارغون سے واپس ہوتے ہی اس کو مجبوراً شعت بریہ میں ٹھہرنا پڑا۔ اور اتفاق سے سلیمان کے گھر میں مقیم ہوا، سلیمان نے اس سچی ہمدردی اور مشقت سے اس کی تیمارداری کی، کہ گویا یہی اپنے مہمان کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوا۔ خواجہ سرا نے اس احسان عظیم کے معاوضہ میں سلطان سے سفارش کر کے سلیمان کو اس مقام کا حاکم مقرر کرا دیا۔ سلیمان باوجود اپنے بیٹے موسیٰ کی بغاوت وشرارت کے اپنے بادشاہ کا تادم مرگ خیر خواہ بنا رہا۔

سنہ ۲۷۴ھ مطابق سنہ ۸۸۸ء میں اس کے انتقال کے بعد موسیٰ اس کا جانشین ہوا۔ لیکن چند ہی روز بعد بالزام بغاوت قتل کیا گیا۔ اور ملک ضبط ہوا، صرف برعایت سلیمان ایک مختصر جاگیر موسیٰ کے بیٹے یحییٰ کو عطا ہوئی۔ یحییٰ نے ابتداء میں نہایت خیر خواہی اور اطاعت سے کام لیا، چنانچہ جب محمد بن عبداللہ البکری نے باغیوں میں شریک ہو کر قلعہ ملقون پر قبضہ کیا، تو اس وقت یحییٰ نے ربیع الثانی سنہ ۳۰۲ھ مطابق سنہ ۹۱۴ء میں بعلت نمک حرامی محمد بن عبداللہ کا سر کاٹ کر قرطبہ بھیجا، جس کے صلے میں اس کو تمام صوبے کی حکومت مل گئی، مگر دولت اور ثروت کے حاصل ہوتے ہی اس کی طبیعت مائل بہ فتنہ وفساد ہو گئی، تا اینکہ بعہد سلطان عبدالرحمٰن ثالث خلیفہ نے اپنے وزیر عبدالحمید کو اس کی تنبیہ کے واسطے بھیجا۔ اس نے یحییٰ کو سنہ ۳۲۱ھ مطابق سنہ ۹۳۳ء میں گرفتار کر کے گرفتہ وبستہ مع اس کے خاندان کے قرطبہ میں حاضر کیا۔ یحییٰ نے بمقام سرقسطہ سنہ ۳۲۵ھ میں انتقال کیا۔

موسیٰ کا دوسرا بیٹا الفتح جب ترقی کرتا ہوا اقلیز کا صوبہ دار ہوا تو اس نے بھی سرکشی شروع کی، اور ایسا مغرور ہوا کہ صوبۂ طلیطلہ کی فوج کے ایک دستہ پر حملہ کیا، لیکن اسی وقت ایک سپاہی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

(۱) یہ عبدالرحمٰن ثالث سے قبل خلیفہ تھا۔

تیسرا مطرف بن موسیٰ جو اپنے باپ کے بعد ویدہ(۱) کا حاکم مقرر ہوا تھا۔ فی الجملہ نیک نام رہا، ایک جنگ میں شانجہ بادشاہ نوار کے ہاتھ گرفتار ہوا، لیکن کسی ترکیب سے مع اپنے تین ہمراہیوں کے بھاگ آیا۔ یہ سنہ ۳۲۷ھ مطابق سنہ ۹۳۹ء میں جنگ الخندق میں بھی شریک تھا۔ اسی جنگ میں اس نے ایسی ناموری حاصل کی کہ جس کے صلے میں سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے مدینۃ الفرج کی حکومت اس کے سپرد کی۔ مطرف کا انتقال سنہ ۳۳۳ھ م سنہ ۹۴۵ء میں ہوا۔

غرض اسماعیل(۲) بن عبدالرحمٰن کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ المامون مسند نشین ہوا۔ چونکہ یحییٰ کے تمام خودمختار معاصرین کی پہلی کوشش تسخیر قرطبہ ہوا کرتی تھی، اس نے المعتمد بن عباد کے زمانہ میں اُس کے بیٹے ابوعمرو بن المعتمد گورنر قرطبہ کو قتل کر کے چندروز کے واسطے اِس شہر پر قبضہ حاصل کیا تھا، اور ابن عامر سے بجبر بلنسیہ کی ریاست بھی غصب کر لی تھی۔

باوجود طوائف الملو کی جب تک کہ ان مختلف خودمختار رؤساء نے اپنے رعب داب سابق کو عیسائیوں پر قائم رکھا۔ عیسائی پیش قدمی کرنے سے ڈرتے رہے، مگر ان رؤسائے عرب کے نالائق و بے ہنر جانشینوں کو کمزور پا کر عیسائی منحرف وسرکش ہو گئے، سب سے پہلے اوفونش نے سنہ ۴۷۸ھ م سنہ ۱۰۸۵ء میں بزمانۂ القادر(۳) بن ذی النون عَلَم بغاوت کا بلند کیا، اور القادر کو ایسی شکستِ فاش دی کہ اس نے خود محض اس وعدہ پر کہ بلنسیہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی جائے گی، طلیطلہ کو اوفونش کے حوالہ کر دیا۔

فرماں روایان سرقسطہ کے مختصر حالات

فرماں روایان سرقسطہ کے مختصر حالات یہ ہیں۔ خاندان بنی عامر کے خاتمہ کے

(۱) اس کو ہلویٹ کہتے ہیں۔ (۲) اس کے اور اس کے جانشینوں کے حالات المقری نے نہایت اجمالی طور پر تحریر کئے ہیں۔ (۳) القادر بادشاہ طلیطلہ یحییٰ ابن المامون کا پوتا تھا۔

بعداور المہدی کے زمانِ حکومت میں المعتمد بن یحییٰ التجیبی سرقسطہ کی صوبہ داری پر مامور ہوا تھا، اس کے بعد اِس کا بیٹا یحییٰ صوبہ دار مقرر رہا، جو بعد چندے سلیمان بن احمد بن محمد کے ہاتھوں معزول ہوا، اس خاندان کے باوقار ورفیع الشان رئیسوں میں ابوجعفر[۱] بن ہود المقتدر باللہ اوراس کا بیٹا ابو عامر یوسف المؤتمن[۲] شمار کئے جاتے ہیں۔ بعدازاں المستعین احمد بن المؤتمن جانشین ہوا۔ اِس نے عیسائیوں کے مقابلے میں سنہ ۴۸۹ھ م سنہ ۱۰۹۶ء میں شدید زک کھائی۔ اور سنہ ۵۰۳ھ م سنہ ۱۱۱۰ء میں قلعۂ سرقسطہ کے سامنے عیسائیوں کی یورش کو رد کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں شہید ہوا۔ اِس کا بیٹا عبدالملک عماد الدولہ سنہ ۵۱۲ھ م سنہ ۱۱۱۸ء تک حکمراں رہا۔ سنہ مذکور میں ردمیر نے ایک ہی لڑائی میں اسے حکومت سے محروم کردیا۔ اس کے بیٹے سیف الدولہ نے اپنے باپ کے انتقال کے بعد اپنے آبائی ملک کے استرداد (واپس لینے) میں بہت کچھ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ اور حالت ناامیدی و یاس میں مع اپنے متعلقین کے طلیطلہ میں گوشہ نشینی اختیار کی اور یہیں اس کا انتقال ہوا۔

(۱) ابوجعفر نے سنہ ۴۷۴ھ م سنہ ۱۰۸۱ء میں انتقال کیا۔

(۲) المؤتمن کو علم ریاضی سے کمال دلچسپی تھی اور اس فن میں اکثر کتب تصنیف کیں منجملہ اُن کے کتاب ''الاستکمال والمناظر'' اپنی خوبیٔ مطالب میں قابل دید ہے۔ اس نے سنہ ۴۷۸ھ مطابق سنہ ۱۰۸۵ء میں انتقال کیا۔

باب سوم

عیسائیوں کی ترقی ـــــ طلیطلہ پر اوفونش چہارم کا قبضہ ـــــ شانجہ اول کی فتوحات ـــــ عیسائیوں کی ظلم و زیادتی ـــــ اوفونش کی گستاخانہ درخواستیں ـــــ اوفونش کا اشبیلیہ پر حملہ ـــــ المعتمد اور یوسف کا اشبیلیہ میں داخل ہونا ـــــ اور اوفونش کی تیاریاں ـــــ فوج عرب کا روانہ ہونا ـــــ اوفونش کی دغابازی ـــــ عیسائیوں کی شکست ـــــ اوفونش کا انتقال ـــــ یوسف کا افریقہ واپس ہونا۔

عیسائیوں کی ترقی اور طلیطلہ پر اوفونش چہارم کا قبضہ

یہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ عربوں کے شروع زمانۂ حکومت میں ایک عیسائی بلائی نامی ساکن جلیقیہ قرطبہ سے بھاگ کر اپنے وطن کے پہاڑوں میں پناہ گیر ہوا تھا، اور اپنے ہم مذہبوں کو اغوا کر کے بغاوت شروع کر دی تھی۔ وہ زمانہ امیر عنبسہ ابن الکلبی[1] کا تھا، چونکہ مسلمانوں کا تسلط قریب قریب تمام اندلس پر ہو چکا تھا، اور عیسائی بادشاہ اور رؤساء نے اطاعت و فرماں برداری قبول کر لی تھی۔ عربوں نے ان چند عیسائیوں کی مخالفت کو امر خفیف سمجھ کر توجہ نہ کی۔ بلائی مع تیس (۳۰) رفقاء اور دس (۱۰) عورتوں کے صرف شہد پر دشوار گزار گھاٹیوں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اس عیسائی کی ہمت و استقلال کو دیکھنا چاہئے کہ اِس نے تمام آفات و مشکلات کا برداشت کرنا منظور

(۱) امیر عنبسہ الکلبی منجانب خلیفہ دمشق اندلس پر حکمراں تھا جس کا ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے۔

کیا۔ لیکن عربوں کی اطاعت کبھی قبول نہ کی، اور تادم مرگ مخالف بنا رہا۔ اس نے سنہ ۱۳۳ھ م سنہ ۷۵۰ء میں انیس (۱۹) سال بغاوت کے بعد انتقال کیا۔ اور اس کا بیٹا فافلہ [۱] اس کا قائم مقام ہوا، جو دو سال زندہ رہا۔ اس کے بعد ادفونش [۲] ابن بطروہ حاکم مقرر ہوا۔

غرض بلائی کے جانشینوں کا سلسلہ برابر جاری رہا، اور سب نے حسب وصیت اپنے مورث کے، اپنی تعداد وقوت میں رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی کی، کہ سلطان عبدالرحمٰن الناصر [۳] کی سپاہ کو بمقام سمورہ پسپا کر دیا۔ اِس اتفاقی واقعہ سے اِس گروہ قزاق پیشہ کی جرأت اس قدر بڑھی، کہ جلیقیہ اور بَشکَنس کے عیسائیوں کی شرکت سے سنہ ۳۳۰ھ م سنہ ۹۴۱ء میں طرکونہ و دیگر مقامات سرحدی کو تباہ کرنا شروع کیا۔ لیکن اس وقت جو کچھ کامیابی ان کو حاصل ہوئی تھی، اُس کا عوض (بدلہ) المنصور بن ابی عامر نے ایسا لیا، کہ پھر تا شکستِ سلطنتِ اندلس عیسائیوں میں اس دلیری کے ساتھ پیش قدمی کی ہمت نہ ہوئی۔ المنصور نے تنبیہاً ان کے صدر فوجی مقام شرق میں برشلونہ اور غرب میں شنت یاقوہ شریک سلطنت کر لئے۔

بریں ہم جس تیز رفتار کے ساتھ سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوتا جاتا تھا، اُسی سرعت سے عیسائیوں میں باہمی اتحاد وقوت رونما ہو رہی تھی۔ چنانچہ تقریباً سنہ ۴۶۷ھ م سنہ ۱۰۷۴ء میں ادفونش چہارم ابن فردلند نے نہایت فراست سے تمام خود مختار اسلامی ریاستوں کے حالات دریافت کئے، اور ان کی باہمی آتش رشک وحسد وہوسِ ملک گیری کو اس درجہ مشتعل کیا، کہ خانہ جنگی ایک مرض متعدی اور لاعلاج ہوگئی۔ بعد ازاں اپنے ہم وطنوں کو جن کے دلوں سے عربوں کا رعب ہنوز پورے طور پر زائل نہیں ہوا تھا بمشکل بغاوت و جنگ پر آمادہ کر کے، ابتداءً کمزور روسائے عرب کو اپنا باج گزار بنایا، اور پھر سات

(۱) انگریزی میں فاولہ کہتے ہیں۔ (۲) اس ہی سے شاہان ادفونش کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔
(۳) اصل کتاب میں ''عبدالرحمٰن الناصر'' کے بجائے ''عبدالرحمٰن بن ناصر'' ہے (محمد امین)

برس کی متواتر جنگ کے بعد سنہ ۴۷۸ھ سنہ م ۱۰۸۵ء میں بزمانہ القادر باللہ [1] طلیطلہ [2] کو اپنے دائرہ حکومت میں لے آیا۔

طلیطلہ کے مسلمانوں پر عیسائیوں کے مظالم

سلطنت اندلس کے مشہور شہروں میں قرطبہ کے بعد طلیطلہ کا درجہ تھا۔ پس ناظرین خیال کر سکتے ہوں گے کہ اس حادثۂ عظیم کا عربوں کے قلوب پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ ہر گھر ماتم کدہ تھا۔ اُدھر جس وقت اوفونش اپنے شرکاء کے ہمراہ مع اپنی سپاہ کے شہر میں داخل ہوا۔ عیسائیوں کی مسرت وشادمانی کا اندازہ طلسم خیال سے بھی متجاوز تھا۔ حصولِ مدعا کے بعد پہلا حکم جو نافذ ہوا وہ یہ تھا کہ مسلمان بجبر عیسائی کیے جائیں اور شہر کی تمام مساجد گرجائیں بنادی جائیں۔

جس روز یہ حکم نافذ ہوا تمام مسلمان طلیطلہ کی جامع مسجد میں جمع تھے، اور نماز کے بعد امام منبر پر وعظ بیان کر رہا تھا کہ عیسائی مسجد کے اندر گھس آئے، اور مذہب اسلام کی توہین کے مرتکب ہوئے، مسلمانوں نے بمشکل نماز ختم کی اور پھر روتے ہوئے باہر نکل آئے [3]۔

---

(۱) جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے القادر باللہ، الماموں یحییٰ بن ذی النون کا پوتا تھا اس نے اپنے میں قوت مقاومت نہ پا کر محض اس وعدہ پر کہ بَلَنْسِیَہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی جائے گی۔ اس نے طلیطلہ کو اوفونش کے حوالہ کر دیا تھا۔

(۲) طلیطلہ نہایت قدیم شہر تھا جس کو فنیقی یا قرطاجینوں نے دریائے تاجہ کے کنارے آباد کیا تھا۔ یہ ایک نہایت مستحکم فصیل سے محصور تھا، شہر کے قریب ایک در کا پل بھی زمانہ قدیم کا بنا ہوا موجود تھا، جو صنعت ودستکاری میں دنیا کی عجائبات سے سمجھا جاتا تھا، اس کے قریب ایک پانی کھینچنے کا پپیا بنا ہوا تھا۔ پہلے اس آلہ کے ذریعہ سے پانی پل کے اوپر لایا جاتا تھا، اور پھر نلوں کے ذریعہ سے شہر میں پہنچایا جاتا تھا (المقری)

(۳) یہ ظلم مسلمانوں پر سنہ ۴۹۶ھ مطابق سنہ ۱۱۰۲ء میں شروع ہوا تھا۔

اَرغونیوں کی دغابازی اور مسلمانوں کی تباہی

جبکہ جلیقیہ کے عیسائی گوشئہ شمال سے پیش قدمی پر آمادہ ہوئے۔ نصارائے ارغون دوسرے گوشہ سے ان کو کمک کے واسطے روانہ ہوئے۔

چنانچہ سنہ ۴۵۶ھ مطابق سنہ ۱۰۶۳ء میں ارغونیوں نے بہ فوج کثیر ایسے وقت پر بلنسیہ کا محاصرہ کیا جب کہ عرب تیار نہ تھے، تاہم مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی، اور اپنی فطری خصوصیت اور دھوکا ودغا سے کام نکالنا چاہا۔ اور اہل بلنسیہ کو یہ پیام بھیجا کہ ''ہم جنگ وفساد کے لئے نہیں، بلکہ اتحاد ودوستی کو ترقی دینے کے واسطے آئے ہیں'' عربوں نے جواب دیا کہ ''بغیر اطلاع فوج کثیر کے ساتھ آکر دوستی کا دم بھرنا یہ ایک نئی بات ہے'' عیسائی یہ کہہ کر کہ ''اگر ہمارے قول پر اعتبار نہیں ہے تو ہم واپس جاتے ہیں'' قلعہ کے سامنے سے ہٹ آئے، اور بطرنہ کے قریب جھاڑی میں پوشیدہ ہوگئے ——

عبدالعزیز بن ابی عامر سپہ سالار عرب نے یہ سمجھ کر کہ عیسائی خوف سے بھاگے جاتے ہیں ان کا تعاقب کیا۔ لیکن جب عرب ان کو ڈھونڈتے ہوئے حالت بے خبری میں اُس جھاڑی میں داخل ہوئے، دفعۃً عیسائیوں نے چار طرف سے ان کو گھیر لیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سوائے چند مسلمانوں کے باقی سب گرفتار یا قتل ہوئے۔

شانجہ کا بربشطر پر قبضہ اور اس کی وحشیانہ حرکات

اس ہی سنہ میں عیسائیوں نے شہر بربشطر [1] پر حملہ کیا، الاردیلس [2] جب اپنی فوج لے کر اس قلعہ کے سامنے نمودار ہوا، تو یوسف بن سلیمان رئیس سرقسطہ نے باوجود اطلاع اِس یورش کی مدافعت میں از حد بے پروائی

(۱) انگریزی میں بربسترو کہتے ہیں۔ یہ صوبہ ارغون میں واقع تھا۔ ابن حیان لکھتا ہے کہ یہ مستحکم قلعہ برطنیہ میں جو ارغون کے مضافات میں سے ہے سرقسطہ کے قریب واقع تھا۔

(۲) عربی مؤرخ سینکو اول ابن رامیر دکو عموماً اس نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کے ہمراہیوں کو الاارومریون کہتے ہیں۔

کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انصاری پہلے ہی حملہ میں قلعہ کے بیرونی حصہ میں داخل ہو گئے۔ بریں ہم کئی روز تک بازار حرب وضرب جانبین سے گرم رہا۔ باوجودیکہ امداد کی تمام امیدیں منقطع ہو گئی تھیں۔ اور عیسائی بھی بہ نسبت عربوں کے تعداد میں کہیں زیادہ تھے۔ مُتَحَصِّنِیْن (قلعہ میں محصور لوگوں) نے ایک سخت یورش عیسائیوں پر کی۔ جس میں تقریباً پانسو (۵۰۰) عیسائی کام آئے، مگر بقول شخصے کہ ''مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید برکلہ خود باید زد'' (جو مُکا لڑائی کے بعد یاد آئے اُسے اپنے جبڑے پر مارنا چاہئے) بے محل درنگ سے جو نقصان ابتدا میں پہنچ چکا تھا اُس کی تلافی ممکن نہ تھی۔ اگر اس مختصر سی کامیابی سے کوئی امید موہوم بندھی تھی، وہ اس خبر سے معدوم ہو گئی کہ عدو (دشمن) نے آب رسانی کے نل کاٹ ڈالے، اور آمد پانی کی بالکل موقوف ہو گئی۔ فاقہ نے پہلے سے پریشان کر رکھا تھا، اب پانی جو مایۂ حیات تھا، اُس کے بند ہو جانے سے سب ایسے مایوس ہوئے کہ محض اس وعدہ پر کہ عیسائی قتل وغارتگری سے باز رہیں گے۔ ہتھیار رکھ دیئے۔

مگر شانجہ نے قلعہ پر قبضہ کرتے ہی خلاف عہد و پیمان قتل عام[1] کا حکم دیا۔ تمام مؤرخین عرب متفق اللفظ ہیں کہ علاوہ اہل فوج کے ہزارہا عورتیں اور بچے، اور نیز وہ لوگ جن کو جنگ سے کچھ تعلق نہ تھا بے گناہ قتل ہوئے۔ بقیۃ السیف جبراً غلام بنائے گئے، الحاصل جو ظلم وزیادتی اور وحشیانہ حرکات کہ اِن عیسائیوں سے اس جنگ میں سرزد ہوئیں وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ امرائے عرب کے اُن عیش وآرام گاہوں میں جو صنعت اور آرائش میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھیں۔ عیسائی امیر مقیم ہو گئے، اور تمام مال واسباب پر قبضہ کر لیا:

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں ۞ طوق زریں ہمہ در گردنِ خر: می بینم

عربی گھوڑا پالان کے نیچے زخمی ہے، تمام سنہرے طوق میں گدھے کی گردن میں

(۱) المقری مُظہر ہے کہ باشندگان شہر میں سے صرف ایک قائد اور دوسرا قاضی جن کے نام ابن الطول اور ابن عیسیٰ تھے قتل سے بچ کر نکل گئے تھے۔

دیکھتا ہوں۔

شانجہ[1] نے قلعہ بربشطو میں پندرہ سو (۱۵۰۰) سوار اور دو ہزار (۲۰۰۰) پیادے انتظام کی غرض سے چھوڑے، اور خود ارغون واپس چلا آیا۔

غازیانِ اسلام کی فتح اور پاسِ شرع

جب اس وحشت ناک قتل عام کی خبریں ملک میں چاروں طرف پھیلیں تو مسلمانوں کے دل پر اس حادثۂ عظیم کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ ممکن نہیں۔ مسلمانوں نے بالاتفاق اس واقعہ کا باعث احمد المقتدر[2] بن ہود کو ٹھہرایا۔ المقتدر بوجہ شرم وندامت اس کا انتقام لینے پر مستعد ہوا۔ یہ ایسا موقع تھا کہ سپاہ عرب کا ہر سپاہی کفن بہ سر تھا۔ حمیتِ عرب جوش زن تھی، ایک ہی یورش میں قلعہ کو فتح کرلیا ——— مگر عربوں کی شجاعت کو دیکھنا چاہئے کہ باوجودیکہ عیسائیوں نے قتل عام کے وقت زن ومرد میں کوئی فرق نہیں کیا۔ جو سامنے آیا اس کو تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ سپہ سالار فوجِ عرب نے بوقت عزم جنگ یہ سخت احکام جاری کئے کہ:

"گو اعدائے اسلام نے ہماری عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کیا ہے، لیکن اس کی ذمہ داری اُن کی عورتوں اور بچوں پر عائد نہیں کی جاسکتی۔ صرف مردوں ہی سے انتقام لیا جائے۔ ہاں غازیانِ اسلام کو اس قدر اجازت ہے کہ اگر کوئی عورت یا بچہ گرفتار ہو تو وہ گرفتار کرنے والے کی ملک سمجھا جائے گا"

غرض عربوں نے اپنے ایک ایک شہید بھائی کے عوض دس دس عیسائیوں کو قتل کیا۔ بعد فتح جب فوج کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس معرکۂ عظیم میں صرف پچاس عرب سپاہی شہید ہوئے[3]۔

(۱) سانکو کو عربی میں شانجہ اور اا ردلیس دونوں کہتے ہیں۔ (۲) یہ لقب تھا یوسف بن سلیمان بن ہود والی سرقسطہ کا جس کی بے پروائی سے یہ قتل عام ہوا تھا۔ (۳) المقّری۔

اوفونش کی گستاخانہ درخواستیں

ہم اپنے عنانِ قلم کو پھر طلیطلہ کی طرف موڑتے ہیں۔ اوفونش نے جس وقت اپنے کو اِس زرخیز حصۂ سلطنت کا حاکم پایا، اس کی عقل کوتاہ اندیش نے اس کے دل میں تمام اندلس کے تسخیر کی ہوس پیدا کی، اور اس نے ابن الافطس رئیس بطلیوس اور المعتمد ابن عباد رئیس اشبیلیہ کی حدود میں قدم بڑھانا شروع کیا۔ یہ قبل ازیں[1] تحریر ہو چکا ہے کہ یہ تمام خودسر و خودغرض رؤساء آنے والی آفت عظیم سے غافل ایک دوسرے کی تخریب اور تباہی میں ایسے منہمک تھے کہ عیسائیوں کو راضی رکھنے کے واسطے اُن کا باج گزار بننا بھی منظور کرلیا کرتے تھے، اور سالانہ رقم کی عدم ادائی نصاریٰ کے واسطے بہترین حیلہ آغاز نزاع کا ہوا کرتا تھا۔

چنانچہ المعتمد چونکہ المریہ کی تسخیر میں مصروف تھا۔ رقم وقت مقررہ پر ادا نہ کرسکا۔ اوفونش نے اس تاخیر کی پاداش میں بطور یرغمال چند قلعے ہی طلب نہیں کیے، بلکہ ایک یہ بھی گستاخانہ درخواست کی کہ ''اِس کی بی بی القمجہ[2] کو جو اُس زمانے میں حاملہ تھی، تا وضع حمل قرطبہ کی مسجد میں رہنے کی اجازت دی جائے، اور قصر الزہرا بھی اس کی بی بی کے قبضے میں دے دیا جائے''

المعتمد نے اس درخواست کو فوراً نامنظور کردیا۔ جب عیسائیوں کے سفیر شالب یہودی نے زیادہ اصرار کیا تو المعتمد نے حالت غضب میں دوات اٹھا کر اس زور سے اس یہودی کے سر پر ماری کہ وہ فوراً مر گیا۔ حاضرین دربار اور علماء وقت نے اس امر میں المعتمد کی تائید کی، اور کہا کہ ''جب سفیر خاص بادشاہ کے ساتھ بے ادبانہ

(۱) المعتمد اور اوفونش کے تنازعات باہمی کے واقعات حسب قول المقری ص: ۳۱۸ اور ص: ۳۱۹ پر تحریر ہو چکے ہیں۔ یہاں وہی واقعات حسب روایات دیگر کچھ فرق کے ساتھ تحریر کیے جاتے ہیں۔

(۲) انگریزی میں کونسٹنزا کہتے ہیں۔

اور گستاخانہ گفتگو کا مرتکب ہو تو اُس کو حاکم وقت ہر طرح کی سزا دے سکتا ہے"

اذفونش نے اپنے سفیر کے قتل کا واقعہ سن کر عہد کیا کہ "میں المعتمد کو بغیر سزا دیئے آرام نہ لوں گا" اور فوراً اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ وہ باجہ اور اس کے مضافات کو تاراج کرتا ہوا بمقام طریانہ[1] اس کا انتظار کرے۔

غرض اذفونش زرخیز ملکوں کو تباہ کرتا ہوا اور دریائے وادی الکبیر کے کنارے اشبیلیہ کے محاذی خیمہ زن ہوا، اور خط المعتمد کو اس مضمون کا لکھا کہ "میں اس مقام پر بہت دیر ٹھہر چکا ہوں، چونکہ یہاں کی گرمی اور مکھیوں نے مجھ کو بہت پریشان کر رکھا ہے تم اپنا محل خاص میرے نذر کرو، تاکہ اس کے سایہ دار درختوں میں نہر ہائے شیریں کے کنارے آرام لوں" ـــــ المعتمد نے اسی خط کی پشت پر یہ جواب لکھا کہ "ہم نے تیرا خط پڑھا، جس سے تیرا غرور و تکبر مترشح تھا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں ہم تجھ کو اپنے بہادر سپاہیوں کی ڈھال کے سایہ میں سلا دیں گے"

اذفونش کی شرارت اور رؤسائے عرب کی ناگواری

اذفونش اس جواب کو پڑھ کر کچھ دیر سرنگوں رہا، چونکہ یہ بانئ شر و فساد عربوں کے خیالات سے پوری واقفیت رکھتا تھا، قبل از جنگ اس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے تمام ملک میں اس خبر کو مشتہر کیا کہ، المعتمد نے امیر یوسف بن تاشفین کو افریقہ سے فوج کثیر کے ساتھ اپنی مدد کے لئے طلب کیا ہے، اور وہ عنقریب اندلس میں داخل ہونے والا ہے" رؤسائے عرب کو یہ حرکت المعتمد کی بہت ناگوار گزری، بعض نے جو اس وقت برسر پرخاش نہ تھے، المعتمد کو بغرض سرزنش یہ لکھا کہ تو نے بغیر ہماری رائے اور مشورہ کے یوسف کو طلب کیا ہے، کیا تجھ کو یہ مقولہ یاد نہیں کہ "اَلْمُلْكُ عَقِيْمٌ، وَالسَّيْفَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ غِمْدٍ وَاحِدٍ" (ملک بانجھ ہے اور دو تلواریں ایک میان میں جمع نہیں ہو سکتیں) المعتمد

(۱) یہ مقام اشبیلیہ سے شمال مغرب میں کچھ کم سو میل کا فاصلہ رکھتا ہے۔

نے جواب دیا کہ:

''مجھ کو سُوروں کی پاسبانی سے اونٹوں کی نگہبانی پسند ہے''

اس جواب میں کنایہ یہ تھا کہ اذفونش کا قیدی بن کر سوروں کی نگہبانی کرنے سے یوسف کا قیدی بن کر افریقہ کے براعظم میں اونٹوں کی پاسبانی کرنا بدرجہا بہتر ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ''اگر میں ایک مسلمان کو اپنا معاون و مددگار قرار دوں گا، تو میرا خدا بھی مجھ سے خوش رہے گا، اور اگر میں کسی عیسائی کی اطاعت وفرمانبرداری قبول کروں گا، تو معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا غضب الٰہی نازل ہو''

المعتمد کی سفارت

بعدازاں المعتمد نے المتوکل عمرو[1] بن محمد، اور عبد اللہ بن حاتوس رؤسائے بَطَلیُوس و غرناطہ کے قاضیوں کو طلب کیا، اور قرطبہ کے قاضی القضاۃ ابوبکر عبد اللہ بن اَدہم کو بھی جو ایک باخبر اور صائب الرائے شخص تھا بلا بھیجا۔ اور اِن تینوں کو اپنے وزیر ابوبکر بن زیدون کے ساتھ بطور سفارت امیر یوسف کے پاس افریقہ روانہ کیا۔ باستثنائے امراء خود غرض المعتمد کی اِس دوراندیشی سے عام مسلمانوں کے دم میں دم آیا۔ اور انھوں نے ابن ادہم پر یہ پورے طور سے ظاہر کر دیا کہ۔

''اگر امیر یوسف اِس موقع کو غنیمت جان کر بدنیتی کو اپنے دل میں جگہ دے، اور اس ملک پر مسلط ہو جائے تب بھی چونکہ وہ مسلمان ہے اُس کی حکومت بہ نسبت کافروں کے ہم کو ہر طرح منظور ہے''

رؤسائے اندلس کا خط اور ابن تاشفین کا جواب

یہ وہ زمانہ ہے کہ ابن تاشفین افریقہ کے اُس شمالی حصہ پر جسے مغربُ الاقصیٰ کہتے ہیں مُسلّط ہو چکا تھا، اور اپنی غیر معمولی فتوحات کی یادگار میں مراکش اور تلمسان

(۱) اس کا لقب ابن الافطس بھی تھا۔

الجدید دو مشہور تجارت گاہوں کی تعمیر سے فراغت حاصل کر چکا تھا۔ پس کیا تعجب ہے کہ حکومت اندلس کی ہوس بھی اس کے دل میں پیدا ہوئی ہو۔ بہرکیف یہ واقعہ ہے کہ المعتمد ابن عباد کی سفارت کی روانگی کے قبل یوسف کی شجاعت اور اولوالعزمی کی عام شہرت نے رؤسائے اندلس پر اس قدر رعب ڈالا تھا کہ ان سب نے باوجود باہمی رقابت کے محض اس افواہ پر کہ یوسف اندلس کی تسخیر کا بھی قصد رکھتا ہے۔ باہم متفق ہوکر اس مضمون کا خط اس کو ارسال کیا:

''اگر تو اس ملک پر فوج کشی نہ کرے اور ہم کو اپنے ظلِ عاطفت میں پناہ دے، تو تیرا یہ فیاضانہ برتاؤ تیرے نام کو صفحۂ ہستی پر ہمیشہ کے لئے برقرار رکھے گا، اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اگر ہم تجھ کو اپنا سرپرست بنائیں تو تمام دنیا ہم کو دوراندیش اور صائب الرائے اور اپنے ملک کا سچا خیر خواہ سمجھے گی۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ تو اس سرپرستی کو قبول کرے۔ اس میں صرف ہمارا ہی فائدہ نہیں، بلکہ تجھ کو اِس عظیم الشان سلطنت کے قیام واستحکام میں بھی بہت کچھ مدد ملے گی''

یوسف کے پاس جب یہ نامہ پہنچا، چونکہ یہ خود زبان عربی سے اچھی طرح واقف نہ تھا، اپنے خاص مشیر کو ترجمہ کا حکم دیا، اور مضمون خط سن کر اُس کی رائے دربارۂ جواب طلب کی۔ مشیر نے عرض کیا کہ ''اے بادشاہ! سچی عظمت و بزرگی وہ چیز ہے جو بلا جنگ وجدل لوگوں کو مطیع وفرماں بردار بنالیتی ہے۔ ایسے خوش قسمت اور اولوالعزم بادشاہ کا یہ فرض ہے کہ ترحم وانصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑے، اور جو لوگ کہ معافی کے خواستگار ہوں اُن کی درخواستوں کو شرفِ قبولیت عطا فرماکر، اپنے فیاضانہ برتاؤ سے ان کے دلوں پر ایسا قبضہ کرے، کہ اُس کا رعب وداب انہیں لوگوں کے ذریعہ سے دور دور کے ملکوں پر اپنا اثر ڈالے۔ زمانہ سابق کے کسی بادشاہ نے کیا اچھا کہا ہے کہ:

''رحم دل اور فیاض آدمی پہلے اپنے ہمسایوں کا سرپرست ——— اور پھر ان کا حاکم ——— اور پھر اُن کا بادشاہ بن جاتا ہے''

امیر یوسف نے اس رائے کو کمال تعریف کے ساتھ پسند کیا، اور حسب ذیل جواب لکھوایا:

''از طرف یوسف بن تاشفین ـــــــ بعد سلام سب کو معلوم ہو کہ جو ملک تمہارے قبضے میں اس وقت ہے، تم کو مبارک رہے، اور مجھ کو یقین ہے کہ تم اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو گے، اور چونکہ ہم تمہارے سچے خیر خواہ ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہم اور تم ایک دوسرے کو مثل بھائیوں کے سمجھیں، اور ہر امر میں خدائے تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں''

المعتمد کے سفیروں کی دلجوئی

الغرض جب المعتمد کے سفیر[1] سبتہ پہنچے، اور اپنی[2] اسناد اور بادشاہ کے خطوط پیش کر کے یوسف کے سامنے ملک اندلس کی دردناک حالت کا مختصر طور پر ذکر کیا، تو اِس امیر نے اِن لوگوں کی بہت کچھ تشفی اور دلجوئی کی، اور کہا کہ:

''تمہارے آنے سے[3] قبل ہی ہم کو عیسائیوں کی اور بالخصوص اُس بانیٔ شر و فساد، یعنی اوفونش کی ظلم و زیادتی کی خبر پہنچ چکی تھی، تم اپنے بادشاہ کو اطلاع دو کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے گا، اندلس پہنچ کر اِن کافروں کو ایسی سزا دی جائے گی، کہ پھر ان کو کبھی سر اٹھانے کی مجال نہ رہے گی''

یوسف بن تاشفین کا استقبال

اس واقعہ کے چند[4] ہی روز بعد یوسف مع فوج جزیرۃ الخضرا آیا۔ یہاں چونکہ پہلے ہی سرکاری طور پر اس کے آنے کا اعلان ہو چکا تھا۔ عوام الناس نے اس کی اور اس کی فوج کی وہ مدارات کی، اور تمام ضروری سامان بلا طلب مہیا کیا، جس سے یہ امیر بہت خوش ہوا، اور یہاں سے فوراً فوج کو اشبیلیہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ المعتمد نے

(۱) ایک بیان یہ تھا کہ المعتمد بذات خود سبتہ آیا تھا صفحہ ۳۱۹ ملاحظہ ہو۔ (۲) اصل میں ''اپنے'' ہے (محمد امین) (۳) اصل میں ''سے'' کی جگہ ''کے'' ہے (محمد امین) (۴) ٹھیک زمانہ معلوم نہیں ہوا۔

اپنے بیٹوں کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا۔ اور جو مقامات راستے میں پڑتے تھے وہاں کے حاکموں کو تاکیدی حکم تھا کہ، یوسف اور اس کی فوج کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ جب یوسف کی فوج (۱) ترتیب وار شہر کے سامنے نمودار ہوئی۔ المعتمد خود مع سو (۱۰۰) سوار اور تمام امرائے دربار امیر موصوف کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آیا۔ یوسف کے خیمہ کے قریب یہ دونوں امیر نہایت محبت و اخلاق سے بغل گیر ہوئے۔ وہ رات اِن دونوں نے اپنے اپنے خیموں میں بسر کی۔ اور دوسرے روز صبح کو حسب خواہش المعتمد یہ دونوں گھوڑوں پر سوار نہایت کروفر کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے، کوئی حکمراں اور امیر اندلس کا ایسا نہ تھا کہ جس نے تحائف اس کے لئے نہ بھیجے ہوں، اکثر تو بذاتِ خود مع لشکر موجود تھے۔

اوفونش کی تیاریاں

اُدھر جب اوفونش کو یوسف کے وُرود اور عزم کی اطلاع ہوئی۔ اس نے فوراً قریب و دور سب طرف کے حاکموں کو اپنی مدد پر آمادہ کیا۔ اور اپنے حریف کے حالات دریافت کرنے کے لئے، جاسوس روانہ کئے۔ بعد ازاں المعتمد کو ایک خط بایں مضمون لکھا کہ:

''تمہارا دوست یوسف معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ملک سے بیزار ہو کر تمہارے ملک میں دائمی طور پر سکونت اختیار کرنا چاہتا ہے، لیکن میں اس کو مرتے دم تک آرام نہ لینے دوں گا۔ ظاہر ہے کہ تمہاری محبت نے اس کو ایسا بے قرار کیا کہ اس نے تمہارے افریقہ آنے کا بھی انتظار نہیں کیا، بلکہ خود تمہارے پاس اپنی محبت اور دوستی جتانے کو چلا آیا''

اس کے بعد اوفونش نے اپنے امرائے دربار کو جمع کیا، اور کہا کہ:

''بہت کچھ فکر و غور کے بعد مجھ کو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں دشمن کو درّہ ہائے کوہ سے اپنی سرحد میں آنے کا موقع نہ دوں، بلکہ اپنی سرحد سے باہر دشمن کے حدود میں اس کا

(۱) فوج کی تعداد کیا تھی معلوم نہیں ہو سکا۔

مقابلہ کروں، اس لئے کہ اگر عرب ہماری سرحد میں گھس آئے، اور میدانِ جنگ میں ہم کو ناکامی حاصل ہوئی، تو یہ لوگ ملک کو برباد کرنے کے علاوہ ہم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے، اور ہمارے ملک پر قبضہ کرنے میں ان کو بہت کچھ آسانی ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر لڑائی انہیں کے ملک میں واقع ہوئی، اور اگر وہ کامیاب ہوئے تب بھی اُن میں اتنی قوت باقی نہ رہے گی، کہ وہ اِن دَرّہ ہائے کوہ سے گزر کر ہمارا تعاقب کریں، اور اگر ہم کامیاب ہوئے، تو ہم کو ان کے ملک کی تسخیر کا عمدہ موقع ملے گا۔ اِن وجوہ سے میں نے مصمم قصد کرلیا ہے، کہ دشمن ہی کے ملک میں ان کا مقابلہ کیا جائے"

سب نے اس رائے کی تائید کی۔ اوفونش مع اُس فوج کے جس کی ہمت و جرأت پر اس کو کامل بھروسہ تھا۔ اشبیلیہ روانہ ہوا، اور ما باقی کو تاصدورِ حکمِ ثانی وہیں رہنے کا حکم دیا۔ اوفونش نے جب اپنی چالیس ہزار فوج کا معائنہ کیا، تو بیساختہ ازراہ کبر و غرور اس کے منہ سے نکلا کہ:

"میں اِن بہادروں کے ساتھ جن اور دیو کا، بلکہ اگر فرشتے بھی آسمان سے آئیں تو ان کا مقابلہ کرسکتا ہوں"

اوفونش کا خواب اور اس کی تعبیر

المختصر اوفونش منزل بمنزل چلا آتا تھا کہ راستے میں ایک مقام پر اس نے یہ خواب دیکھا کہ "یہ ایک ہاتھی پر سوار ہے، اور ہاتھی اپنی سونڈ نقارے پر مار رہا ہے" خوف سے اس کی آنکھ کھل گئی، اور حالت پریشانی میں پادریوں سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ جب ان سے تشفی نہ ہوئی، تو اس نے ایک یہودی کو بہت کچھ روپیہ دے کر کہا کہ "تو کسی عرب عالم سے اس کی تعبیر دریافت کر" یہودی نے بدقت تمام ایک عرب سے ملاقات کی، اور اس سے یہ خواب بیان کیا۔ عرب نے سن کر کہا کہ "تو بالکل جھوٹا ہے، تو نے یہ خواب نہیں دیکھا، بلکہ اُس کا دیکھنے والا ایک دوسرا شخص ہے، اور جب تک کہ تو اس کا نام نہ بتائے گا، میں اس کی تعبیر نہ بتاؤں گا" یہودی نے بالآخر مجبوراً اوفونش کا نام بتادیا۔ عرب

نے سورۂ اصحاب فیل پڑھی اور کہا کہ اُس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ایک صدمۂ عظیم اوفونش اور اُس کی فوج کو پہنچنے والا ہے، نقارہ پر سونڈ مارنے کے معنی یہ ہیں کہ اوفونش کے منہ پر ایک شدید زخم جنگ میں پہنچے گا۔ یہودی واپس آیا، لیکن اس کی ہمت نہ ہوئی کہ صحیح صحیح تعبیر اوفونش کو سنائے۔

اوفونش کا خط اور یوسف کا جواب

از راہ تکبر اوفونش نے امیر یوسف کے نام ایک خط تحریر کیا۔ جس میں علاوہ اپنی فوج وسامان کی تعریف کے دشنام ہائے مغلظہ بھی درج تھیں۔ یوسف نے اپنے وزیر ابوبکر بن القصیر کو جواب لکھنے کے لئے حکم دیا۔ ابوبکر نے ایک مُطوّل اور مدلل مسودہ تیار کیا۔ یوسف نے یہ کہہ کر کہ اِس بیہودہ تحریر کے جواب میں اس قدر عبارت آرائی کی ضرورت نہیں۔ اُس ہی خط کی پشت پر یہ مختصر سا جملہ ''اَلَّذِیْ یَکُوْنُ سَتَرَاہُ'' یعنی جو ہوگا عنقریب تو اسے دیکھ لے گا۔ اپنے قلم سے لکھ کر خط واپس کر دیا۔ اس مختصر اور پُر مضمون جملے کو پڑھ کر اوفونش کے دل میں خود بخود دہشت پیدا ہوئی۔ اور یہ کہا کہ ''مجھ کو ایک بڑے بہادر سپاہی سے سابقہ پڑنے والا ہے، دیکھنا چاہئے کہ انجام کیا ہوگا؟!''

فوج عرب کی روانگی اور یوسف کی تحریر

اِدھر جب یوسف نے جو لشکرِ اعداء کی نقل وحرکت سے باخبر تھا، سنا کہ اوفونش کی فوج دَرہائے کوہ سے نکل کر سرحد اشبیلیہ میں داخل ہو رہی ہے، اپنی خاص سپاہ کے ساتھ آگے بڑھا، اور حسب قرارداد المعتمد بھی مع اپنے لشکر کے اس کے عقب میں روانہ ہوا۔

یہ دونوں امیر نہایت شان وشوکت کے ساتھ قلعہ بَطلیُوس کے سامنے وارد ہوئے۔ یہاں کا حکمراں المتوکل عمرو بن محمد ان کے ساتھ بہ مدارا پیش آیا، اور یوسف کو اطلاع کی کہ عدو (دشمن) سرحد کے قریب پہنچ گیا ہے۔ یوسف نے پہلے ہی سے

تمام پہلوؤں پر غور کر لینے کے بعد نواح زلاقہ (۱) کو جنگ کے واسطے تجویز کیا تھا، پس یہاں اسی قدر توقف کے بعد جو بوجہ تعب مسافت سپاہ کی آسودگی کے لئے ضروری تھا، ایسے وقت روانہ ہوا کہ مقام مذکور کے قریب، اور اسی میدان میں جو اس نے بغرض مقابلہ پسند کیا تھا، دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوئیں۔

یوسف نے قبل از جنگ اسلامی قواعد کے موافق اوفونش کو لکھا کہ ''تو ہمارے مذہب پاک کو اختیار کر، اور اگر یہ تجھ کو منظور نہیں تو خراج دینا قبول کر، ورنہ جبراً تجھ کو عروس موت سے بغل گیر ہونا پڑے گا۔ یہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ ایک دفعہ تو نے ہمارے پاس افریقہ آنے کا قصد ظاہر کیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ تو نے اپنے ارادے کو پورا نہیں کیا، اور اب ہم نے تیری اس امید کو پورا کیا کہ ہم خود یہاں موجود ہیں، اور تیری دعاؤں کے اثر کو دیکھنا چاہتے ہیں''

اِس تحریر کے پہنچتے ہی نصاریٰ نے صلیب کو ہوا میں بلند کیا، اور انجیلوں پر قسمیں کھائیں کہ ''ہم بغیر مرے پیچھے نہ ہٹیں گے'' اِدھر علماء وقت نے جہاد کے فضائل سنا کر عربوں کے دلوں میں جوشِ فتح وشہادت پیدا کیا۔

اوفونش کی دغابازی

رجب سنہ ۴۷۵ھ م سنہ ۱۰۸۶ء بروز چہار شنبہ اوفونش مقابلے کی غرض سے آگے بڑھا۔ عرب صف بستہ مثل دیوار آہنی حملہ کے منتظر تھے۔ دفعۃً عیسائی فوج ٹھہر گئی، اور ایک افسر نے منجانب اوفونش یوسف کو یہ پیام پہنچایا کہ:

''اب جمعہ آنے والا ہے جس کو تم ایک مقدس روز سمجھتے ہو، اور اس کے بعد اتوار کا دن ہے جو ہمارے یہاں خاص عبادت کے لئے مقرر ہے۔ اگر تم کو کوئی عذر نہ ہو تو جنگ کے لئے ہفتہ کا روز جو ان دونوں کے درمیان واقع ہے، مقرر کیا جائے''

المعتمد نے یوسف کو اِس کے مکر سے مطلع کیا، اور کہا کہ ''ہم کو جمعہ کے روز تیار رہنا چاہئے، یہ اُس روز ضرور ہم کو بے خبر پاکر حملہ کر بیٹھے گا'' چنانچہ ایسا ہی ہوا، شب

(۱) یہ شہر بطلیوس (باذاجوز) کے شمال میں واقع ہے۔

جمعہ کو دو (۲) سوار جو خاص حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے تھے، المعتمد کے پاس آئے، اور خبر دی کہ اوفونش کی فوج میں ہل چل ہو رہی ہے۔ اس کے بعد ہی چند اور سواروں نے اِس کی تائید کی، اور چند جاسوسوں نے یہ خبر پہنچائی، کہ اوفونش اپنے افسران فوج کو یہ حکم دے رہا تھا کہ:

''عربوں میں صرف المعتمد ایسا آدمی ہے، جو اِس ملک سے پوری طرح واقف ہے، اور اسی کی رائے پر یہ اہل افریقہ[1] کاربند ہیں۔ سب سے پہلے تم المعتمد پر نہایت جرأت وہمت سے حملہ کرنا، اگر اس کو ہم نے شکست دیدی، تو پھر اِن نئے لوگوں کو قابو میں لے آنا بڑی بات نہ ہوگی۔ مجھ کو یقین ہے کہ المعتمد تمہاری جرأت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا''

المعتمد نے بذریعہ ابن القصیر اس واقعہ سے یوسف کو مطلع کیا۔ یوسف نے جواب دیا کہ میں خود تیری مدد کے لئے آتا ہوں، اور ایک افسر کو حکم دیا کہ ایک رسالہ کے ساتھ تیار رہے، اور جس وقت اوفونش المعتمد پر شب خون مارے، فوراً پیچھے سے اِن عیسائیوں کے لشکر کو آگ لگا کر اِن پر یورش کرے۔

عیسائیوں کی شکست فاش

ہنوز یہ احکام جاری ہی ہوئے تھے کہ المعتمد کے خرگاہ کی جانب سے جدال وقتال کی آواز بلند ہوئی، چونکہ عیسائی تعداد میں کہیں زیادہ تھے۔ تھوڑے عرصہ میں بہت عرب شہید ہوئے، اور جو باقی رہ گئے تھے اُن کے دلوں پر ناامیدی چھانے لگی۔ المعتمد نہایت اضطراب اور پریشانی سے یوسف کا منتظر، اور اپنی فوج کی ہمت قائم رکھنے کی غرض سے بلا خوفِ ہلاکت سب سے آگے لڑ رہا تھا۔ اس کی رانُ کے نیچے تین گھوڑے مارے گئے، اور تین جگہ زخم شدید اس کو پہنچا۔ ایک زخم تو اس کے سر پر پہنچا تھا۔ تلوار سر کو مجروح کرتی ہوئی کنپٹی کی طرف ڈھلک آئی تھی۔ دوسرا زخم تلوار کا اس کے سیدھے

(۱) یعنی یوسف بن تاشفین، اور اُس کے ساتھ جو فوج افریقہ سے آئی تھی۔

ہاتھ پر، اور تیسرا زخم نیزے کا اس کے زانو پر تھا۔ خون اِن زخموں سے مثل فوارے کے بہ رہا تھا۔ اور یہ بحالت یاس وناامیدی شہادت کی تمنا میں یکہ وتنہا دشمنوں کے مجمع میں گھسا چلا جاتا تھا۔ اور اپنے بیٹے ابو ہاشم کو جو بوجہ بیماری اشبیلیہ میں رہ گیا تھا یاد کر کے یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

أَبَا هَاشِمٍ! هَشَمَتْنِی الشِّفَارْ ۞ فَلِلّٰہِ صَبْرِی لِذَاكَ الْأُوَارْ

ذَكَرْتُ شَخِيصَكَ تَحْتَ الْعَجَاجْ ۞ فَلَمْ يَثْنِنِی ذِكْرُهُ الْفِرَارْ

① اے ابو ہاشم! شمشیر آبدار نے مجھے توڑ دیا، پس اس (جنگ عظیم کی) حرارت پر میرا صبر کرنا اللہ کے لئے ہے۔

② گرد وغبار کے نیچے میں نے تیری ذات کو یاد کیا، پس اس کی یاد نے مجھے بھاگنے سے روک دیا۔

عین حالت مایوسی میں یوسف میدانِ جنگ میں نمودار ہوا۔ اوفونش نے چند دستے فوج کے لے کر اُس کو روکنا چاہا۔ لیکن عیسائی اہل افریقہ کے حملے کی تاب نہ لا سکے، اور پسپا ہوتے ہوئے اپنے لشکر کے قلب پر آپڑے۔ عربوں نے سیاہ عدو کو پھر سنبھلنے کی مہلت نہیں دی، اور دوسرے روز بھی قریب شام تک عیسائیوں کو چار طرف سے گھیرے ہوئے قتل عام کو جاری رکھا۔ اس جنگ عظیم (۱) میں عیسائیوں کو شکست فاش ملی۔ اوفونش خود مجروح وتباہ حال اپنی جان بچالے گیا۔ اور جو مال واسباب عیسائیوں کے ہمراہ تھا۔ تمام وکمال مجاہدانِ اسلام کے تصرف میں آیا۔

عیش وآرام کی ہوس اور اس کا نتیجہ

بعد فتح المعتمد نے حق شکر گزاری کی ادائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یوسف بھی المعتمد اور اس کی سپاہ کی جرأت وشجاعت کا از حد ثنا خواں تھا۔ چار روز تک عرب میدان جنگ میں خیمہ زن رہے۔ المعتمد نے مال غنیمت کی تقسیم کے

(۱) عربوں کو یہ فتح بتاریخ ۲۰؍رجب سنہ ۴۷۵ھ مطابق سنہ ۱۰۸۶ء بروز جمعہ حاصل ہوئی تھی۔

متعلق یوسف کی رائے دریافت کی۔ یوسف نے جواب دیا کہ: ''میں اس ملک میں لوٹ حاصل کرنے کی غرض سے نہیں، بلکہ فی سبیل اللہ تمہاری مدد اور جہاد کی نیت سے آیا تھا، جس میں بفضلہٖ تعالیٰ کامیابی حاصل ہوئی''

یہاں سے یہ دونوں اولوالعزم امیر اشبیلیہ آئے۔ یوسف تو اول ہی سے اندلس کی حکومت پر مفتون تھا، مگر اب اس کے رفقاء کے دلوں میں بھی یہاں کے امراء کے تمول اور فارغ البالی نے عیش و آرام کی ہوس پیدا کی، یوسف ایک بیدار مغز اور دُور اندیش آدمی تھا، اور عیش و آرام کا نتیجہ یعنی سلطنت اندلس کی تباہی دیکھ چکا تھا، اس نے اپنے مصاحبوں کے اصرار اور ترغیب پر جواب دیا کہ:

''اس ظاہری نمائش چندروزہ پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے۔ تم بچشم خود دیکھ رہے ہو کہ اس ہی تمول اور فراغت کی بدولت اہل اندلس اوجِ حکومت و برتری سے پستیٔ ذلت وخواری میں پڑے اپنی زندگی کے دن پورے کررہے ہیں، تاہم اپنے نکبت اعمال سے باوجود تادیب وتنبیہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتے''

یوسف کا افریقہ واپس ہونا

اندلس میں باوجودیکہ عربوں نے بہت ہی سخت شخصی سلطنت قائم کی تھی، لیکن یہاں کے ہر بادشاہ اور امیر نے یہ قدیم قاعدہ آخر تک جاری رکھا، کہ ہر کس و ناکس بلا تأمل خلیفہ سے ملنے کی درخواست کرسکتا تھا، اور خلیفہ کو بھی بپاس اصولِ مروجہ باریابی کی اجازت دینا ضروری ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک روز ایک نہایت غریب عالم نے المعتمد سے ملنے کی درخواست کی۔ بعد باریابی اس گمنام شخص نے پہلے نہایت ادب سے سر تسلیم خم کیا، اور پھر عرض پیرا ہوا کہ:

''یا امیر! آج میں یوسف کے چند ہمراہیوں کے ساتھ گفتگو کررہا تھا۔ ان کے فحوائے کلام (اندازِ گفتگو) سے معلوم ہوا کہ جس مکر وحیلہ سے اس نے اقوام افریقہ کو

مسخر کیا ہے، اسی طرح اس ملک پر بھی قابض ہونا چاہتا ہے، میں چونکہ ملک وقوم کا بہی خواہ ہوں میرا فرض تھا کہ ان کی نیت سے تجھ کو آگاہ کردوں، اور اگر تو میری رائے پوچھے تو میں یہ رائے دونگا کہ تو یوسف کو کسی ترکیب سے گرفتار کرلے، جو اس وقت ہر طرح ممکن ہے، اور بعد گرفتاری تاوقتیکہ ان کا بچہ بچہ جہاز پر سوار نہ ہو جائے، اور یوسف چند اپنے خاص رشتہ داروں کو یرغمال میں دے کر اس قسم کا حلفی وعدہ نہ کرلے کہ پھر وہ مدت العمر اس ملک کا رُخ نہ کرے گا، اس کو رہا نہ کر۔“

المعتمد نے اس شخص کی رائے کو پسند کیا، لیکن اتفاق سے اس وقت ایک صاف گو مصاحب بھی اس تخلیہ میں شریک تھا، وہ بلا تأمل کہہ اٹھا کہ ”بادشاہوں کو ایسے مذموم حرکات یعنی دغا و فریب ہرگز لائق و سزاوار نہیں۔“

اس واقعہ کی اطلاع کسی طرح یوسف کو بھی پہنچ گئی۔ دوسرے روز علی الصباح جب المعتمد اپنے دستور کے موافق تحائف لے کر اپنے مہمان سے ملنے آیا، تو یوسف کچھ دیر باتیں کر کے اٹھ کھڑا ہوا، اور افریقہ واپس چلا گیا۔
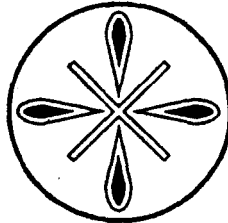
باب چہارم

خاندان المرابطین والموحدین وبنی ہود کا یکے بعد دیگرے اندلس پر مسلط ہونا ــــ یوسف بن تاشفین کا دوبارہ اندلس آنا ــــ اس کی فتوحات ــــ المعتمد اور اوفونش ــــ المعتمد کی گرفتاری ــــ عبدالجبار بن المعتمد ــــ یوسف بن تاشفین کا انتقال ــــ علی کی تخت نشینی ــــ اس کی فتوحات ــــ اس کا انتقال ــــ تاشفین بن علی کی تخت نشینی ــــ عیسائیوں کی ترقی ــــ اوفونش ثانی ــــ عبدالمومن کا اندلس میں داخل ہونا ــــ یوسف اول کی تخت نشینی ــــ طلیطلہ کا محاصرہ ــــ یوسف کا انتقال ــــ یعقوب المنصور ــــ عیسائیوں کی شکست ــــ محمد الناصر ــــ جنگ العقاب ــــ عربوں کی شکست ــــ اس جنگ کا نتیجہ ــــ یوسف ثانی ــــ ابن ہود ــــ خلافت بغداد ــــ فردلند ثالث کا قرطبہ پر قبضہ۔

المعتمد اور عبدالعزیز کے درمیان نزاع اور یوسف کا افریقہ واپس چلا آنا

یوسف بن تاشفین کی روانگی کے بعد ہی نصاریٰ نے پھر شور وفساد کے علم کو بلند، اور اوفونش (۱) کو بدقتِ تمام انتقام پر آمادہ کیا۔ اوفونش نے اپنے ماتمی لباس کو جسم سے

(۱) المقری لکھتا ہے کہ بعد جنگ زلاقہ اوفونش اپنی فوج کی تباہی اور رفقا کے مارے جانے کے سبب سے مثل دیوانوں کے ہو گیا تھا یہی وجہ ہے کہ اب بدقتِ تمام مکرر جنگ پر آمادہ ہوا۔

اتارا، اور زرہ فولادی پہن کر بغیر اعلان جنگ [1] دفعۃً عبدالعزیز رئیس مُرسیہ پر حملہ آور ہوا، اور قلعۂ الیط [2] پر قبضہ کرتا ہوا فوج بقدر ضرورت قلعۂ مذکور میں چھوڑ کر طلیطلہ واپس چلا آیا۔ اَلیط سے نصاری نے پھر المعتمد سے چھیڑ شروع کی۔ جنگ زلاقہ کے بعد چند روز کے امن نے المعتمد کے مزاج میں بڑا تغیر پیدا کر دیا تھا، اور اس کی طبیعت فراغت طلبی کی طرف مائل ہوتی جاتی تھی۔ سرحد کے استحکام اور وہاں کی ابتدائی وارداتوں کے انسداد میں اس نے اس قدر درنگ کی کہ اوفونش نے دوبارہ اشبیلیہ کی تسخیر کا اعلان کیا۔ یہ سن کر المعتمد پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ فوراً بذاتِ خود افریقہ آیا، اور اپنے سرپرست یوسف بن تاشفین سے دوبارہ مدد کا خواہاں ہوا۔ چنانچہ امیر یوسف نے ماہ ربیع الاول سنہ ۴۸۱ھ مطابق سنہ ۱۰۸۸ء میں براہِ الخضرا اندلس پہنچ کر بشرکت عبدالعزیز قلعہ اَلیط کو ہر طرف سے گھیر لیا۔

لیکن عربوں کی بدقسمتی کو دیکھو کہ ایسے نازک وقت میں اور قبل از تصفیہ المعتمد اور عبدالعزیز آپس میں لڑ بیٹھے، نزاع اس قدر بڑھی کہ المعتمد کی شکایت پر یوسف نے عبدالعزیز کو گرفتار کر کے المعتمد کے حوالہ کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالعزیز کی فوج مُرسیہ واپس ہوگئی۔ چونکہ یہ قلعہ عبدالعزیز ہی کی حدود حکومت میں واقع تھا یوسف کو ہر قسم کی تکلیف پہنچنے لگی، جس سے یہ ایسا برداشتہ خاطر ہوا کہ قلعہ کو اس ہی حالت میں چھوڑ کر مع فوج افریقہ چلا آیا۔

یوسف بن تاشفین کا دوبارہ اندلس آنا اور قلعۂ غرناطہ پر قبضہ

واقعۂ مذکور کے دو سال بعد سنہ ۴۸۳ھ م سنہ ۱۰۹۰ء میں یوسف بن تاشفین کو شوق حکومت پھر اندلس لے آیا۔ حتی کہ یہ اوفونش کے پائے تخت میں طلیطلہ تک جا پہنچا۔ اس قلعہ کی تسخیر کی امیر نے بے حد کوشش کی، اور قرب و جوار کے تمام مقامات کو تباہ کر کے

(۱) یہ طریقہ دغابازی اور قزاقی میں داخل تھا۔ (۲) انگریزی میں الیڈو کہتے ہیں۔

رسد کی آمد ورفت بالکل مسدود کردی۔ مگر باوجود اعلان جہاد اور وعدۂ امداد عربوں میں سے کوئی مُتَنَفِّس (شخص) اس کا شریک حال نہ ہوا، اور بالآخر نقصانِ عظیم اٹھا کر طلیطلہ کے سامنے سے ہٹ آنا پڑا۔

یوسف اس نقضِ عہد سے ایسا مغلوب الغضب ہوا کہ دوراندیشی کو خیر باد کہہ کر ان رؤسائے عرب کی تنبیہ پر آمادہ ہوا، جنھوں نے باوجود اقرار واثق شرکت جہاد سے پہلو تہی کی تھی، اس غضب کا پہلا اثر عبداللہ بن بلکین رئیس غرناطہ پر پڑا۔ عبداللہ نے چند روز اس کے حملوں کی مدافعت کی، آخرکار اپنی ماں کی نصیحت پر یوسف کے پاس آکر عفو خطا کا خواستگار ہوا، اور اس کو راضی اور خوشنود پاکر نہایت تزک اور احتشام سے اس کی دعوت کا اہتمام کیا، مگر یوسف کی خاموشی محض بمصلحت تھی۔ چنانچہ قلعۂ غرناطہ میں داخل ہوتے ہی عبداللہ اور اس کا بھائی تمیم رئیس مالقہ دونوں گرفتار کرلئے گئے۔

سَیر بن ابی بکر کی فتوحات اور یوسف کی ہدایات

یوسف ماہ رمضان المبارک سنہ ۴۸۳ھ میں اپنے نامی سپہ سالار سَیر بن ابی بکر کو حکم جہاد دے کر خود افریقہ چلا آیا۔ یوسف کے اندلس سے جاتے ہی رؤسائے عرب نے پھر سرکشی شروع کردی، ان کو یہ کب منظور تھا کہ یہ امیر اپنے ارادہ میں کامیاب ہو، اور اندلس کو افریقہ کا ایک صوبہ بنالے۔ پس جب کبھی سیر نے ان سے مدد طلب کی سب نے شرکت جہاد سے انکار کردیا۔ اس نے بھی بمقتضائے مصلحت کسی سے تعرض نہیں کیا، اور سب کو بدستور لہو ولعب میں مصروف رکھا، اور خود یکہ وتنہا عیسائی قومسین کا مقابلہ کرتا رہا، اکثر قومسین نے اس کی اطاعت وفرمانبرداری قبول کرلی۔

جب کچھ اطمینان اس کو حاصل ہوا تو اب اس نے یوسف بن تاشفین کو اپنی فتوحات سے مطلع کیا، اور لکھا کہ:

''ہم تو جہاد میں بے انتہا پریشانیاں اٹھا رہے ہیں، اور یہاں کے مسلمان بادشاہ

اپنے ملکوں سے بے خبر عیش و آرام میں مصروف ہیں، ان میں سے ایک نے بھی اس وقت تک مجھ کو کسی قسم کی مدد نہیں دی، ان کی نسبت بھی کوئی حکم صادر ہونا چاہیے۔"

یوسف نے جواب دیا کہ:

"تم ان سب کو حکم دو کہ یہ تمہارے ساتھ اس جہاد میں شریک ہوں، اور اگر یہ تمہارے حکم کی تعمیل نہ کریں، تو تم یکے بعد دیگرے ان کے ملکوں پر قبضہ کرلو۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ سب سے پہلے ان ملکوں پر ہاتھ ڈالو جو عیسائیوں کی سرحدوں پر واقع ہیں، اور جب تک کہ تمام اندلس پر مسلط نہ ہو جاؤ، المعتمد کے ساتھ جنگ نہ چھیڑو، جس ملک پر تم قبضہ کرو، اس پر ایک فوجی افسر بغرض انتظام ہماری طرف سے مقرر کر دینا"

امیر سیر کی حکمت عملی اور ابن ہود کی گرفتاری اس حکم کے پہنچتے ہی سیر بن ابی بکر اولاً ابن ہود والی سرقسطہ کی طرف متوجہ ہوا، اور قلعہ روطہ کا جس میں ہود اس وقت مقیم تھا محاصرہ کرلیا۔ یہ قلعہ ایک نہایت بلند کوہ پر واقع، اور راستہ ایسا دشوار گزار تھا کہ قبل اس کے کہ دشمن کی فوج اس کی دیواروں تک پہنچے، اہل قلعہ اس کا بآسانی خاتمہ کر سکتے تھے۔ علاوہ بریں باوجود اس قدر بلندی کے بہت وسیع اور تمام ضروری سامان اس میں موجود تھا، اگر تمام راستے رسد کے مسدود کر دیئے جاتے اور اہل قلعہ کی فاقہ کشی کا انتظار کیا جاتا، تو بھی برسوں میں کامیابی حاصل ہوتی۔

امیر سیر کو جب یہ تمام واقعات معلوم ہوئے تو اس نے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ قلعہ کے محاصرے سے دست برداری اختیار کی، اور مشہور کیا کہ فی الحال جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ قلعہ سے کچھ فاصلے پر اس نے اپنی فوج کے چند سپاہیوں کو عیسائی لباس پہنایا، اور ان کو بجانب قلعہ بھیج کر خود مع اپنے خاص اور جاں باز ہمراہیوں کے قریب کی جھاڑی میں پوشیدہ ہو گیا۔ ابن ہود دھوکا کھا کر چند مصاحبین کے ساتھ قلعہ کے باہر

نکل آیا، اور اُن سپاہیوں کو عیسائی سمجھ کر درخواست کی کہ وہ کسی قومس کو اس کی مدد پر آمادہ کریں۔ ہنوز یہ مشورہ ختم نہ ہوا تھا کہ دفعۃً سیر نے ان سب کو گھیر کر ابن ہود کو مع ہمراہیوں کے گرفتار کر لیا۔ اس واقعہ سے اہل قلعہ میں اس درجہ انتشار پیدا ہوا کہ ان کے حواس سنبھلتے سنبھلتے سیر کی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی۔

سیر کا مُرسیہ پر تسلط اور ابن طاہر کی گرفتاری

بعد ازاں قبل اس کے کہ امرائے عرب کو باہمی اتفاق ومشورہ کا موقع ملے، سیر آخر ماہِ شوال سنہ ۴۸۴ھ م سنہ ۱۰۹۱ء میں عبدالرحمٰن بن طاہر والیٔ مُرسیہ کو بھی شکست دے کر اس صوبہ پر مسلط ہو گیا، اور عبدالرحمٰن کو گرفتہ وبستہ افریقہ بھیج دیا۔

امیر سیر کی دیگر فتوحات

یہاں سے سپہ سالار موصوف نے ایک افسر ابوزکریا نامی کو المریہ روانہ کیا، اور خود یلغار کرتا ہوا بطلیوس آیا۔ اس شہر کو اس نے چند ہی روز میں فتح کر لیا، اور یہاں کے رئیس المتوکل عمر بن محمد کو مع اُس کے دونوں بیٹوں الفاضل اور العباس کے قتل کر ڈالا۔ ادھر زکریا نے المریہ تسخیر کر لیا۔ یہاں کا حکمران المعتصم جو ایک قلعہ میں پناہ گزیں ہوا تھا، اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی فوت ہو گیا، اور اس کے بیٹے حسام الدولہ نے اطاعت وفرمانبرداری قبول کر لی۔

المعتمد کے بیٹوں کا قتل اور اس کی گرفتاری

سیر نے ان خودسر اور عاقبت نااندیش حکمرانوں کی معزولی اور گرفتاری کے بعد، یوسف بن تاشفین کو ایک تفصیلی عرض داشت کے ذریعہ سے اطلاع دی، کہ اب سوائے المعتمد کے کوئی رئیس خودمختار باقی نہیں رہا۔ یوسف نے جواب دیا کہ ''پہلے المعتمد کو ہمارا یہ حکم پہنچا دو کہ وہ فوراً مع اپنے عیال واطفال اور رشتہ داروں کے ہمارے پاس افریقہ چلا آئے۔ اگر وہ اس حکم کی تعمیل نہ کرے یا صاف انکار کر دے، تو اس کو جس طرح ممکن ہو گرفتار کر کے یہاں بھیج دو''

امیر سیر نے جب المعتمد کو یہ حکم پہنچایا۔ اس کی غیرت نے جواب تک کی اجازت نہ دی، بلکہ جنگ کے واسطے تیار ہو گیا۔ سیر نے فوراً ابوعبداللہ بن الحاج کو مع فوج قرطبہ جہاں المعتمد کا بیٹا الفتح حکمراں تھا بھیج کر، خود بقیہ فوج المرابطین [1] کے ساتھ اشبیلیہ کا قصد کیا، اور قرمونہ کو بتاریخ ۲۷ / ربیع الاول سنہ ۴۸۴ھ فتح کر لیا۔ اسی اثنا میں ابن حاج باجہ اور قلعۂ البلاط کو تسخیر کرتا ہوا قرطبہ آیا، اور بتاریخ ۳ / صفر روز چہار شنبہ المامون [2] کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔

امیر سیر کے دوسرے افسر جرور الحشمی نے صوبہ مالقہ کے قلعہ رندہ کو فتح، اور المعتمد کے دوسرے بیٹے یزید الراضی کو گرفتار اور قتل کیا۔ نوعمر اور ہونہار اولاد کا اس طرح قتل ہونا ـــــ اور وہ بھی بڈھے باپ کے سامنے ـــــ قیامت کے آنے سے کم نہ تھا۔ المعتمد پھر انسان تھا۔ ان متواتر ناقابل برداشت صدمات کا تاگے (کب تک) متحمل ہوتا، آخر کار دشمن اسلام اوفونش سے امداد کا خواہاں ہوا۔ اوفونش نے کچھ فوج بغرض امداد روانہ کی۔ امیر سیر نے فوراً ابو اسحاق اللمطونی کو مع دس ہزار سوار نصاریٰ کے مقابلہ کے واسطے بھیجا، جو بآسانی منتشر کر دیئے گئے۔

جب المعتمد نے اپنی نجات کی کوئی صورت نہ دیکھی، تو کفن بسر بتاریخ ۲۱ / رجب سنہ ۴۸۴ھ اپنی قلیل فوج کے ساتھ دشمنوں پر ٹوٹ پڑا، مگر آرزوئے شہادت سے محروم رہا۔ عین وقتِ کارزار میں وہ اپنے بیٹے فخر الدولہ کے قتل، اور فوج کی سب طرف سے پسپا ہونے کی خبر سن کر ایسا متاثر ہوا کہ پھر اس سے نہ ٹھہرا گیا۔ ہجوم رنج والم سے منتشر الحواس اپنی قیام گاہ پر چلا آیا، اور رات کے وقت بڑے بیٹے الرشید کو سیر بن ابی بکر کے پاس بھیجا، لیکن سیر نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ الرشید نے اپنے باپ سے آکر کہا کہ "ان لوگوں سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہئے، یا ملک سے دست بردار ہو جاؤ، یا جان کو میدانِ جنگ میں ملک پر تصدق کر دو۔"

(۱) یہ یوسف بن تاشفین کے قبیلہ کا نام ہے۔ (۲) یہ بھی الفتح کا لقب ہوگا۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب ۞ کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

المعتمد کی آنکھوں سے اشک حسرت جاری ہوئے، اس حکم کے بعد کہ قلعہ کا دروازہ کھول دیا جائے۔ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو رخصت کیا، اور خود اپنی قسمت کی تحریر کا منتظر رہا۔ اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد امیر سیر محل میں داخل ہوا، اور المعتمد کو مع اس کے بیٹے ابوالحسن عبداللہ الرشید اور اس کی بی بی اعتماد کے افریقہ بھیج دیا۔

خلف اور عبدالجبار بن المعتمد کی بغاوت اور اس کا انجام

سنہ ۴۸۸ھ م سنہ ۱۰۹۵ء میں مالقہ کا ایک مشہور شخص خلف نامی جو کسی علت میں قید کر دیا گیا تھا، چند روز بعد مع اپنے ساتھیوں کے حراست سے بھاگ کر قلعہ منت میور[1] آیا، اور یہاں کے حاکم کو غافل پا کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں المعتمد کا ایک اور بیٹا عبدالجبار یہاں مقیم تھا، خلف کے ورغلانے سے اس نے باغیوں کی افسری منظور کر لی۔ اپنی ماں کو فوراً منت میور بلا لیا، اور الخضراء اور ارکش جاسوس بھیج کر یہاں کے لوگوں کو اپنا شریک حال کر لیا۔ جس وقت اس بغاوت کی اطلاع امیر یوسف بن تاشفین کو پہنچی، اس نے بیٹے کے گناہوں کا بار بے گناہ باپ کے سر پڑ ڈالا، اور حکم دیا کہ المعتمد فولادی زنجیروں سے باندھ دیا جائے۔ المعتمد سے اخیر عمر میں یہ تکلیف برداشت نہ کی گئی اور اُسی حالت رنج وغم میں اس کے منہ سے یہ اشعار دردناک بے ساختہ جاری ہوئے:

قَیْدِی! اَمَا تَعْلَمُنِی مُسْلِمَا ۞ اَبَیْتَ اَنْ تَشْفَقَ اَوْ تَرْحَمَا

یَبْصُرُ لِی فِیْكَ اَبُوْهَاشِمِ ۞ فَیَنْثَنِی الْقَلْبُ وَقَدْ هَشِمَا

① اے میری بیڑی! کیا تو مجھے مسلمان نہیں سمجھتی؟! تو نے شفقت یا رحم کرنے سے انکار کر دیا!

② مجھ کو ابو ہاشم تجھ میں جکڑا ہوا دیکھے گا، تو (اس کا) دل مُڑے گا درانحالیکہ وہ

(۱) انگریزی میں مانٹ میر کہتے ہیں۔

گرائل ہوگا یعنی وہ رنجیدہ خاطر ہوگا۔

لیکن قبل اس کے کہ باغیوں کی تعداد اور قوت میں ترقی ہوتی سیر بن ابی بکر نے عبدالجبار اور خلف کو مع ان کے تمام شرکاء کے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔

المعتمد کی حالتِ قید میں وفات

المعتمد نے حالت قید میں ماہ ربیع الاول سنہ ۴۸۸ھ میں انتقال کیا، اور اپنی بی بی اعتماد کے پہلو میں دفن ہوا۔ المعتمد کی ذاتی لیاقت اور شاعرانہ طبیعت کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے جو ہم نے اس کے حالات کے سلسلہ میں جا بجا درج کئے ہیں۔ ایک مصنف اور شاعر ابن اللبانہ نامی نے جو المعتمد کا وزیر بھی رہ چکا تھا۔ خاص طور پر اس کے اور اس کے باپ اور دادا کے کلام کو اپنی بے نظیر کتاب ''سقیط الدُّرَر ولقیط الزهر فی شعر بنی عباد'' میں جمع کیا ہے۔

یوسف کا انتقال اور علی کی تخت نشینی

یوسف بن تاشفین نے ماہ محرم سنہ ۵۰۰ھ م سنہ ۱۱۰٦ء میں بمقام مراکش انتقال کیا۔ مرنے سے (۱) کچھ دیر قبل اپنے بیٹے ابوالحسن علی کو طلب کر کے جہاں اور نصیحتیں کیں، یہ بھی تاکید کی تھی کہ ''اشبیلیہ کو اپنا دارالسلطنت قرار دینا''

علی بمقام سبتہ سنہ ۴۷۷ھ میں پیدا ہوا تھا، پس بوقت تخت نشینی اس کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ یہ مثل اپنے نامور باپ کے نہایت بیدار مغزی سے اپنے ملک کا انتظام کرتا رہا، اور جہاد کے سلسلہ کو اخیر تک قائم رکھا۔ چنانچہ سنہ ۵۰۳ھ مطابق سنہ ۱۱۰۹ء میں اس نے طلیطلہ پر یورش کی، اور گو یہ اس شہر کو فتح نہ کر سکا، لیکن دیگر مشہور مقامات مثل وادی الحجارہ پر قابض و متصرف رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں اس کا نامی سپہ سالار سیر بن ابی بکر بجانب غرب پرتگال اور لشبونہ کی تسخیر میں مصروف تھا۔

(۱) اصل میں "سے" کی جگہ "کے" ہے (محمد امین)

علی کی فتوحات اور افریقہ واپسی

ادھر تو علی اور سیر دونوں کافروں کے استیصال میں مشغول تھے، اور اُدھر بجانب شمال اوفونش اول ابن ردمیر والیٔ برشلونا نے فساد برپا، اور مسلمانوں کو اپنی یورشوں سے سخت حیران وپریشان کر رکھا تھا، اور سنہ ۵۰۳ھ میں المستعین ابن ہود کو تطیلہ کے قریب شکست دے کر تمام ملک ارغون کی تسخیر کا ارادہ کر رہا تھا کہ تمیم بن یوسف جس کو علی نے والیٔ اندلس مقرر کیا تھا، اس تیزی اور قوت کے ساتھ اوفونش کا سدراہ ہوا کہ، اس عیسائی کو پھر پیش قدمی کی سنہ ۵۱۲ھ م سنہ ۱۱۱۸ء تک ہمت نہ ہوئی۔

سنہ مذکور میں اس نے ملک فرانس کے عیسائیوں کو اپنی مدد پر آمادہ کیا، اور ایک فوج کثیر کے ساتھ شہر سرقسطہ [1] کو گھیر لیا۔ اہل قلعہ نہایت شجاعت سے عرصۂ دراز تک عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ مگر جب یہ فاقوں سے مرنے لگے، اور امید اپنی نجات کی نہ دیکھی تو آخرالامر شہر کے دروازے کھول دیئے۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد بارہ ہزار سوار علی بن یوسف کے بھیجے ہوئے یہاں پہنچے، لیکن شہر پر عیسائیوں کو قابض اور ان کی کثرت افواج کو دیکھ کر بمصلحت ہٹ آئے۔

طلیطلہ کے بعد سرقسطہ کی تسخیر نے عربوں کے دل ہلا دیئے تھے۔ اوفونش نے ان کے اس شدید انتشار سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا، اور قبل اس کے کہ عرب اپنی خاطر پریشان کو جمع کرتے، صوبۂ سرقسطہ کے اور دو بڑے مقام قلعۂ ایوب اور طرسونہ کو فتح کرتا ہوا، دروقہ [2] کے قریب امیر ابراہیم بن یوسف بن تاشفین کو شکست عظیم دی، جس میں بیس ہزار عرب شہید ہوئے۔

جس وقت یہ غمناک خبریں علی کو پہنچیں، تو یہ المرابطین کی جمعیت کے ساتھ

(۱) اس جنگ میں عیسائی فوج کے ساتھ آلاتِ قلعہ شکن میں چند لکڑی کے برج نہایت بلند پہیوں پر تھے، ان میں سپاہی بیٹھ کر بآسانی دیواروں کے قریب جاسکتے تھے (المقری)

(۲) یہ شہر بھی طبقۂ سرقسطہ میں واقع ہے۔

سنہ ۵۱۳ھ م سنہ ۱۱۱۹ء میں اشبیلیہ اور قرطبہ ہوتا ہوا سرقسطہ کی طرف آیا۔ چونکہ عربوں کی دیرینہ دہشت عیسائیوں کے قلوب سے محو نہیں ہوئی تھی۔ صرف اس کی آمد آمد ہی کی خبر پاکر دشمنوں کے دلوں میں ایسا خوف ورعب پیدا ہوا کہ یہ سب قلعوں میں پوشیدہ ہوگئے، علی ان مقامات کو جو عیسائیوں کے قبضہ میں آگئے تھے فتح کرتا ہوا، اور اپنے بھائی تمیم والیٔ اندلس سے ملتا ہوا سنہ ۵۱۵ھ م سنہ ۱۱۲۱ء میں افریقہ واپس چلا گیا۔

عیسائیوں کی ناکام نقل وحرکت

اگرچہ اوفونش قومس طلیطلہ سنہ ۵۱۳ھ میں مرچکا تھا، مگر اوفونش بن ردمیر ہنوز موجود تھا۔ علی کے افریقہ جاتے ہی اس نے پھر بغاوت شروع کردی، اور اپنی فتوحاتِ سابقہ کے نشہ میں مخمور، میدان خالی پاکر غرناطہ تک گھس آیا۔ اس یورش کی خاص وجہ یہ تھی کہ غرناطہ کے عیسائیوں نے خفیہ طور پر ابن ردمیر کو یہ لکھا تھا کہ ''اگر تو ادھر آیا تو ہم سب تیری مدد کے واسطے موجود ہیں''۔

اوفونش بن ردمیر ماہ شعبان سنہ ۵۱۵ھ میں بجانب غرناطہ روانہ ہوا، اور اپنے ارادے کو پوشیدہ رکھنے کے خیال سے شہر بلنسیہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہاں منجانب علی، ابومحمد بن یدرسن حکمراں تھا، چونکہ اسی طرف یہ محض دھوکا دینے کی غرض سے آیا تھا۔ چند روز کے محاصرے کے بعد جزیرہ شقر، اور پھر دانیہ، اور شاطبہ، اور بیرۃ، اور المنصورہ ہوتا ہوا وادی یاجلہ کے قریب چند روز مقام کیا، بعدہٗ شہر القصر پر قبضہ کرکے غیاثہ اور وادی آش[1] پر دو مہینے متواتر حملے کئے؛ لیکن بے نیل مقصود رہا، آخرکار وجمہ میں غرناطہ کے قریب آکر خیمہ زن ہوا۔ عرب کچھ ایسے غافل رہے کہ بتاریخ ۱۰/ذی الحجہ سنہ ۵۱۵ھ مین عید کے روز غرناطہ میں عیسائیوں کی اس شورش کی خبر پہنچی۔ اگر اوفونش اسی وقت حالت بے خبری میں شہر پر حملہ کرتا، تو یہ مشہور اور مستحکم شہر بھی بآسانی اس کے ہاتھ

(۱) وادی آش کو انگریزی میں گواڈکس کہتے ہیں، اور جزیرۃ شقر کو ایسرا کہتے ہیں۔ یہ سب مقامات غرناطہ کے قریب واقع ہیں۔

آجاتا۔ باوجودیکہ یہ روزعید مبدل بہ شامِ غم ہوگیا، اور ہر طرف سے مایوسی واضطرار نے گھیر لیا تھا، تاہم حاکم شہر نے نہایت استقلال وہمت سے فوراً فوج فراہم کی، اور ہر طرح جنگ کے واسطے تیار ہوگیا۔ اوفونش بن ردمیر نے بمقام وجمہ اس ہی موروثی داب کے باعث دس روز بیکار صرف کئے، اور پھر باغی عیسائیوں کو اپنا دلیلِ راہ قرار دے کر غرناطہ کی طرف رجوع ہوا۔

مرسینہ اور بیش ہوتا ہوا منزل بمنزل چلا آتا تھا، کہ الیانہ کے قریب اس کو اطلاع پہنچی کہ تمیم ابوطاہر مع فوج بعزم رزم آرہا ہے۔ یہ سن کر اوفونش فوراً حصنِ بلول کی طرف چلا، مگر اس مقام کے قریب ہی عربوں نے اسے آلیا، اور ایک جنگ عظیم برپا ہوئی۔ قریب تھا کہ عیسائی پسپا ہو کر بھاگ اٹھیں۔ ایسے نازک وقت میں سپہ سالار عرب نے فوج کے خیموں کو نشیب سے بلندی پر قائم کرنے کا حکم دیا۔ فوج اس وقت نہایت دلیری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہی تھی، کہ ان خیموں کو اکھڑتا دیکھ کر یہ سمجھی کہ سپہ سالار میدان سے ہٹنے والا ہے۔ اس غلط فہمی نے عربوں کی فتح کو مبدل بہ شکست کر دیا۔ عرب شکست خوردہ اپنا تمام مال واسباب عیسائیوں کے تصرف میں چھوڑ کر میدانِ پیکار سے ہٹ آئے، مگر ترتیب کے ساتھ۔

اس کامیابی نے اوفونش اور اس کی فوج کے اس قدر دل بڑھائے کہ یہ براہِ شلوبانیہ [1] اور بلیش [2] دریا کے کنارے کنارے پھر غرناطہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور شہر سے تین فرسنگ جنوب کی جانب بمقام دُلر [3] اوفونش فوج کو دو روز آرام دے کر ہمدان آیا، یہاں دونوں لشکروں کے ہراولوں میں مختصر سی جنگ ہوئی، مگر یہاں اس نے لڑنا پسند نہیں کیا، اور الفرج [4] ہوتا ہوا عین اطسہ کے قریب خیمہ زن ہوا۔

(۱) انگریزی میں سلوبرینا کہتے ہیں (۲) انگریزی میں دلیز مالقہ کہتے ہیں (۳) ابن الخطیب نے اس مقام کا نام "ذکر" لکھا ہے مگر دیگر کتب کے دیکھنے سے دُلر صحیح معلوم ہوتا ہے، اس قسم کے اکثر مقامات اس زمانہ کے نقشہ میں نہیں پائے جاتے (۴) بعض عرب مؤرخین نے اس مقام کو المرج لکھا ہے۔

ادفونش بن ردمیر کی اس نقل وحرکت سے عربوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ انھوں نے اس عرصہ میں کافی فوج فراہم کرلی۔ جب دیکھا کہ یہ کسی مقام پر جم کر لڑتا ہی نہیں، اور برابر جنگ سے گریز کررہا ہے، تو سپہ سالار عرب نے عیسائیوں کو چاروں طرف سے گھیر لینے کی کوشش کی، مگر اس خوبی کے ساتھ کہ ان کو مزاحمت کا شبہ تک نہ ہونے دیا، اور ادفونش کو ایک خاص دائرہ میں نقل وحرکت میں غافل رکھا، جب ادفونش جبل البراجلہ [1] اور اللغون کے راستہ سے وادی آش واپس ہوا، تو عربوں نے اثناء راہ میں ہر موقع پر متواتر حملوں سے اس کی سپاہ کو اس قدر قتل وغارت کیا کہ، اس کو مجبوراً اپنے قصد سے دست بردار ہونا پڑا، اور بدقت تمام آدھی سے زیادہ فوج کھوکر ناکام اپنے ملک بھاگ آیا۔

غرناطہ کے عیسائیوں کا اخراج اور علی کا انتقال

ہم پہلے ہی تحریر کر آئے ہیں کہ اس یورش کے اصل بانی غرناطہ کے عیسائی ہوئے تھے، اور گو عیسائی اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوئے، مگر باغیوں نے دشمن کو ہر قسم کی مدد دے کر مسلمانوں کو نقصان عظیم پہنچایا تھا۔ قرطبہ اور اشبیلیہ بلکہ تمام ملک اندلس کی عرب رعایا کی درخواست پر قاضی ابوالولید ابن رشد [2] نے افریقہ جاکر سلطان علی کو ان واقعات سے مطلع کیا، اور کہا کہ ”علاوہ بیرونی دشمنوں کے ہمارے گھر میں اس قدر دشمن موجود ہیں، کہ ایک لحظہ کے لئے ہم کو آرام سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ رعایائے اندلس کی درخواست ہے کہ غرناطہ کے قریب جتنے عیسائی بسے

(۱) المقری نے اس پہاڑ کا نام جبل البراجات لکھا ہے انگریزی میں اس کو سیرانو وادا کے نام سے موسوم کرتے ہیں ابن حیان ودیگر عرب مؤرخین نے اس کا نام جبل البراجلہ تحریر کیا ہے، اور بعض نے غلطی سے کوہ البکسرا اس کا بھی یہی نام لکھ دیا ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ عرب البکسرا اس کو النشرات کہتے ہیں۔

(۲) یہ ایک نامی فلاسفر گذرا ہے جس کو اہل یورپ آویروز کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ہوئے ہیں وہ سب خارج البلد کر دیئے جائیں، اور ان کو افریقہ میں کوئی مقام رہنے کے لئے دیا جائے'' علی نے اس درخواست کو منظور کیا، اور ہزار ہا عیسائی جبراً افریقہ میں لا کر بسائے گئے۔

علی اخیری مرتبہ سنہ ۵۱۵ھ میں اندلس آیا تھا، لیکن اس کے بعد محمد المہدی کی بغاوت نے اس کو افریقہ میں ایسا مصروف رکھا کہ پھر یہ یہاں نہ آسکا سنہ ۵۲۰ھ م سنہ ۱۱۲۶ء میں ابو طاہر تمیم کے انتقال کے بعد اس نے اپنے بیٹے تاشفین کے سپرد اندلس کی حکومت کی تھی، علی نے بمقام مراکش چھتیس (۳۶) برس سات مہینے کی حکومت کے بعد ماہ رجب سنہ ۵۳۷ھ م سنہ ۱۱۴۳ء میں انتقال کیا[1]۔

ابن علی کی تخت نشینی اور اس کی رحلت

علی[1] بن یوسف بن تاشفین کے بعد اُس کا بیٹا تاشفین ابو محمد تخت نشین ہوا۔ اُس کے باپ ہی کے زمانہ میں خاندان الموحدین کے ترقی کے آثار ظاہر ہو چلے تھے، اور جس کے سرگروہ ابو عبد اللہ محمد علی نے اس قدر فساد برپا کر رکھا تھا کہ یہ پھر اندلس نہ جاسکا، اور اس کی باقی ماندہ عمر اسی شر کے فرو کرنے میں صرف ہوئی۔ ابو عبد اللہ محمد (علی) کا انتقال سنہ ۵۲۴ھ م سنہ ۱۱۳۰ء میں ہو چکا تھا، اور یہ امید تھی کہ اس کے ساتھ بغاوت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا، لیکن اس کے جانشین عبد المومن نے سلسلہ جنگ کا

(۱) المقری نے علی بن تاشفین کی تقریباً ۳۷ سالہ حکومت کے واقعات کو دو سطروں میں ختم کر دیا ہے مگر قرطاس میں اس عہد کے واقعات نہایت شرح وبسط کے ساتھ درج ہیں۔ اس کتاب کا، پادری مورا نے عربی سے زبان پرتگال میں ترجمہ کیا تھا۔ پادری موصوف نے اس کتاب کے مصنف کا نام عبد الحلیم غرناطی بتایا ہے جو بالکل غلط ہے، ابن خلدون ودیگر عربی مورخین سے یہ بخوبی ثابت ہے کہ قرطاس کا مصنف ابن ابی زرع ہے جو فاس کا رہنے والا تھا۔ قرطاس میں اکثر مقامات وغیرہ کے نام غلط پائے گئے اس ہی وجہ سے المقری کے مختصر واقعات پر اکتفا کیا گیا۔

(۲) (علی بن) یوسف بن تاشفین خاندان المرابطین سے تھا۔

اُسی طرح جاری رکھا۔ تاشفین نے اوائل میں ان باغیوں کو کئی بار شکست دی، مگر سنہ ۵۳۹ھ م سنہ ۱۱۴۴ء میں تلمسان کے قریب سخت معرکہ آرائی کے بعد تاشفین ہزیمت پاکر وہران چلا آیا، اور یہاں مُتَحَصِّن ہوگیا۔ جب کوئی صورت نجات کی نظر نہیں آئی، تو یہ اپنے چند خاص جان نثاروں کے ساتھ بتاریخ ۲۷/رمضان سنہ ۵۳۹ھ رات کے وقت گھوڑے پر سوار ہوکر، دریا کی طرف اس غرض سے روانہ ہوا، کہ اگر موقع ملا تو اندلس چلا جائے، لیکن اس کی عمر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا، مع گھوڑے کے ایک عمیق خندق میں گر پڑا۔ صبح کو اس کی نعش وہاں پڑی ہوئی ملی۔

ابراہیم کی تخت نشینی اور اس کا قتل

اس واقعہ کے بعد تاشفین کا بیٹا ابواسحاق ابراہیم تخت پر بیٹھا۔ ادھر عبدالمومن سنہ ۵۴۰ھ میں تلمسان اور سنہ ۵۴۱ھ میں فاس کو فتح کرتا ہوا مراکش کی طرف آیا، اور اس شہر کا محاصرہ کرلیا۔ ماہ شوال سنہ ۵۴۱ھ م سنہ ۱۱۴۷ء میں عبدالمومن کو فتح حاصل ہوئی اور ابراہیم گرفتار اور قتل ہوا۔

عیسائیوں کی شکست اور اذفونش کا قتل

جس زمانہ میں مغربُ الاقصیٰ میں المرابطین اور موحدین میں خانہ جنگی برپا تھی، اندلس میں عیسائی مسلمانوں کی تباہی اور بربادی میں ہمہ تن مصروف، اور قرطبہ کی ـــــ جواب صرف نام ہی کا دارالسلطنت رہ گیا تھا ـــــ دیواروں تک آپہنچے تھے۔ اذفونش بن ردمیر نے علاقہ ارغون میں قلعہ فراجہ کو گھیر لیا تھا۔ سنہ ۵۲۸ھ م سنہ ۱۱۳۴ء میں ابن غانیہ[1] لشکر مرابطین لے کر اس قلعہ کی مدد کے لئے دوڑا، اور عیسائیوں کو شکست اور اذفونش کو قتل کرکے مسلمانوں کو قید سے رہا کیا۔

(۱) یحییٰ بن علی ابن غانیہ ـــــ اسے تاشفین نے اندلس کا والی مقرر کیا تھا۔

افریقہ میں مرابطین کا انحطاط اور اندلس پر اس کا اثر

ناظرین کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یوسف بن تاشفین کے زمانۂ حکومت میں المرابطین کی حکومت اس ملک میں پورے طور پر قائم ہو چکی تھی، اور سَیر بن ابی بکر نے تمام ریاستہائے اندلس کو بکمال محنت و جانفشانی اپنے بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار بنا دیا تھا۔ لیکن ابراہیم کے قتل کے بعد مرابطین کی حکومت میں انحطاط پیدا ہونے لگا، اور الموحدین کی قوت میں روز بروز ترقی ہوتی گئی۔

افریقہ کے ان واقعات سے اندلس کا متاثر ہونا لازمی تھا، اس انحطاط کے ساتھ طوائف الملوکی کے آثار اس ملک میں پھر ظاہر ہونے لگے۔ تاشفین اور ابراہیم کے قتل کی خبر پا کر جس طرح کہ حکومت بنی امیہ کے چھوٹے بڑے حاکم اور جاگیردار اپنے اپنے صوبوں اور جاگیروں میں خود مختار بن بیٹھے تھے، اسی طرح اب بھی ہر شخص خود مختاری کا دعوی کرنے لگا[1]۔ قرطبہ میں ابن احمدین اور غرناطہ میں میمون اللمطونی اور بَلَنسِیَہ میں ابن مردنیش الجذامی[2] وغیرہ نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، چونکہ یہ سب المرابطین کے علاوہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ المرابطین کے بعد الموحدین اس ملک پر بآسانی مسلط ہو گئے۔

موحدین کا اندلس پر تسلط

ماہ ذی الحجہ سنہ ۵۴۱ھ م سنہ ۱۱۴۷ میں عبدالمومن سردار الموحدین نے ابوعمران موسیٰ بن سعید کو اس ملک کی تسخیر کی غرض سے بھیجا۔ اس امیر نے جزیرۂ طریف اور قرب

(۱) اس دوسری طوائف الملوکی کو جملہ عرب مؤرخین ''الفتنة الثانیہ'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ المرابطین کا زمانہ حکومت سنہ ۴۸۳ھ م سنہ ۱۰۹۰ء لغایت سنہ ۵۴۱ھ م سنہ ۱۱۴۷ء سمجھنا چاہئے۔ (۲) اس امیر کے حالات صفحہ ۳۶۲ اور ۳۶۳ پر مذکور ہیں۔

وجوار کے مقامات پر قبضہ کیا۔ دوسرے سال مالقہ اور اشبلیہ فتح ہوگئے، اس کے تین سال بعد قرطبہ [1] کے قلعہ پر الموحدین کا علم نصب کیا گیا۔ سنہ ۵۴۶ھ [2] م سنہ ۱۱۵۱ء میں عبدالمومن بذات خود اندلس آنا چاہتا تھا، اور قصر عبدالکریم میں اپنی فوج کا معائنہ کررہا تھا کہ مشرقی افریقہ سے ایسی وحشت ناک خبریں پہنچیں، کہ اس نے اپنے ارادہ کو مجبوراً ملتوی کیا، اور اپنے بیٹے ابوسعید کو المریہ جہاں عیسائی برسرِ فساد تھے بھیجا۔

شہر مرِیَّہ کا تعارف

المریہ ایک نہایت خوش وضع اور وسیع شہر بحر متوسط کے کنارے پر واقع، اور اُس زمانہ میں نہ صرف مشہور تجارت گاہ تھا، جہاں افریقہ اور مصر اور شام سے تُجّار مال لاکر بیچا کرتے تھے، بلکہ بزمانۂ خلفائے بنی امیہ اندلس کی بحری قوت کا مرکز مانا جاتا تھا۔ اس کا بلند اور مستحکم قلعہ تمام بہترین جدید عربی اختراع شدہ بحری آلات حرب سے آراستہ کیا گیا تھا، اور یہیں سے جنگی جہاز تیار ہوکر عیسائیوں کے مقابلے کے لئے جایا کرتے تھے۔ یہاں کے مٹی کے برتن اور گلاس اور ریشمی کپڑے ہر وضع اور رنگ کے اور دیگر کارخانہ جات دور دور مشہور تھے۔ چونکہ اس کے مضافات نہایت سرسبز و شاداب اور آب وہوا بہ نسبت دوسرے مقامات کے معتدل اور خوشگوار تھی، عرب یہاں کی سکونت بہت پسند کرتے تھے۔

اوفونش ثانی کا المرِیَّہ پر قبضہ

سنہ ۵۴۲ھ م سنہ ۱۱۴۷ء میں السلطان یعنی اوفونش ثانی قومس طلیطلہ المریہ کی طرف متوجہ

(۱) ابن خلدون مظہر ہے کہ اس زمانہ میں ابن غانیہ منجانب المرابطین قرطبہ پر حکمران تھا، ابن غانیہ نے بمعاوضہ شہر جیان قرطبہ اور قرمونہ کو عبدالمومن کے سالار سپہ کے حوالہ کردیا تھا، اور بعد ازاں الموحدین کا طرف دار بن کر میمون اللمطونی حاکم غرناطہ کو بھی الموحدین کی اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا مگر اس امیر نے صاف انکار کردیا اور بغاوت کو بدستور جاری رکھا۔ ابن غانیہ نے سنہ ۵۴۳ھ م سنہ ۱۱۴۹ء میں انتقال کیا۔ (۲) چونکہ عبدالمومن خود نہ جاسکتا تھا اس لئے ابوحفص کو بیس ہزار سپاہ کے ساتھ اندلس بھیجا تھا۔ صفحہ ۳۶۲۔

ہوا، اور باِمداد اہل جنوآ(۱) خشکی اور تری دونوں طرف سے المریہ کو گھیر لیا، رؤسائے عرب میں بلحاظ قوت وشرف ابن مردنیش رئیس بلنسیہ اس قابل تھا کہ وہ اس بے نظیر مقام کو عیسائیوں سے بچائے، لیکن چونکہ اوفونش نے اس کو پہلے ہی ہموار کرلیا تھا۔ ابن مردنیش بیٹھا ہوا تماشا دیکھتا رہا، تا اینکہ بتاریخ ۲۰ر جمادی الاولیٰ سنہ ۵۴۲ھ م سنہ ۱۱۴۷ء بروز جمعہ عیسائی اس شہر پر قابض ہو گئے۔

قوت واہمہ کی نحوست

مثل دیگر اقوام مشرق کے عربوں میں بھی قوت واہمہ بدرجۂ غایت موجود تھی، قصہ اور کہانی وہ کیسی ہی خلاف عقل کیوں نہ ہو فوراً باور کر لیتے تھے، بالخصوص جب کبھی کوئی سخت آفت ناگہانی سر پر آتی تھی، اور اس کا دفعیہ ان سے ممکن نہ ہوتا تھا، تو یہ اپنی قوت واہمہ (۲) کے ذریعہ سے ایسی باتیں پیدا کر لیتے تھے، جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کارکنانِ قضا و قدر کو ان کا تنزل منظور ہے، اور صبر وشکر کے ساتھ ہر قسم کے صدمے برداشت کر لیتے تھے۔

سچے صبر وشکر کے ساتھ اچھی اور بُری دونوں حالتوں میں راضی برضائے الٰہی رہنا اسلام کی ایسی تعلیم ہے، کہ جس میں مسلمانوں کے متحیر العقل عروج کا راز سربستہ ہے۔

مگر وہم بدترین قسم کا مالیخولیا ہے، جس سے انسان کا دل ودماغ معطل محض ہو جاتا ہے، اور جس کے منحوس اثر سے ہم ہر آنے والی آفت کو ایک امرِ لَدُنی تصور کر کے، اس کے رفع کرنے کی بالکل کوشش نہیں کرتے، چنانچہ نہایت وثوق کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، کہ جنگ المریہ کے دو سال قبل یہاں تک کہ سنہ کا بھی تعین کر دیا گیا ہے یعنی سنہ ۵۴۰ھ

(۱) اطالیہ کے ساحل پر واقع اور مشہور مقام ہے۔

(۲) سنہ ۹۳۲ھ م سنہ ۱۵۲۶ء میں جنگ پانی پت میں جب سلطان ابراہیم لودی بغرض مقابلہ بابر کا سد راہ ہوا، ہنود نجومیوں کی اس پیشین گوئی سے کہ دن اچھے نہیں ہیں۔ باوجودیکہ بابر کے ساتھ صرف بارہ ہزار فوج تھی اور اس کی سپاہ دس حصہ زیادہ ہوگی۔ محض ناکامیابی کے خیال نے ابراہیم کی قوت ارادی کو مٹا دیا تھا۔

میں ایک شخص ساکن المریہ ابو مروان بن ورد نے یہ وحشت ناک خواب دیکھا کہ:

''ایک طویل القامت معمر آدمی نے پیچھے سے آکر اس کے دونوں شانوں کو مضبوط پکڑا، اور اس زور سے اس کو ہلایا جیسے بلّی چوہے کو جھنجھوڑتی ہے، قریب تھا کہ مارے خوف کے اس کا دم نکل جائے، اور پھر اس کو ان اشعار کے پڑھنے کا حکم دیا''

أَلَا أَيُّهَا الْمَغْرُوْرُ وَيْحَكَ لَاتَنَمْ ۞ فَلِلّٰـهِ فِي ذَا الْخَلْقِ أَمْرٌ قَدِانْبَهَمْ

فَلَا بُدَّ أَنْ يُزْرُوْا بِأَمْرٍ يَسُوْءُ هُمْ ۞ فَقَدْ أَحْدَثُوْا جُرْمًا عَلٰى حَاكِمِ الْأُمَمْ

① سن اے دھوکہ خوردہ! تیرا ناس ہو، مت سو، کیونکہ اللہ کے لئے اس مخلوق کے بارے میں ایک ایسا امر ہے جو یقیناً غیر واضح ہے۔

② پس ضروری ہے کہ یہ لوگ ایسی مصیبت میں مبتلا کئے جائیں جو ان کو غمزدہ کردے کیونکہ انھوں نے حاکم اُمم کے خلاف جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

یہ خواب ہولناک فوراً اس حصہ ملک میں مشہور ہو گیا، اور سب نے بایں خیال کہ قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے، ردّ بلا کی مطلق کوشش نہیں کی، اور اپنی پست حوصلگی سے ملک کھو بیٹھے۔

ابن جیش کی تحقیق سے اوفونش کا خوش ہونا

عبد الرحمٰن[1] محمد بن عبد اللہ بن یوسف الملقب بہ ابن جیش کا بیان ہے کہ جس وقت عیسائی المریہ میں داخل ہوئے، تو میں اُن کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، میں نے اُس سے کہا کہ تیرا سلسلہ ہرقل بادشاہ قسطنطنیہ سے ملتا ہے، اور اُس کے استفسار پر میں نے اُسی وقت اپنے بیان کو ثابت کر دیا، اس میری تحقیق پر اوفونش نہایت مسرور ہوا، اور حکم دیا کہ ابن جیش مع جملہ متعلقین کے بلا اخذ خراج رہا کر دیا جائے۔

(۱) یہ ایک نامی مؤرخ تھا اس نے متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں منجملہ ان کے ایک کتاب جو اس نے فتح اندلس کے باب میں لکھی تھی اسپین کے مشہور کتب خانہ میں اس وقت موجود ہے۔

قرطبہ پر موحدین کا تسلط

اوفونش ثانی قومس طلیطلہ نے سنہ ۵۴۵ھ مطابق سنہ ۱۱۵۰ء میں بہ ہمراہی چالیس ہزار سوار قرطبہ کا محاصرہ کیا۔ قریب تھا کہ بوجہ فاقہ کشی حاکم شہر [1] اس دارالسلطنت اندلس کو عیسائیوں کے حوالہ کردے، مگر عین وقت پر عبدالمومن نے یحییٰ بن میمون کو مع بارہ ہزار سوار نبرد آزمودہ شہر کی مدد کے لئے بھیجا۔ اوفونش یحییٰ کے آنے کی خبر پاتے ہی شہر کے سامنے سے ہٹ آیا، اور قرطبہ الموحدین [2] کے دائرۂ حکومت میں شریک کرلیا گیا۔ یحییٰ کچھ فوج بغرض انتظام وحفاظت یہاں چھوڑ کر افریقہ واپس ہوگیا۔

المریہ پر موحدین کا قبضہ

عبدالمومن نے سنہ ۵۴۶ھ میں اپنے بیٹے ابوحفص کو بیس ہزار فوج کے ساتھ اندلس روانہ کیا۔ اس امیر نے میمون [3] والیٔ غرناطہ اور ابن ہمشک کے ورغلانے پر ابن مردنیش [4] سے جنگ کا قصد کیا۔ ابن مردنیش، عیسائی قومس برشلونا سے مدد کا خواستگار ہوا۔ قومس مذکور نے دس ہزار فوج امداداً بھیج دی۔ ابوحفص یہ سن کر بجائے مردنیش کے المریہ کی طرف متوجہ ہوا، مگر بوجہ قلت سامان وافواج ناکام اشبیلیہ چلا آیا۔

ابوعبداللہ محمد بن مردنیش [5] ایک نامی سپاہی سعد کا بیٹا تھا۔ بچپنے ہی سے اس کی طبیعت فن سپہ گری کی طرف بدرجہ غایت مائل تھی۔ سعد شہر فراجہ کا حاکم تھا، اور اس ہی کی محنت وجرأت سے عربوں کو محاربۂ فراجہ میں فتح عظیم [6] نصیب ہوئی تھی۔ ابن

(۱) ابن غانیہ منجانب المرابطین حاکم تھا دیکھو ص: ۳۵۹ حاشیہ (۱) (۲) پہلا حملہ الموحدین کا بزمانۂ عبدالمومن سنہ ۵۴۱ھ مطابق سنہ ۱۱۴۷ء میں ہوا تھا دیکھو صفحہ ۳۵۸ (۳) اللمطونی صفحہ ۳۵۸ (۴) الجذامی صفحہ ۳۵۸ (۵) المقری نے تحریر کیا ہے کہ یہ امیر بلنسیہ میں حکمراں تھا۔ جس پر سنہ ۵۴۲ھ میں اوفونش نے قبضہ کرلیا تھا پس سنہ ۵۴۶ھ میں یہ مرسیہ کا رئیس ہوگا۔ دیکھیں صفحہ ۳۵۹ اور ۳۶۰ (۶) اس جنگ کا ذکر پہلے آچکا ہے جس میں اوفونش ابن ردمیر قتل ہوا تھا۔ سنہ ۵۲۸ھ م سنہ ۱۱۳۴ء دیکھیں صفحہ ۳۵۷۔

عیاض رئیس مرسیہ نے جو ابن مردنیش کو بہت عزیز رکھتا تھا اپنا داماد بنا کر بلنسیہ کی حکومت اس کے سپرد کی تھی۔ ابن عیاض کے انتقال کے بعد ابن مردنیش نے مرسیہ اور جیان اور باجہ پر بھی قبضہ کیا، اور ہر موقع پر الموحدین کی ترقی کا مانع ہوتا رہا۔

سنہ ۵۴۶ھ میں ابو حفص اور ابو سعید۔ عبد المومن[1] کے بیٹوں نے المریہ کا محاصرہ کیا۔ ابن مردنیش اس وقت کو غنیمت اور ان لوگوں کو عیسائیوں کے ساتھ جنگ میں مشغول پا کر پشت پر سے دفعۃً حملہ آور ہوا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ تمام دنیا اس خلاف شجاعت حرکت پر لعن طعن کرتی ہے۔ شرم وحیا اس کی دامن گیر ہوئی، اور یہ فوراً اپنے ارادہ سے دست کش ہو گیا۔ اُدھر عیسائی جو مردنیش کی اس غیر متوقع حمایت سے خوش ہو رہے تھے، اس کو میدان جنگ سے ہٹتے دیکھ کر اس تصور سے کہ کسی تازہ دم فوج مخالف کی آمد مردنیش کی پسپائی کا باعث ہوئی ہے، ایسے خوف زدہ ہوئے کہ المریہ کو ابو حفص و ابو سعید کے حوالہ کر دیا۔

عبد المؤمن کا اندلس آنا اور پورے ملک کا دورہ کرنا

سنہ ۵۵۵ھ مطابق سنہ ۱۱۶۰ء میں جب عبد المومن بن علی نے تمام مغرب الاقصیٰ کو مع شہر مہدیہ[2] و دیگر بندرگاہوں کے فتح کر لیا، بذاتِ خود اندلس کی طرف متوجہ ہوا۔ جبل الطارق پہنچ کر اس تاریخی پہاڑ کے ایک حصہ پر بطور یادگار اس نے اپنے تیار کردہ نقشہ کے مطابق جدید قلعہ تعمیر کیا، اور اس مقام کو جبل الفتح، اور قلعہ کو مدینۃ الکبریٰ کے نام سے موسوم کیا۔ تعمیر کا کام مشہور معمار اور ریاضی داں حاجی یعیش کے سپرد تھا۔ اس نامی معمار نے پہاڑ پر پانی چڑھانے کی ہوائی کَل ایجاد کی تھی، جس کے ذریعہ سے قلعہ میں پانی بآسانی پہنچ جاتا تھا۔ عبد المومن نے نہایت احتیاط کے ساتھ تمام

(۱) اصل میں صرف ''المومن'' ہے، ''عبد'' کا اضافہ بندہ نے کیا ہے (محمد امین)

(۲) اس پر اہل جزیرۂ صقلیہ سنہ ۵۴۳ھ م سنہ ۱۱۴۸ء سے قابض تھے۔

ملک مفتوحہ کا دورہ کیا، اور پھر ابو سعید کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے افریقہ واپس چلا آیا۔

ابو سعید کی ہزیمت اور ابو حفص کا قتل

اس کے ایک سال بعد سنہ ۵۵۶ھ میں جبکہ ابو سعید افریقہ میں اپنے باپ کے ہمراہ بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا، اس کو اطلاع ہوئی کہ ابراہیم ابن ہمشک نے قابو پا کر غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ ابو سعید فوراً اپنے بھائی ابو حفص (۱) کو ساتھ لے کر اندلس پہنچا، لیکن ابن ہمشک کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا، ابو حفص قتل ہوا، اور یہ خود ہزیمت خوردہ مالقہ بھاگ آیا۔

عبد المؤمن کا دوبارہ اندلس آنا

عبد المومن (۲) کو جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی، سلطان نے آغاز سنہ ۵۵۷ھ میں اپنے بیٹے ابو یعقوب کو فوجی افسر شیخ ابو یوسف بن سلیمان کے ہمراہ ابو سعید کی مدد کے واسطے بھیجا، اور یہ سب غرناطہ کے قریب مقام دُلیر پر خیمہ زن ہوئے، اُدھر ابن مردنیش اپنے عزیز ابن ہمشک کا شریک حال تھا۔ شہر کے قریب ایک دوسری جنگ واقع ہوئی جس میں الموحدین کامیاب ہوئے، ابن مردنیش ناکام جیّان کی طرف پسپا ہوا، اور ابن ہمشک سے کچھ ایسا بیزار ہوا کہ اپنی زوجہ یعنی ابن ہمشک کی بیٹی کو طلاق دیدی۔ ابن ہمشک نے الموحدین سے مجبوراً صلح کر لی، مگر ان باہمی تنازعات کا سلسلہ ختم نہ ہو سکا، اور بالآخر عبد المومن کو خود بہ جمعیت تین لاکھ سنہ ۵۵۸ھ م سنہ ۱۱۶۳ء میں اندلس آنا پڑا۔

عبد المومن کا انتقال اور یوسف اول کی تخت نشینی

یہاں ایک لاکھ اسّی ہزار آدمی برضا و رغبت خود جہاد کی نیت سے اُس کی فوج میں شریک ہوئے، لیکن عبد المومن کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا۔ قبل اس کے کہ یہ اپنے ارادے کو پورا کرے، ماہ جمادی الثانی سنہ ۵۵۸ھ بروز

(۱) اصل میں ''ابو محمد ابو حفص'' ہے (محمد امین) (۲) اصل میں ''عبد المومن'' کے بجائے ''المومن'' ہے (محمد امین)

جمعہ انتقال کر گیا، اور ابو یعقوب یوسف تخت نشین ہوا۔ سرزمین اندلس نے اسے ایسا گرویدہ کیا تھا کہ افریقہ کے انتظام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہی مستقل قیام کے ارادہ سے یہ سنہ ۵۶۶ھ م سنہ ۱۱۷۰ء میں دس ہزار فوج کے ساتھ یہاں آیا، اور اشبیلیہ کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔

عیسائیوں کا یوسف اول سے مرعوب ہونا اور اس کا انتقال

ابن سوارنک[1] قومس قلمریہ نے اندلس کے مغربی حصے کی جانب شر وفساد برپا کر رکھا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے الموحدین اور المرابطین کی خانہ جنگیوں کو غنیمت جان کر سنہ ۵۵۴ھ میں باجہ، اور ماہ جمادی الثانی سنہ ۵۶۰ھ مطابق سنہ ۱۱۶۴ء میں ترجالہ[2]، اور ماہ ذیقعدہ سنہ الیہ (اسی سنہ) میں یابورہ[3] اور سنہ ۵۶۱ھ مطابق سنہ ۱۱۶۵ء میں قاصرش[4] اور ماہ جمادی الاولیٰ سنہ صدر میں منتانجش[5] اور شنترین[6] اور جلمانیہ[7] پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا تھا۔ مگر جب اس عیسائی نے یوسف کے اشبیلیہ آنے کی خبر سنی خوف زدہ قلعہ بند ہو گیا۔ ابن مردنیش بھی ایسا مرعوب ہوا کہ مرسیہ میں خاموش جا بیٹھا، اور اس کے انتقال کے بعد اس کی اولاد نے یوسف کی اطاعت قبول کر لی۔ یوسف؛ ابن مردنیش کے بیٹوں کے ساتھ بکمال مراعات پیش آیا۔ یوسف نے سنہ ۵۸۰ھ م سنہ ۱۱۸۴ء تک اندلس پر حکومت کی۔ عیسائی بھی ایک حد تک اس سے مرعوب رہے۔ سنہ مذکور میں جب کہ یہ قلعۂ شنتریں کی تسخیر کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے انتقال کیا، اس کی فوج لاش کو شہر اشبیلیہ[8] لے آئی۔

(۱) یعنی الفانزو انریکیز جو بقول ابن صاحب الصلوٰۃ قلمریہ کا جس کو اب کویمبرا کہتے ہیں حاکم تھا۔ (۲) ترکسلو انگریزی میں کہتے ہیں۔ (۳) انگریزی میں ابورا کہتے ہیں۔ (۴) کازیریز کہتے ہیں۔ (۵) مانتانچیز کہتے ہیں۔ (۶) اس کو انگریزی میں سنٹ آئبیرین کہتے ہیں۔ (۷) جرینا کہتے ہیں۔ (۸) ابن زرع مصنف قرطاس کو المقری سے اختلاف ہے۔ ابن زرع کا بیان ←

المنصور باللہ کی تخت نشینی اور عیسائیوں کی شکست فاش

ابو یعقوب کے انتقال کے بعد اس کا نامور بیٹا ابو یوسف المنصور باللہ تخت نشین ہوا۔ سنہ ۵۸۵ھ مطابق سنہ ۱۱۸۹ء میں اس نے اندلس کے مغربی حصے کو عیسائیوں کے شر وفساد سے پاک کیا۔ اور اشبیلیہ ہوتا ہوا مراکش چلا گیا، مگر دوسرے ہی سال (سنہ ۵۸۶ھ) یہ سن کر کہ عیسائیوں نے مقام شلب [1] پر قبضہ کرلیا ہے، المنصور کو پھر اندلس آنا پڑا۔ اوفونش ثانی قومس طلیطلہ نے قلعہ مذکور خالی کر کے صلح کی درخواست کی، سلطان نے مصلحتاً اس شرط کو منظور کرلیا کہ پانچ سال تک فریقین ایک دوسرے کے ملک پر حملہ نہ کریں گے۔

یہ بھی ایک دفع الوقتی تھی، اس لئے کہ پانچ سال کے بعد عیسائی بغیر وجہ فوج کثیر کے ساتھ آمادہ بہ پیکار سرحد اشبیلیہ میں داخل ہوئے، چنانچہ بمقام الارک بطلیوس کے حدود میں ایک سخت جنگ واقع ہوئی۔ المنصور عیسائیوں کی عادت سے بخوبی واقف اور جانتا تھا کہ سب سے پہلے یہ لوگ میری قیام گاہ پر حملہ آور ہونگے، اس لئے شیخ یحییٰ بن ابی حفص کو اپنے خیمہ میں قیام کا حکم دیا، اور خود اس امیر کے خیمے میں چلا آیا، چنانچہ بتاریخ ۹ر شعبان سنہ ۵۹۱ھ م سنہ ۱۱۹۵ء [2] بروز پنجشنبہ اوفونش نے اُسی طرف تمام فوج سے حملہ کیا۔ جہاں بادشاہ کا علم ہوا میں لہرا رہا تھا۔ ادھر سے المنصور اپنی خاص سپاہ کے ساتھ ان عیسائیوں پر آگرا۔ دیر تک جنگ شدید ہوتی رہی۔ بالآخر عیسائی ایک لاکھ چھیالیس ہزار میدان جنگ میں مردہ، اور تیس ہزار کو بندو قید میں چھوڑ کر جس طرف منہ

← ہے کہ یوسف ابو یعقوب شنترین سے واپسی کے وقت نہر تاجہ دریائے ٹیگس کے کنارے پر فوت ہوا تھا۔ قرطاس کے یہ الفاظ ہیں: وَكَانَتْ وَفَاتُهُ بِنَهْرِ تَاجَه فِي قُفُوْلِهِ مِنْ غَزْوَةِ شَنْتَرِيْنَ عَلَى ظَهْرِ دَابَّتِهِ ـــــ شنترین کو انگریزی میں سنٹرم کہتے ہیں۔

(۱) اس کو شلویز کہتے ہیں اور صوبہ الغرب میں واقع ہے۔

(۲) اصل میں سنہ عیسوی '' ۱۱۹۱ '' ہے (محمد امین)

اٹھا۔ بھاگ نکلے۔ ایک لاکھ پچاس ہزار خیمے، اور اسّی ہزار گھوڑے، اور ایک لاکھ خچر، اور چار لاکھ بار برداری کے گدھے، اور ساٹھ ہزار مختلف وضع کے زرہ بکتر، اور بہت کچھ زر و جواہر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ مال غنیمت کو المنصور نے اپنی فوج میں تقسیم کر دیا۔

المنصور کی رحم دلی اور بے نظیر فیاضی

اوفونش ثانی اپنی باقی ماندہ فوج کے ساتھ قلعہ رباح[1] میں پناہ گزیں ہوا۔ لیکن المنصور نے اس کو پھر فرصت کا موقع نہ دیا۔ اور تعاقب کناں قلعہ کو گھیر لیا۔ اور چند روز کے محاصرے کے بعد اُس پر قابض ہو گیا۔ اوفونش جان بچا کر پریشان حال طلیطلہ آیا۔ اور اِس شدید شکست کے غم و غصہ میں سر اور ڈاڑھی منڈوا کر صلیب کو اٹھالیا اور قسم کھائی کہ ''جب تک اِن ہزاروں مقتولوں کا انتقام نہ لےلونگا عیش و آرام مجھ پر حرام''

ادھر المنصور کو جب معلوم ہوا کہ یہ چالاک عیسائی دام سے نکل بھاگا، تو یہ بھی بلا توقف اس کے پیچھے روانہ ہوا، اور طلیطلہ کے قریب اوفونش کو دوبارہ شکست دے کر بذریعہ الرعدات[2] شہر کی مستحکم دیواروں پر سنگین پتھر برسانے شروع کئے، قریب تھا کہ یہ مشہور مقام بھی بضرب شمشیر مسخر ہو جائے مگر عین وقت پر اوفونش کی ماں مع اس کی بیوی اور بچوں کے سر برہنہ روتی ہوئی المنصور کے سامنے آئی، اور اس قدر آہ وزاری سے اپنے بیٹے کی معافی کی خواستگار ہوئی، کہ امیر جس نے میدانِ جنگ میں خون کے دریا بہادیئے تھے، عورتوں کے اضطراب سے ایسا متاثر ہوا کہ جنگ کو موقوف کر کے ان کے ساتھ بکمال شفقت پیش آیا۔ بہت کچھ زر و زیور دے کر ان کو رخصت

(۱) اس کو انگریزی میں کالٹراوا کہتے ہیں۔ (۲) قلعہ شکن آلات کو عرب ''الرعدات'' کہتے تھے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان آلات سے مثل توپ کے آواز پیدا ہوتی تھی ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں اسی نام سے توپوں کو موسوم کیا ہے۔

کیا[1]، اور خود قرطبہ چلا آیا۔

المنصور باللہ کا انتقال

یعقوب المنصور نے چودہ سال گیارہ مہینے کی حکومت کے بعد مراکش میں ربیع الاول سنہ ۵۹۵ھ مطابق سنہ ۱۱۹۹ء میں بروز جمعہ انتقال کیا۔ اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ جہاد کرنے میں گزارا۔ اِس کے اکثر معاصرین محض اس کی امداد کے حاصل کرنے کے واسطے باعلان جہاد نصاری کے ساتھ جنگ کا ارادہ کرتے تھے۔ اور یہ فوراً ان کا شریک حال ہوجایا کرتا تھا۔ چنانچہ سنہ ۵۸۷ ہجری میں بزمانہ جنگِ صلیب فلسطین سے سلطان صلاح الدین بن ایوب نے اپنے خاص سفیر ابن منقد کو اس ہی غرض سے اندلس روانہ کیا تھا۔ مگر المنصور نے صرف اس بات پر کہ نامہ میں امیر المومنین نہیں لکھا تھا۔ شرکتِ جنگ سے انکار کردیا۔ تاہم ابن منقد[2] کی جو کہ اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا بہت خاطر و مدارات کی، اور چالیس اشعار کے قیصدے کے صلہ میں چالیس ہزار درہم سُرخ دے کر یہ کہا کہ ''یہ میں تجھ کو اس لئے نہیں دیتا کہ تو صلاح الدین کا سفیر ہے، بلکہ تیری لیاقت و کمال کا

(۱) یہی واقعات ہیں جن سے مسلمانوں کی رحم دلی اور بے نظیر فیاضی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اِس واقعہ کے تقریباً چھ سو برس بعد سنہ ۱۷۱۱ء میں ترکوں نے اپنے ایک دشمن جانی اور ایمانی کی اُس کی بی بی کی الحاح وزاری پر جاں بخشی کی تھی، وھو ہذا (اور وہ یہ ہے) بعہد حکومت سلطان بایزید ثالث اس کے وزیر اعظم محمد پاشا نے پیٹر اعظم شہنشاہ روس کو جس کا خاندان گزشتہ یورپ کی جنگ عظیم میں سنہ ۱۹۱۷ء میں تباہ ہوا مع فوج دریائے پروتہ کے کنارے پر گھیر لیا۔ اور قریب تھا کہ پیٹر مع لشکر گرفتار ہوجائے، ایسے نازک وقت پر محض پیٹر کی زوجہ ملکۂ کتھرین کی آہ و فریاد پر ترکوں نے باوجود قوت و غلبہ کے زار روس کو رہا کردیا —— اس واقعہ اور المنصور کے واقعہ میں صرف فرق اتنا ہے کہ ترکوں نے بِاَخذِ زر جس کی بمقابلہ جان اور فتح عظیم کچھ حقیقت نہیں اپنے ایسے دشمن کو معاف و رہا کیا، اور المنصور نے زر لینا ایک طرف، خود عورتوں کو زیور سے مالا مال کردیا تھا، دیکھو ''تاریخ ترک'' مصنفہ سر اڈورڈ کریزی موسومۂ بہ ''آٹومن ترکس'' باب ۱۸ ص: ۳۲۳۔

(۲) یہ اندلس سے سنہ ۵۸۸ھ م سنہ ۱۱۹۲ء میں ملک شام واپس ہوا تھا۔

ایک ادنیٰ صلہ ہے"

محمد الناصر لدین اللہ کی تخت نشینی، جنگ عقاب اور عربوں کی شکست فاش

المنصور کے بعد اِس کا بیٹا ابو عبد اللہ محمد ناصر لدین اللہ تخت حکومت پر متمکن، اور سنہ ۶۰۹ ھ مطابق سنہ ۱۲۱۲ء میں چھ لاکھ فوج لے کر بعزم جہاد اندلس آیا۔ مؤرخین اِس کی ذہن کی رسائی اور بیدار مغزی کی تعریف کرتے ہیں، لیکن مسلمانوں کی شومیٔ قسمت کا کوئی تماشہ دیکھے کہ جبل الطارق کے دامن میں جب اُس نے اپنی فوج کا معائنہ کیا، اور اس کے جانباز سپاہی اپنے امیروں کی سرکردگی میں اس کے روبرو سے گزرے، اپنی سپاہ کی غیر معمولی فراوانی اور شوکت اور عیسائیوں کی بے بضاعتی اور بدحواسی کے خیال سے اِس کے دل و دماغ کو غرور کے نشہ نے اِس درجہ مختل کیا۔ کہ اِس نے معمولی سے معمولی احتیاط کو بھی ترک، اور تجربہ کاران اہل اندلس کی رائے اور مشورہ پر بالکل التفات نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ العقاب میں عربوں کو ایسی شکست فاش ملی، کہ چھ لاکھ مسلمانوں میں سے صرف چند ہزار زندہ بچے [1]۔ شہداء کی لاشوں کے ساتھ مسلمانوں کی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں۔

جنگ عقاب کا نتیجہ اور ناصر ناشاد کا انتقال

افریقہ کے قصبے کے قصبے اجڑ گئے، اور پھر ایک زمانۂ دراز تک فوج فراہم نہ ہو سکی۔ اندلس کی حفاظت میں بڑی دقتیں واقع ہونے لگیں، اور عیسائی سرکشوں کو پورا موقع اپنے ارادوں کے حاصل کرنے کا ملا۔ الغرض اس شکستِ عظیم

(۱) بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان چھ لاکھ آدمیوں سے صرف ایک ہزار زندہ بچے تھے۔ دیکھو المقری مصنفہ گیانگوز جلد دوم کتاب ۸، باب ۳ ص: ۳۲۳۔

کے بعد اندلس پھر نہ سنبھلا۔

الناصر ناشاد نے بمقام مراکش ماہ شعبان سنہ ۶۱۶ھ مطابق سنہ ۱۲۱۹ء میں انتقال کیا۔ تمام نامی امرائے عرب مع اپنی ہونہار اولاد جن کے ساتھ ایسے پُر آشوب زمانہ میں قوم کی امیدیں وابستہ تھیں۔ جنگ العقاب میں فنا ہو چکے تھے، صرف نو دولت۔ خود غرض اور تفرقہ انداز برسر کار تھے۔ الناصر کے جانشینوں میں کوئی ایسا نہ ہوا جو رخنہ اور فساد کا انسداد کر سکتا۔

ابو یعقوب کی وفات اور عبدالواحد کا قتل

اس کا بیٹا ابو یعقوب المستنصر جس نے اپنی عمر بداخلاقی میں گنوائی تھی۔ جلوس کے چوتھے سال مراکش میں بتاریخ ۱۲ ذی الحجہ سنہ ۶۲۰ھ مطابق سنہ ۱۲۲۳ء میں لاولد فوت ہوا، اور ڈوبتی ہوئی کشتی حکومت کا سُکّان (پتوار) اس کے باپ کے ضعیف چچا عبدالواحد بن یوسف بن عبدالمومن کے سپرد ہوا۔ اس پیر فرسودہ عقل کا انتخاب غرض آلودوں کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ پس چند ہی روز میں وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، یعنی جس صوبہ دار کو موقع ملا خود مختار بن بیٹھا۔ اس سرکشی کی ابتدا عبدالواحد کے عزیز قریب العادل بن المنصور حاکم مرسیہ سے ہوئی، عبدالواحد خود بدنہ تھا۔ لیکن بدوں کے بالکل قبضہ میں تھا۔ آخر کار تمام خوددار امراء نے مظلوم رعایا کا ساتھ دیا، اور یہ مع اپنے مشیروں کے بتاریخ ۲۱ رشعبان سنہ ۶۲۱ھ مطابق سنہ ۱۲۲۴ء مراکش میں مار ڈالا گیا۔

العادل کی گرفتاری اور یحییٰ کی تخت نشینی

حکومت کی کمزوری سے صوبجات اندلس کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ پس نصاریٰ نے قابو پاکر العادل کی چند روزہ خود مختاری کو ایک ہی یورش میں فنا کر دیا، اور یہ بدنصیب ہراساں و پریشاں اپنے بھائی ابوالاعلیٰ ادریس کو اشبیلیہ میں چھوڑ کے افریقہ بھاگ

آیا، یہاں بھی ادبار نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا، یحییٰ بن الناصر کے ساتھیوں نے بخوف سازش اس کو گرفتار کر کے یحییٰ کو تخت پر بٹھا دیا۔

ابن ہود کا اشبیلیہ پر حملہ اور موحدین کا انحطاط

یہ سن کر محمد بن یوسف بن ہود الجذامی ایک عرب امیر نے دفعۃً اشبیلیہ پر حملہ کیا۔ اور ادریس (۱) بھی اپنی جان عزیز بچا کر مراکش آ گیا۔ یحییٰ نے العادل کے ساتھ اس کو بھی نظر بند رکھا۔ بعض مقتدر اور دور اندیش امراء نے اس خاندان کے بقا کی کوشش کی، مگر حکمرانوں کی نا اہلیت کے باعث انحطاط بڑھتا گیا۔ سنہ ۶۳۳ھ مطابق سنہ ۱۲۳۵ء میں یحییٰ کے قتل کے بعد ادریس حکمراں ہوا۔

المقری نے اس کے سات سالہ دورِ حکومت کی نسبت کوئی بات قابل ذکر تحریر نہیں کی۔ صرف یہ بتایا ہے کہ سنہ ۶۴۰ھ مطابق سنہ ۱۲۴۲ء میں اس نے انتقال کیا۔ اور اس کا بھائی السعید ادریس ثانی ولایت افریقہ پر مسلط ہوا۔ جو سنہ ۶۴۲ھ میں تلمسان کے قریب جنگ میں مارا گیا۔ اس کے جانشین عمر بن ابراہیم بن عبدالمومن المرتضی باللہ نے البتہ تقریباً پچیس سال امن اور عافیت سے بسر کئے۔ علم و فن کو فروغ ہوا۔ لیکن اندلس پر تسلط حاصل نہ کر سکا۔ المرتضی باللہ سنہ ۶۶۵ھ مطابق سنہ ۱۲۶۶ء میں الواثق کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس واقعہ کے تین سال بعد سنہ ۶۶۸ھ مطابق سنہ ۱۲۶۹ء میں بعد قتل الواثق بنی مرین ریاست مراکش کو اپنے دائرہ حکومت میں لے آئے۔

ابن ہود کا تسلط اور اس کا مکر و فریب

الغرض جس وقت محمد بن یوسف بن ہود الجذامی نے ادریس المامون کو اندلس سے خارج کر دیا۔ اور افریقہ میں بنی مرین بتدریج ملک پر قابض ہونے لگے، تو اب اہل اندلس کو اپنی حفاظت کی فکر پیدا ہوئی، سب نے بالاتفاق یہ مشورہ کیا کہ:

''ہم غیروں کی ماتحتی سے نجات حاصل، اور اپنے ہم وطنوں میں سے ایسے کو منتخب

(۱) اس نے المامون کا لقب اختیار کیا تھا۔

کریں، جو سچا خیر خواہ ملک اور قوم کا ہو، اور اس ملک کو بیرونی حملوں اور اندرونی خانہ جنگیوں سے محفوظ رکھ سکے۔ ورنہ اگر یہی لیل ونہار رہا تو چند روز میں عیسائی حاکم، اور ہم محکوم ہو جائیں گے''

چونکہ اُس وقت بجز ابن ہود کے اور کوئی شخص بلحاظ قوت وثروت اس منصب کے واسطے نظر نہیں آتا تھا۔ اور اس کے ہوا خواہ مجلس شوریٰ میں شریک تھے، اس کا نام پیش اور منظور ہوا۔ یہ سرقسطہ کے چوتھے حکمراں کی نسل سے اور اپنے قبیلہ ہود کا رکن اعظم، ذی ہوش اور دوراندیش تھا۔

چونکہ اس کی نشوونما ایام غدر میں ہوئی تھی، خصلت نہایت بدپائی تھی۔ اس نے اپنی خاندانی امارت وخودداری بلکہ مذہب تک کو اپنے مذموم اغراض کی تکمیل کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ آج سے ہی نہیں بلکہ جب سے الموحدین کی حکومت میں تنزل شروع ہوا، ابن ہود نے القشی نامی ایک مشہور سفاک قزاق کی شرکت سے ہمہ قسم کے طریقے الموحدین کی بیخ کنی، اور اپنے حصول مقصد کے لئے ایجاد کئے، مثلاً اپنی نسبت فقیروں اور نجومیوں کے اقوال بطور پیشین گوئیوں کے مشتہر کئے کہ:

''بشر کی کیا مجال کہ بخلاف مشیت ایزدی کسی سلطنت کو جو اپنی عمر طبعی (۱) کو پہنچ چکی ہے قائم رکھ سکے، پس اہل اندلس کو صبر وشکر کے ساتھ جس کو خدائے تعالیٰ اپنے رسول پاک کا خلیفہ مقرر کرے، اُس کی اطاعت وفرمانبرداری بلا عذر کرلینی چاہئے''

بعض کاہنوں نے یہاں تک حکم لگایا کہ جس شخص کو منجانب اللہ یہ رتبہ حاصل ہونے والا ہے اُس کا نام محمد بن یوسف ہوگا۔ اس تدبیر نے عوام الناس پر پورا اثر کیا، اور مخلوق جوق جوق اس کی فوج میں شریک ہونے لگی، چنانچہ بمقام الصَّخرۃ (۲)

(۱) اصل میں ''طبعی'' کی جگہ ''طبیعی'' ہے (محمد امین)

(۲) ابن الخطیب نے ابن ہود کی سوانح عمری میں اس مقام کا نام الصخیرا ب بتایا ہے۔ اس شہر کا اب پتہ نہیں ملتا مگر تاریخ سے اتنا ثابت ہے کہ یہ شہر مرسیہ کے قریب واقع تھا۔

سنہ ۶۲۵ھ میں ابو العباس رئیس مریہ کو شکست دے کر نہ صرف صوبۂ مذکور، بلکہ غرناطہ۔ مالقہ اور المریہ پر مسلط ہو گیا۔

سنہ ۶۳۱ھ مطابق سنہ ۱۲۳۳ء میں غرناطہ کی رعایا کو جب اس نے اپنے سے بدظن پایا، فوراً خلیفۂ بغداد کی خدمت میں عریضہ باظہار اطاعت وعقیدت ارسال کر کے سندِ نیابت کی استدعا کی، اور جب فرمان وصول ہوا تو وہ بغرضِ اشاعتِ عام غرناطہ کی جامع مسجد میں پڑھا گیا۔ اس جلسہ میں ابن ہود بذاتِ خود بنی عباس کا لباس پہنے، اور اُن کا سیاہ نشاہ ہاتھ میں لئے موجود تھا۔ اس وقت بھی اس کا انتخاب اسی قسم کی حکمت عملیوں کا نتیجہ تھا۔ لیکن فتنہ وفریب پر جس کی امیدیں منحصر ہوں اُس کا حشر معلوم، آخر کار خاندان ہود قلیل عرصہ میں بنی نصر کے ہاتھوں برباد ہوا۔
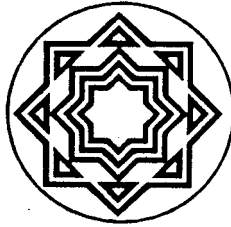
باب پنجم

بنی نصر کا عروج — محمد ابن الاحمر — اس کی فتوحات — عیسائیوں کی شکست — محمد ثانی — شانجہ کی شکست اور اُس کا قتل ہونا — محمد ثانی کا انتقال — محمد ثالث — نصر کی بغاوت — فرزند بادشاہ قسطلہ — ابوسعید — ابوالولید — اسماعیل بن ابوسعید — جنگ البیرہ — محمد چہارم — جبل الطارق پر عربوں کا قبضہ اور عیسائیوں کی شکست — یوسف — جنگ طریف — یوسف کا قتل — محمد پنجم — اسماعیل کی بغاوت — محمد ششم — محمد پنجم کا دور ثانی۔

بنی نصر کے مختصر حالات

بنی نصر کے مختصر حالات یہ ہیں کہ ابتداء میں یہ چھوٹا سا قبیلہ قرطبہ کے قریب قلعۂ ارجونہ میں آباد ہوا، زراعت اور سپہ گری ان کا پیشہ تھا۔ خالص عربی النسل ہونا ہی خاص امتیاز رکھتا تھا، اور پھر فوجی نوکری اور زمانہ کی مساعدت سے اس خاندان نے ایسی نمایاں ترقی حاصل کی، کہ الموحدین کے اخیر زمانہ میں اس کے ایک نامی فرد نصر بن یوسف کو[1] جو الشیخ اور ابن الاحمر کے لقب سے نامزد تھا، مثل دیگر امرائے عرب خود مختار حکمراں بننے کی تمنا دامن گیر ہوئی۔

ابن الاحمر کی مصلحت پسندی

ایک طرف جیسا کہ نگارش ہو چکا ہے محمد بن یوسف بن ہود نے بعد فتح مرسیہ منجانب خلفائے

(۱) اصل میں ''کو'' کی جگہ ''کے'' ہے (محمد امین)

عباسیہ سلطنت کا دعویٰ کیا۔ دوسری جانب الشیخ سنہ ۶۲۹ھ مطابق سنہ ۱۲۳۱ء میں آمادہ بہ جنگ ہوا، مگر جب سنا کہ ابن ہود نے بکمال دور بینی خلیفہ بغداد سے نیابت کا باقاعدہ وثیقہ حاصل کرلیا ہے، یہ سمجھ کر کہ اس کے عام اثر کا زائل کرنا امکان سے باہر ہے، اُسی وقت بمقتضائے مصلحت ابن ہود کی اطاعت تسلیم کرلی، مگراس شرط کے ساتھ کہ جیان اور شریش کی صوبہ داری اسی کے سپرد رہے گی۔

ابن الاحمر کا اپنے داماد کو قتل کرا دینا

شرارت اور فتنہ انگیزی میں دونوں مساوی، اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، صرف موقع ومحل کے منتظر تھے۔ اتفاقاً اسی اثناء میں ابن ہود کو اور طرف مصروف پاکر ابومروان نے دفعۃً اشبیلیہ پر یورش کی، ابن الاحمر نے فوراً بوعدۂ شرکت ابومروان کو ہموار کرلیا، اور اپنی خلوص نیت کے ثبوت میں اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردیا۔ ابومروان اپنے ابن الوقت خسر کے دھوکے میں آ کر اس کو اپنا مربی وسرپرست سمجھنے لگا۔ اور باصرار اُس کو اشبیلیہ میں مدعو کیا۔ المقّری تحریر کرتا ہے کہ عین دعوت کے روز جبکہ داماد اور بیٹی دونوں فرط محبت سے اس کے گرویدہ ہو رہے تھے، اس ظالم کو اپنی بیٹی کی خانہ ویرانی کا بھی مطلق خیال نہ ہوا۔ اور داماد کو موقع پاکر مرواڈالا۔ نیت یہ تھی کہ اشبیلیہ پر اس طرح بآسانی قبضہ کرلے، مگر یہاں ابن الاحمر کو رہنا نصیب نہ ہوا۔ رعایا کو نہ صرف متنفر بلکہ آمادہ بہ انتقام پاکر نہایت ذلت کے ساتھ ابن ہود کے پاس بھاگ آیا، اور عفو قصور کا خواستگار ہوا۔ اور باجازت جیّان چلا آیا۔

ابن الاحمر کا غرناطہ، مالقہ پر قبضہ اور فردلند سے صلح

یہاں آتے ہی اس نے پھر سازش شروع کی اور اس مرتبہ خاص غرناطہ میں امیر ابن ابی خالد کے ذریعہ سے بغاوت کرادی، ابن ہود دوسری طرف رفع شر میں مصروف تھا، اس کو اس واقعہ کی خبر اُس وقت

ہوئی جبکہ ابن الاحمر [۱] لشکر کثیر کے ساتھ غرناطہ اور مالقہ پر قبضہ کر چکا تھا۔ سنہ ۶۴۳ھ مطابق سنہ ۱۲۴۵ء میں ابن الرمیمی حاکم المریہ، اور سنہ ۶۶۳ھ مطابق سنہ ۱۲۶۴ء میں رئیس لارقہ نے اس کی اطاعت منظور کر لی۔

ابن الاحمر نے سنہ ۶۴۳ھ میں فردلند [۲] سے پھر صلح کر لی، اور جیان اس عیسائی کے حوالہ کر دیا، حالانکہ صلح کے چند ہی روز قبل اس نے حصن بلول [۳] کے قریب عیسائیوں کے دوسرے گروہ کو شکست دی تھی۔ قرطبہ، اشبیلیہ اور مرسیہ ہاتھ سے جا چکے تھے۔ فردلند عربوں کو پسپا کرتا ہوا آبنائے طارق کے قریب لے آیا تھا۔

ابن الاحمر کا اپنے بیٹے محمد کو ولی عہد مقرر کرنا، اور اس کا انتقال

سنہ ۶۶۲ھ میں اس نے اپنے بیٹے عبداللہ محمد کو ولی عہد مقرر کیا۔ اور افریقہ سے فوج بغرض جہاد طلب کی، اس لئے کہ اب کہاں عربوں میں اتنی قوت تھی کہ یہ دشمن پر خود وار کرتے، ان کی بڑی خوش قسمتی اسی میں تھی کہ یہ اس بچے ہوئے حصہ کو ان کے چنگل سے محفوظ رکھیں۔ بادشاہ افریقہ یعقوب [۴] بن عبدالحق نے اُس کی استدعا کو منظور کیا، اور تین ہزار سوار روانہ کئے، بلکہ بعد بھی حسب ضرورت فوج اور سامان سے ابن الاحمر کی مدد کرتا رہا۔ یہی غنیمت تھا کہ ملک اَغیار کی دست برد سے محفوظ رہا۔

ابن الاحمر بتاریخ ۱۵/ جمادی الثانی سنہ ۶۷۱ھ مطابق سنہ ۱۲۷۲ء عیسائیوں کی

(۱) یہی شخص ہے جس نے غرناطہ میں اُس مشہور و بے نظیر قصر الحمراء کی بنیاد ڈالی تھی جو اس وقت تک موجود ہے۔ (۲) قومس (حاکم) قسطلہ، اسی کی سازش تھی کہ ابن ہود اور ابن الاحمر میں کبھی صلح نہ ہونے پائی۔ دونوں کو لڑاتا رہا۔ اور دونوں کو اپنی اعانت کا متمنی رکھا۔ اور جب کسی کا ساتھ دیا تو اُس سے معاوضہ بھی خاطر خواہ حاصل کیا۔

(۳) ابن الخطیب نے حصن بلول لکھا ہے۔ المقری اسی مقام کا نام حصن بلیش لکھتا ہے۔

(۴) خاندان بنی مرین سے تھا۔

یورش کو دور کرنے کے بعد، غرناطہ واپس ہو رہا تھا کہ محل کے قریب ٹھوکر کھا کر گرا۔ گو ظاہراً یہ واقعہ کچھ بھی نہ تھا، لیکن اس کو اندرونی شاید کوئی ایسا سخت صدمہ پہنچا تھا کہ اس واقعہ کے چند روز بعد بتاریخ ۲۹ر جمادی الثانی بروز جمعہ عصر کے وقت ابن الاحمر نے انتقال کیا، اور مقبرہ سبکہ میں دفن ہوا۔

محمد ثانی کی فتوحات اور اس کا انتقال

ابن الاحمر کے بعد عبداللہ محمد ثانی نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کی عمر تقریباً اڑتیس (۳۸) سال کی تھی۔ اور اپنے باپ کی حیات میں امور ریاست کا پورا تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ باپ نے مرنے کے قبل اس کو نصیحت کی تھی، کہ بنی مرین سے اپنے قدیم خاندانی تعلقات قائم رکھے، تاکہ عیسائیوں کے ساتھ جہاد کرنے میں اُن سے مدملتی رہے۔ چنانچہ سنہ ۶۷۲ھ مطابق سنہ ۱۲۷۳ء میں یہ سن کر کہ عیسائی برسر فساد ہیں، یعقوب بن عبدالحق نے پہلے اپنے بیٹے کو مع فوج اندلس بھیجا، بعد ازاں اس کے عقب میں خود بھی روانہ ہوا۔ اور جزیرۃ الخضراء کو ایک باغی امیر سے چھین کر اپنا مستقر قرار دیا۔ محمد ثانی نے بھی فوجی اغراض کے لئے طریف اور اُس کے متعلقہ مورچوں کو اپنے سرپرست کے حوالے کر دیا۔ کچھ روز لشکر کو آرام دے کر دونوں دشمن کی طرف متوجہ ہوئے، اور بتاریخ ۱۵ر ربیع الاول سنہ ۶۷۴ھ مطابق سنہ ۱۲۷۵ء عیسائی جرنل دان نونہ کو کامل شکست دی، جنگ میں جرنل مذکور مع دیگر افسروں کے قتل ہوا۔

مگر اس واقعہ کے بعد ہی شانجہ المطران نے غرناطہ کے مضافات پر دوسری طرف سے حملہ کیا۔ مرطاش کے قریب عربوں نے اس کو بھی شکست دی اور قتل کر ڈالا۔

ماہ محرم سنہ ۶۹۵ھ مطابق سنہ ۱۲۹۵ء میں پھر قسطلہ کے عیسائیوں نے سرحد پر چھیڑ شروع کی، لیکن محمد ثانی نے ان کی یورش کے قبل ہی قیحاطہ[1] کا محاصرہ کیا، اور اُن

(۱) اس کو انگریزی میں کوئے سیڈا کہتے ہیں۔

تمام قلعوں کو جو عیسائی فوج کے مستقر سمجھے جاتے تھے فتح کرلیا۔ سنہ ۶۹۹ھ میں اس نے اور چند سرحدی قلعوں پر اپنا قبضہ کیا ——— تیس سال کی حکومت کے بعد محمد ثانی نے غرناطہ میں بتاریخ ۸/شعبان سنہ ۷۰۱ھ مطابق سنہ ۱۳۰۲ء میں انتقال کیا۔

محمد ثالث کی تخت نشینی اور نصر کی بغاوت

محمد ثانی کے بعد اس کا بیٹا محمد ثالث تخت نشین ہوا۔ چونکہ اس نے باپ کی خاص نگرانی میں تعلیم وتربیت پائی تھی، اور خود ذی ہوش اور دور اندیش تھا، اپنے دادا اور باپ کی نصیحت اور اُن کی پالیسی پر کاربند رہا۔ بنی مرین کے ساتھ قدیم ربط واتحاد کو قائم رکھا، اور نصاریٰ کی پوشیدہ کارروائیوں اور اُن کی نقل وحرکت سے ہمیشہ باخبر رہا۔ کبھی ان کی قوت کو سنبھلنے نہیں دیا، چنانچہ قلعہ المنذر کو جو عیسائیوں کے قبضہ میں جاچکا تھا، دوبارہ فتح اور تمام فوجِ دشمن کو جو یہاں مقیم تھی گرفتار کرلیا[1] ——— سنہ ۷۰۳ھ مطابق سنہ ۱۳۰۳ء میں اس نے اپنے عزیز قریب ابوالحجاج بن نصر گورنر وادی آش کو صرف یہ سن کر کہ رعایا پر ظلم کررہا ہے بغیر مزید دریافت قتل کی سزادی۔

سنہ ۷۰۵ھ مطابق سنہ ۱۳۰۶ء ماہ شوال میں سبتہ[2] کو فتح کیا، اور حاکم قلعہ ابوطالب عبداللہ بن قاسم کو مع دیگر امراء گرفتار کرکے، وہاں کا مدتوں کا اندوختہ مال ومتاع مع قیدیوں کے اپنے ساتھ اندلس لے آیا، لیکن عربوں کی بدقسمتی کو دیکھو کہ ایسے عادل اور جفاکش امیر کے زمانہ میں بھی نچلے نہ بیٹھے (یعنی سکون سے نہ بیٹھے)، اور بلاوجہ محض خودغرضی کے باعث اس کے بھائی نصر کو اس سے باغی کردیا، اور وزیر ابوعبداللہ ابن الحکیم کا مکان جو علاوہ مال ومتاع کے نہایت نادر کتب خانہ سے مزین

(۱) منجملہ قیدیوں کے ایک مشہور حسین عورت بھی گرفتار ہوئی جس کے ساتھ سلطان افریقہ نے نکاح کرلیا تھا۔ المقّری۔

(۲) افریقہ کا مشہور بندرگاہ۔

تھا، تباہ وتاراج کرتے ہوئے عین عید الفطر کے روز سنہ ۷۰۸ھ مطابق سنہ ۱۳۰۹ء میں قصر شاہی میں داخل ہوئے، اور محمد ثالث کو معزول کر کے نصر کو تخت پر بٹھادیا۔

عیسائیوں کی یورش اور المریہ پر ابوسعید کا قبضہ

نصر نے محمد بن علی بن عبداللہ بن الحاج (۱) کو اپنا وزیر مقرر کیا، مگر خانہ جنگی اور عیسائیوں کی پیش قدمی کو نہ روک سکا، چنانچہ انتزاعِ حکومت کے تھوڑے ہی روز بعد سنہ ۷۰۹ھ مطابق سنہ ۱۳۰۹ء میں قومس قسطلہ نے جزیرۃ الخضرا کو گھیر لیا، اور ۲۱ر صفر سے لے کر ماہ شعبان تک محاصرہ رہا، جب قلعۂ مذکور کو تسخیر نہ کر سکا، تو جبل الطارق پر قبضہ کرتا ہوا اپنے ملک واپس ہوا۔ اسی زمانہ میں رئیس برشلونہ نے المریہ پر یورش کی، گو عیسائی ناکام رہے مگر نصر کو پھر بھی ان جھگڑوں سے نجات نہیں ملی۔ عزیزوں کی یہ حالت تھی کہ موقع ملتے ہی ابن الاحمر کے بھتیجے ابوسعید فرج بن اسماعیل صوبہ دار مالقہ نے اپنے بیٹے ابوالولید کی کمک سے المریہ اور بلیش پر اُسی سال سنہ ۷۰۹ھ میں قبضہ کرلیا۔

محمد ثالث کا قتل سنہ ۷۱۰ھ مطابق سنہ ۱۳۱۰ء جمادی الثانی کے آخر میں نصر ایسا بیمار ہوا کہ سب اس کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ یہ سن کر محمد ثالث نے غرناطہ کا ارادہ کیا، مگر اتنی تاخیر سے وہاں پہنچا کہ نصر خلاف امید تندرست ہو چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نصر کے ہاتھ گرفتار ہو کر قتل ہوا۔

---

(۱) ابن الحاج اشبیلیہ میں سنہ ۶۷۰ھ میں پیدا ہوا تھا اور کمسنی سے اس کو مختلف کلیں وغیرہ بنانے کا نہایت شوق تھا اس نے بزمانۂ ابویوسف یعقوب المنصور ایک بہت بڑا کارخانہ افریقہ میں قائم کیا تھا۔ جس میں ہر قسم کے آلات حرب نادرِ زمانہ تیار ہوتے تھے۔ توپ کا بھی یہی موجد تھا۔ یہ ان ہی اوصاف کی بدولت محمد ثانی کا غرناطہ میں ملازم ہوا، اور پھر یہی وزیر سلطان نصر کی خرابی وتباہی کا باعث ہوا (المقری وابن الخطیب)

ابوالولید کی فتح اور نصر کی جان بخشی

غرناطہ میں تو یہ واقعات پیش تھے، اور مالقہ میں ابوسعید اور ابوالولید دونوں نہایت اطمینان سے فوج فراہم کر رہے تھے۔ بتاریخ یکم محرم الحرام سنہ ۷۱۲ھ مطابق سنہ ۱۳۱۲ء ابوالولید غرناطہ کے قریب قریة العطشاء میں خیمہ زن ہوا، نصر بھی فوراً اس کے مقابلہ کے لئے شہر سے باہر نکل آیا۔ لیکن بتاریخ ۱۳ محرم بری طرح ہزیمت پا کر بدقتِ تمام غرناطہ پہنچا، اور ابوالولید سے صلح کی درخواست کی، ہنوز صلح نامہ کا تکملہ نہ ہونے پایا تھا، کہ شومیٔ بخت سے وزیر ابوعبداللہ ابن الحاج کے مظالم سے عاجز آکر رعایا قصر شاہی کے سامنے فریادی ہوئی، لیکن جواب تیر وتبر سے ملا، اور سینکڑوں عالمِ بے بسی میں قتل ہوئے، امراء سے یہ ظلم دیکھا نہ گیا۔ سب نے مالقہ آکر ابوالولید کو صلح کرنے سے روکا، اور اُس کو دوبارہ جنگ پر آمادہ کیا۔ ابوالولید بعجلت تمام لڑائی کے واسطے تیار ہوا، اور اوائل شوال سنہ ۷۱۳ھ میں مقام لوشہ[1] پر قبضہ کرتا ہوا غرناطہ کی طرف متوجہ ہوا۔ نصر نے عبدالحق بن عثمان کو سرحد پر مقرر کر رکھا تھا، شدونہ کے قریب دونوں فوجوں کا سامنا ہوا، اور ایسی سخت جنگ واقع ہوئی کہ بہت دیر تک غالب و مغلوب کی تمیز نہ ہوسکتی تھی۔ بالآخر ابوالولید کو کامل فتح حاصل ہوئی، اور یہ اپنے فریق مقابل کو پسپا کرتا ہوا پاشنہ کوب غرناطہ میں در آیا، نصر، قصر الحمراء میں مع اپنی عورتوں اور خزانہ کے پناہ گیر ہوا، آخرکار بتاریخ ۲۱ شوال سنہ ۷۱۳ھ اس نے بوعدۂ جان بخشی ہتھیار رکھ دیئے، اور باجازت وادی آش میں سکونت اختیار کی۔

ابوالولید اسماعیل کی تخت نشینی

جنگ مذکور کے بعد ابوالولید اسماعیل بن فرج تخت غرناطہ پر متمکن ہوا۔ اس کے عہد میں ملک میں امن اور رعایا کو اطمینان سے زندگی بسر کرنے کا موقع ملا۔ سنہ ۷۱۶ھ مطابق سنہ ۱۳۱۶ء میں قسطلہ کے عیسائیوں نے حصن بجج[2] اور حصن

(۱) اس کو انگریزی میں لوک کہتے ہیں۔ (۲) اس کو انگریزی میں بکسبیو کہتے ہیں۔

طشکر (۱) کو فتح کیا لیکن اس کے تین ہی سال بعد سنہ ۷۱۹ھ میں عرب مقامات مذکورہ پر پھر قابض ہو گئے۔

جنگ بیرہ اور مسلمانوں کا معجز نما کارنامہ

سنہ ۷۱۹ھ مطابق سنہ ۱۳۱۹ء میں بطرودہ (۲) ولی عہد قسطلہ کی مدد کے لئے پچیس عیسائی قومیں آمادہ ہوئے، اور طلیطلہ میں اپنی افواج کو فراہم کیا۔ ادھر سلطان ابو الولید نے سرحد پر جہاں تک جلد ممکن ہوسکتا تھا قلعہ تیار اور سرحد کو مستحکم کیا۔ بطرودہ، طلیطلہ آیا، اور بابا مجتہد العصر سے نہایت عجز وانکسار کے ساتھ اپنی کامیابی کی دعا چاہی، بابا نے بمژدۂ فتح اس کو رخصت کیا۔ عرب لشکر کثیر کے حالات معلوم کر کے از حد متردد ہوئے، رئیس فاس ابو سعید سے خواہان مدد ہوئے، لیکن اُس نے شرکت سے کسی مجبوری کے باعث عجز ظاہر کیا۔ ان واقعات سے عوام الناس پر مایوسی ضرور طاری ہوئی، مگر ابوالولید نے توکل علی اللہ بتاریخ ۲۰؍ ربیع الاول سنہ ۷۱۹ھ اپنے سپہ سالار شیخ الغزاۃ ابو سعید عثمان بن ابی اعلی المرینی کو اپنے خاص رسالہ کے ساتھ جس کی تعداد پانچ ہزار تھی، سپاہ عدو کی روک تھام کے واسطے روانہ کیا۔ ابتدا میں سپہ سالار نے عربوں کے قدیم رعب وداب سے جو صدیوں قبل نصاری کے رگ و پے میں پیوست ہو چکا تھا فائدہ حاصل کرنا چاہا، اور ان کے ہراول پر بلا تامل حملہ آور ہوا۔ نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا، اور عیسائی خوف زدہ قلب لشکر کی طرف بھاگ نکلے، امیر خوب جانتا تھا کہ اگر دشمن نے اپنی پوری قوت کے ساتھ یورش کی، اور کھلے میدان میں عام جنگ کی نوبت آئی، تو اس کی قلیل فوج کسی طرح لشکر کثیر کے مقابلہ کی متحمل نہیں ہو سکتی، اور اگر لڑائی میں تساہل ہوا تو اندیشہ اپنے گھر جانے کا تھا۔ اس نے اپنے ماتحت افسروں سے مشورہ کیا، اور حسب قرار داد ابوالجیوش کو مع ایک ہزار سواروں کے کچھ فاصلہ پر جھاڑی میں

(۱) اس کو انگریزی میں تسکر کہتے ہیں۔ (۲) اس کو انگریزی میں پدرو کہتے ہیں۔

پوشیدہ کر کے یہ حکم دیا کہ ''جب عیسائی میرا تعاقب کرتے ہوئے اس مقام سے آگے بڑھ جائیں، تو تم پیچھے سے ان پر حملہ کرنا''

اسی اثناء میں سلطان خود امیر المغربی اور تین سو سوار ساتھ لئے میدان میں وارد، اور اصل فوج کے قریب ایک گوشہ میں استادہ ہوا، شیخ الغزاۃ کی تدبیر کارگر ہوئی۔ چنانچہ جب عیسائیوں نے خود سپہ سالار کو قلیل فوج کے ساتھ آتے دیکھا، اُس کو اصل لشکر سمجھ کر ایسے خوش ہوئے کہ بغیر کسی احتیاط کے شیخ الغزاۃ پر حملہ کیا، امیر نے گریز کی شکل اختیار کی۔ مسلمانوں کو اپنے سامنے سے بھاگتے دیکھ کر عیسائی بھی بلا ترتیب وقاعدہ ان کے پیچھے دوڑ پڑے، دونوں آگے پیچھے ابوالجیوش کی کمین گاہ سے گزر رہے ہی تھے کہ عقب سے نعرۂ اللہ اکبر بلند ہوا۔ سامنے سپہ سالار نے اپنے رسالہ کو روکا، اور داہنے اور بائیں سے دفعۃً خود سلطان اور امیر المغربی نمودار ہوئے، عرب چار طرف سے دشمن پر ٹوٹ پڑے، عیسائی کچھ ایسے بدحواس ہوئے کہ باوجودیکہ ان کی تعداد کم وبیش ایک لاکھ ہوگی، افسر و سپاہی سب ہتھیار پھینک کر جدھر منہ اٹھا بھاگ نکلے۔ چند ہزار عربوں نے مثل بھیڑ اور بکریوں کے ان کو تہ تیغ کھینچنا شروع کیا۔

یہ معرکۂ عظیم تاریخ میں جنگ البیرۃ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نمایاں فتح جو طارق کے معرکۂ الخضراء کی یاد تازہ کرتی ہے سنہ ۷۱۹ھ میں اُس کے جاں بلب پس آئندگان کو نصیب ہوئی، جس میں تقریباً پچاس ہزار عیسائی قتل، اور اُسی قدر دریا اور نالوں میں غرق ہوئے۔ مقتولوں میں خود بطروہ اور اس کے پچیس معاون بھی پائے گئے، بے شمار اور بیش بہا مال عربوں کے ہاتھ آیا، قیدیوں میں بطروہ کی بیوی اور بچے بھی شریک تھے، اِن کی رہائی کے عوض میں عیسائیوں نے طریف اور قلعہ جبل الطارق دینا چاہا۔ لیکن عربوں نے اِن کو نہ چھوڑا۔

اس جنگ میں تعجب خیز بات یہ تھی کہ باوجودیکہ مسلمانوں کی فوج چار ہزار پیادوں اور پندرہ سو سواروں سے زیادہ نہ تھی، مگر جنگ کے بعد جب حساب کیا گیا تو دریافت

کہ کل تیرہ مسلمان شہید ہوئے[1]۔ مؤرخین عرب جنھوں نے اس خونریز واقعہ کی نہایت احتیاط اور راست بازی کے ساتھ تحقیق کی ہے، کمال حیرت اور استعجاب کے ساتھ اس معجز نما کارنامہ پر عشعش کرتے ہیں، یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی ہم نے اپنے اس دورِ جدید میں بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ چند صد باقاعدہ اور موجودہ طریقۂ جنگ سے آگاہ فوج نے بے قاعدہ جم غفیر کو بآسانی منتشر کردیا ہے۔

ابوالولید کی دیگر فتوحات اور اس کا قتل

بہرحال عدو (دشمن) کئی سال اس تباہی کے اثر سے جاں بر نہ ہوسکا، اور جب اُس کی حالت کچھ سنبھلتی نظر آئی، تو ابوالولید نے جو اِن کے ہر فعل کا نگراں تھا، فوراً پیش قدمی کر کے باجہ کے قریب قلعہ اشکر کو بتاریخ ۲۴؍رجب سنہ ۷۲۴ھ مطابق سنہ ۱۳۱۴ء اور دوسرے سال ۱۰؍رجب سنہ ۷۲۵ھ کو مرطاش فتح کیا۔ اس جنگ میں سلطان کا بھتیجا محمد بھی شریک تھا، کسی نازیبا حرکت پر سلطان نے مجمع عام میں اس کی سرزنش کی، یہ ایک بزرگانہ نصیحت تھی، مگر محمد اس خفگی کو برداشت نہ کرسکا، اور بغیر انجام پرغور کئے بتاریخ ۲۷؍رجب سنہ ۷۲۵ھ مطابق سنہ ۱۳۲۵ء اس مہم سے واپس آنے کے تین روز بعد ابوالولید کو غرناطہ میں مار ڈالا۔

محمد چہارم کی تخت نشینی

ابوعبداللہ محمد چہارم ابن ابوالولید نے تخت نشینی کے بعد ہی عیسائیوں پر فوج کشی کرکے قلعۂ قبرہ کو فتح اور قشر کو محصور کرلیا۔ لیکن عیسائی چونکہ شہر میں فوج اور رسد پہنچا چکے تھے اس کی تسخیر میں ناکام رہا۔

جبل الطارق پر عربوں کا قبضہ، اور محمد چہارم کا قتل

یہ ہم پہلے ہی تحریر کر آئے ہیں کہ شاہان غرناطہ نے بنی مرین اپنے معاونوں کو فوجی

(۱) ابن الخطیب لکھتا ہے کہ یہ جنگ ۶؍جمادی الاولیٰ سنہ ۷۱۹ھ مطابق سنہ ۱۳۱۹ء میں واقع ہوئی۔ اور بطرو (پدرو) کی نعش ایک لکڑی کے صندوق میں رکھ کر غرناطہ کے دروازہ پر لٹکادی گئی تھی۔

ضرورتوں کے لحاظ سے جبل الطارق اور طریف اور الجزائر دیدیئے تھے، اور سنہ ۷۰۸ھ میں عیسائیوں نے جبل الطارق پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ قلعہ بلحاظ قدرتی استحکام اندلس کی کنجی سمجھا جاتا تھا، ابوالحسن المرینی بادشاہ فاس اس مقام کے فوائد سے اچھی طرح واقف تھا، اُس نے اندلس آ کر سلطان محمد کی مدد سے چند روز کے محاصرہ کے بعد اس کو دوبارہ فتح کیا، اور اس کے مزید استحکام میں ازحد جدوجہد کی، لیکن مسلمانوں کی قسمت پر افسوس ہوتا ہے کہ عین اس وقت کہ یہ دونوں بیدار مغز امیر دشمنوں پر غالب آرہے تھے، چند افسروں نے بتاریخ ۱۳/ذی الحجہ سنہ ۷۳۳ھ مطابق سنہ ۱۳۳۳ء محمد چہارم کو قتل کرڈالا۔ سلطان کے ہمراہی اس کی نعش کو مالقہ لے آئے، یہیں دفن ہوا۔

یوسف بن محمد چہارم کی تخت نشینی

جس روز سلطان محمد قتل ہوا، اُسی روز اُس کا سولہ سالہ بھائی یوسف جو اس وقت الجزائر کے قریب وادیٔ سفائن[1] میں مقیم تھا، فوج کی مدد سے تخت پر بیٹھا، اس جواں سال وجواں بخت نے جس کو قضا وقدر نے مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کی ناخدائی کے واسطے منتخب کیا تھا، نیک خصال اور باتدبیر مشیروں کو قید گمنامی سے رہا کر کے امور حکمرانی میں اپنا رہنما بنایا۔

جنگ طریف اور یوسف کا قتل

سنہ ۷۴۱ھ مطابق سنہ ۱۳۴۰ء میں ابوالحسن المرینی جہاد کی غرض سے ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ اندلس آیا۔ سلطان یوسف ابوحجاج نے بھی جہاں تک اس سے ممکن ہوسکتا تھا، اس بادشاہ کو فوج وسامان سے مدد پہنچائی، اور چونکہ جہاد کا اعلان کیا گیا تھا، اس لئے سیکڑوں مشہور علماء بھی اس جنگ میں شریک تھے، بتاریخ ۷/جمادی الأولی سنہ مذکور طریف کے قریب نہایت سخت جنگ واقع ہوئی۔ لیکن باوجود کثیر نقصان کے

(۱) اس مقام کو فی زمانہ "رائیو ڈا انیل" کہتے ہیں۔

فریقین میں سے کسی کو غلبہ حاصل نہ ہوا۔ یوسف نے غرناطہ آکر عبداللہ السلمانی لسان الدین ابن الخطیب [1] کو اپنا وزیر مقرر کیا، یوں تو تنازعات باہمی کا سلسلہ روزانہ جاری تھا۔ لیکن سنہ ۷۴۹ھ مطابق سنہ ۱۳۴۹ء میں یوسف نے معرکہ طریف کے نقصان کا ایسا انتقام لیا، کہ عرصۂ دراز تک دشمن کو پیش قدمی کی جرأت نہ ہوئی۔ افسوس ہے کہ ایسے بادشاہ جامع الصفات قدرداں وقُدماء پرور کی عمر نے دفا نہ کی۔ خصوصاً جبکہ ریاست کے سنبھالنے کے لئے ایک ایسے بادشاہ کی سخت ضرورت تھی۔ سنہ ۷۵۵ھ م سنہ ۱۳۵۴ء میں جبکہ یوسف مسجد میں شریک نماز تھا۔ ایک مخبوط الحواس آدمی نے اِس کو مار ڈالا۔ اور یہ قصر الحمراء میں دفن ہوا۔

محمد پنجم کی جانشینی اور لسان الدین کی خدمت سفارت

یوسف کا بیٹا الغنی باللہ محمد پنجم اپنے باپ کا جانشین ہوا، اور کچھ عرصہ کے بعد لسان الدین ابن الخطیب کو ابوعنان ابوالحسن والیٔ افریقہ کے پاس بھیج کر عیسائیوں کے مقابلے میں مدد چاہی۔ جس وقت لسان الدین اور قاضی ابوالقاسم الشریف دونوں ابو عنان کے سامنے پیش ہوئے، تو ابن الخطیب نے فی البدیہ چند اشعار بادشاہ کی تعریف میں پڑھے۔ یہاں تک کہ اہل دربار پر وجد کی سی حالت طاری ہوگئی، اور سلطان نے لسان الدین سے کہا کہ:

''باوجودیکہ میں تمہارے یہاں آنے کے اغراض سے واقف نہیں ہوں، لیکن اب میں اِن اغراض کو معلوم کرنا بھی نہیں چاہتا، میں بلا تامل تمہاری درخواستوں کو منظور کرتا ہوں، جس چیز کی تم کو ضرورت ہو وہ ہم سے مانگ لو''

لسان الدین نے اس خوبی سے اپنی خدمت سفارت کو انجام دیا کہ سلطان نے

(۱) لسان الدین ابن الخطیب جسکا ذکر آئندہ ہوگا ایک نامی عالم گزرا ہے منجملہ دیگر تصانیف کے ''الملقة البدرية فی تاريخ دولة النصرية'' یعنی تاریخ بنی نصر قابل دید ہے۔

اُسی وقت فوج کے بھیجنے کا حکم دیا، اور سفیر کو بیش بہا تحائف دے کر رخصت کیا۔

اسماعیل کی بغاوت

سلطان محمد پنجم نے اپنے ابتدائی پنج سالہ دور میں جس بیدار مغزی اور عصبیت قوم وملت کی پاسداری سے حکومت کی، اُس کے مؤرخین بالعموم معترف ہیں۔ سرکش عیسائی اپنی اپنی جگہ سب دم بخود تھے، کہ نکبت کے اثر سے یہ رہا سہا ملک غرناطہ بھی محفوظ نہ رہا، اور خانہ جنگی کی آگ پھر بھڑک اٹھی، سلطان کا علاتی بھائی اسماعیل نے بعض عزیزانِ عاقبت نااندیش فتنہ انگیز کے اغوا سے بتاریخ ۲۸ ر رمضان سنہ ۷۶۰ھ م سنہ ۱۳۵۹ء میں، دراں حالیکہ سلطان شہر سے باہر جنت العارف میں مقیم تھا۔ رات کے وقت قلعہ کی دیوار سے مع اپنے ہمراہیوں کے قلعۂ غرناطہ میں داخل ہوا۔ اور قبل اس کے کہ لوگوں کو خبر ہو قلعے پر قبضہ کرلیا۔ دوسرے روز جب سلطان محمد کو اس بغاوت کی اطلاع ہوئی، اور یہ معلوم ہوا کہ باغی اس کی گرفتاری کی فکر میں ہیں، تو یہ سیدھا وادیٔ آش چلا آیا، اور بطروہ قومس قسطلہ کو اپنی مدد پر آمادہ کرنا چاہا ——— اس کا رنج وملال بجا تھا۔ لیکن اس کی ہوشمندی اور بیدار مغزی کا یہ اقتضاء نہ تھا کہ عین آزمائش کے وقت اخلاقی کمزوری اس سے ظاہر ہوتی، اور اسلامی اور قومی حمیت کو طاق نسیان پر رکھ کر محض اپنے ذاتی اغراض کے حصول کے واسطے اسلام کے موروثی دشمنوں کو ذریعہ اپنی خانہ بربادی کا بناتا ——— بطروہ جعلساز نے ایک طرف تو محمد پنجم کو امید فردا پر رکھا، اور دوسری طرف اسماعیل کو ہموار کرنا چاہا، تاکہ گھر ہی کی آگ اُن کا خاتمہ کردے۔

محمد پنجم کا افریقہ آنا

اس ہی اثناء میں بتاریخ ۱۰ ر ذی الحجہ ابوالقاسم ابن شریف سفیر ابو سلیم بادشاہ فاس نے محمد پنجم سے کہا کہ "بلحاظ ان تعلقات کے جو ایک زمانۂ دراز سے تیرے اور سلطان افریقہ کے خاندان کے ساتھ چلے آتے ہیں۔ ابو سلیم نے تجھ کو افریقہ بلایا ہے، تاکہ جو کچھ مدد اُس کے امکان میں ہے وہ تجھ کو دے"

چنانچہ یہ دوسرے ہی روز بتاریخ ۱۱ ر ذی الحجہ مع لسان الدین ابن الخطیب کے

افریقہ روانہ ہوا۔ ابو سلیم نے اس کی بہت خاطر و مدارات کی، اور اپنے محل خاص میں مہمان رکھا۔

اسماعیل اور محمد ششم کا قتل اور محمد پنجم کا اندلس میں داخل ہونا

اسماعیل اور بطرہ میں صلح کا پیام و سلام جاری تھا کہ ۴ر شعبان سنہ ۷۶۱ھ[1] مطابق سنہ ۱۳۶۰ء کو چند مہینے کی حکومت کے بعد اس کے ایک با اثر معین بغاوت ابو عبداللہ نے اسماعیل اور اس کے بھائی قیس کو قتل کر ڈالا۔ اور خود بلقب محمد ششم تخت نشین ہوا۔

عیسائی تو بانتظار موقع، سرحد کے ہر گوشہ پر فوجیں فراہم کر رہے تھے کہ بہ کمک ابو سلیم بتاریخ ۲۷ر شوال سنہ ۷۶۲ھ مطابق سنہ ۱۳۶۱ء اکیس (۲۱) مہینے کی جلاوطنی کے بعد محمد پنجم اندلس میں داخل ہوا۔ محمد ششم نے بے تامل بطرہ کے پاس بذات خود جا کر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ مدد چاہی۔ بطرہ نے فریق مقابل کو طاقتور پا کر باظہار تعلقاتِ قدیم اس واقعہ کی محمد پنجم کو خبر کر دی۔ اور محمد ششم کو دھوکے میں رکھ کر بتاریخ ۲ر رجب سنہ ۷۶۳ھ م سنہ ۱۳۶۲ء اُس کو مع اس کے تمام ہمراہیوں کے اشبیلیہ کے قریب قتل کر ڈالا۔

محمد پنجم کا دوسرا دور اور لسان الدین کا قتل

واقعہ مذکور کے بعد سلطان محمد پنجم کا دوسرا دور ۲۰ر رجب سنہ ۷۶۳ھ سے شروع ہوا، اور خدمت وزارت دوبارہ علامہ لسان الدین ابن الخطیب کے سپرد ہوئی، مگر یا تو یہ تھا کہ معمولی سے معمولی کام بھی بغیر اس کے مشورہ کے نہیں ہوتا تھا، یا اب یہ ہوا کہ حاسدوں کی سازش کارگر ہوئی، اور بادشاہ کی ناراضی علانیہ ظاہر ہونے لگی۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ اُسی زمانے میں افریقہ میں بوجہ انتقال ابو سلیم، عبدالعزیز بن

(۱) اصل میں ''۷۶۱'' کے بجائے ''۷۶۴'' ہے (محمد امین)

ابوالحسن [1] اور عبدالرحمن دو چچازاد بھائیوں میں نزاع پیدا ہوئی، ابن الخطیب نے عبد العزیز کا ساتھ دیا، اور جب عبدالرحمن ہزیمت پاکر غرناطہ بھاگ آیا۔ تو اس نے سلطان کو صلاح دی کہ عبدالرحمن اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے عبدالعزیز کے حوالہ کر دینا چاہئے۔ چنانچہ سلطان محمد نے عبدالعزیز کے سفیر سے اِس امر کا وعدہ بھی کرلیا۔ ہنوز اس معاملے کی یکسوئی نہیں ہوئی تھی کہ ابن الخطیب نے بقرائن معلوم کرلیا کہ مخالفین اس کی ہلاکت کے درپے ہیں۔ اِس نے فوراً چند روز کی رخصت حاصل کی اور مع اپنے بڑے بیٹے علی کے جبل الطارق آیا۔ یہاں پہلے سے عبدالعزیز نے خفیہ طور پر ایک جہاز مقرر کر رکھا تھا۔ یہ جہاز پر سوار ہوکر افریقہ بھاگ آیا۔

سلطان محمد نے عبدالعزیز سے اس کو پابزنجیر طلب کیا۔ لیکن یہ درخواست وزیر ابوبکر کی وجہ سے نامنظور کر دی گئی۔ سنہ ۷۷۴ھ میں عبدالعزیز کا انتقال ہوا، اور السعید بن ابی فارس ایک کمسن لڑکا اس کی جگہ تخت پر بیٹھا، اب سلطان محمد نے مکرر ابوبکر کو ابن الخطیب کے واپس بھیج دینے کے لئے لکھا، اس دفعہ نامہ بر بغیر جواب دربار سے نکال دیا گیا، سلطان محمد نے اس واقعۂ توہین کو سن کر فوراً عبدالرحمن [2] کو مع فوج وسامان جنگ افریقہ بغرض انتزاعِ ریاست روانہ کیا، اور خود جبل الطارق کو گھیر لیا۔ اِن واقعات کی خبر جب ابوبکر ابن غازی کو پہنچی، تو اس نے اپنے چچازاد بھائی محمد بن عثمان کو سواحل افریقہ کی حفاظت کی غرض سے سبتہ بھیجا، اور خود اس کے عقب میں بطویہ کی طرف آیا۔ جہاں عبدالرحمن مقیم تھا، اور رعایا کو ہموار کرنے میں مصروف تھا۔ ابن غازی نے اس مقام کے محصور کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر چند ہی روز میں بغاوت نے ایسی خطرناک شکل اختیار کی کہ اس کو ناکام فاس واپس ہونا پڑا۔ اسی اثناء میں محمد پنجم نے ابوبکر کے چچا زاد بھائی محمد بن عثمان کو خفیہ طور پر ہموار کرنا چاہا، اور یہ کہلا بھیجا کہ السعید بن ابی فارس

(۱) اصل میں ''عبدالحسن'' ہے، نفح الطیب سے تصحیح کی گئی ہے (۳:۵۴) امین۔

(۲) عبدالعزیز کا عم زاد برادر۔

ایک ناتجربہ کار طفل کی عوض ابوالعباس احمد بن ابی سالم کو جو طنجہ میں قید ہے بادشاہ بنانا چاہئے، تاکہ تم کو بھی کچھ فائدہ پہنچے، اور حسب ذیل شرائط پر ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا:

① قلعہ جبل الطارق واپس کر دیا جائے۔

② بنی مرین کے شہزادے اندلس بھیج دیئے جائیں۔

③ لسان الدین ابن الخطیب سلطان کے حوالہ کر دیا جائے۔

ابن عثمان نے ان شرائط کو منظور کر لیا، اور محمد پنجم نے جبل الطارق پر قبضہ کرتے ہی فوج اور سامان جنگ طنجہ روانہ کیا۔ ابن عثمان نے فوراً ابوالعباس احمد کو قید سے رہائی دی، اور دونوں سنہ ۷۷۶ھ م سنہ ۱۳۷۴ء میں اپنے تیسرے بااثر رفیق سلیمان بن داؤد کے ہمراہ کامیاب فاس میں داخل ہوئے۔ ابن الخطیب کچھ روز روپوش رہا۔ لیکن آخر کار گرفتار ہوا، اور محمد پنجم کے وزیر عبداللہ بن زمرق کے حوالہ کر دیا گیا۔ پہلے ایک فرضی مقدمہ ابن الخطیب پر قائم کیا۔ لیکن جب بعض مشہور عالموں نے اس کی طرف داری کی، تو ایک روز رات کو جیل خانہ میں ایسے یکتائے زمانہ آدمی کو قتل کر ڈالا۔
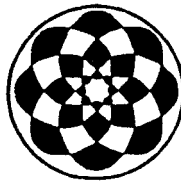
باب ششم

محمد پنجم کا انتقال ــــ یوسف ثانی ــــ محمد ہفتم ــــ اس کا اشبیلیہ جانا ــــ محمد کی قومس قسطلہ سے ملاقات ــــ محمد ہفتم کا انتقال ــــ یوسف ثالث ــــ صلح کل ــــ طرز حکومت ــــ محمد ہشتم ــــ محمد الصغیر کی بغاوت اور تخت نشینی ــــ الصغیر محمد نہم کا انتقال ــــ یوسف ابن الاحمر کی بغاوت ــــ یوسف کا انتقال ــــ عیسائیوں کے ساتھ جنگ ــــ محمد ابن عثمان کی بغاوت ــــ ابن اسماعیل۔

محمد پنجم کا انتقال اور یوسف ثانی کی تخت نشینی

محمد پنجم نے سنہ ۷۹۳ھ م سنہ ۱۳۹۱ء میں انتقال کیا، اور اس کا بیٹا یوسف ثانی تخت نشین ہوا، چونکہ فطرتاً اس کی طبیعت راغب بہ رحم و آشتی تھی۔ تخت نشینی کے بعد ہی اس نے تمام عیسائی بادشاہوں کو اپنی صلح کل پالسی کا اطمینان دلا کر سابقہ معاہدوں کی تجدید کی، اور ان کی پابندی کا وعدہ کیا، اُن میں سب سے سر برآوردہ قسطلہ کا بادشاہ تھا۔ سلطان نے اس کو چھ نہایت عمدہ گھوڑے ساز و سامان جواہر نگار سے آراستہ بطور تحفہ بذریعۂ والیٔ مالقہ بھیجے۔ بادشاہ قسطلہ نے سفیر کی جیسی کہ چاہئے تعظیم و تکریم کی، اور بوقت واپسی اس نے بھی بیش بہا تحفے سلطان کے لئے روانہ کئے۔

محمد ہفتم کی بغاوت

شخصی سلطنتوں میں بادشاہ کا کثیر الاولاد ہونا اکثر ریاست کے لئے بہت مضر ثابت ہوا ہے، سلطان یوسف کے چار بیٹے

یوسف، محمد، علی اور احمد نامی تھے۔ ان سب میں محمد لائق اور ہوشیار، لیکن نافرمان تھا۔ ہوس سلطنت نے اس کو ایسا بیقرار کیا کہ اپنے باپ اور بڑے بھائی دونوں سے باغی ہوگیا، اور مشہور کیا کہ:

''سلطان نے جو یہ صلح کل برتاؤ دشمنانِ اسلام سے رکھا ہے اُس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہ عیسائی مذہب کی طرف دل سے راغب ہے، اور اُس کے اختیار کرنے کے لئے صرف وقت کا منتظر ہے۔ چنانچہ اِس وقت بھی چند عیسائی اس کے پاس موجود ہیں جن سے یہ بہت محبت رکھتا ہے''

سلطان کی ظاہر طرز حکومت سے عامۂ خلائق نے اس افواہ کو باور کرلیا، اور محمد کی مدد پر آمادہ ہوگئی۔ نوبت بانجا رسید کہ ایک روز باغیوں نے قصر الحمراء کو گھیر لیا۔ قریب تھا کہ سلطان ہجوم رنج وغم سے سلطنت سے خود کنارہ کش ہو، اور حکومت اپنے باغی بیٹے کے سپرد کردے، کہ بادشاہ فاس کے سفیر نے سلطان سے بلاکشت وخون اس بغاوت کے فرو کرنے کی اجازت حاصل کی، اور اکیلا باغیوں کے مجمع میں گھس آیا، اور ایک نہایت شستہ وپُراثر تقریر شروع کی، جس میں اس سفیر نے بنی امیہ، المرابطین، الموحدین اور بنی ہود کے زمانۂ حکومت کو یاد دلا کر کہا کہ:

''اسی خانہ جنگی کی بدولت یہ خاندان یکے بعد دیگرے تباہ ہوئے، اگر یہ لوگ ایک دوسرے کو مارنے کے عوض متفق ہو کر عیسائیوں کے ساتھ لڑتے تو آج یہ دن تم کو کیوں نصیب ہوتا۔ تم خود دیکھ رہے ہو کہ یہ اسی باہمی نزاع کا نتیجہ ہے کہ تمام اندلس تمہارے قبضہ سے نکل گیا، اور اب تمہارے طرز سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اِس چھوٹے سے حصے کو جس پر اب تم قابض ہو، اپنے دشمنوں کے سپرد کیا چاہتے ہو، بہتر یہ ہے کہ تم اِس بغاوت سے دست بردار ہو۔ ہمارا بادشاہ جہاد کا قصد رکھتا ہے، تم کو مناسب ہے کہ اپنے لائق اور بہادر بادشاہ کا ساتھ دو''

اس تقریر نے عوام الناس پر خاطر خواہ اثر کیا، اور باغی بلاکشت وخون اپنے گھروں

میں چلے آئے۔

یوسف ثانی کی عیسائیوں سے جنگ

گو یوسف کا خیال جہاد کا نہ تھا، لیکن اب بہ مصلحت امن ونیز صوابدید سفیرِ مذکور بعد اعلان جہاد مرسیہ پر حملہ آور ہوا۔ متعدد لڑائیاں واقع ہوئیں۔ اور ہمیشہ عرب کامیاب رہے۔ چونکہ یوسف جنگ کی طرف بالکل متوجہ نہ تھا۔ اس نے قومس قسطلہ کے پیام صلح کو بلا تامل منظور کرلیا، اور جو مال واسباب کہ ان لڑائیوں میں اس کے ہاتھ آیا تھا، وہ اپنی فوج میں تقسیم کرتا ہوا غرناطہ چلا آیا —— سنہ ۷۹۸ھ میں حاکم القنطرہ نے بلاوجہ غرناطہ کے قریب ایک قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ سلطان فوراً مقام واقعہ پر پہنچا، اور عیسائیوں کو شکست دے کر اپنی حدود سے خارج کردیا۔ گو یہ یورش حکمران قسطلہ کے اشارے سے ہوئی تھی۔ مگر مسلمانوں کی کامیابی پر اس نے اپنے افسر فوج پر اس خلاف معاہدہ جنگ کا الزام عائد کیا۔

یوسف ثانی کا انتقال اور محمد ہفتم کی تخت نشینی

سنہ ۷۹۸ھ م سنہ ۱۳۹۶ء میں سلطان یوسف نے انتقال کیا، چونکہ پہلے ہی سے محمد نے تمام امرائے ریاست کو اپنی طرف کرلیا تھا باپ کے مرتے ہی تخت نشین ہوا، اور اپنے بڑے بھائی یوسف کو قلعہ شلوبانیہ میں قید کردیا۔

محمد ہفتم کا اشبیلیہ جاکر وہاں کے حالات دریافت کرنا

محمد ہفتم نے قومس قسطلہ کے حالات سے ذاتی واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے اشبیلیہ جانے کا ارادہ کیا، چونکہ اس عیسائی کی ریاکاری اور دغابازی طشت از بام تھی، اس نے تنہا وہاں جانا مناسب نہ سمجھا، پس باظہار ارادۂ جہاد سرحد تک فوج کے ساتھ آیا، یہاں سے صرف مع پچیس دلیر ہمراہیوں کے بلباس سفیر اشبیلیہ روانہ ہوا۔ بادشاہ قسطلہ نے جو لشکر کثیر کی آمد اور سلطان کے عزم جہاد سے پیشتر آگاہ ہو چکا تھا، سفیر کے ساتھ بکمال لطف ومدارا پیش آیا، اور اپنے محل خاص میں مہمان رکھا۔ محمد ہفتم نے اپنے زمانۂ قیام میں تاتکمیل معاہدہ

تمام حالات بادشاہ وملک کے دریافت کر لئے، اور بعد حصول مقصد بغیر افشائے راز رخصت ہوا۔

محمد ہفتم کا عیسائیوں کے قلعوں پر قبضہ اور ان کا محاصرہ

واقعۂ مذکور کے بعد ہی عیسائی فوج نے جو سرحد کے قریب مقیم تھی، معاہدوں کے بالکل خلاف غرناطہ کے حدود میں داخل ہو کر مقامات کو تباہ اور رعایا کو پریشان کرنا شروع کیا۔ سلطان خود جنگ کا حیلہ ڈھونڈھ رہا تھا، اُسی وقت یلغار کرتا ہوا دور تک حدود قسطلہ میں در آیا۔ سرحدی قلعوں پر قبضہ کیا، اور جو مقامات سرحد سے دُور تھے، اُن کو تاراج کرتا ہوا بہت کچھ مال غنیمت کے ساتھ واپس ہوا۔ جس وقت ان واقعات کی اطلاع قومس کو ہوئی، تو اس نے درخواست کی کہ خلاف عہد جن مقامات پر عربوں نے قبضہ کیا ہے، وہ واپس کر دیئے جائیں۔ سلطان نے جواب دیا کہ:

''اس لڑائی میں تمہاری سرحدی فوج نے ملک کو بہت نقصان پہنچایا۔ لہٰذا شکایت ہم کو کرنی چاہئے تھی نہ کہ تم کو، ہم نے مجبوراً محض اپنی حفاظت اور سرحد کی مضبوطی کے لئے چند قلعوں پر قبضہ کیا ہے''

یہ مقامات تسخیر شدہ سرحد پر دُور دُور واقع تھے۔ چونکہ دشمن نے ان کا علحدہ علحدہ محاصرہ کیا تھا، محمد ہفتم کو بھی ان کے مقابلہ کے واسطے اپنے لشکر کو تقسیم کرنا پڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نزاع کی یکسوئی میں دیر ہوتی گئی، اِسی اثناء میں بادشاہ قسطلہ مر گیا، اور اس کا شیر خوار بیٹا یوحنا(۱) تخت پر بیٹھا، اور اُس کا چچا فردلند مہمات سلطنت کا متکفل مقرر ہوا۔ اس نے جنگ کو بدستور قائم رکھا۔ سلطان محمد نے دوسرا طرزِ جنگ اختیار کیا۔ یعنی ایک طرف ان عیسائیوں کو اپنے حصول مقصد میں مشغول رکھا، اور خود فوج لے کر دوسری طرف جیان پر صف آرا ہوا۔ نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا، اور دشمن اپنی تھکی

(۱) انگریزی میں جان کہتے ہیں۔

ماندی فوج کے بڑے حصے کو جیان کی حفاظت کے واسطے منتقل کرنے پر مجبور ہوئے۔ آخر کار عربوں کی شرائط منظور کر کے فردلند نے اِس طولانی لڑائی سے نجات حاصل کی۔ تقریباً تین سال تک کوئی فساد رونما نہیں ہوا۔

جنگ قنداق

سنہ ۸۰۳ھ م سنہ ۱۴۰۱ء میں سرحد پر کچھ آثار بدامنی پائے گئے۔ سلطان محمد ہفتم نے فوراً سات ہزار سوار اور بارہ ہزار پیادوں کی جمعیت سے بغرض فتح حصن القنداق کوچ کیا۔ مقام مذکور کے قریب سخت جنگ واقع ہوئی، مگر کسی فریق کو غلبہ حاصل نہ ہوا، اور اس شرط پر کہ آٹھ ماہ جنگ ملتوی رہے گی فی الوقت صلح کر لی۔

محمد ہفتم کا انتقال اور یوسف ثالث کی تخت نشینی

اس مدت کے ختم ہونے کے قبل سلطان کو مرض مُہلک لاحق ہوا۔ زندگی سے مایوس ہو کر اس نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کیا، اور اس خیال سے کہ مبادا یوسف[1] فساد برپا کرے خفیہ طور پر اُس کے قتل کا حکم جاری کیا، جب یہ حکم شلوبانیہ کے حاکم کو پہنچا وہ شہزادۂ یوسف کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ چونکہ یوسف نے اپنے حسن سلوک سے حاکم قلعہ کو اپنا سچا دوست بنا لیا تھا یہ نہایت متفکر ہوا، اور تا بدیر حالتِ سکوت میں رہا۔ شہزادہ قلع دار کے شدید انتشار سے جو اُس کے بشرے سے صاف نمایاں تھا، فوراً سمجھ گیا کہ اب زندگی محال ہے۔ مضمون فرمان سے مطلع ہو کر اس سے درخواست کی کہ ''تھوڑی مہلت مجھ کو دی جائے تا کہ میں اپنے عزیزوں سے رخصت ہولوں''۔

حکم برندہ تعمیل حکم شاہی میں تشدد کر رہا تھا کہ اتنے میں چند اعیانِ سلطنت وارد ہوئے، اور سلطان محمد ہفتم کے انتقال کی خبر سن کر یوسف کو تخت نشینی کی مبارک باد دی۔ یوسف ان اخبار بیم ورجا سے گاہے محزون وگاہے مسرور حالت سکتہ میں بیٹھا رہا۔

(۱) جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے محمد ہفتم نے تخت نشینی کے بعد ہی اپنے بڑے بھائی یوسف کو قلعہ شلوبانیہ میں مقید کر دیا تھا۔

مگر جب اس کے ہوش و حواس درست ہوئے، اور ان امراء کے کلام سے بوئے صدق آئی تو یہ فوراً غرناطہ کی طرف روانہ ہوا۔

یوسف ثالث کی سفارت اور صلح کل طرز حکومت

سلطان یوسف نے جلوس کے بعد ہی امیر عبد اللہ کی سرکردگی میں سفارت بغرض اعلان تخت نشینی قسطلہ روانہ کی، امیر موصوف نے قومس سے کہا کہ "ہمارے صلح پسند اور رحم دل سلطان کا دِلی مقصد یہ ہے کہ اپنے ہمسایوں سے ارتباط و دوستی قائم رکھے، تاکہ عامہ خلائق کو امن و آسودگی حاصل ہو۔ لہٰذا جو معاہدے کہ محمد ہفتم نے تمہارے ساتھ کئے ہیں، اگر تم اُن کو قائم رکھنا چاہو تو سلطان بلا تامل اُن کو منظور کر لے گا"

بہت کچھ خط و کتابت اور معاہدوں کے تغیر و تبدل کے بعد یہ قرار پایا کہ دو سال تک جانبین سے جنگ ملتوی رہے۔ بعد اختتام مدت مذکور سلطان یوسف نے اپنی نیک نیتی اور صلح کل طرزِ حکومت کا یہ دوسرا ثبوت دیا کہ اپنے بھائی علی کو بغرض توسیع مدت قسطلہ بھیجا، مگر عیسائیوں نے اس مخلصانہ برتاؤ کو خوف اور کمزوری پر محمول کیا، اور یہ گستاخانہ جواب دیا کہ: "اگر تمہارا سلطان ہم کو سالانہ خراج دینا قبول کرے تو ہم تمہاری درخواست پر لحاظ کریں گے" علی یہ کہہ کر کہ اس بیہودہ گفتگو کا جواب تم کو شمشیر آبدار سے ملے گا۔ واپس چلا آیا۔

معرکۂ اَنتَقِیرہ

ان واقعات کے بعد ہی فردلند مع فوج کثیر غرناطہ کی سرحد میں داخل ہوا، اور انتقیرہ کا محاصرہ کرلیا۔ عربوں نے محصورین کی امداد کے واسطے فوج بھیجی، اندر اور باہر عیسائیوں کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ قریب تھا کہ پسپا ہو جائیں، لیکن اُن کی مدد کے واسطے بھی تازہ دم فوج پہنچی۔ فردلند نے حکم دیا کہ قلعہ کے گرد ایک دیوار کھینچ دی جائے تاکہ وہ فوج جو قلعہ کے اندر مقیم ہے باہر نہ نکل سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور باوجودیکہ سلطان کے بھائی علی اور احمد نے باہر سے

نہایت ہمت اور جرأت سے عیسائیوں کا مقابلہ کیا۔ مگر اہل قلعہ کو رہائی نہ دلا سکے، اور بالآخر بوجہ فاقہ کشی اس وعدہ پر کہ فوج کو مع سامانِ حرب غرناطہ چلے جانے کی اجازت دی جائے گی قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔

دو ہم نام بھائیوں کے درمیان جنگ

معرکہ انتقیرہ کی ہنوز یکسوئی نہیں ہوئی تھی کہ جبل الطارق کی رعایا قلعہ دار کے ظالمانہ برتاؤ سے ایسی عاجز ہوئی کہ بالآخر سب نے ابوسعید بادشاہ فاس سے درخواست کی کہ ''خدا کے لئے اس ظلم وستم سے نجات دو''

اسی اثناء میں ابوسعید اپنے ہم نام بھائی ابوسعید سے جو ایک باخدا اور صاف باطن شخص تھا بدظن ہو گیا، لہٰذا اس کو یہ عمدہ موقع اپنے بھائی کو باہر بھیج دینے کا ملا، اور اس نے ابوسعید کو حکم دیا کہ ''جہاں تک ممکن ہو سکے دو ہزار فوج لے کر اس قلعہ پر قبضہ کرلو''

ابوسعید؛ بادشاہ کے خیالاتِ فاسد سے بے خبر حسب الحکم اندلس آیا، اور جبل الطارق کا محاصرہ کرلیا۔ باوجودیکہ رعایا نے اس کو ہر طرح مدد دی، لیکن اس مستحکم قلعہ کو یہ شہزادہ فتح نہ کر سکا۔

سلطان یوسف نے جب اس یورش (۱) کی خبر سنی، تو جو فوج کہ یہ ایسے نازک وقت میں علحدہ کر سکتا تھا اپنے بھائی احمد کو دے کر روانہ کیا، ابوسعید نے بھی اپنے بھائی سے فوج وسامان کی درخواست کی، چونکہ امیر فاس کی دلی خواہش یہی تھی کہ شہزادہ کسی طرح گرفتار وقتل ہو، اُس نے چند ازکار رفتہ کشتیاں ظاہراً ہمدردی جتانے کے لئے روانہ کردیں، گو شہزادے میں قوت مقاومت نہ تھی، لیکن اس کے موروثی وقار اور شجاعت نے گوارہ نہ کیا کہ، جنھوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اُن کی حفاظت نہ کرتا۔ پس جب تک کہ احمد سے باغی رعایا کی خطا معاف نہ کرالی ہتھیار نہیں رکھے۔ احمد شہزادے کے ساتھ

(۱) جنگ انتیقرہ میں ناکامی کا یہی سبب ہوا۔

نہایت اخلاق سے پیش آیا، اور اِس کو اپنے ہمراہ بطور مہمان لے کر پایہ تخت واپس آیا۔

اس واقعہ کے کچھ روز بعد بادشاہ فاس نے کوشش کی کہ ابوسعید مار ڈالا جائے۔ مگر یوسف کو اپنے بھائی کی ظلم وزیادتی اور اپنی سادہ دلی یاد تھی، اس خواہش کو نہایت حقارت کے ساتھ نامنظور کیا، اور ابوسعید سے کہا کہ اگر تو اپنے بھائی سے انتقام لینا چاہے تو میں تجھ کو فوج اور روپیہ سے ہر طرح مدد دینے پر راضی، اور اگر تو اس کی اس قبیح حرکت سے درگزر کرے تو میں تجھ کو یہاں عمدہ سے عمدہ مکانات رہنے کے لئے دینے کو تیار ہوں۔

ابوسعید کو جو اپنے بھائی کے ساتھ دلی محبت رکھتا تھا جب ان واقعات کا علم ہوا غم و غصے سے اس کی حالت متغیر ہوگئی، اور اُس نے فوراً انتقام کا قصد ظاہر کیا۔ چنانچہ سنہ ۸۲۰ھ مطابق سنہ ۱۴۱۷ء میں یہ المریہ سے اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا۔ فاس کے قریب جنگ واقع ہوئی۔ بادشاہ کو شکست کامل ملی، اور یہ شہر میں پناہ گزیں ہوا۔ رعایا نے جب دیکھا کہ بادشاہ کی حفاظت میں قریب قریب تمام فوج کام آچکی ہے، اور ابو سعید کی فوج میں کسی طرح کی کمی نظر نہیں آتی بلا اجازت دروازے شہر کے کھول دیئے۔ اور شہزادہ ابوسعید کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ سلطان ابوسعید نے چند روز کی قید سخت کے بعد انتقال کیا، ابوسعید ثانی نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے معاون وسر پرست سلطان یوسف کو قیمتی تحفے بھیجے، اور مدت العمر اُس کا سچا خیر خواہ بنا رہا۔

یوسف ثالث کے عدل وصلح کا اثر اور اس کا انتقال

سنہ ۸۲۰ھ میں فردلند نے یوسف سے دو سال کے لئے صلح کرلی، اور جب یوحنا[1] سِنِ بلوغ کو پہنچا، اور اپنے چچا کو علحدہ کر کے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، تو اپنی ماں کے مشورہ سے اُس مدت دو سالہ میں توسیع کی درخواست کی، جسے سلطان نے منظور کرلیا۔ یوسف کے عدل وصلح پسند طرز حکومت کا اثر مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں پر

(۱) یعنی جان بادشاہ قسطلہ۔

ایسا پڑا تھا کہ عیسائی محکوم وغیر محکوم اپنے نزاعوں کے تصفیہ کا دار و مدار اسی پر منحصر کرتے تھے[1]، یوسف نے سنہ ۸۲۳ھ م سنہ ۱۴۲۰ء میں انتقال کیا، اور جنت العارف میں جہاں شاہان غرناطہ مدفون تھے دفن ہوا۔

محمد ہشتم کی تخت نشینی اور محمد الصغیر کی بغاوت

یوسف کے بعد اس کا بیٹا محمد ہشتم سریر آرائے حکومت ہوا، اور معاملات خارجہ میں یوسف کی تقلید کرتا رہا، چنانچہ اس نے سفیروں کو قسطلہ اور افریقہ بھیجا، اور موجودہ معاہدوں کی تجدید کے بعد ان کی تکمیل وتعمیل کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ مگر افسوس کہ دشمنوں کے ساتھ تو دوستانہ تعلقات قائم کئے، اور اپنے دوستوں کے ساتھ نہایت بے اعتنائی و بے وفائی سے پیش آیا۔ رعایا تو ایک طرف، امراء اور اعیان سلطنت کو بھی نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتا، اور علانیہ ان کو ذلیل کرتا، اور اپنی اس نازیبا حرکت سے نہایت محظوظ ہوتا رہا۔

اُس زمانے میں امیر زادے بلکہ تمام ملک کے شرفاء فنِ سپہ گری پر فخر اور اُس کے حاصل کرنے میں کوشش بلیغ کرتے، اور روزانہ خاص خاص مقامات پر جمع ہو کر مشق میں مصروف رہتے تھے، ان کو اس طرف راغب کرنے کی غرض سے بادشاہِ وقت بذاتِ خود ان کاموں میں اُن کا شریک رہا کرتا تھا۔ لیکن محمد ہشتم نے ان تمام باتوں کو یک لخت موقوف کر دیا۔ یہ دن رات اپنے محل میں پڑا رہتا، اور صرف اپنے کم رتبہ ملازموں کی صحبت میں اپنا عزیز وقت خراب کیا کرتا تھا، جس کا آخرکار یہ نتیجہ ہوا کہ امیر و غریب سب اس سے متنفر ہو گئے۔ قاضی غرناطہ امیر یوسف اس کا وزیر موجود نہ ہوتا، تو اس کی زندگی محال تھی۔ اس امیر کی محض ذاتی وقعت واثر نے عامہ خلائق کو بغاوت سے باز رکھا۔ مگر

(۱) یہ کوئی چھوٹی سی بات نہ تھی کہ عیسائی بہ نسبت ہم قوم و ہم مذہب بادشاہوں کے ایک مسلمان کو اپنا قاضی بنائیں، اس کے متعلق جس سے عربوں کی کمال عدل گستری اور روشن خیالی ثابت ہوتی ہے میں نے اپنے دیباچہ میں اقوال مؤرخین اہل یورپ پیش کر کے اس واقعہ کو ثابت کیا ہے۔ دیکھو جلد اول دیباچہ۔

بے اعتدالیوں کی بھی ایک حد ہوتی ہے، جب ظلم وزیادتی اپنی حد سے تجاوز کر گئے تو خیر اندیش وزیر بھی جو سلطان کی اصلاح طبیعت سے مایوس ہو چکا تھا فساد کو نہ روک سکا۔ اور محمد الصغیر نے ایک روز موقع پا کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ محمد ہشتم بدقت تمام شہر سے باہر آیا، اور ایک غریب ملاح کی شکل بنائے ابو فارس بادشاہ تونس کے پاس بھاگ آیا۔

محمد نہم الصغیر کا قتل اور محمد ہشتم کی دوبارہ تخت نشینی

محمد نہم کی تائید امراء نے ایک حد تک کی، مگر اس سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وزیر یوسف کو بلا وجہ اپنا دشمن بنا لیا یوسف ایک نامی خاندان کا رکن، اور باوقعت امیر اور دیگر عمائد سلطنت سے قرابت رکھتا تھا، جب دوستوں اور رشتہ داروں سے سلطان کی بدظنی پائی گئی، تو یہ مع پندرہ سو امیروں کے مرسیہ بھاگ آیا۔ اور یہاں سے بعد حصول اجازت قومس قسطلہ کے پاس جا کر محمد نہم کی ظلم وزیادتی کی شکایت کی، اور محمد ہشتم کی مدد پر آمادہ کرنا چاہا۔ قومس نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا عمدہ موقع دیکھا۔ اور رائے دی کہ چند باغی امیر اس کے سفیر کے ساتھ بادشاہ تونس کے پاس جائیں، اور اُس کو اپنا معاون بنانے کی کوشش کریں۔ بادشاہ مذکور پہلے ہی سے موقع کا منتظر تھا، اس سفارت کے پہنچتے ہی پانچ سو سوار اور ایک معقول رقم فوج وسامان کے لئے دے کر محمد ہشتم کو رخصت کیا۔ یہاں یوسف نے اپنے آقا کے اگلے برتاؤ کا اثر بہت کچھ مٹا کر صوبۂ الریہ کی رعایا کو ہموار کر رکھا تھا۔ محمد نہم کو جب اِن واقعات کی اطلاع ہوئی، تو اس نے بہ تعجیل تمام اپنے بھائی کو سات سو سوار دے کر اہل افریقہ کے مقابلے کے لئے بھیجا، مگر یوسف نے ایسا انتظام کیا تھا کہ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوئیں تو آدھے سے زیادہ عرب اپنے بادشاہِ سابق سے آملے، اور الصغیر کا بھائی غرناطہ بھاگ آیا۔ محمد ہشتم بھی عقب میں غرناطہ پہنچا۔ الصغیر نے پہلے مقابلہ کا قصد کیا، لیکن جب دیکھا کہ تمام ملک اس سے منحرف ہے تو بادل نخواستہ امان کا طالب ہوا،

لیکن خلاف عہد سلطان نے الصغیر کو فوراً قتل کرڈالا اور دوبارہ سنہ ۸۳۳ھ مطابق سنہ ۱۴۳۰ء میں تخت پر بیٹھا۔

شاہ قسطلہ کا غرناطہ پر حملہ

صعوبت جلاوطنی سے محمد ہشتم کو ایسی تنبیہ ہوئی تھی کہ اس نے سابقہ بد رَوِشی سے پرہیز کیا، اور اپنی عزیز رعایا کی دل جوئی اور دل سوزی سے بنیاد سلطنت کو مستحکم کرنا چاہا، اور اپنے سچے خیر خواہ یوسف کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ لیکن جب بادشاہ قسطلہ سے دوامی صلح کی خواہش کی، تو یہ جواب ملا کہ ''جو رقم کہ میں نے تم کو بطور قرض دی تھی اُس کو واپس کرو اور خراج دینا قبول کرو'' محمد ہشتم یہ گستاخانہ جواب سن کر خاموش ہوگیا۔ قومس نے بادشاہ تونس سے اس وعدہ خلافی اور احسان فراموشی کی شکایت کی، اور اُس کو رضامند کرنا چاہا کہ اگر لڑائی کی نوبت آئے تو وہ سلطان کی مدد نہ کرے گا۔

بالآخر اس عیسائی نے دو مختلف راستوں سے غرناطہ پر حملہ کیا۔ جس فوج نے القصر پر یورش کی تھی اُس کو عربوں نے کامل شکست دی، مگر قلعہ قمارش کی طرف عیسائیوں نے متعدد قلعوں کو فتح کیا، اور اس حصۂ ملک کو تباہ اور تاراج کرتے ہوئے قرطبہ واپس چلے گئے۔

یوسف ابن الاحمر کی بغاوت

باوجودیکہ رعایا نے سلطان کا پورے طور پر ساتھ دیا، اور سلطان نے بھی اپنے کو عملاً خیر خواہِ قوم اور ملک ثابت کر دیا تھا۔ تاہم بعض خود غرض کوتاہ اندیش امیروں کی طرف سے اس کو اطمینان نہ تھا، چنانچہ اس کا یہ شبہ صحیح نکلا، اور ایسے نازک وقت پر جبکہ عیسائی ملک کو برباد کر رہے تھے، ایک متمول امیر یوسف ابن الاحمر نے بغاوت کے علم کو بلند، اور بادشاہ قسطلہ کو دوبارہ جنگ پر بدیں وعدہ آمادہ کیا کہ ''تادمِ مرگ میں اپنے سرپرست [1] کو خراج ادا کرتا رہوں گا، اور بوقت ضرورت آٹھ ہزار فوج سے مدد دوں گا'' عیسائی کے لئے یہ بغاوت نعمت غیر مترقبہ تھی، اس نے بلا تامل امیر موصوف کی درخواست کو قبول کرلیا۔

(۱) یعنی بادشاہ قسطلہ۔

محمد ہشتم اور ابن الاحمر کے درمیان معرکہ آرائی

باغی مسلمان اور عیسائی دونوں البیرہ کے پہاڑوں کے دامن میں خیمہ زن ہوئے۔ یہاں سخت معرکہ آرائی ہوئی، اور صبح سے شام تک دونوں فوجیں برابر لڑتی رہیں۔ شام کے قریب جب سلطان نے دیکھا کہ ہزاروں مسلمان شہید ہو گئے، اور جو باقی رہ گئے ہیں، وہ اب مقابلہ کے قابل نہیں رہے ہجوم رنج والم سے پریشان شہر میں داخل ہوا۔ عیسائی فوج کا بھی ایک بہت بڑا حصہ کام آچکا تھا، اور جو فوج کہ باقی رہ گئی تھی، وہ اس قابل نہ تھی کہ دوسرے روز اپنی اس کامیابی سے کچھ فائدہ اٹھائے۔ پس قومس نے ابن الاحمر کے اصرار اور خوشامد پر توجہ نہیں کی، اور قرطبہ واپس چلا گیا۔ البتہ اس باغی کو قابو میں رکھنے کی غرض سے دربار عام میں اس کو اپنی طرف سے حکمران غرناطہ کا لقب دے کر آئندہ مدد دینے کا وعدہ کیا۔ ابن الاحمر حدود غرناطہ میں داخل ہوا، اور رندہ اور لوشہ وغیرہ مقامات پر سرحدی عیسائیوں کی مدد سے قبضہ کر لیا۔ یہاں سے اُس نے ایک خط شکریہ کا بادشاہ قسطلہ کے پاس بھیجا جس میں اپنے سابق عہدِ اطاعت و باج گزاری کی تجدید کی، اور وعدہ کیا کہ:

''بروقت جنگ فوج وسامان سے اپنے سرپرست کی مدد کرتا رہوں گا، اور جب کبھی بادشاہ جبل طلیطلہ سے گزر کر غرناطہ کی طرف آئے تو یا تو بذات خود دربار میں حاضر ہو کر اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا ثبوت دونگا، اور اگر نہ آسکا تو اپنے امراء کو نیابتاً بھیجونگا''

یہ تحریر ایک اقرار نامہ تھی۔ رئیس قسطلہ نے معقول فوج بھیج کر ابن الاحمر کو حکم دیا کہ غرناطہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ محمد ہشتم نے اپنی پوری فوج وزیر یوسف کی سرکردگی میں ابن الاحمر کے مقابلہ کے واسطے روانہ کی، سنہ ۸۳۹ھ مطابق سنہ ۱۴۳۶ء میں ان دونوں امیروں میں بہت سخت لڑائی واقع ہوئی، جس میں وزیر یوسف قتل ہوا، اور اُس کی فوج ہزیمت خوردہ غرناطہ کی طرف بھاگ گئی۔ اس شکست سے اہل غرناطہ کچھ ایسے ہراساں و مرعوب ہوئے کہ سب نے سلطان محمد کو مشورہ دیا کہ ''دشمن غرناطہ کے قریب

آ پہنچا ہے، اور ہمارے پاس اتنی فوج نہیں کہ ہم اس کا مقابلہ کریں، بہتر ہوگا کہ اس کے آنے کے قبل ہی تو یہاں سے چلا جا'' سلطان مجبوراً مع اپنے عیال واطفال اور جو خزانہ کہ الحمراء میں جمع تھا، لے کر مالقہ میں جہاں ہنوز اس کے طرف دار باقی تھے پناہ گزیں ہوا۔

ابن الاحمر کا غرناطہ میں داخل ہونا اور شاہِ قسطلہ کے نام خط روانہ کرنا

ابن الاحمر تمام فوج کو باہر چھوڑ کر صرف چھ سو سواروں کے ہمراہ غرناطہ میں داخل ہوا۔ قصر الحمراء میں تمام امراء واعزہ شہر نے اطاعت وفرمانبرداری کا حلف لیا۔ اُسی روز اس نے ایک خط بمضمون ذیل بادشاہ قسطلہ کو بھیجا۔

''یوسف محمد بن الاحمر بادشاہ غرناطہ تمہارا مطیع وفرماں بردار بہ اظہار عقیدت و نیاز مندی معروضہ کرتا ہے کہ میں سیدھا غرناطہ آیا۔ اور یہاں کے تمام امراء اور علماء نے مجھ کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ یہ دن مجھ کو خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم اور تمہاری عنایت و مدد سے نصیب ہوا۔ سلطان محمد ہشتم مع اپنے رشتہ داروں کے مالقہ کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن جانے کے قبل جو مال واسباب کہ الحمراء میں جمع تھا تمام وکمال اپنے ساتھ لے گیا، اور اب میں نے تمہارے فوجی افسر کو تعاقب میں مالقہ روانہ کیا ہے، مجھ کو امید ہے کہ اپنے سرپرست کی مدد سے میں اس کو گرفتار کرلوں گا''

رئیس تونس کا خط اور قومس قسطلہ کا جواب

اسی اثناء میں رئیس تونس کا خط قومس قسطلہ کے پاس بدیں مضمون پہنچا کہ ''سلطان محمد کو زیادہ پریشان کرنا مجھ کو گوارا نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ تم اپنی رقم وصول کرنے پر اکتفا کروگے''

اس نے از راہِ مکر سلطان محمد کی حالت پر کچھ رنج وافسوس ظاہر کیا اور لکھا کہ ''میں خود سلطان کو تخت سے علحدہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جب یہ امر شدنی وقوع میں آچکا ہے، تو اب اس کا انسداد میرے دستِ قدرت میں نہیں رہا، مجھ کو البتہ اس کے دشمنوں

کی مدد دینے کا اعتراف اور افسوس ہے"

ابن الاحمر کا انتقال اور محمد ہشتم کی تیسری بار تخت نشینی

ابن الاحمر کو یہ خلافِ امید کامیابی اس وقت حاصل ہوئی تھی جب اُس کا آفتاب عمر قریب غروب پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ انتزاعِ حکومت کے چھ مہینے کے بعد اس نے انتقال کیا۔ محمد ہشتم تیسری بار تخت پر بیٹھا۔ امیر عبدالحق وزیر مقرر ہوا، اور کوشش کی کہ شاہان قسطلہ و تونس مصالحت پر راضی کئے جائیں۔ عیسائیوں نے بہ مصلحت وقت ایک سال جنگ کو ملتوی رکھا۔

عیسائیوں کے ساتھ جنگ

اس مدت کے ختم ہوتے ہی باہمی محاربات شروع ہو گئے، جن میں کبھی عیسائی اور کبھی مسلمان غالب آئے۔ سنہ ۸۴۰ھ مطابق سنہ ۱۴۳۷ء اور سنہ ۸۴۱ھ میں امیر عبدالبر فوج عرب کے نامی سپہ سالار نے قمارش اور وادی آش کے قریب عیسائیوں کو متواتر شکستیں دیں، اور ان کے علم اور سامان پر قبضہ کر لیا۔

لیکن جنگ کا سلسلہ منقطع نہ ہوا، بلکہ عیسائیوں نے قزاقانہ طرز اختیار کیا یعنی رات کو جس سرحدی مقام کو غیر محفوظ پاتے تھے، لوٹ کر صبح کو غائب ہو جاتے تھے۔ عربوں کو بھی سرحد پر جا بجا فوج متعین کرنی پڑی۔ بالآخر سلطان محمد نے عاجز آ کر عیسائیوں کو صلح پر آمادہ کرنا چاہا، مگر ایسے سخت شرائط پیش ہوئے کہ جن کو یہ اگر منظور کر لیتا تو وادیٔ آش اور نبرہ جو پایہ تخت کے بالکل قریب تھے۔ عیسائیوں کے قبضے میں چلے جاتے۔

اس اثناء میں خبر آئی کہ عیسائیوں نے جبل الطارق پر یورش کی ہے، اور پھر فوراً یہ خوش خبری سنی کہ دشمن اپنی متواتر کامیابی سے ایسے مدہوش ہوئے کہ اہل قلعہ نے ایک رات موقع پا کر ان پر شب خون مارا۔ ہزاروں قتل و غارت ہوئے، جو بچے وہ خوف زدہ دریا میں ڈوب کر مر گئے —— دوسری طرف ابن سراج پسر وزیر یوسف نے قمرقاش کے قریب ان کے نامی افسر دان پیریا کو شکست دے کر قتل کر ڈالا تھا۔ مگر افسوس ہے

کہ جوش فتح میں میدان جنگ میں اس نے اپنی جان بھی دے دی۔ قسمت کے خلاف امید یاوری اور عربوں کے ظفریاب ہونے سے یوحنا[1] کی ہمت ٹوٹ گئی۔

محمد ہشتم کی تیسری بار معزولی

لیکن جب امن ملا تو خانہ جنگی کے آثار نمودار ہونے لگے، محمد بن اسماعیل اور ابن عثمان سلطان کے دو بھتیجے اس فساد کے بانی تھے، ابن عثمان الریہ میں مقیم تھا۔ بغاوت کے شروع ہوتے ہی اس نے دفعۃً الحمراء میں داخل ہوکر محمد ہشتم کو تیسری بار معزول کیا۔

ابن عثمان کی فتوحات

سنہ ۸۴۹ھ مطابق سنہ ۱۴۴۵ء میں امیر عبدالبر نے اپنے معزول آقا کی رہائی کا عزم کیا۔ اکثر مقتدر امراء راز میں شریک تھے۔ لیکن اس خیال سے کہ مبادا علانیہ تائید سے سلطان قتل نہ کرڈالا جائے۔ رائے یہ قرار پائی کہ فوج کشی ابن اسماعیل کے نام سے کی جائے۔ چنانچہ عبدالبر اور ابن اسماعیل دونوں نے بادشاہ قسطلہ سے مدد کا وعدہ لیا۔

ابن عثمان جب اس راز سے واقف ہوا، اس نے قبل اس کے کہ ان کی فوجیں ایک جگہ جمع ہوتیں بہ تعجیل تمام پہلے قسطلہ پر یورش کر کے ایک ہی حملہ میں یکے بعد دیگرے قلعہ مورل اور قلعہ ظلمہ کو فتح کرلیا، اور کئی سال ان کو سنبھلنے کی مہلت نہیں دی، چنانچہ سنہ ۸۵۲ھ مطابق سنہ ۱۴۴۸ء تک ہر ممکنہ طور پر عیسائیوں کی غارت گری میں مصروف رہا۔ سنہ مذکور میں ابن عثمان نے اپنی فوج کو چند حصوں میں تقسیم کر کے مختلف راہوں سے قسطلہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، اور ایک دستہ ابن اسماعیل کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اسی اثناء میں یہ امید افزا خبر پہنچی کہ شاہان ارغون اور اربونہ[2] قومس قسطلہ کے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس نے اسی وقت سفیر ارغون اور اربونہ بھیج کر ان بادشاہوں کو اس امر پر راضی کیا کہ اگر یہ دونوں قسطلہ پر حملہ آور ہوں، تو یہ بھی اس طرف سے یورش

(۱) قومس قسطلہ۔ (۲) یہ دونوں بادشاہ قوم عیسائی سے تھے۔

کرے گا۔ حسب قرار داد سنہ ۸۵۴ھ مطابق سنہ ۱۴۵۰ء میں سلطان بذات خود مع لشکر کثیر صوبۂ مرسیہ کو تاخت وتاراج کرتا، اور فوج قسطلہ کو شکست دیتا ہوا، بہت کچھ مال غنیمت کے ساتھ غرناطہ واپس آیا۔

اسی طرح سال آئندہ بھی بشراکت شاہ ارغون وار بونہ، ابن عثمان نے اندلوسیہ پر حملہ کیا، اور جس طرح مرسیہ کو اس نے تباہ کیا تھا، اس ملک کو بھی جہاں تک ممکن ہوسکا خراب کرتا رہا۔ اگر یہ چاہتا تو قرطبہ کا محاصرہ کر لینا کوئی مشکل امر نہ تھا۔ سرِ دست بمشورۂ اعیان دولت اسی قدر کامیابی پر اکتفا کی۔ کئی سال کی متواتر خونریزی نے فریقین کو اس درجہ خستہ حال کر دیا تھا کہ بغیر لڑائی کے ملتوی کئے چارہ نہ تھا۔ تقریباً چار سال معرکہ آرائی موقوف رہی۔ اس وقفہ میں یوحنا قومس قسطلہ نے ارغون اور اربونہ کے حکمرانوں کو بمشکل مصالحت پر رضامند کیا، اور سنہ ۸۵۹ھ مطابق سنہ ۱۴۵۴ء میں معاہدہ کی تکمیل کے بعد ہی ابن عثمان کی طرف متوجہ ہوا۔

ابن اسماعیل کا غرناطہ پر قبضہ اور اس کا انتقال

یہاں غرناطہ میں نئے اور افسوسناک واقعات رونما ہورہے تھے۔ یعنی متواتر کامیابیوں نے ابن عثمان کو ایسا مغرور ومتکبر بنادیا تھا کہ اس نے بخلاف عادت منصفانہ سابق ظلم وزیادتی شروع کردی تھی، اور امراء اور عامۂ خلائق دونوں روز بروز اس سے بددل ہوتے جاتے تھے۔ پس جب جنگ کی نوبت آئی، تو اس نے دیکھا کہ تمام رعایا علانیہ اس کی مخالفت پر آمادہ ہے، ایسے نازک وقت پر بھی اس نے اپنے مذموم طرز کو نہ چھوڑا، اور بعض امراء کو قصر الحمراء میں قتل کر ڈالا، بعدہٗ مع چند خاص مشیروں کے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوا۔ ابن اسماعیل نے عیسائیوں کی کمک سے بلا تعرض دارالسلطنت غرناطہ میں داخل ہو کر امن کا اعلان جاری کیا، ان واقعات کے چند روز بعد یوحنا قومس قسطلہ نے انتقال کیا، اور دان انریق ابن یوحنا جانشین ہوا۔ ابن اسماعیل نے سنہ ۸۷۰ھ مطابق سنہ ۱۴۶۶ء میں انتقال کیا، اور اس کا نامور بیٹا ابوالحسن تخت نشین ہوا۔

باب ہفتم

ابوالحسن کی تخت نشینی — صَخرَہ پر عربوں کا قبضہ — جنگ الحمہ — عربوں کی شکست — ابوعبداللہ محمد [۱] کی بغاوت — لوشہ کا محاصرہ — عیسائیوں کی شکست — انقلاب غرناطہ — ابوعبداللہ اور فردلند — مالقہ اور المریہ اور باجہ پر عیسائیوں کا قبضہ — خانہ جنگی — عربوں کی شکست — جنگ غرناطہ — عیسائیوں کی عہد شکنی — عربوں کا ملک اندلس سے اخراج۔

ابوالحسن کی تخت نشینی اور قلعہ صَخرہ پر عربوں کا قبضہ

سنہ ۸۷۰ھ م سنہ ۱۴۶۶ء میں اپنے باپ کے انتقال کے بعد ابوالحسن مسندِ فرمانروائی پر متمکن ہوا۔ دس برس کے اندر، باہر زمانہ بالکل بدل چکا تھا، اور اب بجائے اُن حکمرانوں کے جنھوں نے سلطان کے باپ اور دادا کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی ہمیشہ خواہش کی تھی، اور بروقت ضرورت اُن کی مدد بھی کرتے تھے، فردلند [۲] اور اُس کی بیوی ازابیلا قسطلہ میں حکمراں تھے۔ سنہ ۸۸۰ھ م سنہ ۱۴۷۶ء میں فردلند نے سلطان کو لکھا کہ، اگر تم صلح چاہتے ہو تو بلا عذر ہم کو خراج دینا منظور کرو — ابوالحسن نے جواب دیا کہ ''غرناطہ کے دارالضرب میں اب سونے کے سکے کے عوض فولادی

(۱) اصل میں ''ابوعبداللہ محمد'' کی جگہ ''الزغل'' ہے (محمد امین)

(۲) فردلند اور ازابیلا کی شادی کے بعد ارغون بھی شریک ہو گیا تھا۔

شمشیریں اور سنانیں (نیزے) عیسائیوں کے جگر چاک کرنے کی غرض سے تیار ہوتی ہیں'' ـــــ یہ جواب غرور و لاف زنی پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ جیسا آئندہ بیان کیا جائے گا اس نے مصمم قصد کر لیا تھا کہ ''یا تو اس ملک میں جہاں ہم کو آٹھ سو برس گزر چکے ہیں، آزادانہ بلاشرکت غیرے حکومت کریں گے، یا میدان میں اپنی جانیں دے دیں گے''

عیسائی چاہتے تھے کہ پیش قدمی کریں، مگر عین وقت ہمت ہار جاتے تھے۔ چند سال کے انتظار کے بعد آخر کار سنہ ۸۸۶ھ م سنہ ۱۴۸۱ء میں ابوالحسن نے خود دفعۃً اپنی پوری قوت سے سرحد اندلوسیہ کے قلعہ صخرہ [1] پر حملہ کیا، قلعہ نہایت بلند اور مستحکم، اور اس کے ایک جانب سے دریائے وادی لگہ نہایت زور و شور سے بہتا تھا، مگر عربوں نے اپنے نوجوان سلطان کو جنگ میں شریک دیکھ کر وہ اسلامی جوہرِ شجاعت دکھائے، کہ شب تاریک و طوفان خیز کی بھی پروا نہ کی، اور رات بھر ہی میں قلعہ فتح کر لیا۔

جنگ الحمّہ

فردلند یہ دیکھ کر کہ عیسائی مرعوب ہو کر پسپا ہو رہے ہیں میدان جنگ سے ہٹ آیا، اور اپنے سپہ سالار کو ہدایت کی کہ عربوں کی حدود میں جو مقامات غیر محفوظ ہوں ان پر قبضہ کر لیا جائے، چنانچہ سنہ ۸۸۷ھ م سنہ ۱۴۸۲ء میں قلعہ الحمّہ [1] پر حاکم قادس نے بآسانی قبضہ کر لیا، اور جوش تعصب میں ہزاروں مسلمان عورتوں بچوں کو بلاوجہ قتل کر ڈالا۔

جب اس حادثہ کی خبر غرناطہ پہنچی، تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ سلطان ڈرا کہ رعایا کا غم کہیں ان کو باغی نہ کر دے، پس فوراً وزیر کو تاکیدی حکم دیا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے، عیسائیوں سے گناہوں کا قرار واقعی انتقام لیا جائے، چونکہ یہ قلعہ غرناطہ کے قریب واقع تھا، اور فوج کی تعداد دس ہزار تھی، عیسائی افسر چاہتا تھا کہ مع مال غنیمت واپس ہو جائے

(۱) اس مقام کو بعض مؤرخین ضحرہ کہتے ہیں اور بعض صخرہ، اسی طرح عیسائی مؤرخ بھی بعض سیگرس اور بعض زارہ لکھتے ہیں۔ (۲) اس قلعہ کے حمام تمام دنیا میں مشہور تھے اور المقری لکھتا ہے کہ صرف ان حماموں سے پانچ لاکھ دینار سالانہ وصول ہوا کرتے تھے۔

دفعۃً عربوں نے ان کو محصور کرلیا، مگر محاصرہ ہنوز مکمل نہ ہوا تھا کہ قرطبہ سے دوسرے لشکر کے آمد آمد کی اطلاع ہوئی۔ عرب سپہ سالار نے فوج بقدر ضرورت قلعہ کے سامنے چھوڑی، اور خود باقی لشکر لے کر جدید فوج کا سدراہ ہوا، بعد از زدوکوب [1] بسیار عیسائی بجانب قرطبہ پسپا ہو رہے تھے، لیکن خبر پہنچی کہ حاکم اشبیلیہ کثیر فوج کے ساتھ قلعہ کے سامنے موجود ہوا ہے۔ گو فتح مبدل بہ شکست ہو چکی تھی، لیکن سپہ سالار عرب نے اپنی فوج کو اس خوبی سے بچایا کہ ماہرین فن جنگ کی زبان سے صدائے آفریں بلند ہوئی۔

جنگ لوشہ ماہ جمادی الاولی سنہ ۸۸۷ھ میں معلوم ہوا کہ حدود قسطلہ میں فوجی نقل و حرکت کے آثار شروع ہو گئے، اس کے بعد ہی خبر پہنچی کہ فردلند خود لوشہ کی طرف آرہا ہے، ابوالحسن بھی پابرکاب تھا، فوراً روانہ ہوا، اور لوشہ کی نواح میں بتاریخ ۲۷ر جمادی الاولی عیسائیوں کو شکست و نقصان کثیرہ کے ساتھ سرحد سے باہر کر دیا۔

ابوعبداللہ محمد کی بغاوت افسوس ہے کہ باوجود ان متواتر صدمات شدیدہ کے عرب ہوشیار نہ ہوئے، اور ایسے نازک وقت پر جبکہ عیسائی چاروں طرف سے اس چھوٹی سی اسلامی ریاست کو گھیرے ہوئے، رہی سہی قوت کے توڑنے میں ہمہ تن مصروف تھے، گھر میں آتشِ فساد پھر مشتعل ہوئی۔ ابوالحسن کی دو بیبیاں تھیں، ایک اس کے چچا سلطان عبداللہ کی لڑکی، جس کے بطن سے دو بیٹے ابوعبداللہ محمد، اور ابوالحجاج یوسف تھے۔ اور دوسری بیوی جسے یہ زیادہ عزیز رکھتا، قوم نصاریٰ سے تھی، یہ بھی صاحب اولاد تھی، ابوعبداللہ محمد اور یوسف احقاق حق سے کچھ ایسے ناامید ہوئے کہ بتائید امرائے عرب دونوں وادی آش آئے، اور عین اس زمانہ میں کہ باپ جنگ لوشہ میں مصروف تھا بسطہ اور المریہ (اور) خاص دارالسلطنت غرناطہ پر مسلط ہو گئے، اور سلطان کو مجبوراً مالقہ چلا آنا پڑا۔

(۱) اصل میں ''کوب'' کی جگہ ''خورد'' ہے (محمد امین)

عیسائیوں کی فوج کشی اور ابوالحسن کا حملہ

عیسائیوں کو فوج کشی کے واسطے اس سے زیادہ اور کیا موقع مل سکتا تھا۔ سنہ ۸۸۸ھ م سنہ ۱۴۸۳ء میں اشبیلیہ اور استجہ اور شریش کے عیسائی بہ جمعیت آٹھ ہزار مالقہ کے سامنے نمودار ہوئے، باوجود خانہ جنگی کی شدید مشکلات کے ابوالحسن توکل علی اللہ دشمن کے مقابل ہوا، اور اُن پر ایسا سخت حملہ کیا، کہ فوج شریش اور اشبیلیہ کے سپہ سالاروں کو مع دو ہزار فوج کے گرفتار کرلیا، بہت قتل ہوئے، اور جو زندہ بچے اپنے ملک بھاگ آئے۔

خانہ جنگی کا نتیجہ

خانہ جنگی کا آخر کار یہ نتیجہ ہوا کہ سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ شہر غرناطہ اور اُس کے مضافات پر ابوعبداللہ محمد حکمراں ہوا، اور مالقہ اور الغرب کا حصہ سلطان کے قبضہ میں رہا۔ ابوعبداللہ محمد نے پھر باپ پر فوج کشی کی، لیکن مالقہ کے قریب شکست کھا کر غرناطہ چلا آیا۔

ابوعبداللہ محمد کی گرفتاری اور الزغل کی جانشینی

اس واقعہ کے کچھ روز بعد باپ کو چھوڑ کر نصاری کی جانب متوجہ ہوا۔ چنانچہ ماہ ربیع الاول سنہ ۸۸۸ھ میں دفعتاً یلغار کرتا ہوا الیسانہ داخل ہوا، اور انتقاماً ملک تاراج اور عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ فردلند نے عربوں کو لوٹ مار میں مصروف رکھا، اور حالت بے خبری میں بعجلت تمام ان کے عقب میں تمام راستوں اور دَرہ ہائے کوہ کو مورچوں سے مستحکم کرلیا۔ عربوں کا جب کاسۂ طمع بھر چکا، اور اُسی غفلت میں یہ اُن دَرہ ہائے کوہ سے گزر رہے تھے کہ عیسائیوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر قریب قریب تمام فوج کو قتل کر ڈالا۔ اور ابوعبداللہ محمد کو گرفتہ وبستہ قسطلہ بھیج دیا۔ غرناطہ میں جب انکو ہوش ربا حالات کی خبر پہنچی، سب اپنے قصور پر نادم ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوئے لیکن اس وقت جبکہ یہ مفلوج اور نابینا ہو چکا تھا، قوم کے اصرار پر سلطان نے اپنے بھائی ابوعبداللہ الزغل کو اپنا جانشین نامزد کیا، اور اُسی وقت حکومت بھی اُسی کے سپرد کردی۔

قلعۂ بقوان اور رندہ پر عیسائیوں کا قبضہ

ماہ ربیع الثانی سنہ ۸۹۰ھ م سنہ ۱۴۸۵ء میں عیسائیوں نے دوبارہ مع لشکرِ گراں صوبہ مالقہ پر یورش کی، اور غیر محفوظ مقامات پر قبضہ کرتے ہوئے قلعہ بقوان کو محصور کرلیا۔ بعد سعی بسیار ایک دیوار قلعہ مذکور کی منہدم ہوئی، اور ایک ہزار عیسائی اندر گھس آئے۔ مگر عربوں نے اپنے توپ خانے سے جس میں اُن کو کمال مہارت تھی، ایسا کام لیا کہ ان ہزار آدمیوں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ باایں ہمہ عیسائی محض بوجہ کثرت فوج غالب آئے، اور قلعہ عیسائیوں کے تصرف میں آگیا۔ بعدازاں ماہ جمادی الاولی سنہ مذکور میں عیسائیوں نے قلعہ رندہ کو فوج سے خالی پاکر قبضہ کرلیا۔

عیسائیوں کا حملہ اور عربوں کی فتح

بتاریخ ۱۹؍ماہ شعبان سنہ ۸۹۰ھ الزغل، غرناطہ سے سرحدی انتظام کے واسطے روانہ ہوا۔ قلعہ مثلین (۱) میں بتاریخ ۲۲؍شعبان اس کو عیسائی لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی، چونکہ عیسائیوں کے اس طرف آنے کا فی الحال خیال وگمان تک نہ تھا، سب کو گونہ تردد لاحق ہوا۔ قبل اس کے کہ عرب مقابلہ کے واسطے تیار ہوتے، شب تاریک میں دشمن نے ان پر حملہ کیا، اور الزغل کے خیمہ کے قریب تک گھس آئے۔ عربوں نے سلطان کو خطرناک حالت میں دیکھ کر نہایت ہمت واطمینان قلب سے اپنے پیروں کو جمایا، اور نعرہ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے عیسائیوں پر جاپڑے۔ آن واحد میں جنگ کا نقشہ بالکل بدل گیا۔ ابھی تو عیسائی فوج عرب کو پیچھے ہٹاتے ہوئے لئے چلے آرہے تھے، یا ابھی عرب ان کو سب طرف سے دباتے ہوئے ان کی قیام گاہ کی طرف لے چلے، اور چند لحظوں میں کامل فتح حاصل کرلی۔ عیسائی بدحواس ہوکر بھاگ اٹھے، اگر سپاہ کافی ہوتی، اور سوارانِ عرب ان کا تعاقب کرتے تو شاید ایک عیسائی بھی زندہ نہ بچتا۔ مگر فردلند بذاتِ خود بغرض مدد قریب آپہنچا تھا، جس کی

(۱) اس کو مکلین بھی کہتے ہیں عربوں نے بوجہ استحکام ومضبوطی اس کا نام ورقہ غرناطہ بھی رکھا تھا یعنی سپر غرناطہ، ورق لفظ عربی ہے جس کے معنی چرمی سپر کے ہیں۔

اطلاع عربوں کو عین وقت پر ہوئی، اور یہ مجبوراً تعاقب سے باز رہے۔ تاہم اس جنگ میں عیسائیوں کا پورا توپ خانہ عربوں کے ہاتھ آ گیا۔ ان توپوں کو انھوں نے قریب کے قلعوں پر چڑھا دیا۔ اور فردلنڈ کے مقابلہ کے واسطے ہر طرح تیار ہو گئے۔ لیکن ماہ رمضان میں عیسائیوں نے دوسری طرف یورش کی، اور قنبیل وشاکر والورہ غیر محفوظ قلعوں پر مسلط ہو گئے۔

ابوعبداللہ محمد کی رہائی

فردلنڈ کے دور اندیش ہونے میں شبہ نہ تھا، اُس نے اپنی تجربہ کار نظروں سے دیکھا کہ جنگ کا زمانہ غیر محدود عرصہ تک قائم رکھنا غیر ممکن ہے، اور نیز بقول شخصے "جنگ دوسر دَارَدْ" (جنگ کے دو سر ہوتے ہیں) کون کہہ سکتا ہے کہ آخر کار جانبین میں سے کس کو فتح اور کس کو شکست حاصل ہوگی۔ اس نے ابوعبداللہ محمد بن ابوالحسن سے جو جنگ الیسانہ سے اب تک اس کی قید میں تھا کہا کہ:

"تختِ غرناطہ کا وارث حقیقی تو ہے، الزغل نے موقع پا کر سلطنت کو غصب کر لیا ہے، اب میں تیری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں تجھ کو تختِ غرناطہ پر بٹھا کر اپنا حق ہمسائیگی ادا کروں، میں نے اس امر کا اعلان دیا ہے کہ تیری رعایا میں سے جو تیرا ساتھ دے گا اس کو اپنا دوست، اور تیرے مخالفوں کو اپنا دشمن سمجھوں گا"۔

ابوعبداللہ محمد رہائی پا کر سیدھا مالقہ آیا۔ یہاں سب اس کا ساتھ دینے پر بلا تامل راضی ہو گئے، اور جو معاہدہ کہ فردلنڈ سے ہوا تھا اُس پر اپنی خوشنودی ظاہر کی، فردلنڈ کی امید بر آئی، اور عرب خانہ جنگی میں مصروف ہو گئے، یہ فساد ۳/ ربیع الاول سنہ ۸۹۱ھ مطابق سنہ ۱۴۸۶ء میں شروع ہوا۔ اور آخر جمادی الاولی تک قائم رہا۔

ابوعبداللہ محمد کی دھوکہ دہی

ابوعبداللہ محمد بن ابوالحسن نے بعد فتح لوشہ حسب ذیل شرائط صلح اپنے چچا الزغل کے سامنے پیش کیں:

① یہ کہ ابوعبداللہ محمد لوشہ یا کسی اور بڑے شہر کا حاکم مقرر کر دیا جائے۔

② اگر یہ شرط منظور کی جائے تو پھر ابوعبداللہ محمد بھی بمقابلہ فردلنڈ سلطان کی مدد کے واسطے آمادہ و تیار رہے گا۔

ہنوز شرائط صلح نامہ کا تصفیہ نہ ہوا تھا کہ بتاریخ ۲۶ / جمادی الاولی سنہ ۸۹۱ھ یہ خبر شائع ہوئی، کہ فردلند باجازت ابوعبداللہ محمد لوشہ پر قابض ہوگیا ہے، یہ سن کر عام بے چینی پیدا ہوئی، اور یہ خیال ہوا کہ ابوعبداللہ نے بہ سازش فردلند صلح کی آڑ میں سب کو دھوکا دیا، یہ خیال بالکل صحیح نکلا، چنانچہ فردلند اور ابوعبداللہ محمد نے چند روز فوج وسامان کے فراہم کرنے میں صرف کئے، بعد ازاں بماہ جمادی الثانی سنہ ۸۹۱ھ قلعہ البیرہ اور مثلین اور منت فرید کو فتح کرتے ہوئے، ان دونوں نے صَخرہ کا محاصرہ کرلیا۔ اسی اثناء میں فردلند کو بادشاہ فرانس کی فوج کشی کی اطلاع پہنچی۔ اس نے جمعیت بقدر ضرورت مقامات مفتوحہ میں متعین کی، اور کچھ فوج ابوعبداللہ کی سرکردگی میں چھوڑ کر خود فوراً قسطلہ واپس چلا گیا۔

غرناطہ میں انقلاب عظیم اور مالقہ پر عیسائیوں کا قبضہ

ابوعبداللہ محمد نے بغاوت کو جاری رکھا، اور مالقہ کے امراء کو ہموار کرنا چاہا۔ چونکہ علمائے وقت کا فتوی شائع ہو چکا تھا کہ اس گمراہ کی تائید کرنے والا جہنمی ہے، سب اس کے مقابلہ میں جہاد اور سرفروشی کے واسطے آمادہ ہوگئے۔ الزغل نے بتاریخ ۲۷ / محرم سنہ ۸۹۲ھ مطابق سنہ ۱۴۸۷ء البیازین پر حملہ کیا، مگر ناکام رہا، غرناطہ واپس آکر اُس نے تمام ملک محروسہ کے صوبہ داروں اور جاگیرداروں کو طلب کیا، اور ان سے حلفی وعدہ لیا کہ ''سب یک دل ہوکر اس جہاد میں پوری سعی کریں گے''

ابوعبداللہ نے عربوں کے ارادۂ جہاد کی اطلاع فردلند کو کی، اور اپنے وزیر کو اہل مالقہ اور حصن المنشاة کے افہام وتفہیم کی غرض سے بھیجا، اور ان کو فردلند کے غضب سے ڈرایا۔ مگر سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ ''ہم سلطان کو ایک بار زبان دے چکے ہیں، اسی کے علم کے سایہ میں لڑ کر جان دینا ہم کو منظور ہے''

ابوعبداللہ نے فردلند کو مکرر مدد کے لئے لکھا۔ ماہ ربیع الثانی سنہ ۸۹۲ھ میں فردلند

بذاتِ خود مالقہ آیا، اور بحری اور بری اپنی دونوں قوتوں سے اس شہر کا محاصرہ کرلیا۔ الزغل مالقہ پہنچا ہی تھا کہ یہ وحشت ناک خبر سنی کہ ۵/ جمادی الاولی کو انقلاب عظیم غرناطہ میں واقع ہوا، اور محمد ابو عبداللہ نے موقع پاکر دارالسلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اس نے مجبوراً مالقہ کو اُسی حالت میں چھوڑا، اور خود فوراً غرناطہ واپس ہوا۔ لیکن اثنائے راہ میں کچھ ایسی مایوسی دامن گیر ہوئی کہ یہ وادی آش میں ٹھہر گیا۔ مالقہ میں تقریباً چار مہینہ وہاں کی متعینہ قلیل فوج اور رعایا نے نہایت مردانگی کے ساتھ فردلند کی[1] سخت اور متواتر یورشوں کو روکا، لیکن آخر کار شدید خونریزی کے بعد ماہ شعبان میں قلعہ عیسائیوں کے تصرف میں آگیا۔

جنگ بُسطہ میں عربوں کی جانبازی اور بُسطہ پر عیسائیوں کا قبضہ

ابو عبداللہ محمد کا اس وقت تک یہی خیال خام تھا کہ ”فردلند حقِ ہمسائیگی ادا کررہا ہے، اور بعد فتح کامل یہ ضرور ریاست غرناطہ میرے سپرد کردے گا“ مگر سنہ ۸۹۳ھ مطابق سنہ ۱۴۸۸ء میں جب یہ عاقبت نااندیش امیر ہزاروں مسلمانوں کے خون ناحق کا بارِ عظیم اپنی گردن پر لئے خوابِ غفلت سے بیدار ہوا، تو دیکھا کہ فردلند نے خلاف عہد اُن مقامات پر بھی قبضہ کرلیا ہے، جہاں کی رعایا نے ابو عبداللہ محمد کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا۔

ایک سال تک جانبین سے جنگ ملتوی رہی۔ آغاز سنہ ۸۹۴ھ میں فردلند اپنی پوری قوت سے بُسطہ[2] کی طرف متوجہ ہوا، مگر قبل از محاصرہ ابو عبداللہ محمد نے البشارات وغیرہ مقامات کی فوجوں کو فراہم کیا، اور خود قلعہ بسطہ میں بعزم جنگ داخل ہوا۔ اس جنگ میں عربوں کی جاں بازی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس امید موہوم پر کہ

(۱) اصل میں ”کی“ کے بجائے ”کے“ ہے۔ (محمد امین) (۲) جنگ بسطہ میں عربوں نے قلعہ شکن توپوں سے کام لیا تھا۔ المقری۔

شاید موسم سرما میں دشمن محاصرہ سے دست کش ہو جائیں، عرب اپنے سے چوگنے لشکر کا مقابلہ کرتے رہے، مگر جب انھوں نے دیکھا کہ عیسائی موسم سرما کے انتظام میں مشغول اور جدید مکانات وغیرہ تیار کر رہے ہیں، ان کی نو دمیدہ امیدوں پر پانی پھر گیا، اور ابو عبداللہ محمد نے چارو ناچار صلح کی کوشش کی۔ فردلند کو یقین کامل تھا کہ جو کام توپوں سے نہیں نکلا ہے وہ فاقہ کشی سے نکل آئے گا، مگر اس خیال سے کہ قلعہ کے اندرونی حالت کا صحیح اندازہ ہو سکے پیام صلح کو اس وقت نامنظور نہیں کیا، اور یہ کہہ کر کہ "ہمارے سفیر تمہارے سلطان سے خود شرائط صلح کا تصفیہ کرلیں گے" چند افسروں کو ان کے ساتھ بایں ہدایت بھیجا کہ وہ جس طرح ممکن ہو یہ معلوم کرلیں کہ "عرب کتنے روز تک اس محاصرے کی برداشت کی قوت رکھتے ہیں"

اِدھر ابوعبداللہ ان سفیر نما جاسوسوں کی نیت سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اس کو خود عمدہ موقع ان ہی کے ذریعہ اپنے حصول مقصد کا مل گیا۔ چنانچہ جب یہ باجازت قلعہ میں داخل ہوئے، دیکھا کہ سڑکوں اور دکانوں پر سامان خورد ونوش کا بے پروائی کے ساتھ پڑا ہوا ہے، اور سب بشاش و مطمئن نظر آئے۔ یہ واقعات سن کر فردلند صلح پر راضی ہو گیا، لیکن اس کو نرم پا کر عربوں نے تکمیل صلح میں نئی نئی حجتیں پیش کر کے اس قدر تاخیر کی کہ آخرکار محض اس شرط پر کہ "مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کا عیسائی ذمہ لیتے ہیں" صلح ہو گئی۔

بسطہ بتاریخ ۱۰ ر محرم سنہ ۸۹۵ھ م سنہ ۱۴۸۹ء فردلند کے حوالہ کر دیا گیا۔ فردلند نے قلعہ میں داخل ہو کر خلاف معاہدہ قتل عام کا حکم دیا، اور مسلمانوں کی مال و جائداد عیسائیوں میں تقسیم کر دی گئی۔

المریہ اور وادی آش پر عیسائیوں کا قبضہ

اب عربوں کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی، اور ملک بتدریج ان کے ہاتھ

سے نکلتا جاتا تھا۔ کوئی ایسا ناخدا نظر نہیں آتا تھا، جو اس ڈوبتی ہوئی کشتی سلطنت کو گرداب تباہی سے بچائے، اور مخالف اجزاء ریاست میں قوتِ اتصالی پیدا کرے۔ آتش بغض و نفاق نے روغن خود غرضی چھڑک چھڑک کر خانہ جنگی کے شعلوں کو ایسا بھڑکایا کہ آخر کار سب جل کر خاکستر ہو گئے، اور عربوں کا نام و نشان تک اندلس میں باقی نہ رہا۔ الزغل وادی آش میں بادشاہت کا دم بھر رہا تھا۔ اور ابوعبداللہ محمد غرناطہ کی چار دیواری کے اندر اپنے زعم باطل میں تمام اندلس کا اپنے کو بادشاہ سمجھتا تھا۔ عیسائی ان کے گھر کے دروازہ کے قریب مسلمانوں کی بربادی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ فردلند حسب اقتضائے وقت کبھی الزغل کا ساتھ دیتا، اور کبھی ابوعبداللہ محمد کو مسلمانوں کے قتل اور غارت گری پر آمادہ کرتا تھا۔ بسطہ کی تسخیر کے بعد یہ المریہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ابوعبداللہ محمد کو اپنے سے باغی سمجھ کر الزغل کو یہ پیام بھیجا کہ اگر تو صوبہ المریہ پر میرا قبضہ کرادے، تو میں تجھ کو اپنی جانب سے یہاں کا حاکم مقرر کر دوں گا'' الزغل کو لذت انتقام نے مدہوش کر رکھا تھا۔ اس نے جنگ بسطہ کے ایک ہی مہینے کے بعد ماہ صفر سنہ ۸۹۵ھ میں اس صوبہ کو فردلند کے سپرد کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وادی آش بھی عیسائیوں کے دائرہ اثر میں خود بخود شامل ہو گیا۔

المریہ اور وادی آش کا بغیر جنگ عربوں کے ہاتھ سے نکل جانا گیا تھا کہ گویا چشم زدن میں عیسائی تمام ملک پر مسلط ہو گئے۔ اب صرف شہر غرناطہ اور اس کے مضافات باقی رہ گئے، فردلند نے غرناطہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، اور بعد فتح برج ملیح اس مقام کو اپنی فوج کا مستقر قرار دیا۔

فردلند کا غرناطہ پر حملہ اور ابوعبداللہ البشارات پر قبضہ

الغرض جب الزغل کو بے دست و پا کر چکا، تو فردلند نے سلطان محمد کو کہلا بھیجا کہ ''جس طرح الزغل نے بلا کشت و خون اپنی رضامندی سے المریہ اور وادی آش کو ہمارے سپرد کر دیا ہے۔ اسی طرح تو بھی

قلعہ الحمراء ہم کو دیدے۔ اس کے صلے میں جس قدر دولت تو چاہے گا، اور اندلس میں جس صوبہ کی حکومت تجھ کو منظور ہوگی، وہ تیرے سپرد کردونگا'' سلطان محمد نے اپنے امراء سے مشورہ کیا، اور یہ رائے قرار پائی کہ'' قومس کو اس کے سابق وعدے یاد دلائے جائیں، اور اُن کے ایفاء کا متقاضی ہونا چاہئے'' اگر وہ راضی ہوجائے اور حسب وعدہ جو ملک اس کے قبضہ میں آیا ہے، وہ تمام وکمال ہمارے حوالے کردے تو صلح منظور ہے، ورنہ ہر شخص کو اپنے وطن پر جان و مال تصدق کرنا فوزِ عظیم تصور کرنا چاہئے''

چنانچہ فردلند کو لکھا گیا کہ'' مجھے تو ہر طرح سے تیرے ساتھ مل کر رہنا منظور ہے، مگر مجبور ہوں کہ میری رعایا تیرے شرائط کو کسی طرح قبول نہیں کرتی، اگر تو حسب معاہدۂ سابق تمام ملک کو میرے قبضہ میں دے کر قسطلہ واپس چلا جائے، تو پھر تو جو شرائط صلح پیش کرے گا ان کی منظوری اور تکمیل میں ہماری طرف سے کسی قسم کی فروگذاشت نہ ہوگی'

فردلند نے اس تحریر پر مطلق التفات نہیں کی، اور دارالسلطنت غرناطہ کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ ابوعبداللہ نے چند سرحدی قلعوں پر یورش کی، تاکہ قومس کو دوسری طرف مشغول رکھے۔ لیکن خلاف امید عیسائی نے عربوں کی اس مصروفیت سے فائدہ اٹھانا چاہا، اور راست غرناطہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کی دیواروں کے سامنے کئی بار سخت لڑائی ہوئی، مگر قلعہ تسخیر نہ ہوسکا، اور فردلند کو جان و مال کا کثیر نقصان اٹھا کر ناکام واپس ہونا پڑا۔ اِدھر عیسائی پسپا ہوئے، اور اُدھر ابوعبداللہ نے بغیر توقف البشارات [1] پر حملہ کیا، اور اس قلعہ کو مع اُس کے پُر فضا مضافات کے اپنے دائرہ حکومت میں لے آیا۔

الزغل کی جلاوطنی اور تلمسان میں وفات

مگر افسوس ہے کہ الزغل سے اپنے بھتیجے کی ترقی نہ دیکھی گئی۔ آتش حسد سے بیتاب ہوکر البشارات اور اندرش کے قلعوں کو گھیر لیا، اور ابوعبداللہ ہمدان کی طرف متوجہ ہوا۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح برباد کرچکے، شعبان

(۱) یہ نام ایک پہاڑی سلسلہ کا بھی ہے جس کو انگریزی میں البکراس کہتے ہیں۔

سنہ ۸۹۵ھ م سنہ ۱۴۹۰ء میں فردلند نے ایک ہی یورش میں بآسانی ان تمام مقامات کو جن پر ابوعبداللہ نے قبضہ کیا تھا پھر فتح کیا، اور جب الزغل خانماں برباد نے اس سے فوجی امداد طلب کی تو یہ جواب صاف ملا کہ ''ابوعبداللہ سے میں خود سمجھ لونگا۔ بہتر یہ ہے کہ تو صحیح وسلامت مراکش چلا جا'' الزغل کو ناگزیر صعوبت جلاوطنی قبول کرنی پڑی۔ اور تلمسان میں فوت ہوا۔ فردلند قسطلہ واپس چلا آیا۔

مسلمانوں کی ناکام بغاوت

فردلند کے جاتے ہی سلطان ابوعبداللہ محمد نے برشانہ[1] کو بعد محاصرہ فتح کرلیا۔ اس خلاف امید کامیابی نے قرب وجوار کے مسلمانوں میں کچھ ایسا غیر معمولی جوش پیدا کیا کہ سب نے اپنے عیسائی حاکموں سے بغاوت شروع کردی۔ مگر قبل اس کے کہ ان کو کسی قسم کی بہبودی حاصل ہوتی وادیٔ آش کے عیسائی گورنر نے فوراً مقام فساد پر پہنچ کر نہایت سختی کے ساتھ اس بغاوت کو فرو کیا۔

غرناطہ کا محاصرہ اور خفیہ صلح نامہ

بتاریخ ۱۲ر جمادی الثانی سنہ ۸۹۶ھ مطابق سنہ ۱۴۹۱ء فردلند مع اپنی کامل قوت اور قلعہ شکن توپ خانے کے غرناطہ کے سرسبز وشاداب شہروں اور دیہاتوں کو تاراج کرتا ہوا قلعہ کے سامنے نمودار ہوا۔ چونکہ غرناطہ کی پشت پر جبل البشارات واقع تھا۔ فردلند پورا محاصرہ نہ کرسکا، جبل شلیر سے تمام ضروری سامان شہر میں برابر آتا رہا۔ عربوں نے سات مہینے نہایت اطمینان سے دشمن کا مقابلہ کیا، اور ہر یورش میں ہزاروں عیسائی قتل ہوتے رہے، مگر جب موسم سرما کا سخت زمانہ آیا، اور بوجہ برف باری پہاڑی راستے بالکل بند ہوگئے، اور غلے کی پیداوار میں بھی کمی ہوئی، تو عربوں پر اس قدر سختی گزرنے لگی کہ ماہ صفر سنہ ۸۹۷ھ میں باوجود برف باری ہزاروں البشارات کی طرف

(۱) انگریزی میں پورشینا کہتے ہیں۔

بھاگ نکلے، اور جو باقی رہ گئے انھوں نے سلطان سے عرض کی کہ:

"فاقے (سے) مرنے کے عوض ہم میدان جنگ میں تیر وتفنگ کھا کر مرنا پسند کرتے ہیں، گو عیسائیوں کی تعداد اسی (۸۰) ہزار سے زیادہ ہے، اور ہم بیس ہزار سے کم ہیں۔ لیکن اس کا بفضلہٖ (تعالیٰ) ہماری ہمتوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیا ہم جنگ وادی لکہ جہاں امیر طارق نے بیس ہزار عربوں کے ساتھ ایک لاکھ عیسائیوں کو شکست دی تھی کبھی بھول سکتے ہیں۔ صرف تائیدالٰہی ہمارے شامل حال رہنا چاہیے، اگر خدا تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ ہمارے دشمن ہم پر فتح پائیں تو مشیت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں، ہم ہر طرح راضی برضا ہیں"

سلطان ابوعبداللہ محمد نے اپنے وزراء اور امرائے سلطنت سے مشورہ کیا، سب کی یہی رائے ہوئی کہ "لڑنے کی قوت ہم میں باقی نہیں، اگر جنگ میں خدانخواستہ ناکام ہوئے تو عیسائی ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ایسے شرائط پر صلح کی جائے جس سے عامہ خلائق کے جان ومال کو نقصان نہ پہنچے" سلطان نے اس رائے سے اتفاق کیا، اور ابوالقاسم عبدالملک کے ذریعہ سے فردلند کو صلح کا پیغام بھیجا۔ عیسائی قلعہ کی اندرونی حالت سے بالکل ناواقف خود نیم جاں ہو رہے تھے۔ فردلند نے نمائشی ردوقدح کے بعد آغاز سنہ ۸۹۷ھ م سنہ ۱۴۹۲ء میں صلح نامہ پر دستخط کر دیئے۔ چونکہ رعایا عیسائیوں کی غداری سے عاجز آ گئی تھی، اور لڑنے اور مرنے پر اصرار کر رہی تھی، تکمیل معاہدہ تک یہ کاروائی شدید راز میں رکھی گئی۔ شرائط حسب ذیل تھے:

① مسلمان غریب اور امیر کے جان ومال کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے پائے گا، اور جہاں یہ رہنا چاہیں شہر کے اندر یا باہر رہنے کی اجازت دی جائے گی۔

② مسلمانوں کے مذہبی امور میں عیسائی دخل نہ دیں گے۔ اور مذہبی قواعد کی ادائی میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں گے۔

③ کوئی عیسائی مسجد میں نہ گھسنے پائے گا۔

④ مساجد اور اوقاف بدستور قائم رہیں گے۔ اِن امور میں عیسائی دست اندازی نہ کریں گے۔ بلکہ ان کے قائم رکھنے میں مسلمانوں کی مدد کریں گے۔

⑤ مسلمانوں کے معاملات میں شرع اور ان ہی کے قانون کی پابندی کی جائے گی، اور مسلمان قاضی ان کے حقوق اور مقدمات کے تصفیہ کے لئے مقرر کئے جائیں گے۔

⑥ اس جنگ میں جن مسلمانوں کو عیسائیوں نے گرفتار کیا ہے وہ فوراً رہا کر دیئے جائیں گے، اور جو مسلمان عیسائیوں کی قید سے شہر میں بھاگ آئے ہیں وہ گرفتار نہ کئے جائیں گے۔

⑦ اگر کوئی مسلمان اندلس سے افریقہ جانا چاہے تو اس کو اجازت دی جائے گی، اور سرکاری جہاز میں وہ افریقہ پہنچا دیا جائے گا۔

⑧ جو عیسائی کہ مسلمان ہو گئے ہیں وہ اسلام کے ترک کرنے پر مجبور نہ کئے جائیں گے، اگر کوئی مسلمان عیسائی ہونا چاہے تو اس اطمینان کے بعد کہ وہ برضا و رغبت خود اپنا مذہب بدلنا چاہتا ہے اُس کو اجازت دی جائے گی، جس کے تصفیہ کا حق صرف مسلمانوں کو ہوگا۔ گو عیسائی حاکم بھی بروقت تصفیہ موجود رہ سکتے ہیں۔

⑨ اس جنگ میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہے وہ بدستور اُن ہی کے قبضہ میں رہے گا۔

⑩ مسلمانوں کے گھروں پر عیسائی سپاہ متعین نہ کی جائے گی۔

⑪ موجودہ ٹیکس کے علاوہ کوئی جدید بار مسلمانوں پر نہ ڈالا جائے گا۔

⑫ تین سال تک مسلمانوں سے کسی قسم کا ٹیکس نہ لیا جائے گا۔ تمام محصول جو اس وقت وہ ادا کر رہے ہیں وہ اس زمانہ تک معاف کر دیا جائے گا۔

⑬ سلطان ابو عبداللہ محمد کے سپرد البشارات کی حکومت کر دی جائے گی۔

⑭ آج سے ساٹھ روز کے اندر اس معاہدہ کے شرائط کی تکمیل پورے طور پر کر دی جائے گی۔

⑮ معاہدہ کا اثر قائم رکھنے اور عیسائیوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرنے کی غرض سے رُوما کے پوپ کے دستخط اس معاہدہ پر لئے جائیں گے، اور وہ اس کی تعمیل کا ذمہ دار ہوگا۔

⑯ ساٹھ روز کے اندر شہر غرناطہ اور قلعہ الحمراء اور توپ خانہ اور دیگر تمام سامان جنگ پر جو اس وقت قلعہ میں موجود ہے عیسائیوں کا قبضہ کرا دیا جائے گا۔

اندلس میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ اور دارالسلطنت غرناطہ پر عیسائیوں کا قبضہ

صلح نامہ کی کاروائی کو پوشیدہ رکھنا کوئی آسان امر نہ تھا۔ آخر کار عامہ خلائق کو اس کا علم ہو گیا، اور چونکہ پہلے ہی سے مسلمان سلطان کو فردلند کا دوست سمجھتے تھے، اور یہ خیال تھا کہ اس میں قوم کی محبت اور حمیت باقی نہیں رہی ہے، اُس وحشت ناک خبر کو سن کر عنقریب سلطان دارالسلطنت غرناطہ کو بلا کشت وخون عیسائیوں کے حوالے کر دینے والا ہے۔ عام بددلی پھیل گئی۔ سلطان نہایت پریشان ہوا اور اس خیال سے کہ کہیں بغاوت بنے بنائے کام کو بگاڑ نہ دے۔ ساٹھ روز کے قبل ہی بتاریخ ۱۲ / ربیع الاول سنہ ۸۹۷ھ م سنہ ۱۴۹۲ء دارالسلطنت کو عیسائیوں کے سپرد کر دیا۔

فردلند نے اپنے مذہبی پیشوا مندوزہ سے درخواست کی کہ وہ مع فوج پہلے شہر میں داخل ہو، اور قلعہ الحمراء کے سب سے بلند برج پر جہاں ابھی اسلام کا نشان دھیمی ہوا میں لہرا رہا تھا صلیب کو نصب کر دے "اس نیک شگون کو دیکھتے ہی میں خود مع ملکہ ازابیلا کے شہر میں داخل ہونگا" جب ابو عبداللہ محمد نے مندوزہ کو قلعہ میں آتے دیکھا مع پچاس امراء کے گھوڑے پر سوار قلعہ کے باہر نکل آیا، اس وقت کا سماں دیکھنے کے قابل تھا۔ شہر پر اُداسی چھائی ہوئی تھی، مسلمانوں کے دم میں دم نہ تھا، ان کے دلوں پر جو صدمہ گزر رہا تھا، اس کا احاطہ تحریر میں لانا غیر ممکن ہے ——— ادھر تو یہ کہرام عظیم،

اور اُدھر عیسائیوں کی جانب سے نقارہ ہائے شادمانی کی آواز بلند تھی۔ فردلند اور ملکہ اپنے لباس شاہانہ اور زرہ فولادی پہنے ان کے چپ وراست تمام اعیان ریاست اور افسران فوج اپنے لشکر کے ساتھ استادہ تھے، نظریں سب کی الحمراء کے برج کی طرف تھیں، اور صلیب کے ظہور کا انتظار تھا۔ ابوعبداللہ محمد نے قصر کے دروازہ کو جس میں سے یہ باہر نکلا تھا، اس غرض سے اپنے سامنے چنوا دیا کہ اس کے بعد کوئی دوسرا اس کے ذریعہ سے قصر میں نہ داخل ہو سکے، اور یہ دروازہ اس وقت تک اسی حالت میں کھڑا ہے، اور اہل دنیا کے لئے ایک عبرت گاہ ہے۔ سلطان سیدھا فردلند کی طرف آیا۔ فردلند نے فوراً گھوڑے سے اُتر کر اُسے گلے لگایا۔ سلطان نے قلعہ کی کنجیاں دے کر کہا کہ "خدائے تعالیٰ نے تجھ کو فتح عطا فرمائی ہے، تجھ کو چاہئے کہ اپنی مفتوحہ قوم کے ساتھ رحم دلی اور شفقت سے پیش آئے" ——— فردلند چاہتا تھا کہ تشفی آمیز الفاظ زبان سے کہے، سلطان بغیر توقف آگے بڑھ گیا، اور ملکہ ازابیلا سے ملتا ہوا البشارات جہاں اس کا تمام مال واسباب اور رشتہ دار جا چکے تھے روانہ ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جب ابوعبداللہ محمد البشارات کی ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا، تو بے ساختہ اس نے گھوڑے کو غرناطہ کی طرف موڑا، اور اپنے خاندان کی گزشتہ عظمت وشان پر آخری نظر ڈال کر زاروقطار رونے لگا۔ اس کی ماں نے جو اس وقت ساتھ تھی، یہ حالت دیکھ کر اپنے زخمی دل کو سخت کیا، اور کہا کہ "جب تو باوجود ایک مرد سپاہی پیشہ ہونے کے اپنے ملک کو نہ بچا سکا، تو اب مثل عورتوں کے ایک گم شدہ شئے پر رونے سے کیا فائدہ"!! ——— ابوعبداللہ محمد نے ایک آہ سرد کھینچی، اور جواب دیا کہ "جو صدمہ کہ اس وقت میرے قلب پر گزر رہا ہے وہ کسی دوسرے کو ہرگز کبھی نصیب نہ ہوگا" چنانچہ یہ مقام اس وقت تک "دم واپسین عرب" کے نام سے مشہور ہے۔

الغرض تھوڑی دیر میں چاندی کی صلیب قلعہ کے برج پر آفتاب کی شعاعوں سے چمکنے لگی۔ عیسائیوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے، اور فردلند مع ملکہ ازابیلا نہایت

تزک واحتشام سے غرناطہ میں داخل ہوا، اور قلعہ الحمراء میں اقامت اختیار کی۔ یہ بے نظیر قصر جس کی تعریف میں تمام جہاں کی زبانیں سوکھی جاتی تھیں، آنِ واحد میں عربوں کے قبضہ سے نکل گیا۔

قصر الحمراء، نہیں جس کا کہیں ہمتا

قصر الحمراء کو شاہانِ غرناطہ نے بصرف کثیر شہر کے قریب ایک نہایت بلند ٹیلے پر جبل شلیر کی برف سے چھپی ہوئی چوٹیوں کے سایہ میں تیار کیا تھا، اس کی چار دیواری کے اندر ایسے خوشنما سبز وشاداب باغ، نہر ہائے شیریں ودرخت ہائے میوہ دار، جن پر انواع واقسام کے پرندوں کی خوش الحانی سے تمام قصر گونج جاتا تھا آراستہ تھے۔

اشعار

کیا جنات[1] نے آراستہ جس قصر شاہی کو
بنایا جس کو گھر ہر رنگ کی نغمہ سرائی کا
نظر آتا ہے عالم خواب کا سارا طلسماتی
وہ الحمراء ہے الحمراء، نہیں جس کا کہیں ہمتا
ہزار افسوس تیری بیکسی اور زار حالت پر
کہ اب تو منہدم ہوتا چلا ہے حسرتا دردا
ترا وہ قلعہ اور وہ کنگرہ دار اس کی دیواریں
وہ اب گرتی چلی ہیں، ہے سماں جن میں تنزل کا
جہاں کانوں میں جادو کی صدائیں شب کو آتی ہیں
جہاں شاہد ہے تیری عظمت وشوکت کا ہر ذرا

(۱) تمدن عرب مترجمہ شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی۔ یہ کسی عربی اشعار کا ترجمہ ہے۔

جہاں چاند اپنی نورانی شعاعوں سے بصد خوبی
ترے دیوار ودر کو عمدگی سے آپ ہے دھوتا
سماں وہ بھی ہے تیرا دیکھنے کے لائق وقابل
نہیں الفاظ میں جس کا بیانِ لطف آسکتا

اس قصر کی ہر ایک چیز قابلِ دید، اور اس قدر حیرت انگیز ہے کہ جس کو دنیا کے مشہور صناع اور دست کار دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں، اور اس کی بلند دیواروں کی گچ کی صفائی جو اس وقت تک سنگ مرمر سے زیادہ چمکدار، اور لوہے سے زیادہ مضبوط، اور جالیدار دیواروں کی طرح طرح کی نازک گلکاریاں، اور اس کی نئی وضع کی محرابوں سے ایک ایک لٹکتی ہوئی قلم سے نزاکت ٹپکتی ہے، گھنٹوں عالم محویت میں خدا کی قدرت کا تماشا دیکھا کرتے ہیں۔

ابوعبداللہ محمد کا افریقہ آکر ملازمت اختیار کرنا

حسب معاہدہ جب ابوعبداللہ محمد البشارات پہنچا، یہاں جو عیسائی فوجیں متعین تھیں وہ سب اٹھالی گئیں، اور اس مختصر سے صوبے پر اس کا قبضہ کرادیا گیا، مگر فردلند نے اسے کبھی چین لینے نہیں دیا، آخرکار سلطان نے یہ ملک فردلند کے ہاتھ فروخت کردیا، اور خود افریقہ آکر بادشاہ فاس کی فوج میں ملازمت اختیار کی، اور وہیں سنہ ۹۴۰ھ مطابق سنہ ۱۵۳۸ء کی جنگ میں مارا گیا۔ ایک عربی مصنف اس بدقسمت بادشاہ کے حالات لکھتے لکھتے ایک مقام پر تحریر کرتا ہے کہ:

''یہ بھی کیا بدقسمت آدمی تھا جس نے اپنا ملک عیسائیوں کے سپرد کردیا، اور پھر زندہ رہنا گوارا اور ایک دوسرے شخص کا ملازم ہوکر مرنا پسند کیا'' ـــــــ لیکن پھر لکھا کہ ''مشیت ایزدی میں انسان کی کیا مجال ہے کہ دخل دے، منظور الٰہی یہی تھا کہ وہ ملک جس کو عربوں نے جانِ عزیز دے کر خوں بہا کے عوض خریدا تھا، اور جس پر انھوں نے

تقریباً آٹھ سو برس نہایت رعب وداب سے حکومت کی تھی۔ وہ پھر دشمنانِ اسلام کے قبضہ وتصرف میں چلا جائے''

عیسائیوں کی عہد شکنی اور عربوں کا ملک اندلس سے اخراج

جنگ غرناطہ کے اختتام کے بعد ہی عیسائیوں نے خلافِ معاہدہ مسلمانوں پر ظلم وتعدی شروع کر دی، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنہ ۹۰۴ھ م سنہ ۱۴۹۸ء میں ایک عام حکم مسلمانوں کو دیا گیا ''یا تو مذہب نصاری اختیار کرو یا مرنا''

مسجدوں میں جمع ہونے اور نماز پڑھنے کی قطعی ممانعت تھی، اور اُن کی عورتوں کو یہ حکم تھا کہ سب بلا نقاب مثل عیسائی عورتوں کے باہر نکلا کریں، اور اپنے قومی لباس اور طرز معاشرت کو ترک کر دیں ــــــ اگر ان جابرانہ احکام کے خلاف کوئی حرکت کسی سے سرزد ہوتی تھی، تو وہ فوراً قتل کر دیا جاتا تھا۔ بعض مسلمان اس ظلم وزیادتی سے بچنے کے لئے بظاہر تو عیسائی ہو گئے مگر باطناً اپنے مذہب پر قائم رہے۔ اکثر عیسائیوں سے باغی ہو کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے، اور اس قدر کشت وخون واقع ہوا کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو اِس بے رحمی سے عیسائیوں نے قتل کیا کہ جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، جو باقی رہ گئے تھے وہ سنہ ۱۰۷۰ھ مطابق سنہ ۱۶۶۰ء[1] میں جبراً اندلس سے خارج کئے گئے۔ ہزاروں کا کام تو راستے میں تمام ہو گیا، اور جو بچے وہ فاس اور تلمسان اور تونس وغیرہ مقامات میں جس طرف اُن کا منہ اٹھا جا کر بس گئے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ!!
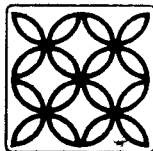
(۱) اصل میں یہاں سنہ ۱۶۱۰ء ہے (محمد امین)

باب ہشتم

اسلامی اندلس کے مجمل حالات ــــ طرز ریاست ــــ صنعت وحرفت ــــ علوم وفنون ــــ تعلیم نسواں ــــ شجاعت ــــ عربوں کا اثر یورپ پر۔

اصول ریاست

عربوں نے بغرض نظم ونسق جو اصول قائم کئے تھے، وہ بہت ہی صاف اور آسان تھے، خلیفہ کل امور مذہبی، مال اور فوج کا مالک تھا۔ کام ریاست کا چار محکموں یعنی فینانس (مالیاتی) امور خارجہ، عدالت اور فوج پر منقسم، اور ہر محکمہ ایک وزیر کے سپرد تھا، لیکن ان میں سے کوئی مجاز نہ تھا کہ بلا اجازت خلیفہ بطور خود کسی اہم مقدمہ کا تصفیہ کر سکے۔ وزیراعظم کو حاجب کہا کرتے تھے، اور حاجب مجلسِ وزراء کا صدر نشین ہوا کرتا تھا۔

علاوہ ان وزراء کے اور بھی امرائے سلطنت رائے اور مشورے میں بضرورت شریک کر لئے جاتے تھے، جن کو اعزازاً خطاب وزیر[1] کا دیدیا جاتا تھا۔ لیکن یہ صرف وزیر کہلاتے تھے، اور وزرائے سلطنت وزیرالوزارتین کے لقب سے مشہور تھے۔ وزراء کے ماتحت معتمدین کو خطیبُ الدولہ کہا کرتے تھے، ان میں سے خطیبُ الرسائل جو دُوَلِ غیر سے خط وکتابت کیا کرتا تھا، اور خطیبُ الزِمام جس کے ذمہ نصاری اور یہود وغیرہ کے مذہب اور جائداد کی حفاظت ونگرانی تھی۔ اور صاحبُ الاشغال جس کے سپرد ریاست کے اخراجات کا حساب وکتاب تھا، سب میں ممتاز تھے۔

(۱) یہ طرز انگلش پریوی کونسل سے ملتا ہوا ہے۔

سوائے خلیفہ کی حکومت کے یا ان افسران ملک کے جن کے سپرد صوبجات منجانب خلیفہ ہوتے تھے، اور کوئی حکومت یا قوت ملک میں نہ تھی، عربوں میں نہ موروثی جاگیر دار تھے، اور نہ موروثی امراء، اگر کوئی شخص نہ صرف اندلس بلکہ دیگر عربی سلطنتوں پر نظر ڈالے تو یہ اچھی طرح ثابت ہو جائے گا کہ، ان کی طرز حکومت گو بظاہر شخصی معلوم ہوتی ہے، فی الواقع جمہوری تھی۔ خلیفہ ملک کا حاکم تھا، اور اس کے ظل عاطفت میں تمام امیر وغریب کی حالت مساوی تھی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اعرابی اور بادشاہ غسان کے معاملے میں فیصلہ صادر کرتے وقت یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

''سزائے بدل بادشاہوں کے لئے بھی جاری کی جائیگی۔ اس واسطے کہ مذہب اسلام میں کسی قسم کے اعزازی حقوق یا ذات کی تفریق نہیں ہونی چاہئے۔ کل مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں برابر تھے''

ہم پہلے کسی مقام پر یہ بتا آئے ہیں، اور عربوں کی طرزِ حکومت کے جمہوری ہونے کے لئے یہ ثبوت کافی ہے، کہ جس قانون کی رو سے خلیفہ قاضی کو معزول کرسکتا ہے۔ اسی قانون پاک کی رُو سے قاضی خلیفہ کو سزا دے سکتا ہے۔ ہر فرد مسلمان کے مقابلے میں خلیفہ مدعی اور مدعا علیہ مثل أَحَدٌ مِنَ النَّاس (لوگوں میں سے ایک فرد کے مانند) ہے، یعنی قاضی دونوں کو سزا دے سکتا ہے۔ خلیفہ قانون کا نگراں ہے، اور قاضی خلیفہ کا پاسباں۔ پس مسلمان اور غیر مسلم کے باہمی تعلقات میں ہم کو جدید قانون کی تلاش وفکر کی ضرورت نہیں، یہی ایک قانون مقدس ہے کہ جس میں نہ باہمی مرتبے کا فرق رکھا گیا، اور نہ ملت وقوم ورنگ میں کوئی رعایت کی گئی، جو اصول اخلاق ومعاشرت وتمدن کے مقرر کر دیئے گئے۔ وہ مسلمان اور غیر مسلمان سب کے واسطے منصوص ہو گئے، اور ان کی بابت ارشاد ہو چکا کہ ﴿ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ﴾ (میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا) نہ ہم کو ان میں تغیر وتبدل کی مجال، اور نہ ترمیم وتنسیخ کا اختیار۔

اس زمانہ کے بعض متعصب علمائے بیت النصاری اور بالخصوص فرقۂ قِسّیسِین

نے عربوں کے عبرت انگیز تنزل کے من جملہ دیگر نتائج کے ایک نتیجہ یہ نکالا ہے کہ:

''مسلمانوں میں تدبیر ملک اور تہذیبِ قوم کے اصول کبھی مرتب ہی نہیں ہوئے، اور نیز یہ نقص مذہب اسلام اور تعلیم قرآن شریف اور تلقین حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، کہ ایسی بلند حوصلہ اور بہادر قوم ایسی ترقی کے بعد اس طرح معدوم ہوگئی کہ نام ونشان تک اس کا باقی نہ رہا، اور اپنے دین ومذہب پر فخر کرتے ہیں کہ روز بروز ترقی کرتا رہا''

لیکن انصاف پسند اور صاحبُ الرائے علماء مؤرخین جو علم تاریخ کے ماہر ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ترقی وتنزل اقوام کا کن وجوہ سے ہوا، ہورہا، اور آئندہ ہونے کا احتمال ہے۔ اہل یورپ کی ترقی کو ابھی چار سو برس بھی نہیں گزرے، بقول شخصے کہ ''کَے آمدی وکَے پیر شدی (کب آیا اور کب بوڑھا ہوگیا؟!)

ایک طرف تو ایسا سخت اعتراض کہ دین اسلام میں ترقی محدود کردی گئی، اور دوسری طرف یورپ کے مہذب اور تعلیم یافتہ مؤرخین، اور استدلال سے بال کی کھال نکالنے والے صاحب تجربہ وصاحبِ دلیل فیلسوفین، برق کو قید کرنے والے، دخان کو غلامِ کارگزار بنانے والے حکماء، ان بادیہ نشینوں کی برق رفتار کامیابی پر حیرت ظاہر کرتے ہیں، اور دور از کار توجیہیں گھڑتے ہیں، توحید کے مزے سے واقف نہ تھے۔ اس معمے کو حل نہ کر سکے: قبلۂ عشق یکے باشد وبس۔ (عشق کا قبلہ ایک ہی ہوتا ہے)

عرب ولولہ اور جوش عشق اسلام میں کفن بسر اور تیغ بکف سرفروشی کے لئے تیار گھر سے نکل کھڑے ہوئے، اور مشرق سے مغرب تک ایک عالم کو نعرۂ اللہ اکبر سے زیر وزبر کردیا، لا الٰہ اللہ کی صدا سے دشت وجبل گونج اٹھا۔ ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ جوش مذہب نے عربوں کو متعصب بنادیا تھا، اور جیسا کہ مخالفین بیان کرتے ہیں کہ عربوں نے عربستان سے نکلتے ہی دستِ تطاوُل دراز، اور ہر شخص کے گلے پر خنجر رکھ کر اس کو اسلام کے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ ہم نے اپنے دیباچہ میں اور پھر اپنی کتاب

میں جابجا مؤرخین اور علمائے اہل یورپ کے اقوال سے یہ اچھی طرح ثابت کر دیا ہے، کہ اس قوم عرب کی تاریخ میں یہ بات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ عرب ہمیشہ احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پابند رہے، اور اقوام مفتوحہ پر کبھی بوجہ تعصب مذہبی ظلم وزیادتی نہیں کی، بلکہ ان کے مذہب ومعابد کو متعصب لوگوں کے شروفساد سے محفوظ رکھا۔ وعظ اور پند ونصائح سے لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچا:

ہم سے ملا کرو تمہیں دِلبر بنائیں گے ۞ غیروں سے مت ملو وہ ستمگر بنائیں گے

تہذیب واخلاق گویا وہ زمین شاداب ہے جس میں عشق صافی نشو ونما پاتا ہے، اور سرسبز وبارآور ہوتا ہے، اس کے بعد توحید کے نکتے بتائے گئے۔

أَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ	شیطان تم سے تنگی کا وعدہ کرتا ہے، اور بے
وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ	حیائی کا حکم کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے
يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ	اپنی بخشش وفضل کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. (سورۂ بقرہ آیت ۲۶۸)	وسعت والا اور علم والا ہے

اور یہ سکھایا کہ یاران ہمراز سے الفت رکھیں، اور اغیار حیلہ ساز سے گریز کریں، یعنی ان کو عصبیت قوم وملک وملت کا درس دیا گیا، اور یہ تعلیم ان ننگے بھوکے صحرانشین مجانین کے دل میں ایسی راسخ کر دی گئی، کہ ایک گُدڑی پوش عرب نے یزدجرد اور اس کے دربار کی شان وشوکت کو پوچ ولچر سمجھا، اور بہ تمکین ووقار فرش زمین پر چارزانو بیٹھ کر اس بے باکی سے منصب سفارت ادا کیا کہ، تمام دربار کو اپنا مرعوب کر دیا۔ اسی طرح دوسرے صحرائی عرب نے ہرقل قیصر روم کے دبدبۂ قیصری کو بے وقعت اور بے معنی خیال کیا۔ ان کی نگاہوں میں عرب وعربیت قابل قدر ولائق تعریف، اور عجم اور عجمیت حقیر وذلیل قرار پاگئی۔ عربی کھجور کا درخت اندلسی سرو صنوبر وشمشاد سے خوبتر نظر آیا۔ عربی جلتا ہوا ریگستان اور اجاڑ کوہستان عجمی مرغزار اور چمنستان سے عزیز تر قرار پایا۔ عربی اُمی، عجمی رومی اور یونانی عالم کو بدتہذیب اور واجب التربیت سمجھنے لگا۔ ایک مرتبہ غل مچ گیا کہ:

زشیر شتر خوردن وسوسمار ۞ عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیاں راکنند آرزو ۞ تفو برتو اے چرخ گرداں تفو

① اونٹ کا دودھ پینے سے اور گوہ کھانے سے عربوں کا کام یہاں تک پہنچ گیا ہے۔
② کہ وہ ایران کے بادشاہوں کے تخت کی تمنا کرتے ہیں، تف ہے تجھ پر اے گھومنے والے آسمان، تف ہے۔

نصاریٰ کے پادریوں اور اہل یورپ کے فلاسفہ سے پوچھا جائے کہ یہ کیا بات ہے کہ ایک آدمی یتیم کمل پوش نے کہ جس کو نہ ماں باپ کی تعلیم، نہ مکتب و مدرسہ کی تربیت میسر ہوئی ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا﴾ جیسی اجہل اور وحشی قوم کو پچیس برس کے عرصہ میں سرآمد اقوام عالم بنا دیا۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست ۞ کتب خانۂ چند ملت بشست

جس یتیم بچہ نے پڑھنا نہیں سیکھا، اس نے کتنی ہی ملتوں کے کتب خانے دھوڈالے۔
یہ اُس تعلیم کا نتیجہ ہے کہ جس کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ اگر جن وانس کل مخلوقات جمع ہو جائیں تو ہرگز اس کے مثل نہ لائیں گے، ان ہی معنی میں قرآن شریف کی نسبت معجزۂ دوامی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

الغرض مسلمانوں کو کسی دوسرے قانون کے ڈھونڈھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کی تدبیر وتہذیب بالکل نئے اصول پر مبنی تھی، وہ مضر ہوں یا مفید، ناقص ہوں یا کامل، بہر طور اہل یورپ کے اصول سے جدا تھے، اور جو بنی آدم کے فرد و جماعت دونوں پر یکساں اثر رکھتے تھے۔ اہل یورپ یا تو سمجھے نہیں، یا عمداً محض بوجہ بغض وتعصب مذہبی عربوں پر اعتراض کر بیٹھے۔ مسلمانوں میں مذہباً جباری سلطنت کا یا کسی فرد بشر کی شخصی حکومت کا قبول کرنا ناجائز قرار دیا گیا ہے، اسلام میں دولت شخصی نہیں ہے، بلکہ دولت عامہ ہے۔ خدا کو اپنا بادشاہ حقیقی اور سلطنت کو سلطنت خدائی سمجھتے ہیں۔

قانون، قانون الٰہی ہے، جو حاکم ومحکوم دونوں پر یکساں مؤثر ہے، نہ ملکوں کی تقسیم،

نہ قوموں کی تفریق، ملک، ملک اسلام، قوم امت محمدی۔ اگر عرب وعجم میں فرق ہے تو نسل کا فرق ہے۔ زبان کا فرق ہے۔ رسم ورواج کا فرق ہے۔ مگر قانونِ معاش ومعاوسب کا ایک ہی ہے، چنانچہ خلاّقِ عالم اپنے کلام پاک میں عصبیت واخوت قوم کے باب میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے:

إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ	جبکہ تم آپس میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں
قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ	میں الفت پیدا کی (اسی) نعمت کی وجہ سے
إِخْوَانًا (آل عمران آیت ۱۰۳)	آپس میں تم بھائی ہو گئے۔

لہٰذا یہ تدبیر وتہذیب مملکت بھی ایک ہی ہے۔ یہی قانونِ معاد ومعاش جو ہر فرقہ کے افراد میں انفراداً منصوص ہے، وہی قانونِ معاد ومعاش قوم کے فرقوں پر اور ممالک کے اقوام پر فرض ہے، اور وہی قانون امت مرحومہ اور دیگر امم محروسہ[1] کے باہمی تعلقات میں لازم وملزوم ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے بعد، اور بنی امیہ کے زمانۂ حکومت میں موروثی سلطنت قائم ہوگئی، تاہم قوم، خاندانِ شاہی میں سے جس کسی کو لائق اور قابل خلافت سمجھتی تھی تخت پر بٹھا دیتی تھی۔ چنانچہ اس قاعدے کو فی زماننا ترکوں نے جاری رکھا ہے، سلطنت روم میں سلطان کے انتقال کے بعد اولاد اکبر جانشین نہیں ہوتی، بلکہ جو رکن خاندان عثمانیہ لائق تر ہوتا ہے، وہ بادشاہ بنا دیا جاتا ہے۔

عدالت وکوتوالی اندلس میں قاضی کو نہایت وسیع اقتدارات حاصل، اور عدالت کا تمام کام اسی کے سپرد تھا۔ خاص دار السلطنت کے قاضی کو قاضی القضاۃ یا قاضی الجماعت کہتے تھے، بنی امیہ کے زمانۂ حکومت میں کوتوالی کا انتظام نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ کوتوال کو صاحبُ الشرطہ کہا کرتے تھے، باوجودیکہ کوتوالی اور کوتوالی مجسٹریٹوں کو جو صاحبُ المدینہ اور صاحب اللیل کے ناموں سے موسوم تھے۔

(۱) اصل میں ''محروسہ'' کے بجائے ''محرومہ'' ہے (محمد امین)

بہت کچھ اختیارات حاصل تھے۔ لیکن یہ سب شہر کے قاضی کے پوری طرح ماتحت تھے، مثل ممالک عرب و عجم اندلس میں بھی ایک محتسب مقرر، اور اس کے سپرد بازاروں اور بٹوں اور تجارت پیشہ کی نگرانی وانتظام تھا۔

ٹپّہ خانہ (ڈاک خانہ) بہ نسبت شام و عراق۔ اندلس میں اس محکمہ کو بہت کچھ ترقی دی گئی تھی، افسر محکمہ کو صاحبُ البرید کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ تمام ممالک محروسہ کے ٹپّہ خانوں (ڈاک خانوں) کا انتظام اسی افسر کے سپرد تھا، ہر بڑے شہر میں ایک ٹپہ خانہ تھا، اور راستوں میں جابجا مناسب مقامات پر چوکیاں اور گھوڑوں اور اونٹوں کی ڈاک تیار رہا کرتی تھی، ان گھوڑوں اور اونٹوں پر جو خاص ٹپّہ رسانی (ڈاک رسانی) کے واسطے متعین تھے، سرکاری نشان ڈالا جاتا تھا۔ سرکاری ڈاک کے ساتھ خانگی خطوط بھی ہر شہر اور قصبہ میں نہایت احتیاط کے ساتھ پہنچائے جاتے تھے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کے زمانۂ حکومت میں بالخصوص فوجی اغراض کے واسطے کبوتروں سے بھی ٹپہ رسانی (پیغام رسانی) کا کام لیا جاتا تھا، اور اس قسم کے سدھے ہوئے کبوتر ہر فوج کے ہمراہ رہا کرتے تھے، ہر شہر میں افسرِ ٹپّہ کے سپرد صرف نگرانی ٹپہ کا کام ہی نہ تھا، بلکہ اس کے فرائض منصبی میں ملک و رعایا کی حالت اور حکام کا طرزِ عمل، سکّہ وغیرہ کی خفیہ نگرانی بھی داخل تھی، اور اس کا فرض تھا کہ امور مذکورہ کی نسبت روزانہ خفیہ روزنامچہ خاص خلیفہ کے ملاحظہ کے واسطے پیش کیا کرے[1]۔

برّی و بحری قوت بحری اور بری فوج کا اعلیٰ افسر خود خلیفہ تھا۔ لیکن صوبجات میں فوج کی سپہ سالاری والیان صوبہ کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ سپہ سالار فوج کو امیر کہا کرتے تھے۔ مثل شام اور عرب، اندلس میں بھی فوج دو حصوں میں منقسم تھی۔ باقاعدہ اور بے قاعدہ۔ باقاعدہ میں تمام ماہوار یاب (تنخواہ دار) سپاہی[2]

(۱) ''ہسٹری آف دی سارا سنس'' مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۲۴ صفحہ ۴۱۷۔

(۲) ماہوار کی مقدار ایک ہزار درہم سے اسی (۸۰) ہزار درہم سالانہ فی نفر ہوتی تھی۔

شریک تھے۔ بے قاعدہ میں وہ لوگ بروقتِ ضرورت شریک کر لئے جاتے تھے جو بطور خود محکمہ فوج میں شرکت جنگ کی درخواست کیا کرتے تھے۔ ہر سال مصنوعی جنگ ہوا کرتی تھی۔ اور سپاہیوں کو فن جنگ سکھانے میں بلیغ کوشش کی جاتی تھی۔

برّی فوج کی تقسیم حربیہ (یعنی پیادے) ان کا لباس زرہ وخود، اور ہتھیار، نیزہ اور تلوار وسپر تھے۔ رامیہ یعنی تیرانداز سواروں کا لباس زرہ بکتر اور تلوار و نیزہ اور تیر ان کے ہتھیار تھے۔ فوج دس دس ہزار کے دستوں میں منقسم اور ہر دستہ کا افسر اعلی ایک امیر یا سپہ سالار ہوتا تھا۔ ہزار آدمیوں کے افسر کو قائد، اور سو آدمیوں کے افسر کو نقیب کہا کرتے تھے۔ خلیفہ کی حفاظت کے لئے ایک خاص فوج مقرر تھی۔ جس کی ماہوار (تنخواہ) بہ نسبت اوروں کے زیادہ، اوران کا لباس مکلف ہوتا تھا۔ اندلس میں جب خانہ جنگی اور بیرونی لڑائیوں نے خلیفہ کو مجبور کیا تو اہل بربر بھی فوج میں بھرتی کئے گئے، جو رفتہ رفتہ خاص فوج سلطانی میں شامل ہو گئے تھے۔

انجینئر فوج کے آرام وآسائش کا عربوں کو بڑا خیال تھا۔ ہر فوج کے متعلق ایک گروہ انجینئر اور مزدوروں کا تھا، جو ہمیشہ فوج کے آگے راستہ بناتا یا صاف کرتا جاتا تھا انجینئر کے افسر کا نام امیر المنجنیقین (۱) تھا۔ ان کی تعلیم خاص طور پر ہوتی تھی۔ پہلے یہ سب فوج میں شریک کئے جاتے تھے، پھر ان سب کو سامان حرب اور قلعے اور قلعہ شکن آلات کا بنانا، اور محاصرہ کے لئے قلعہ کے گرد مقامات کا درست کرنا نہایت احتیاط سے سکھایا جاتا تھا۔

(۱) ابن خلکان تحریر کرتا ہے کہ بغداد میں ایک مشہور انجینئر یعقوب بن صابر المنجنیقی گزرا ہے جس نے ایک کتاب ''عمدة المسالك في سياسة الممالك'' اس فن میں تصنیف کی تھی، اس میں اس نے جنگ میں فوجوں کی ترتیب وتقسیم، قلعوں پر حملہ کرنا، گھوڑوں کی سواری، مستحکم مقامات کا محاصرہ، انجینئرنگ، مختلف ہتھیار اور آلات قلعہ شکن کا استعمال، فوجوں کا جمع ہو کر یا کھل کر لڑنا وغیرہ وغیرہ جو لکھا ہے وہ قابل پڑھنے کے ہے۔

فوجی شفاخانہ میدانِ جنگ میں ہر فوج کے ساتھ دواخانہ اور اونٹوں پر پلنگ اور ضروری سامان زخمیوں کے علاج اور آرام کے لئے مہیا رہتا تھا، تمام دستے فوج کے ملک میں جابجا متعین تھے۔ جو بوقت ضرورت فوراً فراہم کر لئے جاتے تھے، آج کل جو دقتیں فوج کی فراہمی اور سامان کی بار برداری کے انتظام میں ہوتی ہیں، وہ اس زمانہ میں بالکل مفقود تھیں۔ نہ تو شراب کی ضرورت تھی، اور نہ برف اور عمدہ کھانوں کی۔

سپاہیوں کی زندگی خُرمایا ان معمولی کھانوں پر تھی، جس کو ہر سپاہی بغیر محنت اور مشقت اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ ہر صحیح القوی عرب کو فوج میں شریک ہونا لازمی تھا۔ گو کوئی خاص زمانہ فوجی ملازمت کا مقرر نہ تھا۔ لیکن جب سپاہی اچھی طرح کام سیکھ لیتے تھے، اور ملک میں امن وامان ہوتا تھا، تو یہ لوگ رخصت کر دیئے جاتے، مگر بوقت جنگ ان کو محکمۂ جنگ میں حاضر ہو جانا پڑتا تھا۔

فوجی جاگیر بعض وقت افسران فوج کو تنخواہ کے عوض جاگیریں[1] عطا کی جاتی تھیں، ایسے لوگوں کا فرض تھا کہ اس جاگیر کی آمدنی پر اپنی اپنی فوج حسب حیثیت تیار رکھیں، اور بوقت ضرورت فوج سلطانی میں شریک ہو جایا کریں، اس افسر کو ''صاحبُ المعاقِل'' کہتے تھے۔ عربوں کے بعد جو اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں مثل ترک وغیرہ انھوں نے بھی اس طریقہ کو قائم رکھا۔ دولت عثمانیہ میں کچھ روز قبل تک فوجی جاگیریں تقسیم ہوتی تھیں۔ مگر آخر کو جو نقصانات بوجہ بغاوت ملک کو پہنچے سلطان محمود ثانی نے انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس طرز کو بالکل مسدود کر دیا۔

(۱) انگریزی میں اس کو فیوڈل سسٹم کہتے ہیں، زمانۂ قدیم میں فرانس میں بھی یہی طرز جاری تھا۔ اور نارمنز نے جب انگلستان فتح کیا، تو وہاں بھی اس کو جاری کیا، عربوں نے اس کو یورپ سے نہیں لیا بلکہ شام اور عرب میں بھی یہ طریقہ جاری تھا۔ دیکھو ''المقری اور ہسٹری آف دی سارا سنس'' مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۲۴ صفحہ ۴۳۵۔

طرزِ جنگ بوقت جنگ روانگی کے قبل فوج پانچ حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی، طلیعہ یعنی ہراول، فوج سے کئی میل آگے رہتا، اور یہ کام اکثر سواروں کے جو بآسانی نقل وحرکت کر سکتے ہیں سپرد کیا جاتا تھا، ان کو یہ حکم تھا کہ یہ دشمن کی فوج کے مقام اور اس کی تعداد کو دریافت کرلیں، اور جن مقامات سے ان کا گذر ہو وہاں کے نقشے تیار، اور زمین کے نشیب وفراز سے اچھی طرح واقف ہوکر سپہ سالار کو اطلاع کرتے رہیں۔ ہراول کے پیچھے اصل لشکر روانہ ہوتا تھا۔ اس کے بیچ کی فوج کو قلب، اور داہنی کو مَیمَنَہ اور بائیں کو مَیسَرہ کہتے تھے۔ اس لشکر کے عقب میں کچھ فاصلہ پر بغرض محافظت ایک دستہ فوج کا جس کو ساقہ کہتے ہیں ہوتا تھا۔ راستہ میں جہاں فوج کا قیام ہوتا، وہاں تمام جنگل صاف کردیا جاتا تھا، اور راستہ اور سڑکیں تیار کی جاتی تھیں۔ بازار کھل جاتے تھے، اور لشکر کے اطراف میں جابجا آگ روشن کردی جاتی تھی۔ راستوں اور گزرگاہوں پر داستان گو بیٹھے ہوئے سپاہیوں کو ان کے باپ اور دادا کی بہادری اور شجاعت کی داستان سناکر، ان کے دلوں میں جوش اور حوصلۂ جنگ پیدا کرتے تھے، کسی طرف فوجی ورزشِ سمانی تلوار و نیزہ بازی میں مصروف نظر آتے تھے۔

طرزِ جنگ میں بھی بہت کچھ تغیر وتبدل واقع ہوا تھا۔ اوائل زمانہ میں دو صفیں یکے بعد دیگرے کھڑی کی جاتی تھیں، اور اسی ترتیب سے عرب خود حملہ کرتے اور دشمنوں کی یورش کو روکتے تھے۔ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت جب جدید قوانین جنگ تیار کئے گئے، تو ان دو صفوں کے عوض حربیہ یعنی پیادہ کئی صفوں میں یکے بعد دیگرے بشکل مثلث اپنے نیزوں کو سامنے زمین میں نصب کرتے، اور ایک گھٹنے پر سپروں کے عقب میں مثل دیوار آہنی جم جاتے تھے، ان کی پشت پر تیر انداز، اور چپ وراست سوار استادہ رہتے تھے۔ یہ طریقہ دشمن کے حملوں کو رد کرنے کا تھا۔ جہاں فوجِ مخالف زد میں آئی سب سے پہلے تیرانداز اُن پر تیروں کا مینہ برساتے، اور پیادے تلوار اور چھوٹے نیزوں پر حملہ کو روکتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سوار دونوں طرف سے حملہ آور ہوتے تھے۔ عربوں کی صفوں کو

توڑنا آسان بات نہ تھی، لیکن سب سے زیادہ سواروں نے اپنا خوف عیسائیوں کے دلوں میں جمایا تھا۔ متعدد لڑائیوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ صرف سواروں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر عیسائی لشکر پراگندہ اور منتشر ہو گیا، اور بوقت جنگ سپہ سالار ایک بلند مقام سے بوساطت اپنے مصاحبین ہر دستۂ فوج کے افسر کے نام حکم جاری کرتا تھا۔

آلات قلعہ شکن قلعوں اور مستحکم شہروں کی دیواریں توڑنے کی غرض سے عربوں نے خاص قسم کے آلات ایجاد کئے تھے، جن کو منجنیق اور دَبابہ کہتے ہیں۔ اول الذکر تو مثل گوپن کے تھے، اور آخر الذکر ایک کل کچھوے نما، ان دونوں کلوں کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھر قلعہ کی دیواروں پر اس قدر زور سے پھینکے جاتے تھے، کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دیوار منہدم ہو جاتی تھی۔ تیرہویں صدی عیسوی سے جب باروت (بارود) ایجاد ہوئی، توپوں کا استعمال عربوں نے شروع کیا۔ الحاصل جو ترقیاں فنونِ جنگ میں عربوں نے کی تھیں، ان سے اہل یورپ بالکل بے بہرہ تھے، ایک مشہور جرمن مؤرخ لکھتا ہے کہ:

''اہل بزنطائین کو اپنی سابقہ شان وشوکت اور تمدن پر اس قدر ناز تھا کہ، یہ عرب بادیہ نشینوں کو اپنے مقابلہ میں جاہل اور غیر مہذب تصور کرتے تھے، اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ خود عربوں سے زیادہ نالائق اور جاہل تھے۔ ان لوگوں نے جب کبھی کسی شہر پر قبضہ کیا، تو اس کو اور غریب رعایا کو تاخت وتاراج ہی کر کے چھوڑا۔ دشمن کے ملک میں داخل ہو کر قصبوں اور دیہاتوں کو جلا دیا کرتے تھے۔ ان کے برخلاف عرب ہمیشہ ان مذموم افعال سے باز اور بَری رہے۔ جب تک کہ وہ مجبور نہیں ہوئے انھوں نے دشمن کے ملک کو برباد نہیں کیا[1]''

بحری قوت ابن خلدون نے اندلس کی بحری قوت کی ترقی اور تنزل کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ مسلمانوں کے لئے خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ تاریخ سے ظاہر

(۱) ترقی علوم وفنون در زمانۂ خلفائے اسلام۔ مصنفہ وان کریمر۔

ہے کہ عربوں کی بحری قوت اقوامِ غیر کی مجموعی قوت سے بہت زیادہ تھی۔ عربوں نے مثل بری جنگ کے اس کے واسطے بھی نہایت عمدہ اصول قائم کئے تھے۔ اس کے زمانہ عروج میں افسر اعلیٰ کو امیر الماء یا امیر البحر کہا کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن ثالث کے زمانۂ حکومت میں اس افسر کا نام قائدالاساطیل رکھا گیا۔ جنگی جہاز کے افسر کو قائد یا مقدم، اور اس کے ماتحت کو رئیس خطاب کیا کرتے تھے۔ ہر صوبہ دار کو حکم تھا کہ ایک مقررہ تعداد میں جنگی جہاز تمام سامان سے مہیا پیش کرے۔ تمام بندرگاہوں میں کسی بلند ٹیلہ یا پتھر پر کتاب (یعنی لائٹ ہاؤس) جہاں راتوں کو روشنی جلا کرتی تھی بنایا جاتا تھا۔ تاکہ جہازوں کی آمد و رفت میں دقت اور نقصان واقع نہ ہو۔

صنعت و حرفت

سلطنت غرناطہ جس کا ذکر بالتفصیل گزشتہ باب میں تحریر ہو چکا ہے۔ عربوں کی سابقہ عظمت و جبروت کی ایک بے مثل یادگار تھی۔ اس میں اندلس کے وہ حصے اور صوبے شریک تھے، جو اس کے جنوب و مشرق کی جانب سواحلِ بحر متوسط اور آبنائے طارق پر واقع ہیں۔ اس کی مسافت شرق سے غرب تک تقریباً دو سو دس میل۔ اور جنوب سے شمال تک پچھتر (۷۵) میل سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن باوجود اس تنگیٔ وسعت کے اس مختصر سے خطۂ زمین کے حدود میں وہ تمام باتیں موجود تھیں، جو اس زمانہ میں بزرگ ترین سلطنتوں کو نصیب نہ تھیں۔ یہاں کے مرغزار اور وسیع میدانوں پر عربوں نے فنِ زراعت کو ختم کر دیا تھا، اور جو دریا مثل شنیل وغیرہ جبل شلیر کی چوٹیوں سے نکل کر دامن ہائے کوہ کو سیراب کرتے ہوئے سمندر کی طرف لبریز بہہ رہے تھے، ان کی اس قدر نہریں اور شاخیں نکالی تھیں کہ ایک خوشنما جال تمام ملک پر بچھ گیا تھا۔ ان نہروں کے ذریعہ سے پانی دُور دُور پہنچایا جاتا تھا۔ علاوہ اس ملک کی چیزوں کے عرب، شام اور افریقہ کے وہ میوہ جات اور اجناس جن سے نہ تو اہل یورپ واقف تھے، اور نہ ان

کی کاشت کے طریقے جانتے تھے۔ ان کو عرب کسان باوجود اختلاف آب وہوا اور زمین، سال میں کئی بار کاشت کرتے تھے۔ ریشم اور سن بکثرت بڑے بڑے بنادر مثل المریہ اور مالقہ سے اطالیہ جایا کرتا تھا۔ اور بندرگاہیں یورپ اور شام اور افریقہ کے تجارتی جہازوں سے معمور رہا کرتی تھیں۔ غرناطہ نہ صرف اس سلطنت کا بلکہ تمام دنیا کا پائے تخت بنا ہوا تھا۔ اہل جنیوا اور فلارنس نے غرناطہ میں مختلف مقامات پر کلیں اور گرنیاں (کولہو) بغرض ترقی تجارت قائم کی تھیں۔ سلطنت غرناطہ میں تیس (۳۰) بڑے شہر اور اسی قدر قلعہ اور ہزاروں چھوٹے شہر اور بنادرِ آباد تھے، ان میں کا ہر ایک شہر کسی ایک چیز کی ایجاد اور تجارت میں مشہور تھا۔ مؤرخ گبن بیان کرتا ہے کہ صرف وادی الکبیر کے کنارے پر بارہ ہزار شہر اور قصبے بسے ہوئے تھے۔ عرب راست بازی اور امانت و دیانت میں شہرۂ آفاق تھے۔ ان کا ایک لفظ اندلس کے تمام عیسائیوں کی دستاویز اور تحریر کے مقابلہ میں کافی سمجھا جاتا تھا[1]۔

زراعت

عربوں نے زراعت کو اس قدر ترقی دی تھی کہ یہ ایک خاص اور مکمل فن بن گیا تھا۔ یہ ہر میوہ اور درخت اور زمین کی خاصیت اور ماہیت سے اچھی طرح واقف تھے۔ جو اراضی افتادہ تھیں جہاں سوائے ٹیلہ اور کنکر سبزہ نظر نہ آتا تھا۔ ان کو اپنے علم کے ذریعے سے ایسا درست کیا کہ ایک قلیل عرصے میں یہ اُجاڑ مقامات میوہ دار درختوں اور سبز وشاداب کھیتوں سے لہلہانے لگے۔ چاول، نیشکر (شکر) روئی، زعفران، انار، آڑو، اور شفتالو اور سردے۔ جواب اندلس میں بکثرت ہوتے ہیں عربوں ہی کی بدولت اندلس بلکہ تمام یورپ کو نصیب ہوئے۔ جو زمین جس چیز کی کاشت کے لئے مناسب

(۱) ''ہسٹری آف دی سارا سنس'' مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۳۱ صفحہ ۵۶۶ از ابلا اینڈ فرونڈ مصنفہ پرسکاٹ باب ۸ صفحہ ۱۹۰۔

معلوم ہوتی تھی وہیں وہ چیز بوئی جاتی تھی۔ چنانچہ اندلوسیہ واشبیلیہ کے میدانوں میں زیتون وخرما کی کاشت ہوتی تھی، جہاں عربستان اور شام کے عمدہ سے عمدہ زیتون اور خرمے کے درخت منگوا کر نصب کئے گئے تھے، تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ سنہ ۱۲۵۵ء میں فردلند اول نے جب اس صوبہ پر قبضہ کیا یہاں زیتون کے لکھوکھا درخت موجود تھے، اور تقریباً ایک لاکھ گرنیاں تیل نکالنے کے لئے تیار تھیں۔ شریش اور غرناطہ اور مالقہ انگور کے لئے مشہور تھے۔ چاول کی کاشت البحیرہ میں، نیشکر (شکر) اور روئی غندیہ میں پیدا ہوتی تھی۔

معدنیات

زراعت کے ساتھ عربوں نے فن معدنیات کو بھی کمال تک پہنچادیا تھا۔ علاوہ ریشم، روئی اور زعفران اور مختلف اقسام کے رنگوں کے سونا۔ چاندی لوہا۔ فولاد[1]۔ پارہ۔ کہربا۔ تانبا۔ یاقوت۔ نیلم اور موتی بکثرت اندلس میں پیدا ہوتے تھے۔

فن تعمیر

اندلس کی عمارات کا ذکر مفصل طور پر پہلے ہو چکا ہے، اس مقام پر تحریر کرنا مناسب ہوگا کہ یہاں کے عربوں نے اس فن کو یونانیوں اور رومۃ الکبریٰ والوں سے حاصل کیا تھا، مگر ان مختلف طرزوں میں اس قدر تغیر واقع ہوا کہ یہ بظاہر ایک جدید طرز بن گیا۔ یہ طرز ایسا مقبول اور خوشنما تھا کہ یورپ نے اس کو عربوں سے اخذ کیا۔ نوکدار محرابیں اور سبک ستون فرانس کی عمارات قدیمہ میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ پہلے صرف اینٹ اور پتھر استعمال کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد جو جو (جوں جوں) ترقی تعمیر کو ہوتی گئی مصالحہ میں بھی فرق ہوتا گیا۔

---

(۱) طلیطلہ اور غرناطہ کی تلواریں مشہور تھیں۔

مٹی اور چونا اور ریتی اور چھوٹے پتھروں سے ایک ایسا مصالحہ عربوں نے تیار کیا جو مثل سنگ مرمر کے نہایت صاف مضبوط اور پائدار ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض عمارات اور بالخصوص الحمراء اور جنت العارف، غرناطہ میں اس ہی مصالحہ سے بنائے گئے، جو اس وقت تک بدستور قائم ہیں، اور جن سیاحوں نے ان اُعجوبۂ روزگار عمارات کو بچشم خود دیکھا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک دیواروں کی چمک اور صفائی اُسی طرح موجود ہے۔

تصویر کشی اور سنگ تراشی یہ اہل یورپ کا اثر تھا کہ عربوں نے تصویر کشی (۱) اور سنگ تراشی میں بھی مثل اپنے عیسائی ہمسایوں کے پوری ترقی حاصل کی تھی، قصر الزہرا قرطبہ میں اور الحمراء غرناطہ میں عمدہ تصویروں اور نہایت خوشنما ترشی ہوئی مورتوں سے آراستہ تھے۔ الحمراء کا الماسدہ اس وقت موجود ہے، جس کے وسط میں ایک فوارہ ہے، اور اس فوارہ کے گرد شیروں کی مورتیاں پتھر سے ترشی ہوئی قائم ہیں۔ اسی طرح قصر الحمراء میں جو نادر چینی (۲) کے برتن اور مرتبان جابجا رکھے ہیں۔ عربوں کی صناعی اور دستکاری کی عمدہ دلیل ہے۔

علوم وفنون

تمام مؤرخین بیت النصاری معترف ہیں کہ جو ترقی عربوں نے علوم وفنون میں کی، اور جس مستعدی سے یونانیوں اور رومۃ الکبری والوں سے بکمال محنت وتحقیق علم حاصل کیا، وہ فی الحقیقت حیرت انگیز ہے۔ اندلس پر مسلط ہوتے ہی عربوں نے تمام ملک میں

(۱) تمدن عرب ترجمہ مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۴۵۵۔ باب ۷ —— اور ہسٹری آف دی سارا سنس مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۲۱ صفحہ ۵۷۷۔

(۲) چونکہ عربوں کی تجارت کی وسعت نے ملک چین سے بھی تعلق پیدا کرلیا تھا۔ غالباً یہ فن انھوں نے چینیوں سے حاصل کیا ہوگا۔

دارالعلوم اور چھوٹے مدارس، رصد خانے، عظیم الشان کتب خانے کھول دیئے، جہاں تمام سامان علمی تحقیقات کا موجود تھا۔ تعلیم کے دو طریقے جاری تھے۔ چھوٹے شہروں اور قصبوں میں چھوٹے مدارس ابتدائی مذہبی تعلیم دینے کی غرض سے بنائے گئے تھے۔ تکمیل تعلیم اور تحقیقاتِ علمی کے واسطے دارالعلوم قرطبہ۔ اشبیلیہ۔ مالقہ۔ سرقسطہ۔ بشونہ۔ جیان۔ طلیطلہ وغیرہم مشہور شہروں میں قائم کئے گئے، جہاں طلبہ شوق وذوقِ علم میں اطالیہ۔ فرانس۔ جرمن اور انگلستان سے آتے تھے۔

اوائل میں عرب ایک زمانۂ دراز تک صرف اہل یونان اور روما کے شاگرد اور مقلد بنے رہے، اور کسی علم وفن میں جدید تحقیقات نہ کرسکے، جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ سوائے اپنی زبان کے اور زبانوں سے بالکل ناواقف تھے، پس سب سے پہلے انھوں نے یونانی اور لاطینی اور اسپینی کو بکمال مشقت حاصل کیا، اور ان زبانوں میں زبان عربی کے ساتھ متعدد لغات لکھ ڈالے، جو اس وقت تک اندلس کے اسکوریل کتب خانہ میں موجود ہیں۔ مثل موجودہ زمانے کے اس ابتدائی زمانہ تعلیم میں بھی ہر عرب طالب علم کی تعلیم یونانی اور لاطینی زبانوں کی تحصیل پر موقوف تھی۔

عربوں کی جودتِ طبع اور حصولِ علم کے شوق نے ان کو اس محدود دائرۂ شاگردی میں بہت روز رہنے نہیں دیا۔ اور انھوں نے قلیل عرصہ میں اس اہم مسئلہ کو کہ مشاہدہ اور تجربہ، نادر کتاب پر ترجیح رکھتا ہے، جس کے سمجھنے میں اہل یورپ نے صدیاں گنوادیں دریافت کرلیا[1]، باوجود اس کے بعض ناواقف عیسائی مصنف یہ کہتے ہیں کہ عرب محض پیر وارسطو وافلاطون رہے، انھوں نے کوئی جدید تحقیقات اس فن میں نہیں کی۔ اگر یورپ کے زمانۂ وسطی کی تاریخ پر کوئی صاحب بینا نظر ڈالے تو معلوم ہوجائے گا کہ، یہ الزام اہل یورپ پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ عربوں پر۔ ایک نہایت واجب التعظیم عیسائی مصنف اس کی نسبت تحریر کرتا ہے کہ عربوں کا طریقۂ تحقیق تجربہ اور مشاہدہ تھا، برخلاف

(۱) ہم بولٹ۔

اس کے زمانہ وسطیٰ کے یورپ کا طریقہ اساتذہ کے کلام کو پڑھنا اُن کی رائے کو بار بار بیان کرنا تھا۔ ان دونوں میں بہت ہی اصولی فرق ہے، اور بلا اُس فرق کو مدنظر رکھے ہوئے ہم عربوں کی علمی تحقیقات کی پوری قدر نہیں کر سکتے (۱)۔

قوم وملک کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ عین عالم شباب خلافت (اندلس) میں خلفاء نے علم کی وہ قدر کی کہ جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ چنانچہ خلیفہ الحکم ثانی کے عہد حکومت میں صرف قرطبہ کے کتب خانہ میں ایک لاکھ کتابیں مختلف علوم وفنون کی موجود تھیں، اور ہر کتاب پر خاص خلیفہ کے ہاتھ کا حاشیہ تحریر تھا۔

فنِ تاریخ

المَقّری اور ابن الحیان (۲) کی تصانیف دیکھنے سے (۳) قبل میں اقوال اہل یورپ کو صحیح سمجھتا تھا کہ عرب مؤرخ نہ تھے، بلکہ صرف واقعہ نویس تھے۔ اس میں شک نہیں کہ فن تاریخ عربوں کے زمانۂ عروج میں ابتدائی حالت میں تھا، اور جس مکمل شکل میں یہ آج مروج ہے، اور جو نئے اصول اس علم کی تحقیقات کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں، وہ اُس دَور میں مفقود تھے۔ تاہم عربوں نے اس فن کو نہایت عمدہ اصول پر قائم کیا تھا، اگر عربی تاریخیں یا ان کے ترجمے دیکھے جائیں، تو معلوم ہوسکتا ہے کہ اُن کے مصنّفین نے صرف واقعات ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ باتیں بھی لکھی ہیں جن سے اس قوم کے ذاتی صفات وحالات اور خیالات بہت اچھی طرح معلوم ہوسکیں۔

چنانچہ المَقّرِی نے اپنی تاریخ اندلس میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ جب موسیٰ بن نصیر ملک فرانس کے جنوبی حصہ کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھا، تو راستے میں ایک اُجڑا ہوا مقام اُس کو ملا، جس کے وسط میں ایک ستون نہایت بلند موجود تھا، اور اس ستون کے گرد یہ عبارت بخطِ عربی لکھی تھی کہ ''اگر تم یہاں سے آگے بڑھے تو تم ضرور خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے، اور ملک ہاتھ سے جاتا رہے گا'' اس واقعہ عجیب کا جو اثر

(۱) ''تمدن عرب'' مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی فصل دوم صفحہ ۴۰۰۔ (۲) اس نے دو تاریخیں اندلس کی لکھی تھیں۔ ایک دس دوسری ساٹھ جلدوں میں۔ (۳) اصل میں ''سے'' کی جگہ ''کے'' ہے (محمد امین)

سپہ سالار کے دل پر ہوا اُس کو بھی اس مؤرخ نے تحریر کیا ہے۔

اسی طرح طارق بن زیاد فاتح اندلس کا جہاز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا، اور فتح کی بشارت پانا، جس کی وجہ سے افسر وفوج کو اس قدر تقویت حاصل ہوئی، کہ ان کو یقین کامل ہو گیا کہ ہم ضرور اس ملک کو فتح کریں گے۔

اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اب فنِ تاریخ نے اس قدر ترقی کی ہے کہ یہ ایک شاخ فلسفہ کی بن گئی ہے۔ مؤرخ کا کام یہ ہے کہ واقعات پیش شدہ کے اسباب وعلل دریافت کر کے نتائج پند آمیز اور عبرت خیز نکالے، اُن اسباب وعلل کی غلطی وصحت کا وہ ذمہ دار نہیں ہوسکتا، بلکہ اکثر اوقات نتائج مستخرجہ سے ان اسباب وعلل کی صحت وغلطی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔

مؤرخین یورپ نے تاریخ سے ایک علم، علم سیاست پیدا، اور اس علم کے قواعد اور اصولوں کو تجربہ اور مشاہدہ کی مستحکم بنا پر قائم کیا ہے، چنانچہ ایک مشہور انگریزی مؤرخ کا قول ہے کہ ''تاریخ بغیر پولٹیکل سائنس (۱) ایک درخت ہے بغیر جڑوں کے'' اور پولٹیکل سائنس'' یعنی علم سیاست بغیر تاریخ جڑیں ہیں بغیر پیڑ اور شاخوں کے'' —— گو عربوں نے اس کو اس قدر ترقی نہیں دی، بلکہ جب انھوں نے اس کو یونانیوں سے حاصل کیا، تو بہ نسبت اپنے معاصرین کے بہت کچھ ترقی دی، اور آئندہ ترقی کا اہل یورپ کو راستہ بتایا۔

فلسفہ

عربوں نے جو ترقی فلسفہ (۲) میں کی ہے، اُس کی نسبت علمائے یورپ کی رائے دیکھنے کے قابل ہے۔ انھوں نے تمام فلسفۂ یونان کی کتابوں کا اپنی زبان میں

(۱) پولیٹکل سائنس مصنفہ سیلی سابق ریجیس پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی۔

(۲) ہم نے اس امر کے دریافت کی بہت کچھ کوشش کی تھی، کہ ممالک شرقیہ میں یونانی علوم کا رواج کب سے ہوا۔ مگر صحیح زمانہ ان علوم کی اشاعت کا معلوم نہ ہوسکا۔ تاریخ سے اتنا ضرور پایا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں نسطوری پادری یونان اور روم سے نکالے گئے، تو انھوں نے ایک مدرسہ بمقام ایڈیسا قائم کیا۔ ابتداءً یونانی علوم نے ایشیا میں انہیں کے ذریعے سے اشاعت پائی، بعد ازاں جب ←

ترجمہ کرڈالا تھا۔ فلاسفۂ عرب میں یہ نام یورپ میں واجب القدر وتعظیم خیال کیے جاتے ہیں۔ ابوبکر محمد بن یحییٰ جو عام طور پر ابن باجہ [۱] کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ علاوہ فلسفہ کے بے مثل طبیب اور ریاضی داں اور علم ہیئت میں کامل دست گاہ رکھتا تھا۔ ابن طفیل [۲] ابوبکر محمد بن عبدالملک مثل ابن باجہ علاوہ تمام علوم مذکورہ شعروسخن میں کامل تھا۔ یہ وادی آش میں پیدا ہوا تھا۔ ابوبکر [۳] ابن زُہر ساکن اشبیلیہ جس کو اہلِ یورپ اوبن زور کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اور اُس کے لائق ہم عصر ابوالولید [۴] محمد بن احمد بن رشد نے اپنے خیالات کی آزادی میں بڑی ناموری حاصل کی۔ اکثر متعصب علماء نے اُن کی بہت مخالفت کی، اور بعض اوقات عوام الناس کو ان سے ایسا برافروختہ خاطر کیا کہ خلیفہ کو چند روز کے لئے ان لوگوں کو ملک سے خارج کردینا پڑا۔

یورپ میں اِس وقت تک عام خیال یہ ہے کہ عربوں نے فلسفہ میں ترقی نہیں کی،

← رومی بادشاہ زینو نے ایڈیسا کو غارت کیا، تو شاہانِ ساسانیہ نے ان لوگوں کو ایران سے بلالیا، اور جب بزمانہ جسٹنین ایتھنس واسکندریہ کے مدارس بند کردیئے گئے، تو یہاں کے علماء بھی دربار ایران میں پناہ گیر ہوئے، اور ارسطو وغیرہ فلاسفۂ یونانی کا ترجمہ سریانی اور کالدی میں کرتے رہے۔ ایران سے یہ علم عرب میں آیا۔ جب عربوں نے ایران کو فتح کیا، تو انھوں نے فلاسفۂ یونانی کی تصانیف کو سریانی وغیرہ سے عربی میں ترجمہ کیا، پس معلوم ہوا کہ یونانی علوم پہلے شام ومصر اور اُن کے بعد ایران میں مروج ہوئے۔ جہاں سے اُن کو عربوں نے اخذ کیا۔ لیکن عربوں نے صرف ان ترجموں پر اکتفا نہیں کیا، اور بہت جلد یونانی زبان کو حاصل کرلیا۔ زینو نے سنہ ۴۷۴ء سے لے کر سنہ ۴۹۱ء تک حکومت کی تھی۔ اور جسٹنین نے سنہ ۵۲۷ء سے لے کر سنہ ۵۶۵ء تک۔ گبن جلد ۵ باب: ۴۰، ص: ۹۲۔ اور تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی کتاب پنجم باب اول فصل اول صفحہ ۳۹۷۔

(۱) یورپ میں اس کو ''اون پیس'' کہتے ہیں۔ (۲) اُس نے مراکش میں سنہ ۵۸۱ھ م سنہ ۱۱۸۵ء میں انتقال کیا۔ (۳) اس نے سنہ ۵۹۵ھ م سنہ ۱۱۹۹ء میں انتقال کیا۔ (۴) اس کو یورپ میں اویروز کہتے ہیں۔ اس نے سنہ ۵۹۵ھ م سنہ ۱۱۹۸ء میں انتقال کیا۔ یہ اشبیلیہ اور قرطبہ کا قاضی بھی رہ چکا تھا۔

بلکہ صرف فلاسفۂ یونان کی کتابوں کے ترجمے اور اُن کی شاگردی پر اکتفا کیا، لیکن یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ باوقعت اور نہایت مشہور فلاسفۂ یورپ متفق اللفظ ہیں، کہ عربوں نے اس علم میں بہت ترقی کی تھی، اور اپنے جدید خیالات کو بلا لحاظ نقصان اور مضرت نہایت آزادی کے ساتھ ظاہر کیا کرتے تھے۔ مسیو رینان[1] تحریر کرتا ہے کہ ''ابن رُشد اپنے استاد ارسطو پر بھی فوق لے گیا تھا، اور اس نے بلا خوفِ مضرت اپنے خیالات کو ظاہر کیا۔ چنانچہ ابن رُشد کو بقائے روح اور بعث ونشر سے انکار تھا، اور اُس کا یہ قول تھا کہ انسان کو اُس کے اعمال کی سزا یا جزا دنیا میں مل جاتی ہے۔ آخرت کا وہ قائل نہ تھا۔ عقبیٰ کی نسبت بھی اس کے خیالات بالکل نئے، بلکہ بلحاظ مذہب کفر تک پہنچے تھے۔ وہ ان تمام باتوں کو قصہ اور کہانی تصور کرتا، اور کہتا ہے کہ کسی انسان کا حظِ نفس کو ان ہی کہانیوں کی بدولت دونے معاوضہ کی امید پر ترک کرنا کوئی قابل تعریف چیز نہیں، اس واسطے کہ بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کہانیوں کو نہیں مانتے مگر نیکی میں ان لوگوں سے کم نہیں ہیں۔

علوم ہیئت وریاضی

علوم ریاضی وہیئت[2] میں بھی جو ناموری اندلس کے عربوں نے حاصل کی تھی، اُس کی شہادت اُن علوم کی تمام کتابیں جو یورپ میں شائع ہوئی ہیں دے رہی ہیں، افسوس تو اس امر کا ہے کہ عربوں کے عیسائی جانشینوں نے عربی کتب خانوں کو محض بوجہ تعصب مذہبی نیست ونابود کر دیا، لیکن جن مصنفین اہل یورپ نے علم ہیئت کے متعلق کچھ لکھا ہے، انھوں نے جابجا اپنی کتابوں کو علمائے عرب کی رائے اور استدلال سے مزین کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ عربوں نے اس علم میں اس درجہ ترقی کی تھی، کہ محققین یونان مثل بطلیموس وغیرہ کی تحقیقات کو غلط اور ناکمل ثابت کر دیا۔

ابن عبد الرحمٰن الرزقال اندلس کے ایک مشہور مہندس نے طلیطلہ میں اسطرلاب

(۱) یہ نہایت مشہور اور معروف فرانس کا فلاسفر گزرا ہے۔ (۲) اس علم کی تحقیقات کے لئے رصد خانے بنا دیئے گئے تھے۔ چنانچہ اشبیلیہ کا گرالڈا اس وقت تک موجود ہے۔

اور گھڑیاں تیار کی تھیں، جب یہ اشبیلیہ آیا تو یہاں کے شاہانِ بنی عباد نے اس کی بڑی قدر کی، چنانچہ معتمد کے زمانۂ حکومت میں اس نے ایک کتاب علم ہیئت اور آلات پر جو اس نے بکمال محنت و تحقیق ایجاد کئے تھے لکھی تھی۔ الرزقال نے نہایت صحت کے ساتھ سالانہ استقبال معدل النہار کا پچاس ثانیہ ہونا معلوم کیا تھا، جو اس ہمارے زمانہ کی تحقیقات سے بالکل صحیح ثابت ہوا۔ اندلس کے مہندسین نے بقول مسیو سدی یو علمائے بیت النصاری سے[1] قبل یہ دریافت کرلیا تھا کہ، سیاروں کی حرکت بیضاوی ہے۔ اور زمین آفتاب کے گرد حرکت کر رہی ہے۔

علم جغرافیہ عربوں کو علم جغرافیہ کا شوق اُس زمانہ سے ہوا جب کہ یہ تجارت میں ترقی کرتے ہوئے ان ممالک مثل چین و ہند وغیرہ تک جا پہنچے، جن سے اہل یورپ بالکل ناواقف تھے۔ اولاً یہ علم سفرناموں کے ذریعہ سے بلاد شرقیہ میں پھیلا۔ بڑے بڑے سیاح مثل ابن بطوطہ نے اپنے سفر کے جو حالات لکھے ہیں، ان میں وہاں کے جغرافیہ کا بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح یہ رفتہ رفتہ ایک خاص فن بن گیا۔ اندلس کے مشہور جغرافیہ داں کا نام ادریسی ہے، اُس نے جو مشہور جغرافیہ سنہ ۱۱۵۴ء میں لکھا تھا۔ اُس میں صرف وہ واقعات ہی جو اس کو متقدمین کی تصانیف سے معلوم ہوئے تھے درج نہیں ہیں، بلکہ اس نے جو تحقیق کہ بذات خود کی تھی، اور نیز جو واقعات اس کے ہم عصر سیاحوں سے دریافت ہوئے تھے، مع متعدد نقشوں کے بالتفصیل درج ہیں۔ سیکڑوں برس علمائے یورپ کا دارومدار اس فن کا اس ہی جغرافیہ پر رہا۔

فن طب فن طب نے جو ترقی مشرق میں کی تھی اُس کے اس مقام پر بتانے کی ضرورت نہیں پائی جاتی، تمام دنیا واقف ہے کہ عربوں نے اس فن میں کس قدر کمال حاصل کیا تھا، بوعلی سینا اور ابوبکر محمد الرازی سے مشرق اور مغرب دونوں واقف ہیں۔ ایک زمانہ تک اہل یورپ ان ہی لوگوں کے پیرو رہے، اور ان کی تصانیف

(۱) اصل میں ''سے'' کی جگہ ''کے'' ہے (محمد امین)

کو لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں ترجمہ کر کے مستفید ہوتے رہے[1]۔

لیکن بعض ناواقف لوگوں کے خیالات کو رد کرنے کی غرض سے جو ترقی کہ اندلس کے عربوں نے عملِ جراحی میں کی تھی تحریر کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ عربوں نے اس فن میں ترقی نہیں کی۔ اس کی تائید میں بیان کیا جاتا ہے کہ مذہب اسلام میں مردے کی چیر پھاڑ قطعاً ممنوع ہے، اور جب تک کہ علم تشریح پر کوئی شخص حاوی نہ ہو وہ عمل جراحی میں ترقی نہیں کرسکتا۔ اس کی نسبت لیبان لکھتا ہے کہ:

''فن جراحی کی بھی ابتدائی ترقی عربوں ہی سے ہوئی، اور زمانۂ حال تک اُن ہی کی تصانیف پر یورپ کے مدارس طبیہ کا مدار رہا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں اُن کو موتیا بند کا علاج زجاجیہ کے دبا دینے، یا اُس کے نکالنے سے معلوم تھا۔ پتھری کا نکالنا جس کو البقاسیس اس وضاحت کے ساتھ لکھتا ہے۔ خون کو ٹھنڈے پانی سے بند کرنا۔ محرقہ ادویات اور ریشمی ٹانکوں کا استعمال اور زخم کا آگ سے جلانا تمام طریقے علاج کے عربوں میں جاری تھے۔ بیہوشی کی دوا دینا بھی جو بالکل جدید ایجاد خیال کی جاتی ہے، ان سے مخفی نہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سخت عمل جراحی سے پہلے مریض کو کوئی مُنشّی دوا دینی چاہئے جس سے وہ سو جائے، اور اس میں حس و حرکت باقی نہ رہے[2]۔

اندلس کے مشہور طبیب اور جراح ابوالقاسم بن عباس البقاسیس نے عمل جراحی کے آلات ایجاد کئے تھے، اور ایک مبسوط کتاب اس فن میں موسوم بہ ''التصریف لمن عجز عن التالیف'' جس میں اس نے نہایت تحقیق کے ساتھ پتھری نکالنے۔ بچے جنانے۔ فتق اور دانت اور آنکھوں اور ٹوٹی ہڈی کے درست کرنے پر بحث کی ہے لکھی تھی۔ اسی طرح ابو مروان عبدالملک بن زُہر جو یوسف بن تاشفین کے زمانے میں گزرا، اور ابن رُشد، اندلس کے مشہور فلسفی نے بھی عملیات جراحی پر ایسی کتابیں لکھیں ہیں، جن کی آج قدر کی جاتی ہے۔

(۱) تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی۔ (۲) تمدن عرب مترجمۂ مولوی سید علی بلگرامی فصل دوم علوم طبیہ۔ صفحہ ۴۵۵۔

علم حیوانات ونباتات علم طب کے ساتھ اندلسی عربوں نے علم حیوانات اور نباتات میں بدرجۂ غایت تحقیق وتدقیق کی تھی۔ قرطبہ اور غرناطہ اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں خاص اہتمام کے ساتھ باغ تیار کئے گئے تھے، جس میں اقسام کے نادر اور کمیاب درخت علم نباتات کی تحقیق کے لئے دُور دُور سے منگا کر لگائے گئے تھے۔ علم حیوانات میں جو ترقی اُنھوں نے کی ہے، اُس کے دریافت کا اگر کسی کو شوق ہو تو بوعلی سینا کی تصانیف کی سیر کرے۔

کاغذ علاوہ ہتھیار اور دباغت کئے ہوئے چمڑے کے عربوں نے کاغذ ایجاد کیا۔ کاغذ کی ایجاد چینیوں کی طرف منسوب کی جاتی ہے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ چینیوں نے پہلے ریشم سے کاغذ بنایا تھا، اگر ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں تاہم یہ اچھی طرح ثابت ہے، کہ یورپ میں کاغذ سَن اور روئی کا بنا ہوا عربوں ہی کے ذریعہ سے مروج ہوا، اور یہ اُس کے موجد تھے، اس وقت اندلس کے اسکوریل کتب خانہ میں ایسی دستاویزیں اور کتابیں موجود ہیں، جو گیارھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھیں۔ اُس زمانہ میں اہل یورپ چمڑے پر لکھا کرتے تھے۔ اور یہ کتابیں کاغذ پر لکھی ہوئی ہیں (۱)۔

توپ وبارود بارود اور توپ ان دونوں چیزوں کے موجد عرب ہیں، اور جس طرز سے کہ بعض ہمعصر عیسائی مصنفین نے ان چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اُس سے خود ثابت ہے کہ یہ لوگ ان سے بالکل ناواقف تھے، اوفونش یازدہم کی تاریخ میں لکھا ہے کہ شہر کے مسلمان بہت سی گرجنے والی چیزیں، اور لوہے کے گولے بہت بڑے سیب کی برابر پھینکتے تھے۔ یہ گولے اس قدر دُور جاتے تھے کہ بعض فوج کے اُس پار ہوجاتے تھے، اور بعض فوج میں گرتے تھے (۲)۔

عربوں نے بارود کا نسخہ اور اس کا استعمال بھی بتایا ہے۔

''اُس سفوف اور اُس کی مقدار کا بیان جو مدفع میں بھرا جاتا ہے۔ شورہ دس درم،

(۱) تمدن عرب۔ (۲) تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۴۴۱۔

کوئلہ دو درم، اور گندھک ڈیڑھ درم۔ ان کو نہایت باریک پیس کر مدفع میں تہائی تک بھرنا چاہئے، اس سے زیادہ نہیں، کیونکہ اس کے پھٹ جانے کا خوف ہے۔ بھرنے کے لئے مدفع کے منہ کی برابر ایک لکڑی کا گز بنائیں، اور اُس سے بارود کو زور سے ٹھوکیں، اور پھر اُس کے اوپر سے گولہ یا لوہے کا ٹکڑا ڈالیں، اور اُس کے بعد فتیلے میں آگ دیں۔ مدفع کی لمبائی اُس کے سوراخ کے مطابق ہونی چاہئے، اگر سوراخ بڑا ہو اور مدفع اُس کے مطابق نہ ہو تو اس میں عیب ہوگا[1]۔

تعلیم نسواں

علوم وفنون میں صرف مرد ہی مشہور نہ تھے، بلکہ اندلس کی عربی عورتوں نے ہر قسم کے علوم وفنون میں اس درجہ ترقی کی تھی، کہ یہ بھی علمائے وقت سے کم نہ سمجھیں جاتی تھیں۔ عربوں کی روشن خیالی کی اس سے عمدہ دلیل نہیں مل سکتی، کہ انھوں نے اپنی عورتوں میں بھی حصولِ علم کا شوق پیدا کیا، اور اُن کو پوری آزادی دی، یہاں تک کہ علمی مباحثوں[2] میں اکثر تعلیم یافتہ عورتیں بھی شریک رہا کرتی تھیں، اور جویائے علم ان سے درس لیا کرتے تھے، زینب اور حمدا دونوں متوطن دارالحمہ، زیاد نامی کتب فروش کی بیٹیاں تھیں۔ ابن عباد اپنی تصنیف تحفۃ القدیم میں تحریر کرتا ہے کہ حسن اور عصمت اور دولت دنیا کے ساتھ انھوں نے ایسی لیاقت حاصل کی تھی، کہ علماء کی مجلسوں میں مثل اپنے برابر والوں کے شریک ہوتی تھیں حفصہ نے خوشنویسی میں وہ نام پیدا کیا تھا کہ اندلس کے مشہور خوشنویس اس سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ان عورتوں نے صرف ادب اور شعر وسخن پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فلسفہ اور ہیئت ریاضی اور طب میں بھی کمال حاصل کر لیا تھا۔ العاروضیہ صرف ونحو اور معانی اور بیان میں

(۱) تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۴۴۲۔ موسیو لیبان کے اس بیان کی تائید کہ یورپ میں سب سے پہلے عربوں نے بارود اور توپ کو استعمال کیا۔ المقری اور ابن خلدون عرب مؤرخین سے بھی ہوتی ہے۔ (۲) ازابالا اینڈ فرڈننڈ مصنفہ پرسکاٹ باب: ۸، صفحہ: ۱۹۲، نوٹ: ۳۔

مشہور ہوئی، اور مریم بنت ابو یعقوب الانصاری ساکن اشبیلیہ شاعری اور ادب، اور ام النُّھیٰ قانون میں درس دیا کرتی تھیں۔ الغرض کوئی فن ایسا نہ تھا جو عورتوں سے چھوٹا ہو۔

تاریخ کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ بہ نسبت ہمارے، زمانۂ قدیم کے عرب کس قدر روشن خیال تھے، مجھ کو ایک واقعہ اچھی طرح یاد ہے جس کا اظہار اس مقام پر خالی از لطف نہ ہوگا۔

ایک روز ایک صاحب جو فی زمانناعالم سمجھے جاتے ہیں، میرے پاس بغرض ملاقات آئے، اثنائے گفتگو میں عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے ساتھ جو برتاؤ مرد آج کل کرتے ہیں ان باتوں کا ذکر آیا۔ ان صاحب نے جو عورتوں کے نام ہر بار نہایت حقارت سے لیتے تھے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے خود ان کو ناقص العقل کا خطاب دیا ہے، یہ صرف اس قابل ہیں کہ گھر میں قید رہیں، اور گھر کا انتظام اور بچوں کی نگرانی اور پرورش کریں۔ عورتوں کا درجہ اسلام میں کنیزوں سے کسی طرح زیادہ نہیں ہے۔

گو پردہ کا میں بھی طرف دار ہوں، لیکن یہ مذموم کلمے ایک عالم سے سن کر مجھ کو صرف تعجب ہی نہیں، بلکہ بہت افسوس ہوا۔ جو بین فرق ان قدیم و جدید خیالات میں ہے، اُس کی صراحت و توضیح کی ضرورت نہیں، صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی حکومت و ثروت کے ساتھ اُن کی طرز معاشرت اور خیالات میں کس قدر تنزل و پستی واقع ہوئی ہے۔

اس کا اصل باعث یہ ہے کہ آج کل ہمارے علماء میں سے زیادہ تر خود اپنی قومی تاریخ سے بے بہرہ ہی نہیں، بلکہ اُس سے واقف ہونے کی کوشش تک نہیں کرتے، عربی میں صرف ونحو اور فارسی میں گلستان اور بوستان اور اُردو میں قصص و حکایات پڑھ کر اپنے کو وحید عصر تصور کرنے لگتے ہیں۔ اگر کوئی بد قسمت ان کی طرز روش پر اعتراض کر بیٹھے، تو وہ فوراً جاہل بلکہ کافر و جہنمی قرار پا جاتا ہے۔ اس جگہ ابوالفضل کے یہ اشعار مصداق اس قول کے ہیں:

تو خود می نشنوی بانگِ دُہل را ❁ رموزِ سرِ سلطان راچہ دانی
ترا از کافِ کفرت ہم خبر نیست ❁ حقیقت ہائے ایماں راچہ دانی

① تو بذاتِ خود ڈھول کی آواز نہیں سنتا، بادشاہ کے بھید کے اشارے کیا سمجھے گا؟
② تجھے اپنے کفر کے کاف کی بھی خبر نہیں، ایمان کی حقیقتوں کو تو کیا سمجھے گا؟

شجاعت

اسلامی حکومت اندلس کے زمانۂ عروج میں سات سو برس قبل اندلس میں عربی عورتیں نقاب افگن (نقاب ڈال کر) باہر نکلا کرتی تھیں، اور علاوہ علمی مباحثوں کے کھیل وتماشوں کے جلسوں کی صدر نشین بن کر، اپنے پرِتو تہذیب واخلاق سے ان کو زیب وزینت بخشا کرتی تھیں۔

جب نوجوان ہونہار عرب کسی نازنین کے حُسنِ خداداد پر فریفتہ ہوتے تھے تو بمصداق:

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن ❁ دل بدستِ دگرے دادن وحیراں بودن
عاشقی کیا ہے؟ بتا: معشوق کا غلام ہونا÷ دوسرے کے ہاتھ میں دل دینا اور حیران ہونا۔

عشاق کسی پُر فضا دامنِ کوہ کے میدان میں جو نہایت اہتمام سے تیار کیا جاتا تھا قسمت آزمائی کے واسطے جمع ہوتے تھے، اور یہاں اس پری زاد، زُہرہ تمثال (زُہرہ پیکر) رہزنِ دین وایمان کی نظروں کے سامنے جو نقاب افگن لباس فاخرہ در بر (عمدہ لباس پہن کر) تاج مُکلّل بجواہر بر سَر (سر پر جواہرات سے آراستہ تاج رکھ کر) بہزار ناز وانداز رونق افروز بزم ہوتے تھے، ایک ایک نشانی اپنے محبوبۂ دلنواز کے لئے مسلح ومکمل فنِ سپہ گری کے جوہروں کو ختم کر دیتے تھے، اُن کے چہروں سے جو بیقراری اور پریشانی ظاہر ہو رہی تھی اُس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں، جو عشق وعاشقی کے لُطف سے واقف اور راہِ عشق میں اپنی ہستی کو مٹا چکے ہیں۔ ان کے کلیجوں کی دھڑک اور دل کے اضطرار سے یہ آشکارا تھا کہ کسی ماہ پارہ، آفتِ جان، غارت گرِ دین وایمان کے شعلۂ

عشق نے ان کے دل اور جگر کو کباب کر دیا ہے۔

ٹھہر، اے[1] دل چھری تلے دم لے ۞ ایسی کیا تجھ کو بیقراری ہے
دیر میں جلوہ گر صنم ہوگا ۞ ہاں یہی وقت ہوشیاری ہے
بت بیداد گر سے ملنا ہے ۞ شب معراج یہ ہماری ہے
ہم کو حاذق نے کردیا بدنام ۞ واہ کیا شرطِ راز داری ہے

ایک طرف نوجوان خوش وضع عرب زرہ فولادی زیب تن کئے آلات حرب سے آراستہ، عربی مُرکب پر سوار عاشقانہ اشعار پڑھتا ہوا نظر آتا تھا، اس کی سِپر آہنی کی پشت پر اُس کا دل مضطر ناوَک ناز سے زخمی مُنَقّش تھا:

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

دوسری طرف اس کا مد مقابل ہم سن اور ہم مذاق و ہم وضع اپنی ڈھال پر نقشہ ایک کشتی کا جو دریائے تلاطم بلاخیز سے تباہ حال نظر آتی تھی، نیزہ بدست نازنین صدر نشین کے اشارہ کا امید و بیم کے جوش واضطراب کے ساتھ منتظر تھا۔

پیداست بے نیازیٔ عشق از فنائے ما ۞ گرزَورَقے شکست زدریاچہ می رَوَد

عشق کی بے نیازی ہمارے فنا ہونے سے ظاہر ہے÷ اگر کوئی کشتی ٹوٹ جائے تو دریا کا کیا بگڑے گا؟

ان میں سے جو اس میدان کارزار میں پوری طرح کامیابی حاصل کرتا تھا، یہ دولت عظمیٰ اسی کو نصیب ہوتی تھی۔

الغرض یہ عربوں کی شجاعت اور روشن خیالی تھی کہ انھوں نے عورتوں کو کبھی ذلیل وحقیر نہیں سمجھا، اور ہمیشہ اُن کی توقیر وحفاظت میں اپنی جانوں کی پروانہ کی۔ یہ باعصمت ولائق عورتوں کی صحبت کا اثر تھا کہ عربوں کی تہذیب اور اخلاق اور ان کی حسن معاشرت

(۱) نواب سرور الملک بہادر۔

کی تعریف وتقلید تمام یورپ کرتا تھا[۱]۔

عربوں کا اثر یورپ پر

اَب ہم اس امر کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عربوں کے تمدن وطرز معاشرت کا اثر اندلس پر خصوصاً، اور یورپ پر عموماً کیا ہوا تھا۔ کسی قوم مُسَلِّطه کے نیک یا بداثر کا اقوام مفتوحہ پر معلوم کرنے کے لئے منجملہ دیگر ذرائع کے ایک عمدہ اور مؤرخانہ طریقہ یہ ہے کہ اقوام متاثرہ کی اُن حالتوں کا مقابلہ کریں، جو حالت اُن کی مفتوح ہونے کے قبل زمانۂ تسلط، اور پھر اس اثر کے زائل ہونے کے بعد ہوئی۔ حالت اول کو ہم پہلے مفصل طور پر تحریر کر چکے ہیں، حالت دوم کا اندازہ بھی اس تاریخ کے ملاحظہ سے ہوسکتا ہے۔ مگر اس اخیر باب میں جو واقعات مندرج ہیں، بلحاظ اُن کے اسلامی تمدن کے زبردست تسلط کا ذکر لازمی سمجھتے ہیں۔

اقوال مصنفین ومؤرخین یورپ جو ہم نے جا بجا واقعات تاریخی کے ثبوت میں استدلالاً پیش کئے ہیں، اُن سے ناظرین باتمکین پر کافی طور پر منکشف ہوگیا ہوگا کہ، عربوں کی تہذیب واخلاق اور اُن کے نئے تمدن نے اہل یونان اور روما، اور نیز اُن وحشی اقوام کو جنھوں نے یونان اور روما کی سلطنتوں کو تہ وبالا بلکہ نیست ونابود کردیا تھا جامۂ انسانی پہنایا۔ ان کے علمی ذوق وشوق نے تمام یورپ کے لئے ادب وفلسفہ صنعت وحرفت بلکہ تمام علوم وفنون کے، جن سے وہ بالکل بے بہرہ تھے، دروازے

(۱) ریناد۔ اس کی نسبت ''ہسٹری آف دی سارا سنس'' مصنفہ جسٹس امیر علی باب ۳۰ صفحہ ۵۷۰۔ اور پرسکاٹ اور کونڈ کی تصانیف بھی پڑھنے کے قابل ہیں، جہاں تک دریافت ہوا ہے اس قسم کی آزادی صرف اندلس کے عربوں میں پائی جاتی ہے، بعض مصنفین اہل یورپ کا یہی قول ہے کہ شولری نے یورپ میں انہیں عربوں کی بدولت رواج پایا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو نگارستان قدرت مصنفہ نواب آغا مرزا بیگ خاں سرور الملک بہادر۔

کھول دیئے تھے، اور تقریباً آٹھ سو برس تک عرب ہر چیز میں اہلِ یورپ کے استاد بنے رہے۔ عربوں کے تسلط کے سو ہی برس کے اندر اندلس کے عیسائیوں کے خیالات وطرزِ معاشرت میں ایسا تغیر واقع ہوا تھا کہ جس کی حد و پایاں نہیں۔

اس سے پہلے تمام یورپ پر جاہلیت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ علم جو صرف مذہبی کتابوں پر منحصر تھا۔ پادریوں اور اُن کے مذہبی پیشواؤں تک محدود تھا۔ یہ لوگ انجیل کو پڑھ لیتے تھے، اور کسی قدر لکھ بھی لیتے تھے، اور اپنے اثر و وقعت کو قائم رکھنے کی غرض سے عوام الناس کو تحصیل علم سے صرف منع ہی نہیں بلکہ نہایت جبر و زیادتی کے ساتھ روکتے تھے۔ غرض امیر و غریب سب گویا بے دست و پا تھے، اور ذرا سی بے اعتدالی یا عدول حکمی پر پوپ ان کو مذہب سے خارج کر دیتا، اور ہر قسم کی جسمانی تکلیف پہنچاتا تھا۔

عرب جب اندلس پر مسلط ہوئے، تو ان وحشی اور خود غرض پادریوں کا اثر بھی بتدریج زائل ہونے لگا، اور رفتہ رفتہ عیسائی رعایا کے خیالات میں ایسا تغیر واقع ہوا کہ عبدالرحمٰن ثانی کے زمانہ حکومت میں جب اُن کے پیشواؤں نے ان کو اپنا مذہب یاد دلا کر بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا، تو باستثنائے چند خود غرضوں کے امیر و غریب سب نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا، اور یہ جواب دیا کہ جب ہم کو عربوں نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے، اور ہمارے مَعْبَدوں (عبادت گاہوں) اور جان اور مال کی پوری حفاظت کی جاتی ہے، تو محض ہوسِ حکومت میں اُن تمام فوائد اور اپنی جانوں کو تلف کرنا عقل و دانش کے بالکل خلاف ہے۔ عیسائی امیر زادوں نے اپنی زبان اور علم کو بالکل ترک کر دیا تھا، اور نہایت شوق کے ساتھ ہر چیز میں عربوں کی تقلید کرتے تھے[1]، اور نہایت محنت و توجہ کے ساتھ عربی زبان کو حاصل، اور اُس میں نظم و نثر لکھنے کی کوشش بلیغ کرتے تھے۔

فرقۂ قسیسین ابنائے وطن کی یہ حالت دیکھ کر اپنے دل ہی دل میں کباب ہوتے تھے۔ عربوں کا وہ رعب ان پر چھایا تھا کہ سوائے خموشی اور چارہ نہ تھا۔ ایک پادری

(۱) مورزان اسپین مصنفہ لین پول باب ۵ صفحہ ۹۰۔ (۲) لینپول باب ۵ صفحہ ۹۰۔

یولوجیس نہایت تعصب آمیز الفاظ میں کہتا ہے کہ ''اب عیسائی عربی زبان وتمدن پر اپنی جانیں نثار کرتے ہیں، اور اپنی مادری زبان اور اپنی مذہبی کتابوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں(۱)''

رفتہ رفتہ عربی زبان نے وہ اثر پیدا کیا کہ خاص اندلس کی زبان میں بے انتہا عربی الفاظ شریک ہوگئے۔ مسیو ڈوزی نے بکمال محنت اندلس اور پرتغال زبانوں کے ان الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہوئے ہیں، ایک خاص لغت تیار کی ہے۔ ایک دوسرا فرانسیسی مصنف عربی زبان کے اثر کے متعلق لکھتا ہے کہ:

''یہ امر نہایت قرین قیاس ہے کہ عربوں ہی کی زبان سے جو آٹھویں صدی عیسوی سے بحر متوسط پر قابض تھے، فرانسیسی اور اطالی زبانوں میں اکثر وہ الفاظ اخذ کئے گئے جو جہاز رانی اور بحری انتظام سے متعلق ہیں۔ قطب نما کا آلہ جو غلطی سے چینیوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے انہیں کے ذریعے سے یورپ میں آیا۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ جس وقت باقاعدہ اور مستقل فوجیں یورپ میں قائم ہونے لگیں، تو افسروں کے نام اور لڑائی میں نعرے کے الفاظ بھی عربوں ہی سے لئے گئے، اور انتظامِ مملکت کے متعلق اصطلاحیں بغداد اور قرطبہ سے اخذ کی گئیں۔ فرانس کے طبقۂ ثالث کے سلاطین پوری طرح عربوں کے مقلد تھے، اور اسی وجہ سے شکار کے متعلق اکثر الفاظ عربی الاصل ہیں۔ اسی طرح ٹورنامنٹ کا لفظ جس کو اہل لغت لاطنی سے مشتق کرتے ہیں، فی الواقع عربی لفظ دوران سے نکلا ہے، جو ایک قسم کی فوجی ورزش تھی، جس کا ایک جزو دوائر کے گرد پھرنا تھا، لیکن زیادہ تر الفاظ جو ہمیں عربوں سے ملے ہیں وہ علمی اصطلاحات ہیں۔ ہمارا علم ہیئت ان اصطلاحوں سے معمور ہے۔ اکثر ستاروں کے نام عربی ہیں، اور ریاضی کی اصطلاحات۔ کیمیا کی اصطلاحات اور علم حیوانات اور علم طب کی بہت سی اصطلاحات اور ادویہ کے نام عربی سے اخذ کئے گئے ہیں۔ حشیش جو ہماری

(۱) لینپول باب ۵ صفحہ ۹۰۔

زبان پر ہے عربی ہے، اس سے مشتق لفظ اساسن ہے جس کے معنی یورپ کی زبانوں میں اُس قاتل کے ہیں جو چھپ کر مارے[۱]"

بہ یک گردش چرخ نیلوفری ❁ نہ نادر بجا ماند نے نادری

نیلگوں آسمان کی ایک گردش سے ÷ نہ نادر شاہ باقی رہتا ہے نہ نادر شاہی!

نہایت عبرت وافسوس کا مقام ہے کہ آن واحد میں خوشنما اور خوبصورت نقشہ بنا ہوا بگڑ گیا، اور غرناطہ کی دیواروں کے سامنے اُس وسیع وسرسبز وشاداب میدان میں عربوں کی حکومت ختم ہوگئی، اور قصر الحمراء میں عیسائی پھرتے نظر آنے لگے۔ جب عیسائی آٹھ سو برس بعد اندلس پر دوبارہ قابض ہوئے، تو انھوں نے جو فائدہ عربوں کی انصاف پروری، روشن خیالی سے صدیوں اٹھایا تھا۔ بالکل بھول گئے، اور باوجود متعدد معاہدوں کے ان کے ساتھ ایسی بدسلوکی اور بے رحمی اور سنگدلی سے پیش آئے، کہ جس کے صرف خیال سے رونگٹے بدن پر کھڑے ہوتے ہیں۔ تمام ملک میں انکوئزیشن یعنی مذہبی عدالتیں قائم ہو گئیں، جہاں ہزار ہا مسلمان صرف اس خطا پر کہ ان کا دین اسلام تھا جلا دیئے گئے۔

یہ وہ قتل عام تھا جس کی مثال تاریخ میں ہرگز نہ ملے گی۔ ادھر تو عرب قتل اور خارج البلد ہونے لگے، اور اُدھر اندلس میں اُسی وقت سے تنزل شروع ہوا۔ پادری دوبارہ ملک وقوم پر مسلط ہو گئے، اور علوم وفنون زراعت وحرفت وہ تمام چیزیں جن پر قوم وملک کی ترقی وعظمت منحصر ہے بالکل مفقود ہوگئیں۔ دارالعلوم ومدارس ورصدگاہیں۔ کھنڈر، بڑے بڑے صنعت وحرفت کے کارخانے بند۔ لہلہاتے کھیت۔ سرسبز وشاداب باغ اجاڑ ہوگئے، غرض تھوڑے ہی عرصہ میں تمام ملک ویران ہوگیا۔ مَجْریط کی مردم شماری چار لاکھ سے دو لاکھ رہ گئی۔ اشبیلیہ کے پندرہ سو کارخانوں میں سے جن میں ایک لاکھ تیس ہزار آدمی روزانہ کام کرتے تھے تین سو کارخانے وہ بھی برائے نام باقی رہ گئے۔ قرطبہ، طلیطلہ وغیرہ بڑے بڑے شہر جن کی دنیا میں نظیر نہ تھی ویران ہوگئے۔ طلیطلہ میں کپڑے

(۱) تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی صفحہ ۴۰۴۔

کے پچاس کارخانوں میں صرف تیرہ رہ گئے۔ اور ریشمی کپڑے کے کارخانے جن میں چالیس ہزار آدمی کام کرتے تھے بالکل بند ہوگئے۔ ملک کی حالت اس قدر تباہ و برباد ہوئی کہ معمولی سے معمولی کام کے لئے بھی فرانس و جرمنی وغیرہ سے کاریگروں کو لانا پڑا۔ وہ مذہبی عدالت جو مسلمان اور یہودیوں کے قتل و غارت گری میں مصروف تھی۔ اب ابنائے وطن کی طرف متوجہ ہوئی، اور پادریوں کے جنون نے عیسائیوں کو بھی زندہ جلانا شروع کیا۔ قوم کی ہمت تباہ، اور اُس کے خیالات میں ایسی پستی واقع ہوئی کہ غریب سے لے کر بادشاہ تک کسی میں اتنی لیاقت و جرأت نہ تھی، کہ وہ ملک و قوم کو ان آفات سے بچائے۔ چنانچہ اس ہمارے زمانے تک ملک اندلس ظلمت و جہل میں مبتلا ہے۔

ترقی کے اسباب تو ہم نے بیان کردیئے۔ اب تنزل کے وجوہ کی تلاش باقی رہ گئی۔ یہ تاریخ بغرض ملاحظہ پیش کی جاتی ہے، اسی میں سے ان وجوہ کا پتہ مل سکتا ہے کہ یہ عرب اندلس کے اپنے آباؤ اجداد سے کس چیز میں سابق اور کس امر میں مسبوق تھے۔ چونکہ دل نہیں چاہتا ہے کہ ان غربائے اندلس کا مرثیہ خواں بنئے اس واسطے اسی مختصر پر ہم ختم کلام کرتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (سورۂ لقمان کی آخری آیت)

اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور وہی مینہ برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے جو کچھ کہ ماؤں کے پیٹ میں ہے۔ اور (یہ) کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور (یہ بھی) کوئی نہیں جانتا کہ وہ کونسی زمین پر مرے گا۔ اللہ ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے

نوشتہ بماند سیہ برسفید ۞ نویسندہ رانیست فردا امید

سفید پر سیاہ لکھا ہوا یعنی تحریر باقی رہتی ہے، لکھنے والے کو کل کی امید نہیں ہے۔

۞ ۞ ۞

خلافتِ اندلس

حصۂ چہارم

اس حصہ میں اندلس کے مشہور علماء وحکماء اور محدثین ومؤرخین کے حالات اور ان کی تصانیف کا تعارف ہے ——— یہ حصہ علماء کرام اور طلباء عزیز کے لئے بڑا کارآمد ہے۔

حصۂ چہارم

علمائے اندلس

سنہ۲۴۶[1] — سنہ۱۰۴۱ھ

ابن عبد ربّہ[2]

سنہ۲۴۶[1] — سنہ۳۲۸ھ

ابوعمر احمد بن محمد بن عبدربہ بن حبیب بن حُدَیر بن سالم القرطبی۔ سلطان ہشام بن الحکم کے ایک آزاد کردہ غلام (سالم) کا بیٹا تھا، لیکن اپنے وقت کا عالم تھا اور بالخصوص علم حدیث اور فن تاریخ میں ذی مرتبہ اور مستند محقق مانا جاتا تھا۔ مثل اپنے دیگر معاصرین کے شاعری سے اس کی طبیعت کو خاص مناسبت تھی، ابن خلکان نے اپنی کتاب ''وفیات الاعیان'' میں اس کی تصنیف عِقد الفرید[3] کی نہایت تعریف لکھی ہے، اور اس کے دیوان کے جس کا نام الـمُمَحّصات ہے بعض اشعار بطور نمونہ

(۱) اصل میں دونوں جگہ سنہ ''۲۲۶'' ہے، الاعلام اور مصنف کی آئندہ عبارت سے تصحیح کی گئی ہے (الاعلام ۱:۲۰۷) (محمد امین) (۲) وفیات الاعیان ۱:۳۹، یتیمۃ الدھر ۱:۴۱۲، بغیۃ الوعاۃ ص: ۱۶۱۔ معجم الادباء ۲:۶۷، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ۲:۱۷۳۔ (۳) الاعلام میں تصنیف کا نام ''العقد الفرید'' ہے (حوالہ سابق) امین۔

درج کئے ہیں۔ ابن عبد ربہ ۱۰ رمضان سنہ ۲۴۶ھ م سنہ ۸۶۰ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۳۲۸ھ م سنہ ۹۴۰ء میں وفات پائی۔ اور خاص شہر قرطبہ میں بنی عباس کے مقبرہ میں دفن ہوا۔

یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر اللّیثی [۱]

سنہ ۲۳۴ ہجری

ابو محمد یحییٰ [۲] بن یحییٰ بن کثیر اللیثی، بربری الاصل تھا۔ پھر اندلس میں آکر قرطبہ میں سکونت پذیر ہوا۔ قرطبہ میں زیاد بن عبدالرحمٰن عرف سبطون [۳] قرطبی سے موطا مصنفہ امام مالک سنی، اور نیز یحییٰ بن مضر القیسی الاندلسی سے سماعتِ احادیث موطا کی، اس کے بعد یہ مشرق میں پہنچا، اس وقت اس کی عمر اٹھائیس (۲۸) سال کی تھی، اس نے مدینہ منورہ میں امام مالک سے کتاب موطا کا اکثر حصہ بلاواسطہ سنا، اور مکہ میں سفیان بن عیینہ سے اور مصر میں لَیث بن سعد اور عبداللہ بن وہب اور عبد الرحمٰن بن القاسم [۴] سے مختلف احادیث کی سند حاصل کی۔ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اکابر تلامذہ مالک سے علم فقہ حاصل کیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ مجلس درسِ مالک میں ان کے اکثر شاگرد موجود تھے، اور مشغول بہ درس وتدریس تھے کہ کسی شخص نے کہا کہ ہاتھی آیا۔ یہ سن کر تمام لوگ ہاتھی

(۱) تہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۶۔ الاعلام جلد ۳ صفحہ ۱۱۵۷۔ (۲) یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر اللیثی ایک دفعہ حکومت کی جانب سے ایک فتنہ کی ہیجان میں متہم ہو کر طلیطلہ چلا گیا تھا۔ مگر بعد میں جب سلطان وقت نے اُس کو معافی دیدی تو یہ پھر واپس قرطبہ آ گیا تھا۔ (۳) اصل میں ''سبطون'' کے بجائے ''شیطون'' ہے، وفیات الاعیان سے تصحیح کی گئی ہے (۳۲۱:۲) (محمد امین) (۴) اصل کتاب میں عبارت اس طرح ہے: اور مصر میں لیث ابن عبداللہ اور عبدالرحمٰن ابن القاسم ہے، وفیات الاعیان سے ناموں کی تصحیح کی گئی ہے (حوالہ سابق) (محمد امین)

دیکھنے کے لئے چلے گئے۔ مگر یحییٰ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ مالک نے یہ دیکھ کر یحییٰ سے دریافت کیا کہ ''ہاتھی دیکھنے کے واسطے تم کیوں نہ گئے؟ تمہارے ملک میں بھی تو ہاتھی نہیں ہوتا'' یحییٰ نے جواب دیا کہ ''میں وطن سے محض آپ کی زیارت اور استفادۂ علم کی غرض سے یہاں آیا ہوں نہ کہ ہاتھی دیکھنے کے لئے'' یہ سن کر امام صاحب موصوف بہت خوش ہوئے، اور یحییٰ کو ''دانشمند اندلس'' کا لقب دیا۔ اور ہمیشہ یحییٰ کو عاقل اندلس کے نام سے پکارتے رہے۔

جب یحییٰ بعد فراغت امام مالکؒ سے رخصت ہو کر مصر میں پہنچا، وہاں اُس نے عبدالرحمٰن ابن القاسم ایک زبردست شاگرد امام مالکؒ سے ملاقات کی، اُس وقت عبد الرحمٰن مذکور روایات مالکؒ کو جس کو اس نے مالکؒ سے سنا تھا مدون کر رہا تھا۔ مگر یحییٰ نے اُن روایات کو مالک سے بلا واسطہ نہیں سنا تھا۔ یحییٰ فوراً بغرض سماعت احادیث مذکورۂ صدر واپس مدینہ ہوا۔ مگر مالکؒ اس وقت سخت علیل تھے، اس لئے اس کو قیام کرنا پڑا، یہاں تک کہ مالکؒ کا انتقال ہو گیا۔ یحییٰ اُن کی تجہیز و تکفین میں شریک رہا۔ اس کے بعد مدینہ سے روانہ ہو کر پھر ابن القاسم کے پاس واپس آیا۔ اور وہ مسائل ابن القاسم سے بالاستیعاب سنے، اور وہاں سے اندلس اپنے وطن کو مراجعت کی۔ احمد بن خالد کا قول ہے کہ جب سے اسلام کا قدم اندلس میں آیا، یحییٰ ابن کثیر کے برابر کوئی جلیل القدر عالم وہاں پیدا نہیں ہوا۔

ابوالولید ابن الفرضی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ یحییٰ جب تحصیل علم سے فارغ ہو کر اندلس واپس ہوا، تو وہ علم و فضل اور عقل و دانش میں یگانۂ روزگار اور نہایت متقی و پرہیزگار تھا۔ اندلس پہنچ کر اس نے اشاعتِ علوم اور سلسلۂ درس و تدریس جاری رکھا۔ بے شمار لوگوں نے اُس سے علم فقہ حاصل کیا۔ اور بہت آدمیوں نے روایات احادیث کا استفادہ کیا۔ اور موطا کا سب سے مشہور اور سب سے اچھا راوی یحییٰ مذکور مانا جاتا ہے۔ اپنے علم و فضل کے بدولت علاوہ عوام کے حکام وقت کی نگاہ میں بھی اس کا مرتبہ

اور وقار بے حد بلند و بالا تھا۔ عبد الرحمٰن ثانی نے اس کو عہدۂ قاضی القضاۃ پیش کیا۔ اُس نے اپنے کمال ورع اور تقوی کی وجہ سے اُس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ اور بھی اس کی عقیدت اور عزت کا باعث ہو گیا، اُسی کے ذریعہ سے مذہب مالک بلادِ اندلس میں شائع و ذائع ہوا۔

ابو محمد علی بن احمد المعروف بہ ابن حزم اندلسی کا قول ہے کہ مذہب حنفی اور مالکی دونوں ابتدا میں سلطنت کی سرپرستی سے شائع ہوئے۔

مذہب حنفی بلاد مشرق میں امام ابو یوسف کے قاضی القضاۃ ہونے سے پھیلا۔ اس لئے کہ انھوں نے اقصیٰ مشرق سے لے کر افریقہ تک اصحاب امام اعظم ابو حنیفہؒ کو قاضی اور متولی اُمور شرعیہ مقرر کر دیا تھا، اس وجہ سے تمام مشرق میں مذہب امام ابو حنیفہؒ شائع و ذائع ہو گیا، اور مذہب مالکی بلاد اندلس میں یحییٰ بن یحییٰ کے ذریعہ سے شائع ہوا۔ اگر چہ اُس نے عہدۂ قضاء سے اجتناب کیا۔ مگر اُس کی عظمت اور اُس کا وقار حکام وقت کی نگاہ میں دو چند بڑھ گیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرائے وقت اُس کی رائے و مشورہ بغیر کسی شخص کو قاضی و متولی اُمور شرعیہ نہیں مقرر کرتے تھے۔ اور وہ اپنے تلامذہ اور احباب کے سوائے ایسے عہدوں کے واسطے کسی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا عام طور پر متولی اُمور شرعیہ مالکی مذہب کے لوگ مقرر ہو گئے۔ چونکہ عوام زیادہ مسلک أَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ [1] کے پابند ہوتے ہیں۔ اس لئے عام خلائق نے اندلس میں مذہب مالکی اختیار کر لیا۔

احمد بن فیاض نے اپنی کتاب میں ایک روز کا واقعہ لکھا ہے کہ میں عبد الرحمٰن بن الحکم کے دربار میں حاضر تھا کہ اُس نے علماء اندلس کو طلب کیا، جب وہ حاضر ہوئے تو اُس نے کہا کہ میں نے روزۂ رمضان میں اپنے نفس پر بے قابو ہو کر اپنی محبوبہ لونڈی سے جماع کر لیا ہے۔ اُس کا کفارہ اور توبہ کیا ہے؟ دیگر علماء نے سکوت کیا، مگر یحییٰ بن

(۱) لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقہ پر ہوتے ہیں (محمد امین)

یحییٰ اللیثی نے جواب دیا کہ دو ماہ متواتر روزہ رکھنا اس کا کفارہ ہے۔ بعد برخاست مجلس شاہی اُن علماء نے یحییٰ سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے استاد مالک کے مذہب کے مطابق فتوی کیوں نہ دیا؟ اُس نے جواب دیا کہ میں نے سخت شق احتیاطاً اختیار کی ہے، اگر میں مالکی مذہب کے موافق یہ فتوی دیتا کہ چاہے بُردہ (غلام) آزاد کرے، چاہے ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلا دے، اور چاہے دو ماہ کے روزہ رکھے۔ تو یہ روز مرہ رمضان میں جماع کیا کرے گا، اور روز ایک بُردہ آزاد کر دیا کرے گا۔ اس میں حرمت رمضان کی ہتک ہے، اس لئے صعب (سخت) صورت احتیاطاً اختیار کی ہے۔

ابن بَشکُوال نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ نہایت مقبول الدعوات تھا، اور اُس کا طریقہ نشست و برخاست و رفتار و گفتار امام مالکؒ کے طریقہ اور ہیئت سے بالکل مشابہ ہو گیا تھا، اس کی وفات ۸/رجب سنہ ۲۳۴ھ میں ہوئی، اور مقبرہ بنی عامر میں مدفون ہے، اور یہ مقبرہ قرطبہ میں ہے۔

ابن دَرَّاج القَسْطلی[1]

سنہ ۳۴۷ — سنہ ۴۲۱ ہجری

ابوعمر احمد بن محمد بن دَرَّاج القسطلی الاندلسی، اندلس کے مشہور علماء میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ الثعالبی نے لکھا ہے، اس نے زیادہ تر شہرت شاعری میں حاصل کی تھی۔ فن شاعری میں اپنے وطن اندلس میں اس نے وہی شہرت حاصل کی۔ جیسی کہ المُتنبی نے ملک شام میں پائی تھی۔ ابن بَسّام، ابن خَلِّکان اور المقری نے اپنی تصانیف میں اس کی غزلوں اور قصائد کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ابوعمر سنہ ۳۴۷ھ م سنہ ۹۵۸ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۴۲۱ھ م سنہ ۱۰۳۰[2]ء میں شہر قسطلہ میں انتقال کیا۔

(۱) وفیات الاعیان ۱:۵۱۔ زرکلی ۱:۲۰۷ (۲) اصل میں سنہ ۱۱۳۰ ہے، الاعلام سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

ابنُ الفَرضی (۱)

سنہ ۳۵۱ ــــ سنہ ۴۰۳ ہجری

ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یوسف بن نصر الفرضی متوطن قرطبہ ابن الفرضی کے نام سے مشہور تھا، یہ علم فقہ سے خوب واقف تھا۔ اور اپنے وقت کا نہایت ذی مرتبہ محدث مانا جاتا تھا، ابن الفرضی نے یوں تو کئی کتابیں لکھیں، مگر اس کی تصانیف میں زیادہ دلچسپ تصنیف وہ ہے جس میں اس نے اندلس کے علماء اور شعراء کے حالات لکھے ہیں۔ ابن بَشکُوال نے اسی کتاب کی تکمیل اور سلسلہ میں اپنی کتاب صلہ لکھی تھی۔ ابن خَلِکّان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں ابن الفرضی کی دو کتابوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ایک کا نام **المختلف والمؤتلف** اور دوسری کا نام **مشتبہ النسبة** ہے۔

ابن الفرضی سنہ ۳۸۲ ہجری مطابق سنہ ۹۹۲ء میں حج کی غرض سے اپنے وطن سے روانہ ہوا۔ اور بعد حج اپنی عمر کا بڑا حصہ سیاحت میں اس غرض سے بسر کیا کہ علمائے وقت کی صحبت سے مستفید ہو۔

ابن الفرضی سنہ ۳۵۱ھ م سنہ ۹۶۱ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۴۰۳ھ م سنہ ۱۰۱۳ء میں قرطبہ میں قتل ہوا۔

ابن زیدون (۲)

سنہ ۳۹۴ ــــ سنہ ۴۶۳ ہجری

ابوالولید احمد بن عبداللہ بن احمد بن زیدون المخزومی الاندلسی۔ یہ بنی مخزوم کا آخری عالم شہر قرطبہ کا متوطن تھا۔ مؤرخین عرب نے اس کو نثر اور نظم میں امام فن مانا

(۱) وفیات الاعیان ۱: ۳۳۶، نفح الطیب ۱: ۳۸۹، الدیباج المذہب ص: ۱۷۳۔ آداب اللغة العربیة ۲: ۳۲۱۔ (۲) وفیات الاعیان ۱: ۵۳، قلائد العقیان ص: ۷۰۔ تاریخ آداب اللغة العربیة ۳: ۵۴۔

ہے۔اس کی نثر ادبی خوبی اور لطافت کے ساتھ اپنی رنگینی اور نازک خیالی میں شاعرانہ پہلو لئے ہوئے ہوتی تھی۔اس کی جادو بیانی کے لوگ عاشق تھے۔ابن زیدون طرز حکمرانی میں بھی مشہور تھا۔چنانچہ المعتضد رئیس اشبیلیہ کا دست راست سمجھا جاتا تھا۔اور جب تک یہ حکومت کا وزیر رہا، رعایا ہمیشہ مطمئن اور خوشحال رہی۔اس کے خطوط اور دیوان ہنوز اندلس کے مشہور کتب خانہ اسکیوریل میں موجود اور محفوظ ہیں، لیکن افسوس ہے کہ عام طور پر دستیاب نہیں ہوسکتے۔البتہ ابن بسام اور ابن خلکان نے اپنی کتابوں میں نہایت اختصار کے ساتھ اس کی نظم ونثر کو جمع کیا ہے۔

ابن زیدون سنہ ۳۹۴ھ م سنہ ۱۰۰۴[1] ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۴۶۳ھ م سنہ ۱۰۷۱ء میں اشبیلیہ میں فوت ہوا۔

ابو عمر یوسف ابن عبد البر[2]

سنہ ۳۶۸ ـــــ سنہ ۴۶۳ ہجری

یوسف بن عبد البر بن محمد بن عبد اللہ بن عاصم النَمِری القرطبی[3] اپنے زمانہ میں فن حدیث واثر کا امام مانا جاتا تھا۔اس نے شہر قرطبہ میں حافظ خلف ابن القاسم سے

(۱) اصل میں سنہ ۹۶۷ء ہے، الاعلام سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین) (۲) وفیات الاعیان ۲: ۴۵۔ الدیباج المذہب ص: ۳۵۷، آداب اللغۃ العربیۃ ۳: ۶۶، مطمح الانفس ص: ۶۱۔

(۳) وفیات الاعیان میں نام اس طرح ہیں: یوسف بن عبد البر بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمری القرطبی (۲: ۵۱۷) اور الاعلام میں ہے: یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر النمری القرطبی المالکی، أبو عمر: من کبار حفاظ الحدیث (۸: ۲۴۰) اور اوجز المسالک کے مقدمہ میں بھی نام اسی طرح ہیں، لیکن کنیت ''ابوعمر'' کے بجائے ''ابوعَمرو'' مذکور ہے۔ الغرض الاعلام میں کنیت اور سب نام صحیح ہیں، اور اس کتاب میں اور وفیات الاعیان میں کنیت صحیح ہے، نام غلط ہیں، اور اوجز کے مقدمہ میں نام صحیح ہیں، کنیت غلط ہے۔ (محمد امین)

اور عبدالوارث بن سفیان سے اور ابوسعید بن نصر اور ابومحمد [1] بن عبدالمومن اور ابوعمرو باجی اور ابوعمر الطلمنکی اور ابوالولید ابن الفرضی وغیرہم سے روایت حدیث کی ہے، اور اہلِ مشرق میں ابوالقاسم السقطی المکی اور حافظ عبدالغنی بن سعید اور ابوذر ہروی اور ابومحمد بن نحاس [2] مصری وغیرہم سے اجازت تحریری حاصل کی۔

قاضی ابوعلی بن سکرہ کا قول ہے کہ میں نے اپنے استاذ قاضی ابوالولید باجی سے سنا ہے کہ ملک اندلس میں یوسف مذکور فن حدیث میں یکتائے زمانہ تھا، اور انہیں کا قول نقل کیا ہے کہ اہل مغرب میں یوسف مذکور کے برابر کوئی حافظ روایات نہ تھا۔

ابوعلی الحسین اندلسی نے بیان کیا کہ ہمارا اُستاد ابن عبدالبر [3] اہل قرطبہ سے تھا، وہیں اُس نے علم فقہ حاصل کیا، اور بڑا فقیہ ہوا۔ اُس نے ابوعمرو احمد فقیہ کی خدمت میں رہ کر علم فقہ میں کمال حاصل کیا، اور مسائل فقہ کو ابوعمرو کے روبرو لکھا۔ اور حافظ ابوالولید ابن الفرضی کے حلقۂ درس میں بھی التزاماً حاضر رہا، اور علم حدیث کا ماہر ہوا۔ اُس کے علاوہ طلب علم کی دُھن میں جابجا پھرتا رہا۔ اور بہت سے فنون میں کمال حاصل کیا، بالخصوص علم فقہ میں تو اُس نے ایسا کمال حاصل کیا کہ متقدمین علمائے اندلس پر بھی سبقت لے گیا۔ اسی لئے اُس کا فتوی اُس کے زمانہ میں نہایت مستند مانا جاتا تھا۔

کتاب موطا امام مالکؒ پر اس نے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں، من جملہ ان کے چند حسبِ ذیل ہیں:

① **کتاب التمهید لما فی الموطا من المعانی والاسانید**: اس کتاب کی ترتیب امام مذکور کے اساتذہ کے اسماء گرامی کے حروف معجمہ کی ترتیب پر رکھی ہے، اور یہ ایسی عمدہ کتاب ہے کہ اُس کے مثل اُس سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس

---

(۱) اصل میں ''ابومحمد'' کے بجائے ''محمد'' ہے، وفیات الاعیان سے تصحیح کی گئی ہے (۲:۵۱۷) (محمد امین) (۲) وفیات الاعیان میں ابومحمد النحاس ہے (۲:۵۱۷) (محمد امین) (۳) اصل میں ''عبدالبر'' ہے، وفیات الاعیان سے ''ابن'' کا اضافہ کیا گیا ہے (محمد امین)

کتاب کی ستر (۷۰) جلدیں ہیں۔اسی کتاب کی نسبت ابومحمد ابن حزم نے لکھا ہے کہ میرے علم میں اس کتاب کے برابر مفید اور عمدہ کوئی کتاب اب تک نظر نہیں آئی۔ چہ جائیکہ اس سے افضل اور بہتر۔

۲ **الاستذکار لمذهب أئمة الأمصار فی ماتضمّنه الموطّا من معانی الرأی و الآثار**: اس کتاب میں موطا کی شرح لکھی ہے، اور اس کی ترتیب موطا ہی کی ترتیب پر رکھی ہے۔

۳ کتاب الاستیعاب ہے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی جمع کئے ہیں جو نہایت ہی مفید ہے۔

دیگر کتب

۴ **الجامع فی بیان العلم و فضله و ما ینبغی فی رواته و أوصافهم**۔اس میں علم اور اس کی فضیلت اور اُس کے راویوں کے اوصاف وغیرہ درج ہیں۔

۵ **الدُّرَر فی اختصار المغازی و السِّیَر**۔اس میں غزوات اور صحابہ کی فوجی مہمات کا ذکر ہے۔یعنی اسلامی مجاہدین کے حالات۔

۶ **کتاب العقل و العقلاء و ماجاء فی أوصافهم** یعنی بیان عقل اور عقلمندوں کے، اور عقلاء کے اوصاف کے بیان میں۔

۷ کتاب صغیر اس میں قبائل عرب اوران کے انساب کا بیان ہے[1]۔ان کے علاوہ اس کی بہت سی تالیفات اور تصنیفات ہیں۔اس کو خدائے تعالیٰ نے تالیف وتصنیف میں ید طولیٰ مرحمت فرمایا تھا۔اللہ تعالیٰ اس کو اس کی محنت اور سعی کا بدلہ دے۔ اس کو باوجود مہارت تامہ علم انساب کے علم حدیث وفقہ میں کمال حاصل تھا۔یہ قرطبہ

(۱)وفیات الاعیان کی عبارت یہ ہے: **وَلَهُ کتابٌ صغیرٌ فی قبائل العرب و أنسابِهم** (۲:۵۱۷)امین۔

سے روانہ ہوکر علاقہ غربیہ اندلس میں بغرض حصول علم پھرتا رہا۔ پھر وہاں سے بلاد دانیہ وبلنسیہ و شاطبہ میں مختلف اوقات میں قیام پذیر رہا۔

بزمانہ مظفر بن افطس، اشبونہ اور شنترین میں عہدہ قضاء پر مامور ہوا۔ اس کی تصانیف سے ایک کتاب بھجۃ المجالس وانس المجالس [1] ہے، جس کی تین جلدیں ہیں، اس کتاب میں نہایت عمدہ نصائح اور لطائف جمع کئے ہیں، جو مذاکرہ ومناظرہ میں نہایت کارآمد ہیں۔ جس میں سے چند درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

لطیفہ ① جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز خواب میں ملاحظہ فرمایا کہ حضور جنت میں تشریف فرما ہیں، وہاں پر ایک کھجور کے درخت میں خوشہ لٹکا ہوا دیکھا۔ دریافت فرمانے پر معلوم ہوا کہ یہ گچھا ابوجہل کے لئے ہے۔ یہ امر حضور پُرنور پر بہت گراں گذرا کہ جنت میں ابوجہل کا حصہ کہاں۔ جنت اور نعماء جنت تو کفار پر حرام ہیں، واللہ ابوجہل جنت میں ہرگز باریاب نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ تو کافر مرا ہے، پھر ایک عرصہ کے بعد جب عکرمہ بن ابی جہل بغرضِ اظہار اسلام حاضر خدمت فیض درجت ہوئے تو آپ نے نہایت بشاشت اور مسرت کے ساتھ تعبیر خواب مذکورہ فرمائی کہ وہ خوشہ جنت میں عکرمہ بن ابی جہل کے لئے لٹکا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم رؤیا میں کبھی پسر کے بجائے پدر کا نام بھی پکار دیا جاتا ہے۔

لطیفہ ② امام جعفر صادقؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ خواب کی تعبیر میں کس قدر تاخیر ہوسکتی ہے؟ امام مذکور نے جواب میں فرمایا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک کبرہ کتّا آپ کا خون چاٹ رہا ہے۔ اس خواب کے پچاس برس بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شمر ابن ذی الجوشن نے ذبح کیا۔ اور وہ لعین برص میں مبتلا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ پچاس برس تک

(۱) الاعلام میں ''انس المجالس'' ہے (۸: ۲۴۰) اور وفیات الاعیان میں ''انس المجالس'' ہے (۲: ۵۱۸) (محمد امین)

بھی خواب کی تعبیر مؤخر ہو سکتی ہے۔

لطیفہ ③ جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ایک خواب دیکھا، اور اس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا کہ میں اور تم ایک زینہ پر چڑھ رہے ہیں، پھر اس کے بعد میں تم سے اڑھائی سیڑھی آگے بڑھ گیا ہوں۔ صدیق نے حسب اجازت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعبیرِ خواب عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو اپنی مغفرت و رحمت میں بلا لیگا، اور میں آپ کے بعد اڑھائی سال زندہ رہونگا، عالمِ واقعہ میں ایسا ہی ظہور پذیر ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد وفات حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اڑھائی سال زندہ رہے۔

لطیفہ ④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص شامی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا آفتاب اور مہتاب آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اور دونوں کے ہمراہ ایک ایک جماعت ستاروں کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ تو اُن میں سے کونسی جماعت میں تھا، اُس نے عرض کیا کہ میں ماہتاب کے ہمراہیوں میں تھا۔ آپ نے فرمایا تو مٹنے [1] والی نشانی کے ساتھ تھا۔ تو میں تجھ کو کبھی عامل مقرر نہ کرونگا، اور اُس کو اسی وقت معزول فرما دیا۔ وہ شخص جنگ صفین میں معاویہؓ کے ساتھ تھا اور وہیں قتل ہوا۔

لطیفہ ⑤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمانہ حیات جناب رسالت مآب میں ایک خواب دیکھا تھا، اور اس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھا کہ اُن کے حجرۂ طیبہ میں تین چاند گرے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تعبیر یہ فرمائی کہ اگر تمہارا خواب سچا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہارے حجرے میں تین آدمی ایسے دفن ہونگے جو تمام روئے زمین کے آدمیوں سے بہترین شخص ہونگے۔ جب

(۱) یہ اشارہ ہے اس آیت شریفہ کی طرف وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ: ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنائیں پھر رات کی نشانی کو مٹا دیا۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ میں دفن ہو چکے، تو صدیق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے میری بچی! یہ تیرے ان تین چاندوں میں سے ایک ہیں، اور یہ ان تینوں میں سے سب سے افضل اور برتر ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

لطیفہ ⑥ حطیة شاعر نے ارادہ سفر کیا۔ اور اپنی زوجہ کو خطاب کر کے یہ شعر فی البدیہہ پڑھا۔

عُدِّی السِّنِینَ لِغَیْبَتِي وَتَصَبَّرِیْ ۞ وَذَرِی الشُّھُورَ فَإِنَّھُنَّ قِصَارٌ

ترجمہ: میری غیر حاضری کے سال گن اور صبر کر، اور مہینوں (کے ذکر) کو چھوڑ کہ وہ تھوڑے ہیں یعنی برسوں کے قصد سے سفر کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مہینوں میں میری واپسی نہ ہوگی کہ وہ مختصر ہوتے ہیں۔

اس کی زوجہ نے فی البدیہہ اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا:

أُذْکُرْ صَبَابَتَنَا إِلَیْكَ وَشَوْقَنَا ۞ وَارْحَمْ بَنَاتِكَ إِنَّھُنَّ صِغَارٌ [1]

ترجمہ: تیرے معاملہ میں میری سوزش عشق اور میرے شوق کو یاد کر، اور اپنی بچیوں پر رحم کر کہ وہ چھوٹی ہیں ——— شاعر مذکور کے دل پر بیوی کے اس فی البدیہہ جواب نے ایسا اثر کیا کہ اُس نے ارادہ سفر اُسی وقت ترک کر دیا۔

لطیفہ ⑦ کسی نے اسلم بن زرعہ سے کہا کہ جب تو نے مرداس کے لشکر کے سامنے راہ فرار اختیار کی تو تجھ پر امیر عبداللہ بن زیاد بہت ناراض اور غصہ ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ اگر میں زندہ رہوں اور امیر غصہ ہو جائے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں اور امیر راضی ہو۔

لطیفہ ⑧ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایک مختصر اور نہایت جامع فقرہ بیان کیا، کہ وہ افضل تھے اس

(۱) وفیات الاعیان (۲:۵۱۸) (محمد امین)

سے کہ کسی کو دھوکہ دیں، اور عاقل تر تھے اس سے کہ کسی سے دھوکہ کھاویں۔

لطیفہ ⑨ جب حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے جنت سے زمین پر بھیج دیا، تب اُن کے پاس جبرئیل علیہ السلام حسب فرمان خداوندی نازل ہوئے اور کہا کہ یا نبی اللہ! آدم کو حق تعالیٰ نے تین چیزوں میں ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا ہے، اُن میں سے جس کو چاہو پسند کرلو، وہ تمہارے پاس رہے گی، اور باقی دو تم سے سلب کرلی جائیں گی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دریافت کیا کہ وہ تین چیزیں کیا ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ عقل و دین و حیا ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عقل کو پسند کرلیا۔ پھر جبرئیل امین نے حیا اور دین سے کہا کہ تم ملأ اعلیٰ کو چلو کہ آدم علیہ السلام نے عقل کو پسند اور انتخاب کرلیا۔ تم کو چھوڑ دیا، تمہاری یہاں ضرورت باقی نہیں رہی، حیا اور دین نے جواب دیا کہ ہم دونوں بھی عقل کا ساتھ چھوڑ کر نہیں جاسکتے ہیں۔ جبرئیل امین نے اُن سے کہا کہ تم حکم عدولی کرتے ہو، انھوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ ہم کو فطرتاً حکم ربی ہو چکا ہے کہ ہم عقل کا ساتھ نہ چھوڑیں، بلکہ اُس کے تابع رہیں، اس لئے یہ تینوں صفات آدم کے پاس رہیں سلب نہ ہوئیں۔

لطیفہ ⑩ حضرت علی بن الحسین کا ایک قول مذکور ہے کہ جو شخص تیری کسی بھلائی کی تعریف بلاتحقیق کسی سے بیان کرے، اُس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تیری برائی کو بھی بلاتحقیق کسی سے بیان کردے۔

لطیفہ ⑪ ایک دفعہ لوگ بصرہ میں رویت ہلال رمضان کے لئے نکلے۔ ایک شخص نے سب سے پہلے چاند دیکھا، اور سب لوگوں کو انگلی سے بتلایا، حتی کہ سب نے چاند دیکھ لیا۔ پھر جب رویت ہلال شوال کا وقت آیا، تو جمّاز صاحبِ کتاب نوادر اُس شخص کے مکان پر آیا، اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور کہا کہ گھر سے نکل، اور ہم لوگوں کو اُس چیز سے نکال جس میں پہلے تو نے داخل کیا تھا۔

لطیفہ ⑫ اردشیر کا مقولہ نقل کیا ہے کہ سخی اور کریم اپنے نفس پر بہت صابر ہوتا ہے، اور بخیل اپنے بدن پر بہت زیادہ صابر ہوتا ہے، پس سخی کی صولت سے ڈرو جب وہ بھوکا ہو جاوے، اور بخیل کی صولت سے ڈرو جب اُس کا پیٹ بھر جائے۔

یوسف بن عبدالبر ۲۵ ماہ ربیع الآخر سنہ ۳۶۸ ہجری بروز جمعہ خطبہ کے وقت پیدا ہوا، اور ۲۹ ماہ ربیع الآخر سنہ ۴۶۳ ہجری کو شہر شاطبہ میں بروز جمعہ اُس نے انتقال کیا۔

ابن حَیَّان[1]

سنہ ۳۷۷ ـــــ سنہ ۴۶۹ ہجری

ابومروان حَیّـــان بن خلف بن حسین بن حیان[2] متوطن قرطبہ خاندان (بنی) امیہ کے ایک امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان کے آزاد کردہ غلام خلف بن حسین کا بیٹا تھا۔ ابن حیان کا شمار اندلس کے نامی مؤرخین میں ہے، بلکہ ان مؤرخین کی فہرست میں اس کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ چنانچہ ابوعلی الـغـسّـانـی اور ابوعبداللہ محمد بن عون نے اس کو علم و فضل میں یگانۂ روزگار، اور مؤرخین اندلس کا علَم بردار مانا ہے، اور لکھتے ہیں کہ اندلس کے تاریخی حالات میں اُس کی دو کتابیں مستند سمجھی جاسکتی ہیں۔ اس کی تصانیف کـتـابُ الـمقتبس فـی تـاریخ الاندلس دس، اور دوسری کتابُ المبین ساٹھ (۶۰) ضخیم جلدوں میں موجود ہیں، جن سے اس کی تحقیق اور معلومات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ابن حیان صرف و نحو میں شیخ ابوعمرو بن ابی الحباب کے ارشد تلامذہ میں تھا، اور فصوص، سنفہ ابوالعلا صاعد[3] البغدادی اس کو تمام و کمال یاد تھی۔

(۱) وفیات الاعیان ۱: ۲۱۰، آداب اللغة العربیة ۳: ۵۷۔ زرکلی ۱: ۲۸۰۔ (۲) اصل میں ''حَیّـان'' کی جگہ ''حنان'' ہے، الاعلام سے تصحیح کی گئی ہے (۲: ۲۸۹) (محمد امین) (۳) اصل میں ''ابوالعلی سعید'' ہے، وفیات الاعیان سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (۱: ۲۳۶) (محمد امین)

ابن حیان سنہ ۳۷۷ھ مطابق سنہ ۹۸۷ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۴۶۹ھ م سنہ ۱۰۷۶ء میں اس نے وفات پائی۔

ابن حزم الظاہری[1]

سنہ ۳۸۴ ـــ سنہ ۴۵۶ ہجری

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح بن سفیان بن یزید کا مورث اعلیٰ یزید نامی، ابوسفیان صَخر[2] بن حرب بن امیہ بن عبد شمس کا نومسلم غلام تھا، یزید فارس کا رہنے والا اور ایرانی نسل سے تھا، اور اس کے خاندان سے خلف پہلا شخص تھا جس نے اندلس کو اپنا وطن بنایا۔ ابن حزم بمقام قرطبہ بتاریخ ۳۰ رمضان سنہ ۳۸۴ ہجری مطابق سنہ ۹۹۴ عیسوی میں پیدا ہوا، یہ نہ صرف مشہور حافظ قرآن تھا، بلکہ علم حدیث اور فقہ کا ایک مستند عالم، اور مسائل فقہ میں اس کا اجتہاد واجب التعظیم مانا جاتا تھا۔ ابتدا میں ابن حزم کا مذہب شافعی تھا۔ لیکن بعد میں اس کا شمار فرقہ ظاہریہ میں کیا جانے لگا۔ ابن حزم نے نہ صرف علوم مذکورہ بلکہ دیگر علوم فلسفہ وغیرہ پر ایسا عبور حاصل کیا کہ اس کی وسعت کمالات نے اس کے دل و دماغ کو دولت دنیا سے بالکل مستغنی کر دیا تھا۔ باوجودیکہ اس کا باپ اور پھر یہ خود وزیر سلطنت کے مرتبہ تک پہنچا تھا۔ لیکن اُس نے اپنی دولت و ثروت کی کبھی پروا نہیں کی۔ اس کی سادہ طبیعت، اس کا عجز و انکسار، اُس کی روشن خیالی، اس کی سچی عظمت پر دال تھی۔ اس کے وسیع کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتابیں موجود تھیں۔ اس کا حافظہ ایسا غیر معمولی تھا کہ جو ایک بار پڑھ لیتا تھا یا سن لیتا تھا اُس کو پھر کبھی نہیں بھولتا تھا۔ حدیث کو مسائل فقہ سے منطبق

(۱) وفیات الاعیان ۱: ۴۲۸، معجم الادباء ۵: ۸۶، اخبار الحکماء از قفطی ص: ۱۵۶، نفح الطیب ۱: ۲۶۴، آداب اللغة العربية ۳: ۹۶، مطمح الانفس ص: ۵۵۔ (۲) اصل میں ''بن سفیان بن حرب'' ہے، وفیات الاعیان سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (۱: ۴۸۳) (محمد امین)

کرنے میں اس کو خاص ملکہ تھا۔ چنانچہ اسی موضوع پر اس کی بے مثل تصنیف کتاب الایصال الی فهم الخصال قابل مطالعہ ہے، جس میں اس نے ان تمام فقہی مسائل اور مسلمانوں کے فرائض کو جمع کیا ہے۔ جن کا تعلق احکام سنت اور اجماع سے ہے، اور ان ہی مسائل کے متعلق جس قدر آراء صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے تابعین اور دیگر مسلّمہ امام اور اُن کے جانشینوں کے دستیاب ہوئے سب کو اس نے نہایت تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اور اس کی احتیاط رکھی ہے کہ موافق یا مخالف دونوں پہلو طالب علم کے پیش نظر رہیں۔ اس کی دوسری تصنیف کتاب الاحکام لاصول الاحکام کا تعلق ان اصول سے ہے جو اس کے قائم کردہ تھے۔ اس کی اور تصانیف حسب ذیل ہیں:

① **کتاب الفصل فی الملل والاهواء والنحل**۔ اس میں اس نے فلسفیانہ طریقہ پر تمام مذاہب کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا ہے۔

② **الاجماع**۔ جس میں اس نے فقہ کے مختلف فیہ مسائل پر بحث کی ہے۔

③ **مراتب العلوم**۔ اس میں اس نے تمام علوم کا ذکر کرتے ہوئے ان کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق، اور اُن کے حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا ہے۔

④ **اِظهارُ تبدیل الیهود والنصاری. للتوراة والانجیل**[1]۔ اس میں ابن حزم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اُن مذہبی مسائل کو تحریر کیا ہے۔ جن کے ثابت کرنے میں یہ لوگ قاصر ہیں۔ اور یہ پہلا شخص ہے کہ جس نے اس موضوع پر بحث کی ہے۔

⑤ **تقریب**۔ یہ مقدمہ ہے علم منطق کا جس میں اس نے نہایت سلیس عبارت میں فقہی نظائر کے ساتھ اصول منطق سے بحث کی ہے۔ یہ مضمون جدید طریقہ پر لکھا گیا ہے۔ اور عام طور پر جو مخالفت اس علم سے تھی اس کی تردید کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ علم منطق تکمیل علم کے واسطے کس قدر ضروری بلکہ لازمی ہے۔

⑥ **نقط العروس**۔ جس میں اس نے اختصاراً مختلف اور دلچسپ مضامین پر بحث

(۱) ''للتوراة والانجیل'' کا اضافہ وفیات الاعیان سے کیا گیا ہے (۱:۴۸۴) (محمد امین)

کی ہے۔ابن بشکوال نے ابن حزم کا نام نامی مؤرخین کے زمرہ میں بھی شریک کیا ہے۔
اور حافظ ابو عبداللہ الحمیدی کا قول ہے کہ تبحر علمی، قوتِ حافظہ۔ انتقالِ ذہن۔ تقوی اور خود داری میں اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔لیکن باوجود ان صفات کے اس کے مزاج میں اِس قدر غصہ تھا کہ اختلاف رائے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ اُس کے ہم عصر علماء ہمیشہ اس سے ناخوش رہے، بلکہ بعض وقت یہ ناخوشی مبدل بہ دشمنی ہو جاتی تھی۔اور اس پر جھوٹ ودغا بازی اور بدچلنی کا الزام عائد کر کے اس سے عام منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔چنانچہ اسی جھوٹی تہمت کی وجہ سے یہ بارہا جلاوطن کیا گیا۔

ابن حزم کی نسبت یہ قول زباں زد خاص وعام تھا کہ ''ابن حزم کی زبان میں وہی تیزی ہے جو الحجاج ابن یوسف کی تلوار میں تھی'' لیکن ابن حزم کے عمدہ خصائل کا اندازہ اس قول سے بخوبی ہو سکے گا کہ:

''اگر تم امیرانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہو، تو تم ایسا طریقہ اختیار کرو کہ اگر تمہارے پاس دولت نہ رہے، تو غربت کی حالت میں بھی زندگی بسر کرنے سے بھی تکلیف نہ ہو''

ابن حزم نے بتاریخ ۲۷/شعبان سنہ ۴۵۶ ہجری، مطابق سنہ ۱۰۶۴ عیسوی میں انتقال کیا۔

ابن شُہَید الاشْجعی[1]

سنہ ۳۸۲ ــــ سنہ ۴۲۶ ہجری

ابو عامر احمد بن عبدالملک ابن شُہَید الاشجعی۔ابو عامر متوطن قرطبہ ابن رزاح کی اولاد سے تھا۔اور ابن رزاح وہ شخص تھا جو ابن قَیس الفِهری کے ساتھ جنگ مرج راھط[2] میں شریک تھا، جنگ مذکور سنہ ۶۵ ہجری میں مابین خلیفہ مروان ابن الحکم اور

(۱) وفیات الاعیان ۱:۴۲، مطمح الانفس ص:۱۶، زرکلی ۱:۴۸، آداب اللغة العربیه۔(۲) اصل میں ''راھط'' کے بجائے ''راحت'' ہے، وفیات الاعیان سے تصحیح کی گئی ہے (۱:۴۸) (محمد امین)

عبداللہ بن زبیر واقع ہوئی تھی۔ الفہری ابن زبیر کا طرفدار تھا۔ خلیفہ مروان نے اس کو اس لڑائی میں گرفتار کیا تھا۔ ابو عامر اپنے وقت کا نامی شاعر گذرا ہے، جس کا ذکر ابن بسّام نے اپنی کتاب الذخیرہ میں نہایت تعریف کے ساتھ کیا ہے۔ علاوہ شاعری کے علوم وفنون بالخصوص علم ادب میں مشہور تھا۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں اس کی نظم ونثر کا حوالہ دیا ہے۔

ابو عامر سنہ ۳۸۲ ہجری مطابق سنہ ۹۹۲ عیسوی میں پیدا ہوا، اور قرطبہ میں سنہ ۴۲۶ ہجری مطابق سنہ ۱۰۳۵ عیسوی میں وفات پائی۔ مقبرہ اُمّ سلمہ میں مدفون ہوا

ابن جُلْجُل [۱]

سنہ ۴۰۰ ہجری [۲]

ابوداؤد سلیمان بن حسان جو اپنے لقب ابن جُلْجُل سے مشہور ہے ایک سر برآوردہ طبیب تھا، فنِ طب کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا کہ جس میں نہایت تحقیق کے ساتھ اس نے کمال حاصل نہ کیا ہو۔ تشخیص امراض اور ادویہ کے خواص اور ان کے طریقۂ استعمال میں اس کا تجربہ بمقابلہ دیگر اطبائے معاصرین بہت وسیع تھا۔ ابن جلجل کے زمانے میں علم طب کی تعلیم وتحصیل کا مدار زیادہ تر حکیم دیسقوریدس [۳] نامی کتابوں پر تھا۔ جس کا ترجمہ زبان عربی میں پہلی مرتبہ اصطفن ابن بسیل نے بزمانۂ خلیفہ جعفر المتوکل عباسی [۴] بمقام بغداد کیا تھا، اور گو بعد ازاں حسین ابن اسحاق نے اس ترجمہ کی تصحیح کی۔ لیکن یہ دونوں مماثل اصطلاحات عربی کے دریافت کرنے میں ناکام رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی ناموں کو قائم رکھنا پڑا، ابن جلجل کا قیاس ہے کہ

(۱) اخبار الحکماء از قفطی ص: ۱۳۰۔ (۲) الاعلام میں ہے: ۳۳۲ - بعد ۳۷۷ھ = ۹۴۳ - بعد ۹۸۷م (۳: ۱۲۳) (محمد امین) (۳) (Diascaridas Anazarbaeus) (۴) یہ خاندان عباسیہ کا دسواں خلیفہ سنہ ۲۳۱ ہجری مطابق سنہ ۸۴۵ عیسوی میں گزرا ہے۔

اگر ترجمہ بمشورہ دیگر اطباء ہوتا تو یہ بڑا نقص باقی نہ رہتا۔ اور کتاب تمام اغلاط سے پاک وصاف جمہور کے سامنے پیش ہوتی۔ اندلس میں یہ کتاب اسی ناقص حالت میں سلطان عبدالرحمٰن الناصر بن محمد کے عہد تک زیر مطالعہ رہی، یہ لکھتا ہے کہ:

''اِس بادشاہ کے عہد میں آرمانیوس شہنشاہ قسطنطنیہ کی طرف سے ایک سفارت خطوط اور تحائف لے کر قرطبہ میں آئی۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو یہ واقعہ سنہ ۳۳۷ ہجری میں واقع ہوا (م سنہ ۹-۹۴۸ء) ارمانیوس نے جو بیش بہا تحائف بھیجے تھے، ان میں دیسقوریدس کی تصنیف کا بھی ایک نسخہ تھا۔ جو قدیم یونانی زبان میں تھا جس کو قدیم آیونی تحریر و تقریر میں استعمال کرتے تھے، نہایت خوبصورتی سے لکھا ہوا تھا۔ اور اس میں پودوں کی تصویریں بھی تھیں جو نہایت خوبصورت اور رنگین تھیں۔ اس کے ساتھ ہی شاہ قسطنطنیہ نے ہروسیس صاحب القصص کی تصنیف کا ایک نسخہ بھی بھیجا تھا، جو رومیوں کی ایک عمدہ تاریخ تھی، جس میں زمانۂ سلف کے واقعات اور شاہانِ پیشین کے مہمات، و نیز دیگر اہم واقعات اور عجیب و غریب باتیں درج تھیں۔ اپنے خط میں شہنشاہ آرمانیوس نے دیسقوریدس کے مذکورہ نسخہ کا حوالہ دے کر الناصر کو اس امر پر توجہ دلائی تھی کہ دیسقوریدس کی کتابیں کسی ایسے شخص سے عربی میں ترجمہ کرانی چاہئیں جو یونانی زبان میں مہارت رکھنے کے علاوہ مفردات کے خواص سے بھی واقف ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس عجیب وغریب تصنیف کی خوبیاں حقیقی طور پر کبھی عیاں نہ ہوسکیں گی۔ اور نہ یہ بکار آمد ہوگی''

''ابن جلجل لکھتا ہے کہ اتفاق سے اِن دنوں قرطبہ میں کوئی عیسائی ایسا نہیں ملا، جو قدیم یونانیوں کی زبان کو پڑھ سکتا، اور سمجھ سکتا ہو۔ چنانچہ دیسقوریدس کی کتاب غیر مترجم صورت میں الناصر کے کتب خانہ میں رکھی رہی۔ اس اثناء میں اس ملک کے علماء؛ اصطفن کے ترجمہ سے استفادہ کرتے رہے۔ جس کے متعلق میں نے کہیں اور لکھا ہے کہ وہ بغداد سے لایا گیا تھا۔ آخر الامر چند سال کے بعد جب الناصر نے آرمانیوس کی سفارت کو واپس کیا، تو اس سے درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسا آدمی بھیجو جو قدیم یونانیوں کی

زبان اور ادب پر بخوبی دسترس رکھتا ہو۔ اور قرطبہ میں میرے غلاموں کو ان چیزوں کی تعلیم دے سکے، تاکہ وہ عربی میں مناسب ترجمہ کرسکیں۔ ارمانیوس نے اس خواہش کی تکمیل فوراً کی، اور ایک راہب نقولا نامی کو روانہ کیا۔ جو سنہ ۳۴۰ ہجری میں قرطبہ پہنچا (م سنہ ۲-۹۵۱ء) اس وقت دارالخلافت میں متعدد حاذق اطباء موجود تھے، جو مہارت تامہ رکھنے کے علاوہ اس خواہش میں بیتاب تھے کہ دیسقوریدس کی کتاب کا مکمل علم حاصل کریں، اور ان مقامات کی تہ تک پہنچ جائیں جو ہنوز ترجمہ میں غیر مفصل اور مبہم پڑے ہوئے تھے، ان حضرات میں سے جو اس امر کے بہت مشتاق تھے کہ اس بیش بہا کتاب کی زیارت کا موقع مل جائے، اور جو خلیفہ کے تقرب کی وجہ سے ہر وقت محل میں جاسکتے، اور کتب خانہ میں داخل ہوسکتے تھے ہدائی ابن بشروت یہودی بھی تھا۔ نقولا راہب نے اس شخص سے بہت ربط ضبط پیدا کرلیا، اور رفتہ رفتہ اس سے دیسقوریدس کی کتاب کے تمام مبہم مقامات کی تشریح بیان کردی، چنانچہ ہدائی پہلا طبیب تھا جس نے قرطبہ میں تریاق الفاروق کے نام سے ایک دوا تیار کی، اور ٹھیک ٹھیک ان پودوں کے نام دریافت کئے جو نسخہ میں داخل ہونا چاہئے تھے۔ ہدائی ابن بشروت ہی صرف ایسا طبیب نہ تھا جس نے دیسقوریدس کی کتاب سے استفادہ کیا ہو۔ بلکہ دوسرے اشخاص نے بھی نہایت جانکاہی سے پودوں کے ٹھیک ناموں کی قرأت برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اور ان کے مترادفات عربی میں تلاش کئے۔ ان میں سے ایک شخص محمد نامی تھا، جو الشجاء کے لقب سے مشہور ہے۔ ایک اور شخص بھی تھا جس کا لقب البابی تھا۔ اور ابوعثمان الجذار جس کا لقب الیابسہ تھا۔ نیز محمد بن سعد طبیب۔ عبدالرحمٰن بن اسحاق بن ھیثم اور عبداللہ الصقلی (ساکن سسلی) جو یونانی تحریر و تقریر پر قادر تھا، اور اس کے علاوہ ایک ماہر طبیب اور محقق نباتات تھا۔ مذکورہ بالا تمام اشخاص نقولا راہب کے معاصر تھے، اور خلیفہ المستنصر کے عہد میں قرطبہ میں رہتے تھے، جہاں میں اپنے زمانۂ جوانی میں ان سے واقف تھا، اور اُن کی تدریس اور تجربوں سے منتفع ہوتا تھا۔ میں نقولا راہب کو بھی جانتا تھا، اور اُسے دیکھا

گئی تھا۔ اس کا انتقال المستنصر باللہ الحکم کی حکومت کے پہلے سال میں ہوا“

بہرکیف مذکورہ سر برآوردہ اطباء کی متحدہ کوششوں سے دیسقوریدس کی تصانیف کا ترجمہ تمام اسقام سے پاک ہوا۔ مبہم مقامات کی توضیح کی گئی۔ مفردات اور پودوں کے تمام اسماء نہایت تشفی بخش طریقہ سے مشرح کر دیئے گئے۔ عربی میں اصطلاحات اختراع ہوئیں، البتہ صرف چند جن کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی باقی رہ گئے، اور قرطبہ پایۂ تخت اندلس کے لوگ آخرالامر یونانی اصطلاحات کو خود اپنی زبان میں پڑھنے پر قادر ہو گئے۔

ابن جلجل لکھتا ہے کہ ”مجھ کو ابتدائے جوانی ہی سے اس امر کا بہت شوق تھا کہ میں دیسقوریدس کی طبی کتاب کی معلومات حاصل کرلوں۔ کیونکہ یہی ادویاتِ مرکبہ کے معلومات کی بنیاد ہے۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کا پورے غور و توجہ سے مطالعہ شروع کیا اور اس کی مزاولت کرتا رہا، حتیٰ کہ خدا نے اپنی غیر متناہی قدرت سے میری آرزو کے پورا کرنے کا سامان مہیا فرمایا، اور میں بہت سی ایسی ادویہ کے اسماء اور تفصیلات کو حفظ کر سکا جن کو بھول جانے اور جن کے فوائد سے نوع بشر کے محروم رہ جانے کا اندیشہ تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے بدن انسانی کی صحت کی اصلاح کے لئے ذرائع پیدا کر دیئے ہیں سطح ارض پر اُگنے والے پودوں میں۔ اس پر چلنے والے چوپایوں میں۔ پانی میں تیرنے والے جانوروں میں۔ ہوا میں اڑنے والے پرندوں میں، اور معدنی مادوں میں جو زمین میں پوشیدہ ہیں، ان چیزوں سے شفائے امراض حاصل کرنے کی اجازت دی جو اس کی انتہائی رأفت و مکرمت کا ثبوت ہے“

ابن جلجل کی تصانیف یہ ہیں

① تشریح اسمائے مفردات جو دوا میں مستعمل ہیں، اور دیسقوریدس کی کتابوں میں پائی گئیں۔ یہ کتاب قرطبہ میں بماہ ربیع الثانی سنہ ۳۷۲ھ مطابق ستمبر یا اکتوبر سنہ ۹۸۲ء بزمانِ خلافت ہشام بن الحکم لکھی گئی۔

② دوسری کتاب ان مفردات کے بیان میں ہے جو اگر چہ بطور ادویہ استعمال کی جاسکتی ہیں مگر دیسقوریدس کی کتابوں میں نہیں پائی گئیں۔

③ ایک رسالہ بنام ''اعلان ان غلطیوں کا جو اطباء سے معالجہ میں سرزد ہوتی ہیں''

④ ایک سوانحاتی تصنیف جو خلیفہ ہشام کے نام سے معنون کی گئی، اور جس میں اُن سر برآوردہ طبیبوں اور فلسفیوں کی سوانح عمریاں ہیں جو یا تو اندلس میں پیدا ہوئے، یا وہاں مطب کرتے تھے۔

ابو غالب التیانی [1]

سنہ ۴۳۶ ہجری [2]

ابو غالب تمام [3] بن غالب بن عمر علم فقہ کا ذی مرتبہ محقق مانا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش قرطبہ کی تھی۔ لیکن اس نے اپنی زندگی مُرسِیَہ میں بسر کی۔ علاوہ اس فن کے ابو غالب نے علوم فقہ اور قرآن و حدیث میں بھی نام پیدا کیا تھا۔ اس کی طرزِ معاشرت نہایت سادہ اور مقبول عام تھی۔ عمر بھر اس نے کبھی دولت و ثروت کی پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ امیر ابو الجیش مجاہد [4] نے مُرسِیَہ کی فتح کے بعد ایک ہزار دینار ابو غالب کو اس شرط کے ساتھ بھیجے کہ وہ اپنی کتاب اس کے نام سے شائع کرے۔ مگر ابو غالب نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا، اور یہ کہلا بھیجا کہ اگر تمام دنیا کا میں مالک بھی بنایا جاؤں تب بھی اس شرط کو منظور نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ اولاً تو اس

(۱) معجم الادباء ص: ۳۹۴، وفیات الاعیان ۱: ۱۱۱، آداب اللغة العربیه ۲: ۲۱۱، بغیة الوعاة ص ۲۰۹۔ (۲) اصل میں ''۴۰۰ھ'' ہے، احقر نے وفیات الاعیان سے تصحیح کی ہے (۱: ۱۳۵) (محمد امین) (۳) اصل میں ''تمام'' کے بجائے ''التیان'' ہے، وفیات الاعیان سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (۱: ۱۳۵) (محمد امین) (۴) اصل میں ''الجیش مجاہد'' ہے، ''امیر ابو'' کا اضافہ وفیات الاعیان سے کیا گیا ہے (۱: ۱۳۵) (محمد امین)

جھوٹ کا کیا جواب اپنے خدا کو دونگا، اور دوم یہ کہ یہ کتاب میں نے تمہارے لئے نہیں بلکہ عوام الناس کے واسطے بکمال محنت و مشقت لکھی ہے۔

ابو غالب نے شہر المریہ سنہ ۴۳۶ھ م سنہ ۱۰۴۴ء میں انتقال کیا، اس کا سنہ پیدائش معلوم نہ ہوسکا۔

ابوالولید الباجی [1]

سنہ ۴۰۳ ـــ سنہ ۴۷۴ ہجری

ابوالولید الباجی سلیمان بن خلف بن سعد [2] بن ایوب الباجی الاندلسی حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا پیرو تھا، علاوہ علم وفضل کے اس کا شمار مشہور حفاظِ قرآن میں تھا۔ سنہ ۴۲۶ [3] ہجری میں اس نے بلاد شرقیہ کا سفر اختیار کیا، اور تین سال تک مکہ میں مقیم رہا۔ بعدازاں بغداد آیا۔ اور یہاں زمانہ دراز تک ابوطیب الطبری الشافعی اور ابواسحاق الشیرازی مصنف مہذب کی صحبت میں فقہ اور حدیث کا مطالعہ کرتا رہا۔ یہاں سے اس نے موصل آ کر ایک سال ابوجعفر السمنانی سے فقہ اور حدیث کی تکمیل کی، الباجی نے تیرہ سال کی محنت میں کثیر التعداد کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے کتاب المنتقی اور اِحکام الفصول فی اَحکام الاصول اور التعدیل و التجریح [4] فیمن

(۱) وفیات الاعیان ۱: ۲۶۹، الدیباج المذہب ص: ۱۲۰، نفح الطیب ۲: ۵۰۴، فوات الوفیات ۱: ۱۷۵۔ (۲) اصل میں "سَعْد" کی جگہ "سعید" ہے، وفیات الاعیان سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (۱: ۳۰۴) (محمد امین) (۳) اصل میں "۴۲۶" کے بجائے "۴۶۲" ہے، لیکن وفیات الاعیان میں ہے: وَرَحَلَ اِلَی الْمَشْرِقِ سنۃ سِتٍّ وَّعِشْرِیْنَ وَأَرْبَعِ مِائَۃ أو نحوھا فَأَقَامَ بمکۃ ثلاثۃَ أعوام یعنی ۴۲۶ ہجری میں اس نے بلادِ شرقیہ کا سفر کیا تھا (۱: ۳۰۴) اور اعلام میں ہے: رحل الی الحجاز سنۃ ۴۲۶ (۳: ۱۲۵) امین۔ (۴) اصل میں "التجریح" کی جگہ "التخریج" ہے، وفیات الاعیان سے تصحیح کی گئی ہے (حوالہ سابق) (محمد امین)

روی عنہ البخاری فی الصحیح زیادہ مشہور ہیں۔حلب میں یہ خدمت قضاء کوئی سال تک انجام دیتا رہا، اور جب یہ اندلس واپس آیا تو یہاں بھی یہی خدمت اس کے سپرد ہوئی۔

الباجی سنہ ۴۰۳ھ م سنہ ۱۰۱۲ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۴۷۴ ہجری مطابق سنہ ۱۰۸۱ء میں اس نے انتقال کیا۔

ابوعلی الغَسَّانی الجَیَّانی (۱)

سنہ ۴۲۷ ــــ سنہ ۴۹۸ ہجری

ابوعلی الحسین بن محمد بن احمد الغسانی الجیانی ــــ اس کے مفصل حالات باوجود تلاش دریافت نہ ہو سکے، مؤرخین نے بالعموم صرف اسی قدر لکھا ہے کہ یہ ایک مستند محدث اور علم الفقہ کا ماہر گزرا ہے۔ البتہ ابن بَشْکُوال (۲) نے اپنی مشہور تاریخ الرجال میں اس کے حالات تحریر کئے ہیں، اور ان میں سے جو قابل ذکر تھے ان کو ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں نقل کیا ہے۔ مگر وہ بھی صرف اسی قدر ہیں کہ الغسانی نے اپنی کتاب تقیید المھمل میں نہایت تحقیق کے ساتھ اُن راویان حدیث کے ناموں کی صحت کی ہے جو صحیحین میں مذکور ہیں۔ اور یہ ایک ایسا کام تھا کہ دنیائے اسلام کبھی اس کے بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ اس نے اپنی محققانہ معلومات کو صرف کتابوں کی حد تک محدود نہیں رکھا، بلکہ بہ نیت رفاہ عام اس نے مدت العمر مسجد قرطبہ میں حدیث کا درس جاری رکھا۔ چنانچہ اس کے وعظ میں علاوہ عوام الناس کے ایک کثیر جماعت علماء کی بھی موجود رہا کرتی تھی۔

یہ سنہ ۴۲۷ ہجری مطابق سنہ ۱۰۳۵عیسوی میں پیدا ہوا، اور سنہ ۴۹۸ ہجری مطابق سنہ ۱۱۰۵عیسوی میں انتقال کیا۔

(۱) وفیات الاعیان ۱: ۱۹۸، کشف الظنون ۱: ۳۲۱۔ (۲) اس کی تصنیف کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی پیرس میں موجود ہے۔

ابن بَطَلْیَوسی (۱)

سنہ ۴۴۴ ــــ سنہ ۵۲۰ ہجری

ابومحمد عبداللہ بن محمد بن السیّد البَطَلْیَوسی اِس کا نام اندلس کے نامی علماء میں شمار کیا جاتا ہے، یہ صرف ونحو اور علم فقہ سے خوب واقف تھا۔ اور اس کی قابلیت کی شہرت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی، ابن بطلیوسی بَلَنْسِیہ کا رہنے والا تھا، اور اس کا وقت زیادہ تر لوگوں کو تعلیم دینے میں گزرتا تھا۔ لوگ دور دور سے بَلَنْسِیہ صرف اس غرض سے آکر جمع ہوتے تھے کہ وہ بھی اس کی صحبت سے مستفید ہوں۔ بَلَنْسِیہ ؛ابن السید کے زمانہ میں طالب علموں کا کعبہ بنا ہوا تھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں کئی کتابیں لکھیں جو اب تک موجود ہیں۔ ان کتابوں کے نام ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں لکھے ہیں، اور ان کا بہت تعریف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ابن بَطَلْیَوسی سنہ ۴۴۴ ہجری مطابق سنہ ۱۰۵۲ عیسوی میں پیدا ہوا، اور سنہ ۵۲۰ (۲) ہجری مطابق ۱۱۲۷ عیسوی میں وفات پائی۔

ابواسحاق ابن خفاجہ (۳)

سنہ ۴۵۰ ــــ سنہ ۵۳۳ ہجری

ابوالاسحاق ابراہیم بن ابی الفتح عبداللہ بن خفاجہ الاندلسی۔ یہ ایک شاعر گذرا ہے، جس کی تعریف ابن بَسّام نے اپنی مشہور کتاب ذخیرہ میں لکھی ہے۔ بقول ابن بسام یہ

(۱) وفیات الاعیان ۲: ۳۳۲، قلائد العقیان ص: ۱۹۲، بغیة الوعاۃ ص: ۲۸۸۔ آداب اللغة العربية ۳: ۵۵۔ (۲) الأعلام میں سن وفات ۵۲۱ ہجری لکھا ہوا ہے (۴: ۱۲۳) (محمد امین) (۳) وفیات الاعیان ۱: ۱۶، قلائد العقیان ص: ۲۰۳ فہرست دار الکتب مصریہ ۳: ۱۰۷ میں اس کی تاریخ وفات ماہ شوال سنہ ۵۳۸ھ لکھی ہے۔

شاعر، اندلس کے مشرقی حصہ میں رہا کرتا تھا، اور اس نے کبھی اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ چھوٹے چھوٹے حکمراں [1] جو وہاں حکومت کرتے تھے ان کی خوشامد یا دربارداری کرے۔ علماء کے ساتھ بکمال قدر راور داد و دہش پیش آنے سے ان حکمرانوں کا منشاء یہ تھا کہ دنیا میں علم دوست و جوہر شناس مشہور ہوں۔ اور یہی ذریعہ ان کی بقائے حکومت اور نام کا ہو۔

ابو اسحاق نے ایک دلچسپ نظم لکھی۔ ابن خلکان نے اپنی مشہور تصنیف وفیات الاعیان میں جہاں اس نامور شخص کا ذکر کیا ہے، وہیں اس نظم کے بعض چیدہ اشعار نقل کئے ہیں، جن سے اس کی شاعرانہ نازک خیالی اور ادبی قوت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کے شعراء نے عموماً ابو اسحاق کی تتبع میں اپنی طبیعت اور قلم کا زور دکھایا ہے۔ لیکن شاید چند ہی مثل امام الدین ابو علی ابن عبد النور ایسے ہونگے جو اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہوں۔

یہ عالم سنہ ۴۵۰ ہجری مطابق سنہ ۱۰۵۸ عیسوی میں جزیرہ مَسْکر [2] میں پیدا ہوا، اور ۲۵ رشوال سنہ ۵۳۳ھ مطابق سنہ ۱۱۳۹ عیسوی میں یکشنبہ کے روز انتقال کیا۔

(۱) سلاطین بنی امیہ کی حکومت میں جب انحطاط شروع ہوا تو ذی اثر اشخاص نے موقع پا کر غاصبانہ طور پر ملک کے مختلف حصوں پر اپنی خود مختارانہ حکومت قائم کر لی تھی۔

(۲) مَسْکر ایک قصبہ ہے جو شاطبہ اور بَلَنْسِیہ کے درمیان واقع ہے، اور اس کو جزیرہ اس واسطے کہتے ہیں کہ اس کے اطراف ہر نام دریا کا پانی ہے۔ اندلس خود ایک ایسا جزیرہ نما ملک ہے جس کا سلسلہ قسطنطنیہ تک غیر منقطع ہے، اس کی وضع تقریباً مثلث ہے۔ اندلس کا مشرقی حصہ پہاڑوں سے جا کر ملتا ہے، اور ان پہاڑوں میں سے ایک راستہ فرانس کو جاتا ہے۔ اگر یہ پہاڑوں کا حصہ حائل نہ ہوتا تو یہ پورا جزیرہ ہو جاتا۔ یہ سنا جاتا ہے کہ اِس ملک میں سب سے پہلے جو آدمی آکر رہا تھا۔ اُس کا نام اندلس تھا، اور اسی نام سے یہ ملک مشہور ہے۔

اُمیہ ابن ابی الصَّلت[1]

سنہ ۴۶۰ ــــ سنہ ۵۲۹ ہجری

ابو الصَّلت امیہ بن عبدالعزیز بن ابی الصَّلت الدّانی ۔المعروف بہ الادیب والحکیم مختلف علوم وفنونِ قدیمہ وجدیدہ کا عالم وقت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ الادیب اور الحکیم کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کی شاعری دقیق اور فلسفیانہ رنگ لئے ہوئے ہے۔اس نے حدیقہ کے نام سے ایک کتاب ثعلبی کی یتیمۃ الدھر کے اسلوب پر لکھی ہے۔ عماد کاتب نے نہایت احترام کے ساتھ اس کا ذکر اپنی تصنیف میں کیا ہے، لیکن جو اشعار اس کے نام سے جمع کئے ہیں، وہ اس کے موجودہ دیوان میں موجود نہیں ہیں۔ابن ابی الصّلت جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے اپنی قوم کی ناقدردانی کی وجہ سے ترکِ وطن پر مجبور ہوا، اور اندلس سے اسکندریہ چلا آیا۔اس کی عمر کا آخری حصہ تونس کے قریب المھدیہ میں بسر ہوا۔ یہ اندلس کے شہر دانیہ میں سنہ ۴۶۰ھ مطابق سنہ ۱۰۶۷ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۵۲۹ھ مطابق سنہ ۱۱۳۴ء[2] میں المھدیہ میں وفات پائی۔ علاوہ عماد کاتب اور ابن خلکان کے قاضی الرشید ابن زبیر نے بھی اپنی تصنیف الجنان میں علمائے اندلس کے سلسلہ میں اس کا نہایت تعریف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علاوہ نظم ونثر اور فن طب کے اس نے منطق میں تقویم الذھن، اور طب میں الانتصار بھی لکھی ہے۔ انتصار میں علی بن رضوان کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو اُس نے حنین بن اسحاق کے بعض مسائل طبیہ پر وارد کئے تھے۔اُسطُرلاب کے طریقۂ استعمال پر اس نے ایک رسالہ نہایت تحقیق کے ساتھ لکھا تھا۔

❖ ❖ ❖

(۱) وفیات الاعیان ۱: ۹۹، کشف الظنون ۱: ۴۲۸۔ (۲) الاعلام میں عیسوی سن وفات ۱۱۳۵ء مذکور ہے (۲: ۲۳) (محمد امین)

الرُشاطی (۱)

سنہ ۴۶۶ ـــــ سنہ ۵۴۴ ہجری

ابو محمد عبد اللہ بن علی بن عبد اللہ بن خلف بن احمد بن عمر الرشاطی متوطن المریہ نہایت ذی مرتبہ محدث اور مؤرخ گذرا ہے۔ الرشاطی نے اپنی کتاب اقتباس الانوار والتماس الازہار میں صرف ان لوگوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے۔ کتاب مذکور میں ان صحابہ کے حالات مع ان کے شجرہ کے لکھے ہیں۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ الرشاطی بوقت درس کتاب کے مضمون کو کمال محنت سے اپنے شاگردوں کے ذہن نشین کیا کرتا تھا۔

الرشاطی سنہ ۴۶۶ ہجری مطابق سنہ ۱۰۷۴ عیسوی میں پیدا ہوا، اور سنہ ۵۴۴ ہجری مطابق سنہ ۱۱۴۷ عیسوی میں وفات پائی (۲)۔

ابن العریف (۳)

سنہ ۴۸۰ ـــــ سنہ ۵۲۶ ہجری (۴)

ابو العباس احمد بن محمد بن موسیٰ بن عطاء اللہ الصُنہاجی اپنے زمانہ کا صوفی اور

(۱) وفیات الاعیان ۱: ۳۴۷، کشف الظنون ۱: ۱۲۹۔ (۲) الاعلام میں سن وفات سنہ ۵۴۲ ہجری مطابق سنہ ۱۱۴۷ عیسوی لکھا ہوا ہے (۴: ۱۰۵) (محمد امین) (۳) وفیات الاعیان ۱: ۶۷، کشف الظنون ۱: ۳۷۸۔ (۴) وفیات الاعیان میں اس کا سنِ پیدائش ۴۸۱ھ اور سن وفات ۵۳۶ھ مذکور ہے: ومولده یومَ الأحد بعدَ طلوعِ الفَجْر ثانی جمادی الْأُولٰی سنة إحدی وثمانین وأربع مائة وكانت وفاةُ ابن العریف المذكور سنة ست وثلاثین وخمس مأة بمراكش (۱: ۶۷) اور اعلام میں ابن عریف کا سن ولادت سنہ ۴۸۱ ہجری لکھا ہوا ہے۔ یہ صحیح ہے، مگر سن وفات سنہ ۵۲۶ ہجری لکھا ہوا ہے، یہ غلط ہے (۱: ۲۱۵) (محمد امین)

عارفِ کامل تھا، مؤرخین کا قول ہے کہ علم تصوف اور فقر وفنا میں یگانۂ روزگار تھا۔ دُور دُور سے لوگ اس کی زیارت کے واسطے آتے، اور اپنے مقاصد دینی ودنیوی میں کامیاب ہوتے تھے۔ تصوف میں اس کی تصنیف المجالس بے مثل سمجھی جاتی ہے، علم حدیث کا مانا ہوا محقق تھا، اور احادیث کو اس نے بکمال تحقیق اور جانفشانی ایک جگہ جمع کیا تھا۔

ابن العریف اندلس میں شہر المریہ میں سنہ ۴۸۰ ہجری مطابق سنہ ۱۰۸۸ عیسوی میں پیدا ہوا اور مراکش میں سنہ ۵۳۶ھ مطابق سنہ ۱۱۴۴ء میں وفات پائی [۱]۔

ابوبکر یحییٰ القرطبی [۲]

سنہ ۴۸۶ ــــ سنہ ۵۶۷ ہجری

یحییٰ بن سعدون بن تمام بن محمد الاَزْدی القرطبی ملقب بہ صائن الدین علم قرأۃ ودیگر علوم قرآنیہ وعلوم حدیث وفقہ اور نحو ولغت وغیرہ میں اپنے وقت کا امام مانا جاتا تھا۔ یہ اندلس سے اپنی شروع جوانی میں نکلا۔ اور ملک مصر میں پہنچا۔ اسکندریہ میں اس نے ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابراہیم الرازی سے، اور دیگر بلاد مصر میں ابو صادق مرشد بن یحییٰ بن القاسم المدنی المصری سے، اور ابوطاہر احمد بن محمد الاصبہانی معروف بہ سلفی [۳] وغیرہ سے سماع واخذ حدیث کیا۔

پھر بغداد میں سنہ ۵۲۷ ہجری میں داخل ہوا۔ یہاں پر اس نے شیخ ابومحمد بن عبداللہ بن علی المقری المعروف بہ ابن بنت الشیخ ابومنصور خیاط سے قرآن پڑھا۔ اور حدیث وغیرہ کی بہت سی کتابیں پڑھیں، من جملہ ان کے کتاب سیبویہ بھی اُن سے

(۱) الاعلام میں ابن عریف کا عیسوی سن وفات سنہ ۱۱۴۱ء لکھا ہوا ہے (۲۱۵:۱) (محمد امین) (۲) وفیات الاعیان ۲: ۲۹۸۔ بغیۃ الوعاۃ ص: ۴۱۲۔

(۳) اصل میں ''سلفی'' کی جگہ ''صلبی'' ہے، وفیات الاعیان سے تصحیح کی گئی ہے (۳۳۵:۲) (محمد امین)

پڑھی۔اور نیز علم حدیث کا استفادہ ابوبکر محمد [۱] بن عبدالباقی البـــزاز معروف بقاضی مارستان سے، اور ابوالقاسم بن الحصین [۲] اور ابوالعز بن کادش وغیرہم سے کیا۔ یہ شخص بڑا دیندار بہت پرہیز گار نہایت ذی وجاہت و باوقار تھا۔اور محدثین کی اصطلاح میں ثقہ وصدوق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اور نہایت بزرگ اور کم گوشخص تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سب کو اس سے فائدہ پہنچتا تھا۔ یہ دمشق میں عرصہ تک رہا، پھر موصل میں وطن اختیار کیا۔اُس کے بعد اصبہـــان میں کچھ عرصہ کے لئے نقل مکان کیا۔مگر وہاں سے پھر موصل واپس آ کر سکونت اختیار کر لی تھی۔اس سے بہت سے مشائخ مصر نے استفادۂ حدیث و دیگر علوم کیا ہے۔

حافظ ابن سمعانی نے کتاب الذیل میں ذکر کیا ہے کہ وہ یحییٰ بن سعدون کے پاس دمشق میں حاضر ہوا، اور اس سے کتاب مصنفہ ابوعبداللہ الرازی سنی، اور اُس میں سے چند جزو کا انتخاب کیا۔اور خاص کر اُس سے اس کا سنہ پیدائش دریافت کیا، اس نے اپنا سنہ پیدائش سنہ ۴۸۶ ہجری بتلایا، اور مقام پیدائش شہر قرطبہ بیان کیا۔ ابن خلکان کہتا ہے کہ میں نے اس کا سنہ پیدائش بعض کتب میں سنہ ۴۸۷ ہجری دیکھا ہے۔مگر حافظ سمعانی کے قول کی تصحیح کی تھی۔اسی کا قول ہے کہ ہمارے استاد اور شیخ قاضی بہاء الدین ابوالمحاسن یوسف بن رافع بن تمیم معروف بہ ابن شداد قاضی حلب رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بن سعدون کی ملاقات اور تلمذ پر فخر کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں اس شیخ سے شہر موصل میں ملا، اور اس سے قرأۃ قرآن و دیگر علوم کا استفادہ کیا۔جس وقت ہم لوگ ان کے حلقۂ درس میں ہوتے تھے، اُسی وقت ایک شخص اُس کے پاس آکر کچھ لپٹی ہوئی چیز اس کو دے کر واپس چلا جاتا تھا۔مگر معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کیا چیز دی جاتی ہے۔پھر ہم کو تجسس و تلاش کے

(۱) ابوبکر کے بعد محمد کا اضافہ وفیات الاعیان سے کیا گیا ہے، اصل میں نہیں ہے (حوالہ سابق) (محمد امین) (۲) اصل میں ''الحصین'' کے بجائے ''الحسین'' ہے، وفیات الاعیان سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (حوالہ سابق) (محمد امین)

بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص اس کے لئے مرغی خرید کر اس کے پر وغیرہ صاف کر کے دے جاتا تھا۔ اور ابن سعدون ہمارا اُستاد اس کو اپنے گھر جا کر بطریق مناسب پکا لیتا تھا۔ نیز اُستاد مذکور نے کتاب دلائل الاحکام میں ذکر کیا ہے کہ اس نے شیخ یحییٰ مذکور کی خدمت میں رہ کر گیارہ سال تک اخذ علوم قرآنیہ وعلوم حدیث کر کے سنہ ۵۶۷ ہجری میں فراغت حاصل کی۔ اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ شیخ یحییٰ مذکور دو اشعار مندرجہ ذیل اکثر پڑھا کرتا تھا۔ اور ان کی سند خیر [1] الکاتب الواسطی تک پہنچا تا تھا وہ یہ ہیں:

جَرىٰ قَلَمُ الْقَضَاءِ بِمَا يَكُوْنُ ۞ فَسِيَّانِ التَّحَرُّكُ وَالسُّكُوْنُ

جُنُوْنٌ مِنْكَ أَنْ تَسْعٰى لِرِزْقٍ ۞ وَيُرْزَقُ فِي غِشَاوَتِهِ الْجَنِيْنُ

(۱) جو کچھ ہونے والا ہے اس کے بارے میں قضاء وقدر کا قلم چل چکا ہے، پس حرکت کرنا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا دونوں برابر ہیں۔

(۲) تیرا پاگل پن ہے کہ روزی کے لئے دوڑ دھوپ کرے، حال آنکہ جنین کو ماں کے پیٹ میں روزی دی جاتی ہے۔

اس کا سنہ پیدائش سنہ ۴۸۶ھ اور سال وفات سنہ ۵۶۷ھ روز عید ہے۔

ابن بَشْكُوَال [2]

سنہ ۴۹۴ ـــــ سنہ ۵۷۸ ہجری

ابوالقاسم خلف بن عبدالملک بن مسعود الخزرجی الانصاری متوطن قرطبہ اندلس کا نہایت نامی اور ذی علم شیخ تھا۔ اس نے اپنی عمر زیادہ تر اندلس کی تاریخ اور نیز لوگوں کے حالات جو اندلس کے مشہور علماء تھے لکھنے میں صرف کی۔ ابن بشکوال نے ایک کتاب میں ان لوگوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جن کا نام اکثر حدیث میں آتا ہے۔

(۱) اصل میں ''ابو خیر'' ہے، لیکن وفیات الاعیان میں ''الخیر'' ہے، اس لئے ''ابو'' کو حذف کیا گیا ہے (۳۳۶:۲) (محمد امین) (۲) وفیات الاعیان ۱:۲۱۵، دیباج المذہب ص:۱۱۴، ابن آبار، ۱:۵۴۔

ابن بشکوال صرف مؤرخ ہی نہ تھا، بلکہ اس نے تاریخ کے علاوہ اور بھی دلچسپ کتابیں لکھی ہیں۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں ابن بشکوال کا نہایت احترام کے ساتھ ذکر اُس کی مشہور تصنیف صلہ کے سلسلہ میں کیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں اندلس کے علماء کے حالات درج ہیں۔

ابن بشکوال سنہ ۴۹۴ ہجری مطابق سنہ ۱۱۰۱ عیسوی میں پیدا ہوا، اور سنہ ۵۷۸ ہجری مطابق سنہ ۱۱۸۳ عیسوی میں وفات پائی۔

عبدالملک ابن زُہر [1]

سنہ ۵۰۰ ہجری [2]

ابو مروان [3] عبدالملک بن زُہر بن عبدالملک بن محمد بن مروان۔ گو قرآن، حدیث، فقہ اور منطق وغیرہ علوم میں اپنے معاصرین علماء سے کچھ کم نہ تھا۔ لیکن فن طب سے اس کی طبیعت کو خاص مناسبت تھی۔ چنانچہ اس فن میں اس نے نہ صرف اندلس میں بلکہ دور دور شہرت حاصل کی۔ تمام اطباء وقت اس کو امام فن مانتے تھے، اور طب کی ترقی کا انحصار اسی کی تصانیف پر تھا۔ اس علم کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا، جس پر اس نے تحقیق اور دریافت کے ساتھ اپنی رائے نہ تحریر کی ہو۔ عبدالمومن سلطان اشبیلیہ نے نہ صرف از راہ قدر دانی اپنی مشہور داد و دہش اور دولت دنیا سے اس کو مستغنی کر دیا تھا، بلکہ اس درجہ عزیز رکھتا تھا کہ دیگر اعیان حکومت اس کے عروج اور ترقی پر رشک کرتے تھے۔ ابن زُہر نے بھی سلطان کے علاج اور صحت جسمانی کی حفاظت میں بڑی خیر خواہی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا۔ عبدالمومن کے واسطے ایک دوا تریاق

(۱) طبقات الاطباء ۲:۶۶۔ (۲) الاعلام میں سن ولادت ووفات اس طرح ہے: سنہ ۴۶۴-سنہ ۵۵۷ھ مطابق سنہ ۱۰۷۲- سنہ ۱۱۶۲ء (۴: ۱۵۸) (محمد امین) (۳) اہل یورپ اس کو اون زور کہتے ہیں۔

السبعینی [1] ستر (۷۰) قسم کی مفرد ادویہ کو ترکیب دے کر تیار کی تھی۔ جس کو بعد ازاں بلحاظ سلطان کے مزاج کے دس اور پھر سات دواؤں تک لے آیا۔ آخر الذکر سات دواؤں کی مرکب تریاق کا نام اس نے تریاق الانتلہ رکھا تھا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ سلطان عبدالمومن کو مُسہل کی ضرورت ہوئی۔ لیکن سلطان کو مُسہل لینے سے ہمیشہ نفرت تھی۔ تمام اطباءِ وقت نے بالاتفاق یہی رائے دی کہ اگر فوراً مسہل نہ لیا جائے گا تو یہ قبض شدید سلطان کے واسطے ہلاکت کا باعث ہوگا، مگر سلطان نے اس رائے پر عمل کرنے سے قطعاً انکار کر دیا، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان خوفناک تپ میں مبتلا ہو گیا۔ ابن زُہر نے فوراً یہ کیا کہ درخت انگور کی جڑوں کو کھول کر اپنے تیار کیے ہوئے خاص قسم کے عرق سے سیراب کرنا شروع کیا۔ درخت میں انگور کے خوشے بننا شروع ہو چکے تھے۔ دس روز کی محنت میں جب یہ خوشے بالیدہ ہوئے، تو دس دانہ انگور اس نے بادشاہ کو کھلائے، اور یہ کہا کہ ہر دانہ سے ایک اجابت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور دس اجابتوں کے بعد بادشاہ بالکل تندرست ہو گیا۔ ابن زُہر نے صحت یابی کے بعد اس راز کو سلطان پر ظاہر کیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابن زُہر حضرت محی الدین ابن العربی الطائی (شیخ اکبر) کے ہمراہ محل شاہی کی طرف جا رہا تھا کہ راستہ میں اُس نے ایک شخص کو مکان کے باہر مرض استسقاء میں مبتلا پڑا ہوا پایا۔ مریض کی حالت قریب المرگ ہو چکی تھی۔ ابن زُہر اس کو اٹھا کر مکان میں لے آیا، اور نہایت غور کے ساتھ بہت دیر تک اس کی حالت کو دیکھتا رہا۔ اتفاقاً اس کی نظر پانی کے ظرف پر پڑی جو مریض کے بستر کے قریب رکھا ہوا تھا، اور یہ ہمیشہ اس میں سے پانی پیا کرتا تھا۔ ابن زُہر نے پہلے پانی کو دیکھا، اور پھر ظرف کو توڑا تو اس میں سے ایک نہایت پرانا اور زہریلے قسم کا مینڈک برآمد ہوا۔

(۴) اصل میں ''السبعینی'' کے بجائے ''السبیغی'' ہے، عیون الانباء فی طبقات الاطباء سے تصحیح کی گئی ہے (٦:٦٦) (محمد امین)

چونکہ یہی زہریلا آب بیماری کا عارضی سبب تھا، صرف غذا کی احتیاط سے یہ شخص تندرست ہو گیا۔

کتاب التیسیر فی المداواۃ والتدبیر، و کتاب الاغذیہ، و کتاب الزینۃ اس کی مشہور تصنیفیں ہیں۔

ابن بَاجّہ(۱)

سنہ ۵۰۰ ہجری(۲)

ابوبکر محمد بن یحییٰ الملقب بہ ابن الصائغ (پسر زرگر) جو زیادہ تر ابن باجہ اندلسی کے لقب سے مشہور ہے باعتبار فلسفیانہ علوم کے یگانۂ عصر تھا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ بہت کچھ کینہ وحسد کا نشانہ بنا، اور اپنے اکثر معاصرین فن کی نظروں میں باعثِ نفرت ورشک قرار پایا۔ جنھوں نے متواتر اس کے قتل کرنے کی کوشش کی، مگر خدا نے ہمیشہ اُس کو محفوظ رکھا۔

ابن باجہ عربی ادب کا ماہر اور حافظ قرآن اور حاذق اطبائے زمانہ سے تھا۔ فن موسیقی میں ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ نے نوازی میں بے مثل سمجھا جاتا تھا۔ ابوالحسن علی بن عبدالعزیز ابن الامام اپنی تصنیف ''المجموع الذی نقلہ من أقاویل أبی(۳) بکر محمد ابن الصائغ ابن باجہ'' کے دیباچہ میں یوں لکھتا ہے کہ مجموعۂ ہذا ابن باجہ کے تمام فلسفیانہ اقوال کا نادر ذخیرہ ہے، فلسفہ کے نازک اور دقیق مباحث پر اس کی طباعی اور رفعت بیان اس درجہ پر تھی کہ وہ اپنے زمانۂ حیات میں ان علوم میں عجوبۂ

(۱) طبقات الاطباء ۲: ۶۲۔ (۲) الاعلام میں سن وفات سنہ ۵۳۳ ہجری مطابق سنہ ۱۱۳۹ عیسوی مکتوب ہے (۷: ۱۳۷) (محمد امین) (۳) اصل میں ''المجموع الذی نقلہ من اقاویل أبی'' کے بجائے ''المجموعۃ الاقوال عن ابو'' ہے، عیون الانباء فی طبقات الاطباء سے تصحیح کی گئی ہے (۲: ۶۲) (محمد امین)

روزگار شمار کیا جاتا تھا۔ فی الحقیقت سلطان الحکم، اندلس کا پہلا بادشاہ ہے کہ جس نے اپنی دادودہش سے عربوں میں علومِ فلسفہ کی تحصیل کا شوق پیدا کیا۔ خود سلطان کے کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں، اور تمام مؤرخین عرب بالاتفاق لکھتے ہیں کہ ہر کتاب پراس کے خاص قلم کا حاشیہ تحریر تھا۔ الحکم نے کتب فلسفہ مع دیگر عجیب وغریب وبیش قیمت تصانیف بلادِ مشرق، یونان وروم سے خرید کر منگوائیں، اور انہیں اپنی مملکت میں شائع کروایا کرتا تھا۔ جہاں وہ بہت جلد درس گاہوں میں شریک نصاب کر لی جاتی تھیں۔ اس کے زمانہ سے پیشتر لوگ اس قسم کے علوم سے ناآشنا تھے، اور اگر آشنا تھے بھی تو اکثر اس قدر کم اور ناقص طور پر تھے کہ راہِ راست سے بھٹک جاتے تھے، جیسا کہ ابن حزم اشبیلی موردِ الزام ہوا۔

یہی ابن الامام لکھتا ہے کہ ابن باجہ اپنے زمانہ کا ایک ہی شخص تھا، جو فلسفہ یونان کی طرف نہایت شوق اور توجہ کے ساتھ متوجہ ہوا، اور جو اپنے تمام متقدمین حتی کہ ابن حزم پر بھی بلحاظ اپنے مسلمات کی تحقیق، وسعت نظر اور صحتِ رائے کے سبقت لے گیا، چنانچہ علوم مذکورہ میں تعلیم وتعلم کے راستے اس وحیدِ زماں سے آراستہ ہوئے۔

نیز ایک دوسرا عالم بھی جس کا نام مالک بن وُهَیب [1] ہے، اور جو متوطن اشبیلیہ اور ابن باجہ کا ہم عصر تھا۔ فلسفہ کی اشاعت اور ترقی میں اس کا شریک رہا۔ لیکن فلسفہ کے ساتھ جو شدید مخالفت علماءِ وقت کو تھی، اُس سے بادشاہ اور عوام الناس ایسے متاثر ہوئے کہ ابن وهیب [1] کو ابن باجہ کی وفات کے بعد اپنی جان کے اندیشہ سے ان علوم کے مطالعہ سے اجتناب کرنا پڑا۔ برخلاف اس کے چونکہ ابوبکر کو اس کے طبعی رجحان نے ابتدا ہی سے دشوار گزار راستوں پر لا ڈالا تھا۔ وہ بغیر خوف وخطر ان علوم کی تحصیل اور ترقی میں بدستور مستغرق، اور تلاش معلومات کے واسطے برابر سفر کرتا رہا۔

---

(۱) اصل میں ''وُهَیب'' کے بجائے ''وَهب'' ہے، طبقات الاطباء سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (۶۳:۲) (محمد امین)

چنانچہ علم النفس اور علوم طبیعیات کے تمام دقیق ترین مسائل پر اس کو ایسی دست رس ہوگئی تھی، کہ علمائے بیت النصاری متقدمین اور موٴخرین سب آج تک بکمال احسان تسلیم کرتے ہیں، کہ اس ہی کے عالمانہ اضافہ اور حواشی نے افلاطون اور ارسطو کو دوبارہ زندہ کیا۔ اسی طرح ابن باجہ نے علم ہیئت و نجوم اور علم ہندسہ کو بھی حاصل کیا، اور ایسی تصانیف اپنے بعد چھوڑ گیا، جو ان علوم میں اس کے کمال پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر ان علوم کے کسی شعبہ میں اس کو خاطر خواہ ترقی کا وقت نہیں ملا۔ مثلاً علم مابعد الطبیعیات کو لیجئے تو حقیقت یہ ہے کہ ابن باجہ نے گو اس میں کسی جدید نظریہ کو قائم نہیں کیا بجز اس کے کہ ایک رسالہ الوداع میں، یا اس کے ایک مضمون ''فی اتصال العقل بالانسان'' میں چند متفرق نکات، یا اس کی دو اور فلسفیانہ کتب میں چند مختلف اشارات پائے جاتے ہیں۔ بریں ہم یہ بھی نہایت زور دار ہیں، اور ان علم مابعد الطبیعیات میں اس کی غایت مہارت کو ثابت کرتے ہیں۔

بہرکیف ابن باجہ اپنے معاصرین کے مقابلہ میں بلحاظ تحصیل و ترقی فن مابعد الطبیعیات کے نہایت ہی کامیاب تھا۔ اس نے فن مذکور کے جملہ حجابات کو نہایت تحقیق کے ساتھ دُور کیا۔ ابن باجہ کی حیرت انگیز وسعت کمال کا اندازہ اس کی اُیک تصنیف سے جو اُس نے فطرت بشریہ کی تجدید کے موضوع پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہے بخوبی ہوتا ہے۔ فی الواقع ابونصر الفارابی کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں گذرا، جو ابن باجہ کی طرح علوم مذکورہ پر نہایت اعلیٰ طریقہ سے تحریراً و تقریراً دسترس رکھتا ہو، اس لئے کہ اگر ہم اس کے اور ابن سینا یا الغزالی کے مضامین کا مقابلہ کریں ——— کیونکہ ان دونوں نے بھی فارابی کے بعد مشرق میں علم مذکور کی تحصیل کو بہت کچھ ترقی دی ——— تو ہم کو ان میں ایک گونہ فرق ضرور نظر آئے گا۔ علی الخصوص جب کہ ہم ابن باجہ کی عبارت کی سلاست اور خوبی کو؛ اور اس کی ارسطو کے مکاتبات کی تہ تک پہنچ جانے والی قابلیت کو ملحوظ رکھیں۔ بہرصورت اس امر میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ ان تینوں فلسفیوں

، اپنی ذات میں اپنے اسلاف کے کل مخصوصات اور علم کو متحد کر لیا تھا، اور اپنی صفائی بیانات میں ممتاز ہونے کے علاوہ اپنی تصانیف کے اعتبار سے عہد قدیم کے مشہور ومعروف فلسفیوں پر سبقت لے گئے تھے۔

ابوالحسن علی ابن الامام غرناطہ کا رہنے والا تھا۔ بہت زبردست اہل قلم اور متعدد علوم میں ماہر تھا، اور ابن باجہ سے جس کا وہ شاگرد اور دوست تھا۔ غایت درجہ کا ارتباط رکھتا تھا۔ اس نے مشرق کی سیاحت کی اور قوس[1] میں فوت ہوا۔

ابن باجہ کے شاگردوں میں قاضی ابوالولید محمد بن رشد ارشد تلامذہ سے تھا۔ ابن باجہ جوانی کے عالم میں شہر فارس[2] میں فوت ہوا، اور وہیں دفن ہوا۔ قاضی ابومروان الاشبیلی کا بیان ہے کہ اس نے وہاں اس کا مقبرہ دیکھا تھا۔ اس کے قریب ہی فقیہ ابوبکر ابن العربی[3] کا مقبرہ تھا جس کی متعدد تصانیف مشہور ہیں۔

ابن باجہ کے ذی علم معاصرین اس کے فلسفیانہ خیالات پر کچھ ہی اعتراض کریں، لیکن یہ اپنے مذہبی عقائد میں نہایت پختہ اور مضبوط تھا، چنانچہ اس کا ہمیشہ یہ قول تھا کہ ''اعمال نیک کے پابند رہو، تاکہ خدائے تعالیٰ کا فضل وکرم تمہارے شامل حال رہے، اور اس کی نعمتیں تم پر نازل ہوتی رہیں''

اس کا انتقال تیئیس برس کی عمر سنہ ۵۳۰ ہجری میں ہوا[4]

---

(۱) اس مقام کا پتہ نہیں ملا۔ (مصنف) ــــ عیون الانباء میں ہے: وَتُوُفِّيَ بِالْقَوْصِ (۲:۶۳) اور قوص مصر میں ہے (محمد امین)

(۲) بظاہر فاس دارالسلطنت مراکش مراد ہے (مصنف) عیون الانباء میں ''فاس'' ہے: وتوفی ابن باجه بمدينة فاس و دفن بها (۲:۶۳) (محمد امین) (۳) اصل میں ''العربی'' کے بجائے ''الاعرابی'' ہے، عیون الانباء فی طبقات الاطباء سے تصحیح کی گئی ہے (۲:۶۳) (محمد امین) (۴) الاعلام میں سن ولادت مذکور نہیں، اور سن وفات سنہ ۵۳۳ ہجری لکھا ہوا ہے (۷:۱۳۷) (محمد امین)

ابن باجہ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① شرح کتاب السماع الطبیعی لارسطالیس۔

② "قول علی بعض کتاب الآثار[1] العلویۃ لارسطاطالیس "یعنی رسالہ علم الکواکب مؤلفہ ارسطاطالیس پر بحث۔

③ الکون و الفساد (رسالہ کون وفساد مولفہ ارسطو پر ایک نظر)

④ کتاب الحیوان (کتاب علم الحیوان مصنفہ ارسطو کے آخری ابواب پر ایک مضمون)

⑤ کلام علی بعض کتاب النبات لارسطا طالیس (کتاب علم النباتات مصنفہ ارسطو کے ایک حصہ پر مضمون)

⑥ قول ذکر فیہ التشوق الطبیعی وماھیتہ و إبتداء أن یعطی أسباب البرھانِ وحقیقتہ.

⑦ "رسالۃ الوداع"

⑧ کتاب" فی اتصال العقل بالانسان"

⑨ "قول علی القوۃ النزوعیۃ "قوتِ اندفاع (مزاحمت) پر ایک رسالہ جو متعدد کتابوں پر منقسم ہے۔

⑩ "تدبیر المتوحد" ایک رسالہ ترتیب قوائے انفرادیہ کے مبحث پر۔

⑪ کتاب" النفس، تعالیق علی کتاب ابی نصر فی الصناعۃ الذھنیۃ" یعنی علم روح، پر ایک کتاب جس کا منشاء یہ ہے کہ علم النفس مصنفہ ابونصر پر ایک غائر نظر ڈالی جائے۔

⑫ فصول قلیلۃ فی السیاسۃ المدنیۃ و کیفیۃ المدن وحال المتوحد ضوابط جمہوریہ اور ترتیبات بلدیہ اور انفرادی حیثیت کے مبحث پر ایک کتاب جس

(۱) اصل میں "الآثار" کے بجائے "الاثر" ہے، عیون الانباء سے تصحیح کی گئی ہے (حوالہ سابق) (محمد امین)

میں اُس نے چند نہایت عمدہ باتیں علم ہندسہ اور علم نحو پر لکھی ہیں۔

⑬ ایک ہدایت بصورت کتاب جو اس نے اپنے ایک دوست ابو جعفر یوسف بن احمد بن حسد [1] کو اس کی آمد مصر (قاہرہ) کے بعد لکھی ہے۔

⑭ فلسفیانہ لطائف و نکات جو بطور ان سوالات کے جوابات کے لکھے گئے جو ابن سعید [2] مہندس نے علم الہندسہ پر قائم کئے تھے، جو عموماً الگ الگ پائے جاتے ہیں۔

⑮ ایک بحث، گیلی نس (غلینوث [3]) کی اس کتاب کے ایک حصہ پر جس میں اس نے ادویات مفردہ کے خصوصیات کو بیان کیا ہے۔

⑯ کتاب التجربتین علی ادویة ابن وافد۔ابن وافد کی ادویات پر دو تجربے جس کی تالیف میں ابن باجہ کو ابوالحسن سفیان سے بھی مدد ملی ہے۔

⑰ ''اختصار الحاوی للرازی'' کتاب الحاوی [4] مؤلفہ الرازی کی تلخیص۔

⑱ ''کلام فی الغایة الانسانیة'' فطرت بشریہ کی تجدید پر ایک بحث۔

⑲ کلام فی امور التی بھا یمکن الوقوف علی العقل الفعال نفس فاعلہ، ایک بحث ان اشیاء کے متعلق جنہیں نفس فاعلیہ کی مزاحمت کی قوت ہوتی ہے۔

⑳ ''کلام فی الاسم والمسمیٰ'' ایک بحث اسم اور مسمیٰ کے موضوع پر۔

㉑ ''کلام فی البرھان'' بحث دلائل و براہین کے متعلق۔

㉒ ''کلام فی الاسطقسات'' کتاب عناصر کے متعلق۔

㉓ ''کلام فی الفحص عن النفس النزوعیة و کیف ھی ولم تنزع وبماذا تنزع'' ان قوائے مزاحمہ کی تفتیش جو فطرتاً ہمارے نفس میں ودیعت ہیں۔یعنی

(۱) اصل میں ''حسد'' کی جگہ ''خردی'' ہے، عیون الانباء سے تصحیح کی گئی ہے (۲:۶۴) (محمد امین)

(۲) عیون الانباء میں ''سعید'' کے بجائے ''سید'' ہے (حوالہ سابق) (محمد امین) (۳) عیون الانباء میں ''غلینوث'' کی جگہ ''جالینوس'' ہے (حوالہ سابق) (محمد امین) (۴) اصل میں ''الحاوی'' کی جگہ ''الثزائین'' ہے (محمد امین)

وہ کیا ہیں؟ان کا دائرہ عمل کیا ہے؟اور کیونکر ہے؟

(۴۴) ''کلام فی المزاج بما هو طبی'' امزجہ اور عادات کے متعلق ایک رسالہ۔

ابوبکر ابن زُہر

سنہ ۵۹۶ ہجری[1]

ابوبکر ابن زہر الحفید ایک مشہور و معروف اور ذی مرتبہ شیخ تھا۔اس کا پورا نام ابوبکر محمد بن ابی مروان بن ابی العلاء[2] ابن زہر تھا۔طبیب اور وزیر وقت تھا۔شہر اشبیلیہ میں پیدا ہوا،اور وہیں اس نے اپنے باپ کی زیر نگرانی تعلیم پائی۔اپنے باپ ہی سے طبابت اور دوسرے علوم کی تحصیل کی،جن کو اپنی تصانیف کے ذریعہ سے اس نے بہت کچھ ترقی دی۔رنگ گورا،میانہ قد،خوش وضع،قوی الجثہ اور طاقتور تھا۔زمانہ پیری میں بھی اس کے قوائے جسمانی میں انحطاط نمایاں نہ تھا۔البتہ وفات سے کچھ قبل سماعت میں کچھ ثقل آ گیا تھا۔

ابن زہر حافظ قرآن اور احادیث کا مستند عالم مانا جاتا تھا۔عربی ادب و فن شاعری پر اتنا عبور حاصل کیا تھا کہ اس کے معاصرین میں بہت کم ایسے تھے جو اس کا مقابلہ کر سکیں۔اس کی غیر معمولی تحریر اور تقریر کی روانی،تخیلات کی شاعرانہ نزاکت و رنگینی کا اندازہ اس کے بے مثل مجموعہ موشحات سے بآسانی ہو سکتا ہے۔فن طب میں تو اس کو خود اپنی معلومات اور تجربہ پر کمال ناز تھا۔علاوہ کمالات مذکورہ کے فرائض دینیہ کی بجا آوری کا نہایت سختی سے پابند تھا۔اپنے عقائد میں راسخ،عالم باعمل اور حسنات کا دلدادہ تھا۔

(۱) اصل میں ''سنہ ۵۹۶ھ'' کے بجائے ''سنہ ۵۰۰ھ'' ہے،لیکن آگے خود صاحب کتاب نے لکھا ہے: ابوبکر ابن زہر کی وفات سنہ ۵۹۶ھ مطابق سنہ ۱۲۰۰ء میں بمقام مراکش واقع ہوئی اس لئے اس کی تصحیح کی گئی ہے (محمد امین) (۲) اصل میں ''العلاء'' کے بجائے ''العلی'' ہے۔عیون الانباء سے تصحیح کی گئی ہے (۲:۶۷) (محمد امین)

قاضی ابو مروان محمد بن احمد بن عبدالملک الباجی متوطن اشبیلیہ ناقل ہے کہ خود ابوبکر بن زہر نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ''زمانہء جوانی میں سات سال تک تمہارے دادا عبدالملک الباجی کا ہمدرس رہا، اور ان ہی کے ساتھ کتاب [1] المدونہ [2] اور مسند مصنفہء ابن ابی شیبہ کا بھی درس لیا'' قاضی موصوف نے خود ابوبکر بن زہر کے متعلق اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ ایسا قوی الجثہ اور طاقت ور تھا، کہ ڈیڑھ سو اشبیلی پونڈ [3] کی وزنی کمان کو خم کر سکتا تھا۔ شطرنج خوب کھیلتا تھا، اُس نے دو مختلف شاہی خاندانوں کی ملازمت کی۔ اول تو اپنے باپ کی معیت میں سلاطین المرابطین کی ملازمت ان کی حکومت کے آخری ایام میں کی۔ بعد کو الموحدین کی ملازمت میں جن کو احفاد عبدالمومن سے بھی موسوم کرتے ہیں داخل ہوا۔ ابن زہر کے باپ نے عبدالمومن کی حیات ہی میں وفات پائی، اور خود اسی خدمت پر مامور ہوا۔ سلطان مذکور کے بعد اس کے بیٹے ابو یعقوب یوسف، پھر اس کے پوتے ابو یوسف یعقوب المنصور اور پھر المنصور کے بیٹے ابو [4] عبداللہ محمد الناصر کے پاس تادم مرگ رہا، شکل و شمائل کی خوبی کے ساتھ خداوند عالم نے اس کو عالم باعمل نیک سیرت، فیاض وفیض رساں و ہمدرد قوم خلق کیا تھا۔ ایسا خوش مزاج اور گفتگو ایسی دل آویز کہ اہل مجلس مثل پروانہ

---

(۱) اصل میں ''کتاب'' کی جگہ ''کتب'' ہے (محمد امین) (۲) یہ کتاب فقہ مالک بن انس کے مذہب پر ہے، اس زمانہ میں درس (قانون) میں شریک تھی، اس کا مصنف ابو عبداللہ عبدالرحمٰن ابن القاسم المالکی ہے۔ دیکھو وفیات الاعیان اور نفح الطیب۔ مترجمہء ''پاسکل دی گیانگوز'' ضمیمہ۔ اسی ضمیمہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ ابن زہر کی بہن فن طبابت اور بالخصوص دایہ گی میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ مترجم اس کا نام نہیں لکھتا، اور اس کا بھی افسوس ہے کہ گو ابن ابی اصیبعہ نے اپنے تذکرہ میں ابن زہر کی تصانیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن ان کی فہرست نہیں دی۔ (۳) فی پونڈ سولہ اَونس اور فی اَونس دس درہم کا ہوتا تھا۔ (۴) عبداللہ سے پہلے ''ابو'' کا اضافہ عیون الانباء سے کیا گیا ہے (۲:۶۸) امین

اِس کے گرویدہ ہوجاتے تھے۔ ابوبکر ابن زہر کی وفات سنہ ۵۹۶ھ مطابق سنہ ۱۲۰۰ء میں بمقام مراکش واقع ہوئی، جہاں وہ سلطان کے ہمراہ سفر کررہا تھا، اور بمقام مذکور مقبرۃ الشیوخ میں مدفون ہوا۔ بوقت انتقال اس کی عمر تقریباً[1] نوّد (۹۰) سال کی تھی۔

ابن زہر اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ساتھ ہمیشہ بسلوک ومدارا پیش آتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ابن زہر اپنے ایک عزیز دوست کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا، اثنائے کھیل میں اس نے اپنے دوست کو متفکر پایا۔ اور جب دریافت سے معلوم ہوا کہ اُس کو بیٹی کی شادی کے لئے تین سو دینار کی ضرورت ہے، ابن زہر نے فوراً یہ رقم اس دوست کے سامنے رکھ دی۔ یہ دوست جس کو الیناقی[2] کہتے تھے اس وقت رقم کے لینے پر مجبور ہوا، لیکن چند روز کے بعد یہ کہہ کر کہ میں نے اپنے باغ کو سات سو دینار پر فروخت کیا ہے، تین سو واپس دینے چاہے، ابن زہر بہت ناراض ہوا۔ اور ''کہا۔ رقم دیتے وقت مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس کو واپس لوں گا۔ اگر دنیا میں ایک دوست دوسرے دوست کے کام نہ آئے، تو ہماری زندگی بے سود ہے'' الیناقی[2] نے بہت کچھ اصرار کیا، لیکن ابن زہر نے کسی طرح رقم کو واپس نہیں لیا۔

ایک اور عالم ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد متوطن اشبیلیہ نے یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ ابن زہر کے دو شاگرد اس کے پاس آئے، اور منطق کی کتاب سامنے رکھ کر اس کے پڑھانے کی خواہش کی۔ سلطان المنصور منطق ودیگر علوم جدید کے درس وتدریس کی قطعی ممانعت کرچکا تھا۔ اپنے شاگردوں کے پاس یہ کتاب دیکھ کر بہت ناراض ہوا، اور اُن کو مارنے کے لئے بہت دور تک اُن کا تعاقب کیا۔ کچھ روز بعد جب اس کا غصہ فرو ہوا، تو ان دونوں شاگردوں نے اپنے اُستاد کے پاس آکر معافی چاہی۔ ابن زہر

(۱) مصنف قرطاس جس نے اس کی وفات ۲۱/ ذی الحجہ سنہ ۵۹۶ ہجری مطابق ۱۲/ اکتوبر سنہ ۱۲۰۰ عیسوی بتلائی ہے۔ لکھتا ہے کہ اُس کی عمر بوقت انتقال چورانوے (۹۴) برس کی تھی۔

(۲) اصل میں ''الیناقی'' کے بجائے ''النیاقی'' ہے، حوالہ سابق سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

نے اس شرط کے ساتھ ان کی خطا معاف کی کہ آئندہ سے وہ سوائے قرآن اور حدیث کے کسی علم جدید کا خیال بھی نہ کریں گے۔ لیکن جب یہ دونوں شاگرد قرآن اور حدیث کا درس ختم کر چکے، اور ابن زہر کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ علوم فلسفہ کا کوئی اثر ان کے عقائد پر نہ ہو گا تو اس نے بطور خود ان کو منطق پڑھانی شروع کی۔ یہ واقعہ بہترین نظیر ابن زہر کے راسخ الاعتقاد ہونے کی ہے۔

ابن رشد (۱)

سنہ ۵۱۴ ـــــ سنہ ۵۹۵ ہجری (۲)

صحرا نشینـــــانِ عرب کی عجیب و متحیر العقول قوت ذہنی دنیا کے ہر قوم و رنگ و مذہب کے اہل علم سے ہمیشہ خراج تحسین حاصل کرتی رہے گی ''ارض مقدس'' پر صلیبی حملے جو داعیان و واعظان دین مسیحی کی سحر بیانی کا نتیجہ تھے، اور جو اب تک جلوہ گاہِ عالم پر شجاعانہ کارناموں کی شکل میں پیش ہوتے رہے، اُن میں باوجود تعصب مذہبی ایک حد تک غیرت اور شجاعت کی ضرور جھلک پائی جاتی ہے، لیکن کمال افسوس ہے کہ ان بے بہا جواہر انسانی کی جھلک کو بھی جس کو اہلِ یورپ زمانۂ جاہلیت میں سپہ گری کی روح رواں تصور کرتے تھے، اس ہمارے زمانہ کی تہذیب جدید جس کی تقلید پر غرب و شرق کو اس درجہ فخر و ناز ہے نہایت تیزی کے ساتھ مٹا رہی ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء اور سنہ ۱۹۱۳ء کی جنگ بلقان اپنے وحشیانہ طریقہ میں نصاری اسپین کی اس مذہبی عدالت (انکوزیشن) کی ایک دوسری مثال تھی، جو بحکم پاپائے روم مخالفین دین عیسوی کی ظالمانہ سزا دہی کے

(۱) عیون الانباء ۲: ۶۵، الدیباج المذہب ص: ۲۸۴۔ مشہور فرانسیسی فیلسوف آرنسٹ رینان نے اس کے حالات اور فلسفیانہ خیاالات پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا نام (Averroes Et L Averroisms) ہے اور اس کا آٹھواں ایڈیشن سنہ ۱۹۲۳ء میں بمقام پیرس طبع ہوا ہے۔ (۲) الاعلام میں سن ولادت سنہ ۵۲۰ھ اور سن وفات سنہ ۵۹۵ ہجری مکتوب ہے (۵: ۳۱۸) (محمد امین)

واسطے قائم کی گئی تھی۔ اور جو تعصب مذہبی کی ایک ایسی مجسم پیکر تھی جس کی نظیر دنیا کے ابتدائی حیوانی دور میں بھی نہیں ملتی، جب اسلامی حکومت جس کا پرچم ایشیا، یورپ اور افریقہ تینوں براعظموں پر لہرا رہا تھا، اور جو عرب کے جلتے ہوئے ریگستان سے لے کر اندلس کے شاداب وزرخیز میدانوں تک اپنی حیرت انگیز تیز رفتاری کے ساتھ پھیل گئی تھی، اور جس کے حدود بحر اطلانٹک سے جا ملے تھے، اس میں عبرت انگیز عجلت سے زوال ہونے لگا، تو انواع واقسام کی بے رحمیاں تعصب کی آڑ میں اس شکل سے نمودار ہوئیں کہ صرف مسلمانوں ہی کو کلیۃً برباد نہیں کیا گیا، بلکہ اُن کے زبردست غیر فانی احسانات وفیوض وفوائد کو بھی جو بنی نوع انسان کو ان سے حاصل ہوئے تھے غارت کرنے میں تأمل نہ ہوا۔ ان وحشیانہ افعال سے اگرچہ عربوں کی سیاسی شان وشوکت غالباً ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی، مگر دنیا شکر کے ساتھ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جو علمی پودے انھوں نے لگائے تھے، وہ آج تناور درختوں کی صورت میں نمایاں ہیں۔

اگر عرب بھی اپنے معاصرین اہل یورپ کی طرح تعصب کو کام میں لاتے، اور اشاعت علوم کی راہ میں روکاٹیں پیدا کرتے، تو غالباً یونان وروم قدیم کے علوم وفنون وتہذیب کے بیش بہا علمی ذخیرے صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جاتے، مگر یہ محض دنیا کی بزرگ ترین ہستی یعنی پیغمبر اسلام کا معجزہ اوران کی بہترین تعلیم کی برکت تھی کہ عرب کے وحشی بادیہ نشینوں نے انسانی تہذیب وشائستگی کے ہر شعبہ میں زبردست حصہ لیا، اور یہ ثابت کر دیا کہ دنیا میں عرب ہی دنیوی وعلمی دونوں حکومتوں کے لئے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

المقّری نے اپنی مشہور ومستند تاریخ نفح الطیب میں ایک نہایت مکمل ومعتبر فہرست اُن علماء ومصنفین کی دی ہے، جنھوں نے قدیم فلاسفہ یونان کی قابل قدر تصانیف کو جو عرصۂ دراز سے طاقِ نسیان میں رکھی ہوئی تھیں محفوظ کر دیا، اور اُن کے ترجمے کر کے، اوراُن پر شروح وحواشی لکھ کر، ہمیشہ کے لئے اُن کے نام زندہ کر دیئے۔ اس قسم

کے علماء کے ضمن میں غالباً ابن رشد اپنے تمام معاصر مصنّفین سے زیادہ سر برآوردہ ہے۔

ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد جو عام طور سے قاضی ابوالولید ابن رشد کے نام[1] سے زیادہ مشہور ہے سنہ ۱۱۲۰ء میں بمقام قرطبہ پیدا ہوا تھا[2]۔ وہ عرب کے ایک خالص ترین معزز خاندان کا ایک فرد تھا، بچپن ہی میں اُس کی شکل وشمائل واطوار سے آثارِ علم وفضل ہویدا تھے۔ ایسا غیر معمولی ذہن رسا پایا تھا کہ اپنی خداداد ذہنی قوت اور حافظہ میں اپنی آپ نظیر تھا۔

ایک مشہور نقاد عرب مؤرخ کا مقولہ ہے کہ منجملہ دوسری نعمتوں کے جو اسلامی اسپین کو اللہ تعالیٰ نے بافراط عنایت کی ہیں ایک حافظہ بھی ہے۔ اُس کی تاریخیں ایسے شعراء و مصنّفین کے کارناموں سے بھری پڑی ہیں جن کے قوائے ذہنی اور دماغی فی الحقیقت حیرتناک تھے۔

ہم جب اس ممتاز قوم کے حالات پر نظرِ غائر ڈالتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خصائص اگر چہ عام طور پر تمام قوم عرب کو میراث میں ملے تھے، مگر اسپین کے عرب بالخصوص تحقیق وتلاش علم میں سب سے سبقت لے گئے۔ غرض کہ یہ ہونہار لڑکا (ابن رشد) اپنے بزرگوں کی ترغیب وہمت افزائی سے قرطبہ کے مشہور فقہ کے حلقوں اور درسگاہوں میں شریک ہوا۔ اُس زمانہ میں قرطبہ تمام براعظم یورپ میں علوم وفنون کا سب سے بڑا مرکز تھا، اور طلیطلہ وقرطبہ کی شہرۂ آفاق یونیورسٹیوں میں قدیم یونانیوں اور رومیوں کے علمی خزانے محفوظ تھے۔ ارسطو و فلاطون کی تصانیف نہایت شوق سے مطالعہ کی جاتی تھیں، اور اُن پر زبردست تنقیدی نظر ڈالی جاتی تھی۔ عربوں کے بے مثل تحمل وبلند حوصلگی کی یہ سب سے بڑی شہادت ہے کہ انھوں نے مشعلِ علم

---

(۱) یہ ابوالولید ابن رُشد الفیلسوف کے نام سے مشہور ہے، اور اس کا دادا قاضی ابوالولید ابن رُشد القاضی کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس کا دادا محمد بن احمد بن رُشد قرطبہ میں قاضی القضاۃ تھا اور یہ علوم فلسفہ میں ماہر تھا (محمد امین) (۲) الاعلام میں سن ولادت سنہ ۱۱۲۶ء اور سن وفات سنہ ۱۱۹۸ء لکھا ہوا ہے (۳۱۸:۵) (محمد امین)

روشن کی، اور اُسی سے تمام یورپ کو منور کر دیا۔ جس سے عیسائی طلبہ کو بھی ہمت ہوئی کہ وہ خطرات وتکالیف کا مقابلہ کریں، اور بحر و بر کی دور دراز مسافتیں قطع کر کے علم کے ان چشموں سے سیراب ہوں۔ ایک یورپین مصنف جس کو ازمنۂ متوسط کے تعصب وتنفر کی ہوا نہیں لگی ہے، تمام عالی ہمت حامیانِ علم کو نصیحت کرتا ہے کہ عربوں نے علم وتہذیب کا جو چراغ روشن کیا ہے اُسے کبھی بجھنے نہ دیں۔

وہ کہتا ہے کہ ''یہ عربوں کی فراست ومحنت وجانفشانی کا نتیجہ ہے کہ ہم موجودہ بے انتہا ضروری ومفید ایجادات میں سے بہت سی چیزیں ایجاد اور بہت سی باتوں کا انکشاف کر سکتے ہیں''

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ ابن رشد جس نے ایسی مردم خیز آب وہوا میں نشو ونما پائی تھی، اور جو ایسے فرحت بخش وصحت افزا مقام میں سکونت رکھتا تھا، وہ تلاش حق کے لئے اپنے قوائے دماغی کو وقف نہ کر دیتا۔ اس زمانہ کی طالب علمانہ زندگی ایک تلخ زندگی ہوتی تھی، اور بڑی ریاضت ومجاہدہ کا زمانہ ہوا کرتا تھا، جس میں بعض اوقات تلامذہ کو برضا ورغبت اپنے استادوں کی غلامانہ خدمت تک کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ اس زمانہ میں ابن رشد کے بے حد تحمل واستقلال اور غیر معمولی فہم وفراست کی وجہ سے اُس وقت کے مشہور ومعروف روشن خیال عالم ابن باجہ کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوئی۔ اُس نے فوراً اس کو اپنی تربیت ونگرانی میں لے لیا۔ اور درس دینے لگا۔ عربوں کے دستور کے موافق ابن رشد نے اپنی تعلیم علم دین وعلم کلام سے شروع کی، اور بہت جلد ترقی کر کے اس قدر لیاقت پیدا کر لی کہ اُس کے استاد عالم متبحر فقیہ حافظ ابن محمد بن رزاق [1] نے اپنے اس لائق وفائق شاگرد کی غیر معمولی قابلیت کی بناء پر اس کے واسطے حصول سند کی سفارش کی۔ چنانچہ ایک سخت امتحان کے بعد تمام علمائے اسپین نے متفق ہو کر سندِ فقہ اُس کو عطا کی۔ یہ سند پیشتر عموماً صرف معمر لوگوں کو ملا کرتی تھی جو قرآن

(۱) عیون الانباء میں ''حافظ ابن محمد بن رزاق'' کے بجائے ''حافظ ابومحمد بن رزق'' ہے (۷۵:۲) (محمد امین)

وحدیث ختم کر کے مدتوں میں دوسرے علوم کی تکمیل کرتے تھے، مگر ابن رشد نے کم سنی میں یہ فضیلت حاصل کر لی۔ لیکن وہ صرف اس سند دینیات پر قناعت کرنے والا نہ تھا، اور اُس کی پیاس اسی ایک جُرعۂ آب سے بجھنے والی نہ تھی۔ دنیا کے بڑے بڑے فلاسفہ وحکماء کے آثار وتصانیف نے اس کی آتش شوق کو بہت بھڑکا دیا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ جس چیز کو ہاتھ لگاتا اُسے تکمیل کو پہنچائے بغیر نہ چھوڑتا۔ ابومروان ابن زہر کی دوستی نے اُس کو علم ادویہ کی جانب مائل کیا، اور اس فن کو بھی اس نے استادانہ تحقیقات سے مالا مال کر دیا۔ اس کی کتاب الکلیات پر اس کے حسبِ استدعاء ابن زہر نے ضمیمہ تحریر کیا ہے، جس کا نام کتاب فی الامور الجزئیة[1] ہے۔ مطالعہ ادویہ کے ساتھ ساتھ وہ ابو[2] جعفر بن ہارون طرحوبی کی مدد سے علم حیوانات، علم خواص الاشیاء اور افلاطون وارسطو نیز دیگر حکمائے یونان کی فلسفیانہ تصنیفات پر بھی حاوی ہو گیا۔

چونکہ ابن رُشد کی طبیعت قدرتی طور پر بے خوف اور نڈر واقع ہوئی تھی، اس وجہ سے تعلیم فلسفہ نے اس کے دل کو رسمی و مذہبی توہمات سے آزاد کر دیا، وہ ذاتی خطرات سے بے پروا کمالِ آزادی کے ساتھ مسائل فقہ پر بے باکانہ مباحثہ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہا کرتا تھا۔

المنصور سلطان قرطبہ اور اُس کا لڑکا الناصر جو علم کی بڑی فراخ حوصلگی سے سرپرستی کیا کرتے تھے، اُس کے علم وفضل کی وجہ سے ہمیشہ اُس کے ساتھ بڑی تعظیم وتکریم سے پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اصرار کر کے اولاً اس کو اشبیلیہ کا اور پھر اپنے دارالسلطنت قرطبہ کا قاضی بھی مقرر کیا۔ لیکن عوام الناس کا بغض وحسد جو بظاہر اس کے ملحدانہ عقائد کی وجہ سے تھا، اس قدر بڑھا کہ آخرکار منصور چشم پوشی نہ کر سکا، اور عام لوگوں کے مطالبہ پر بعض تنگ خیال عالموں کی تحقیقات کے بعد ابن رشد کو شہر بدر کر کے مقام

(۱) اصل کتاب میں ''امور الجزیہ'' ہے، عیون الانباء فی طبقات الاطباء سے تصحیح کی گئی ہے (۲:۷۵) (محمد امین) (۲) اصل میں ''ابو'' کے بجائے ''ابن'' ہے حوالہ سابق سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

الاصلاح میں جو قرطبہ کے پاس ایک قصبہ ہے بھجوایا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد معاف کر کے پھر واپس بلا لیا۔ ابن رشد کی قابلیت کے ڈنکے جرمنی و فرانس میں زیادہ بج رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی عالمانہ تصنیفات جو ارسطو و افلاطون و نقولاوس و جالینوس کے قائم کردہ اصول پر لکھی گئی ہیں، اور اس کے فاضلانہ مباحث جو اُس نے مشرق و مغرب کے ہم عصر آزاد خیال عربوں کے ساتھ کئے ہیں، اُن کے ترجمے اہل فرانس و جرمنی نے کر کے بڑی قدر کے ساتھ بہ تعداد کثیر شائع کئے ہیں۔ اسپین کے عیسائیوں کی مجنونانہ غارت گری سے ابن رشد کی جو قابل یاد تصانیف بچ رہی ہیں، اُن میں سے حسب ذیل بہت مشہور ہیں:

(۱) کتاب التحصیل۔

(۲) کتاب المقدمات فی الفقه۔

(۳) کتاب نهایة[1] المجتهد فی الفقه۔

(۴) کتاب الکلیات۔

(۵) کتاب الحیوان۔

(۶) جوامع کتب ارسطالیس فی الطبیعیات والالٰهیات۔

(۷) کتاب الضروری فی المنطق ملحق به کتاب تلخیص الالٰهیات لنقولاوس۔

(۸) تلخیص کتاب ما بعد الطبیعة لارسطاطالیس۔

(۹) تلخیص کتاب الاخلاق لارسطا طالیس۔

(۱۰) تلخیص کتاب البرهان لارسطاطالیس۔

(۱۱) تلخیص کتاب السماع الطبیعی لارسطا طالیس۔

(۱۲) شرح کتاب السّماء[2] والعالم لارسطا طالیس۔

(۱) اصل میں ''نهایة'' کے بجائے ''بدایة'' ہے، عیون الانباء سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (۲:۷۷) اور الاعلام میں ''بدایة المجتهد ونهایة المقتصد ہے (۵:۳۱۸) امین۔ (۲) اصل میں ''السماء'' کی جگہ ''السماع'' ہے، عیون الانباء سے تصحیح کی گئی ہے (حوالہ سابق) (محمد امین)

⑬ شرح كتاب النفس لارسطا طاليس۔

⑭ تلخيص كتاب الاسطقسات لجالينوس۔

⑮ تلخيص كتاب المزاج لجالينوس۔

⑯ تلخيص كتاب القوى الطبيعة لجالينوس۔

⑰ تلخيص كتاب العلل والاعراض [1] لجالينوس۔

⑱ تلخيص كتاب التعرف [2] لجالينوس۔

⑲ تلخيص كتاب الحميات لجالينوس۔

⑳ تلخيص اول كتاب الادوية المفرده لجالينوس۔

㉑ تلخيص النصف الثانى من كتاب حيلة البرء لجالينوس۔

㉒ كتاب تهافت التهافت. رد فيه على كتاب التهافت للغزالى۔

㉓ كتاب منهاج الأدلة فى علم الاصول۔

㉔ فصل المقال فيما بين الحكمة والشريعة من الاتصال۔

㉕ المسائل المهمة على كتاب البرهان لارسطاطاليس۔

㉖ شرح كتاب القياس لارسطاطاليس۔

㉗ مقالة فى العقل۔

㉘ مقالة فى القياس۔

㉙ كتاب فى الفحص هل يمكن العقل الذى فينا وهو المسمى بالهيولانى [3] فى أن يعقل الصور المفارقة بآخره اولا يمكن ذلك وهو المطلوب الذى كان ارسطا طاليس وعدنا بالفحص عنه فى كتاب النفس.

---

(۱) اصل میں ''والاعراض'' کے بجائے ''والامراض'' ہے، حوالہ سابق سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

(۲) اصل میں ''التعرف'' کے بجائے ''تعرق'' ہے، (محمد امین) (۳) اصل میں ''بالهيولانى'' کے بجائے ''بالهيولى'' ہے، (محمد امین)

۳۰ مقالة فی أن ما یعتقده المشاؤون وما یعتقده المتکلمون من أهل ملّتنا فی کیفیة وجود العالم متقارب فی المعنی[۱]

۳۱ مقالة فی التعریف بجهة نظر ابی نصر فی کتبه[۲] الموضوعة فی صناعة المنطق التی بأیدی الناس وبجهة نظر ارسطا طالیس فیها ومقدار مافی الکتاب من اجزاء الصناعة(المنطق) الموجودة فی کتب[۲] ارسطاطالیس ومقدار مازاد لاختلاف النظر یعنی بهما.

۳۲ مقالة فیَ اتصال العقل المفارق بالانسان۔

۳۳ مقالة ایضاً له فی اتصال العقل بالانسان۔

۳۴ مراجعات ومباحث بین ابو[۳]بکر بن طفیل وبین ابن رُشد فی رسمه للدواء فی کتابه الموسوم بالکلیات۔

۳۵ کتاب فی الفحص عن مسائل وقعت فی العلم الالٰهی فی کتاب الشفاء لابن سینا۔

۳۶ مسئلة فی الزمَان۔

۳۷ مقالة فی فسخ شبهة من اعترض علی الحکیم[۴] وبرهانه فی وجود المادّة الاولی وتبیین ان برهان ارسطو طالیس هو الحق المبین۔

۳۸ مقالة فی الرد علی أبی[۵]علی ابن سینا فی تقسیمه الموجودات الی ممکن علی الاطلاق وممکن بذاته واجب بغیره والی واجب بذاته۔

۳۹ مقالة فی المزاج ومسئلة فی نوائب الحمی۔

---

(۱)اصل میں ''المعنی'' کی جگہ ''المعانی'' ہے(محمد امین)(۲)اصل میں دونوں جگہ ''کتب'' کے بجائے ''کتاب'' ہے(محمد امین)(۳)اصل میں ''ابو'' کے بجائے ''ابن'' ہے(محمد امین)(۴)اصل میں ''الحکیم وَ'' کے بجائے ''الحکم فی'' ہے(محمد امین)(۵)اصل میں ''ابی'' کی جگہ ''ابن'' ہے(محمد امین)

(۴۰) مقالة فی حمیات العفن[1] و مسائل فی الحکمت۔

(۴۱) مقالة فی حرکة[2] الفلك۔

(۴۲) کتاب فی ماخالف ابو نصر لارسطا طالیس فی کتاب البرهان من ترتیبه[3] وقوانین البراهین والحدود۔

(۴۳) مقالة فی التریاق۔

ابن رشد کی تصنیفات الٰہیات۔ ادویہ۔ اخلاق وعلم الاشیاء کے ترجموں کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آزاد خیال شخص تھا، اور اُس کی عقل سلیم ورائے روشن نے اس کو ہر قسم کے مذہبی توہمات سے آزاد کر دیا تھا۔ لیکن وہ مذہبی علماء جن کے ذاتی اغراض ومنافع پر اس قسم کے خیالات سے اثر پڑتا تھا، اور جو عامۃ الناس کو مذہبی قیود میں جکڑ کر اپنے قابو میں رکھنا چاہتے تھے۔ وہ ابن رشد کے دلائل قاطع وبراہین واضح کو کفر والحاد سے تعبیر کرتے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ ابن رشد علم میں رکاوٹ پیدا کرنے والے مسائل کو سخت نفرت سے دیکھتا تھا، مثلاً علم تشریح بدن اس زمانہ میں مذہباً ممنوع خیال کیا جاتا تھا، صرف اسی وجہ سے نہیں کہ اس سے توہین میت ہوتی ہے۔ بلکہ اس اعتقاد کے لحاظ سے بھی کہ اگر جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تو قیامت کے دن وہ مجتمع نہ ہو سکے گا۔ اس خیال کو ابن رشد احمقانہ سمجھتا تھا، اور کہتا تھا کہ اگر کسی مذہب کے بے وقوف وخود غرض متبعین نے مسائل سمجھنے میں غلطی کی ہے، یا ان کو غلط طور پر بیان کر دیا ہے، تو یہ اُس مذہب کا قصور نہیں ہے۔ وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ ''جو شخص علم تشریح ابدان پڑھتا ہے اُس کی خدا شناسی ومعرفت میں اس علم کے ذریعہ سے بہت اضافہ

(۱) اصل میں ''العفن'' کے بجائے ''العفنة'' ہے (محمد امین)

(۲) اصل میں ''حرکة'' کی جگہ ''حرکات'' ہے (محمد امین)

(۳) اصل میں ''من ترتیب'' ہے، یہ تمام تصحیحات عیون الانباء فی طبقات الاطباء سے کی گئی ہیں (۲:۷۸) (محمد امین)

ہو جاتا ہے''

اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ہر شخص کو اُس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے، بعد وفات کچھ نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ ایسے شخص کو حقارت سے دیکھتا تھا کہ جو عالم اُخروی کے عذاب کے خوف یا ثواب کی امید میں پارسایانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ علانیہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ '' تاوقیتکہ قطعی طور پر مجھ کو قائل نہ کر دیا جائے، کوئی امید ثواب یا خوفِ عذاب اِس وقت یا بعد وفات مجھ کو میری رائے تبدیل کرنے پر مائل نہیں کر سکتا''۔ وہ روح کے غیر فانی ہونے کا بھی قائل نہ تھا۔ اس قسم کے خیالات نے اُس کے متعلق سخت بدگمانی پیدا کر دی تھی۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ عقائد اس کے ملحدانہ خیالات کی کافی دلیل ہیں۔

اگرچہ بقائے روح سے انکار کرنا اس بدگمانی کی واجبیت کا کافی ثبوت ہے، بازہم اس میں بھی شک نہیں کہ ابن رشد خدا کے وجود اور تعلیم اسلام کے متعلق عقیدہ راسخ رکھتا تھا، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدق دل سے پیرو تھا۔

ابن رشد کی بڑی شہرت اُن شروح کی وجہ سے ہوئی ہے جو اُس نے فلاطون کی کتاب '' سلطنت جمہوری'' اور ارسطو و دیگر قدیم فلاسفہ یونان کی تصنیفات پر لکھی ہیں۔

اس نے ارسطو کے فلسفیانہ خیالات کو فلاطون کے جدید اصول سے ملا دینے اور منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے جدید معقول اصولوں کو یورپ کے تمام مشہور علماء نے تسلیم کیا۔ لیکن جب انسانی معلومات وسیع ہوئیں، تو ان علماء بیت النصاری میں جھگڑے ہونے شروع ہوئے، اور ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا، جو ابن رشدی کہلانے لگا۔

اس عربی فلاسفر کا روز افزوں اثر دیکھ کر تقدس مآب پاپاؤں کی بارگاہ میں ہل چل مچی، اور اس تعلیم کو مذہب مسیحی کی عمارت کو متزلزل کر دینے والی خیال کر کے آخر کار

پوپ لیودہم نے سنہ۱۵۱۲ء میں ایک قانون نافذ کیا، جس کی رو سے ابن رشد کی تصانیف کا پڑھنا جرم قرار دیا گیا۔ لیکن ابن رشد یہودیوں اور عیسائیوں دونوں فرقوں میں اس قدر مقبول ہو چکا تھا کہ باوجود سخت تدابیر کے بھی پوپ اس کی تصانیف اسپین کے کارڈنل زمنیز کی طرح برباد نہ کر سکے جس کا بے رحمانہ جوش مذہبی دنیا کو اس قسم کے بیش بہا خزانوں سے محروم کرنے میں زیادہ کامیاب رہا تھا۔

ایک فرانسیسی مؤرخ نے اس ناقابل تلافی نقصان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''کسی زمانہ میں اس خطرناک نقصان کی تلافی کی کوشش نہیں کی گئی جو کارڈنل زمنیز کے وحشیانہ حکم سے بالعموم علم وفن کو، اور بالخصوص تاریخ وجزیرہ نمائے اسپین کے آثارِ قدیمہ کو پہنچایا گیا۔ علی الاعلان غرناطہ کی گلی کوچوں میں عربی کی اسّی (۸۰) ہزار کتابیں محض اس حیلہ سے جلا کر راکھ کر دی گئیں کہ اُن میں ایسے اصول درج تھے جو مفتوحہ قوم میں تعلیم انجیل رائج کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ اس اتلاف عظیم کے بعد بھی جو کتابیں اسپین کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے قبضہ میں پائی گئیں وہ نہایت شوق سے تلاش کر کر کے آگ کی نذر کی گئیں۔ عربی زبان ملعونہ قرار دی گئی، جو اس قابل نہ تھی کہ معصوم عیسائی اُسے پڑھیں'' روبلس جس نے ماسڈن۔ کارڈون۔ بورلیان اور کونڈے کی معیت میں بہت وقت صرف کر کے بڑی محنت سے منتظر دنیا کے سامنے اُس زمانہ کے غیر طرف دارانہ حالات پیش کئے ہیں لکھتا ہے کہ'' کارڈنل زمنیز صرف اسّی (۸۰) ہزار کتابوں ہی کے جلانے کا ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ ایک لاکھ پانچ ہزار عربی کتابوں کا خون اس کی گردن پر ہے''

ابن رشد نے جس کو ابن سعید علم فلسفہ کا بادشاہ کہتا ہے، سنہ۱۱۹۸ھ میں بمقام مراکش تقریباً اسّی (۸۰) برس کی عمر میں وفات پائی۔

حافظ ابن دِحْیہ[1]

سنہ ۵۴۴ ـــ سنہ ۶۳۳ ہجری

حافظ ابوالخطاب عمر بن الحسن بن دحیہ قبیلۂ کلب سے اور اندلس کے شہر بَلَنْسِیہ کا باشندہ تھا، یہ تاریخ میں ذو النَسَبَیْن[2] کے لقب سے مشہور ہے۔ ابن دحیہ کو اس لقب پر بہت ناز تھا، اور اس کی وجہ جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے یہ تھی کہ باپ کی طرف سے اس کا سلسلۂ نسب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابن دِحْیہ رضی اللہ عنہ[3] سے ملتا ہے، اور اس کی والدہ امۃ الرحمان حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھیں، ابن خلکان کا بیان ہے کہ صرف ونحو اور علم الفقہ کے ساتھ اس نے علم حدیث کو بھی کمال تحقیق کے ساتھ حاصل کیا تھا۔ چنانچہ اس کی عمر کا بڑا حصہ علم حدیث ہی کے مطالعہ اور تحقیق میں بسر ہوا۔ جب اپنے ملک کے علماء اور اساتذہ سے اس علم کو پڑھ چکا، تو پھر مراکش اور افریقہ اور مصر اور شام، عراقِ عرب اور عراقِ عجم۔ خراسان اور مازندران جیسے دور دراز مقامات میں پہنچ کر وہاں کے علماء سے اپنے معلومات کی تصدیق اور تکمیل کی، اور بغداد میں محدث وقت ابوفتح محمد بن احمد المیدانی اور نیشاپور میں ایک دوسرے نامی محدث منصور بن عبد المنعم الفراوی سے استفادہ حاصل کرتا رہا، ابن دحیہ سنہ ۶۰۴ ہجری مطابق سنہ ۱۲۰۷ عیسوی میں اربل[4] ایسے وقت میں وارد ہوا جبکہ

(۱) وفیات الاعیان ۱: ۴۸۱۔ (۲) اصل میں ''ذو النَسَبین'' کے بجائے ''ذو البنین'' ہے، وفیات الاعیان سے تصحیح کی گئی ہے (۱: ۵۱۳) (محمد امین) (۳) دحیہ بن خلیفہ الکلبی وہ صحابی ہیں جن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل بادشاہ قسطنطنیہ کے پاس بطور سفیر روانہ فرمایا تھا۔ (۴) اِرْبِل: وهي مدينة كبيرة بالقرب من الموصل من جهة الشرقية (وفیات الاعیان ۱: ۸۵) یعنی اِربل موصل سے قریب شرقی جانب میں بہت بڑا شہر ہے ـــــ اور اربل وموصل دونوں عراق میں واقع ہیں، صاحب کتاب نے اربل کے بعد بین القوسین ←

وہاں کا حکمراں الملک المعظم مظفر الدین ابن زین الدین میلاد مبارک کا جلسہ نہایت تزک واحتشام کے ساتھ کرنے والا تھا۔ خاص اس مبارک موقع کے واسطے اس نے کتاب التنویر فی مولود السراج المنیر لکھی تھی۔ اور خود ہی اس جلسہ میں حاکم موصوف کے سامنے اس کو پڑھا۔ جس کے صلہ میں اس کو ایک ہزار دینار سرخ ملے تھے۔ ابن خلکان تحریر کرتا ہے کہ اُس نے متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ باوجود تلاش کسی کتاب کا نام ہم کو نہیں ملا۔

ابن دحیہ سنہ ۵۴۴ ہجری مطابق سنہ ۱۱۵۰ عیسوی میں پیدا ہوا، اور سنہ ۶۳۳ ہجری مطابق سنہ ۱۲۳۵ عیسوی میں وفات پائی[1]۔

ابو علی الشَلَوْبِینی

سنہ ۵۶۲ ــــ سنہ ۶۴۵ ہجری

ابو علی عمر بن محمد بن عبداللہ الملقب بہ الشلوبینی[2] بنی ازد سے تھا، اور اندلس کے شہر اشبیلیہ کا باشندہ تھا۔ علم صرف ونحو پر اس نے ایسا عبور حاصل کیا تھا کہ شاید اس کے معاصرین میں اس معلومات کے کم لوگ ملیں گے۔ اس کے شاگردوں میں بھی اکثر ایسے ہیں جو اس علم میں کامل اور مستند مانے جاتے ہیں۔ ان ہی میں سے بعض کا یہ دعویٰ تھا کہ صرف ونحو میں الشلوبینی کسی طرح شیخ ابو علی الفارسی سے کم نہ تھا، اور ان کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ مطالعہ کتب میں اس درجہ مستغرق رہتا تھا کہ نہ تو اس کو اپنی

→ (خراسان) کا اضافہ کیا ہے، یہ غلط ہے، اس لئے اس کو حذف کیا گیا ہے (محمد امین)

(۱) الاعلام میں سن وفات ۶۳۳ ہجری مطابق ۱۲۳۶ عیسوی مذکور ہے (۵:۴۴) (محمد امین)

(۲) شلوبین زبان اسپین کا لفظ ہے اور اس کے معنی سُرخ وسفید کے ہیں، یہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ ابو الفداء نے اپنے جغرافیہ میں اس بیان کی تردید کی ہے، اور یہ لکھا ہے کہ شَلَوْبینہ جس کو اسپین کی زبان میں سلوبرتا کہتے ہیں ایک قلعہ غرناطہ کے پاس ہے۔

صورت شکل، نہ اپنے لباس کی پرواتھی، بلکہ اس کا یہ استغراق نسیان کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اکثر اثنائے گفتگو میں ایسا بھٹک جاتا تھا کہ گویا یہ اس عالم میں موجود نہیں ہے۔

الشلوبینی کی دو تصنیفیں دستیاب ہوئی ہیں۔ایک رسالہ جو اس نے المقدمة الجزولية[1] کے صرف ونحو پر بطور حاشیہ لکھا ہے، اور دوسری مستقل تصنیف صرف ونحو میں التوطنة نامی موجود ہے۔ ابن خلکان تحریر کرتا ہے کہ علمائے اندلس میں اس کے بعد پھر کوئی علم صرف ونحو کا جاننے والا پیدا نہیں ہوا۔

یہ اشبیلیہ میں سنہ ۵۶۲ ہجری مطابق سنہ ۱۱۶۶عیسوی میں پیدا ہوا، اور سنہ ۶۴۵ ہجری مطابق سنہ ۱۲۴۷عیسوی میں اس نے وفات پائی۔

ابن خَلْدون[2]

سنہ ۷۳۲ ـــ سنہ ۸۰۹ ہجری[3]

اس نامی مؤرخ کا پورا نام ابوزید محمد ابن خلدون تھا[4]۔ علم وفضل میں یگانہ روزگار، اورفنِ تاریخ میں ذی مرتبہ اور مستند محقق مانا جاتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ دنیائے اسلام کا بہترین مؤرخ ہے، یہ قبیلۂ بنی خلدون سے تھا، جو عرصۂ دراز تک اندلس میں بمقام اشبیلیہ متوطن رہا۔ لیکن تیرھویں صدی کے وسط میں اُس کے افراد افریقہ منتقل

(۱) اصل میں ''المقدمة الجزولية'' کے بجائے ''جزو'' ہے، وفیات الاعیان سے اس کی تصحیح کی گئی ہے (۱:۵۴۴) اور الاعلام میں ہے: مِنْ كُتُبِه "القوانين" في علم العربية، ومختصره "التوطئة" و"شرح المقدمة الجزولية" في النحو كبير وصغير. (۵:۶۲) (محمد امین)۔

(۲) شذرات الذهب ۴:۸۳۔ الخطط الجديدة ۱۴:۵ (۳) الاعلام میں سن ولادت ۷۳۲ ہجری مطابق ۱۳۳۲عیسوی اور سن وفات ۸۰۸ ہجری مطابق ۱۴۰۶عیسوی لکھا ہوا ہے (۳:۳۳۰) (محمد امین) (۴) اس کا پورا نام: ابوزید ولی الدین عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد ابن خلدون ہے، (الاعلام ۳:۳۳۰) (محمد امین)

ہو گئے۔ وہ سنہ ۱۳۳۲ء میں بمقام تونس پیدا ہوا، اور تقریباً تمام عمر وہ افریقہ ہی میں رہا۔ اُس کے افریقہ میں بود و باش اختیار کرنے کی کچھ یہ وجہ نہ تھی کہ اُس نے خود وہیں قیام کرنا پسند کیا، بلکہ کچھ اتفاقات ہی ایسے پیش آئے کہ اُسے وہیں سکونت اختیار کرنی پڑی۔ سنہ ۱۳۶۲ء میں وہ سلطان غرناطہ کی ملازمت میں داخل ہوا، اور غالباً وہ اپنی تمام عمر وہیں گذار دیتا اگر اس کا قدیم دوست وزیر ابن الخطیب اُس کا حاسد نہ ہو گیا ہوتا، جس کی وجہ سے اُسے اندلس کو خیرباد کہنا پڑا۔

بعد ازاں سنہ ۱۴۰۶ء میں وہ قاہرہ کا قاضی مقرر ہوا۔ اس کا یہ زمانہ واقعات اور حوادث سے لبریز ہے، ابن خلدون کی ساری زندگی زیادہ تر مدبرین اور سلاطین کی صحبت میں گزری۔ جہاں جاتا اُس کے علم و فضل کے سبب سے اُس کی قدر ہوتی، چنانچہ مراکش، اندلس، تونس اور مصر میں اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر مامور رہا، اور اپنے ملک کی بہترین خدمت انجام دی۔ اُس کے وطن کا بچہ بچہ اُس کے نام سے واقف تھا، اور جن لوگوں کو اس سے واسطہ پڑا ہے وہ اس کی شخصی اور سیاسی زندگی کی بے حد تعریف کرتے ہیں، کتاب العِبر اس کی بہترین تصنیف ہے۔ ایک فرانسیسی بیرن دی سیلان نے اسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے جو بربروں کی تاریخ کے نام سے مشہور ہے۔ اس طور پر مغربی ممالک کے لوگوں کو بھی ابن خلدون کے اعلیٰ خیالات سے واقف ہونے کا موقع ملا ہے۔ یہ کتاب العِبَر جس کا پورا نام ''کتاب العِبَر و دیوان المبتدأ و الخبر فی ایام العرب والبربر'' ہے، اہلِ عرب و بربر کے حالات میں ایک نہایت ضخیم تاریخ ہے۔ اس کی بہت سی جلدیں ہیں۔ جلد اول میں صرف مقدمہ ہے، جس میں مصنف نے اصولِ تاریخ پر بحث کی ہے، اس مقدمہ میں ابن خلدون ان نتائج کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتا ہے جو اُس نے اپنی پُر حوادث زندگی کے تجربات سے اخذ کئے ہیں۔ تاریخ نویسی میں ابن خلدون ایک نئے اصول کا موجد ہے۔ عرب و عجم میں اس سے پہلے اس انداز پر کسی نے تاریخ نہیں لکھی۔ مقدمہ کے ابتداء ہی میں وہ مورخ کے فرائض کے متعلق اپنے

خیالات کا اس طرح سے اظہار کرتا ہے۔

''جاننا چاہئے کہ تاریخ کی حقیقی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ وہ پڑھنے والے کو اجتماع انسانی یعنی عالم کے تمدن اور اس کے مظاہر فطری مثلاً زمانۂ جہالت، آغازِ تہذیب خاندان وقبیلہ، مختلف قسم کے فضائل وتفوقات جو ایک قوم کو دوسرے پر حاصل ہوتے ہیں، خاندان اور سلطنتیں جو اس طرح عروج پاتی ہیں، مختلف تجارتیں اور پیشے جن سے لوگ اپنی روزی کماتے ہیں، علوم وفنون مختصر یہ کہ، ان تمام احوال واسباب سے واقف وشناسا کرے جو تمدن کے ارتقاء میں قدرتی طور پر واقع ہوتے ہیں''

ابن خلدون کہتا ہے کہ اگر تاریخ کو اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ قوانین کلی کے تابع نظر آئے گی، اور یہی قوانین اُس کے نزدیک تاریخی واقعات کی کسوٹی ہیں۔ وہ تاریخی تنقید کے مندرجہ ذیل اصول قرار دیتا ہے:

تاریخ میں صحیح وغلط میں تمیز کرنے کا یہ اصول ہے کہ واقعات کو اس کے امکان اور عدم امکان کے معیار پر جانچا جائے۔ یعنی ہم کو انسانی تمدن کا بغور مطالعہ کر کے اُس کی اصلی وعارضی خصوصیات میں امتیاز کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی ان امور پر بھی نظر ڈالنی چاہئے، جو تمدن انسانی کے لئے ناممکن الوقوع ہوتے ہیں، ایسا کرنے سے ہمیں واقعاتِ تاریخ میں غلط اور صحیح کے امتیاز کے لئے ایک ایسا اصولی قاعدہ ہاتھ آجاتا ہے، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جس پر ہر مؤرخ اپنے بیان کی تصدیق کر سکتا ہے۔

ابن خلدون کا تاریخی ارتقاء کا نظریہ بھی جس کو وہ اپنے مقدمہ میں بیان کرتا ہے قابل ذکر ہے۔ یہ واقعات اور حالات کے مطالعہ پر مبنی ہے جو گذر چکے ہیں، یا فی الواقع اُس کی آنکھوں کے سامنے گذر رہے تھے۔ وہ کل بنی نوع انسان کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

(۱) خانہ بدوش وحشی۔ (۲) متمدن شہری۔

خانہ بدوش کی زندگی قدرتاً شہری زندگی سے پہلے اور اس کا باعث ہوتی ہے۔ سادگی، خلوص، جنگ جوئی اور قبیلہ کے اغراض و مفاد کے ساتھ وفاداری اس کی خصوصیات ہیں، جب خانہ بدوش مہذب و متمدن ہونے لگتے ہیں، تو وہ کسی ایک مقام کو اپنا مسکن بنا کر وہاں رہنے لگتے ہیں، حکومت قائم کرتے ہیں، اور ملک کو فتح کرتے ہیں۔ اُس وقت اُن کی ترقی کی معراج ہوتی ہے۔ لیکن عیش و نشاط میں پڑ کر جلد اُن کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں، اور اُن سے وہ خوبیاں جاتی رہتی ہیں جن کی بدولت وہ اس عروج کو پہنچے تھے، بالآخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسری جاہل و غیر متمدن قوم ان کی جگہ لے لیتی ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک یہ ایک ایسا تاریخی دور ہے جو ہمیشہ جاری رہتا ہے، لیکن اس نظریہ کی تہ میں جو فلسفیانہ نکات پنہاں ہیں ان کا بیان بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

اقوام و قبائل دونوں کی زندگی میں ابن خلدون کو دو قوی قوتیں کام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، جو ان کی تقدیر کا فیصلہ کرتی ہیں۔ ان میں پہلی کو وہ عصبیت کہتا ہے۔ یہ عنصر سوسائٹی کے مجتمع و مربوط رہنے کا باعث ہوتا ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا احساس ہے جو افراد کو ایک ہی خاندان، ایک ہی قبیلہ، ایک ہی قوم اور ایک ہی سلطنت سے وابستہ رکھتا ہے۔ زمانۂ حال کی اصطلاح میں ہم اس احساس کو حب الوطنی کہہ سکتے ہیں، یہ خانہ بدوش اقوام میں خاص طور پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں ذاتی حفاظت کا خیال قرابت اور عزیز داری کے احساس کو نہایت شدت کے ساتھ برانگیختہ کر کے لوگوں کو ایک دوسرے سے متحد کر دیتا ہے۔ یہی عصبیت سلطنت کی جان ہے۔ اسی سے یہ قائم اور ترقی کر سکتی ہے۔ اور جوں جوں یہ عصبیت کمزور ہوتی جاتی ہے سلطنت میں زوال آتا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس کا انحطاط سلطنت کے انحطاط کا پیش خیمہ ہوتا ہے ـــــ دوسری قوت مذہب ہے یہ بھی اتحاد و ارتباط کا ذریعہ ہے جس کے بغیر سلطنت کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔

اس کے نزدیک تاریخ ترقی و تنزل کا ایک نامتناہی دور ہے، جس کو انسانی زندگی کے مظہر سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ سلطنتیں قائم ہوتیں، عروج کو پہنچتیں، اور ایک معینہ مدت

کے اندر جو مشکل سے تین پشتوں سے یعنی ایک سو بیس سال سے زائد ہوتی ہو گی فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ابن خلدون خانہ بدوشوں کی اخلاقی فضیلت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اُس کے نزدیک بداخلاقی و انحطاط تمدن کا لازمی نتیجہ ہے۔

المَقَّرِی التِلِمْسَانی (۱)

سنہ ۱۰۴۱ ہجری

احمد بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن ابوالعیش بن محمد ابوالعباس بن محمد بن احمد بن ابوبکر بن یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن علی۔ یہ پورا نام اس نامی مؤرخ اور متبحر عالم کا ہے جس نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ اندلس میں عربوں کی ہشت صد (۸۰۰) سالہ حکمرانی کے حالات اپنی مشہور تصنیف نفح الطیب میں تحریر کئے ہیں۔ اس کے آباؤ اجداد قبیلۂ قریش کے عمائد سے تھے، جنھوں نے فتح شام اور مصر کے بعد افریقہ کے شمالی حصہ میں شہر تِلِمْسَان کے قریب قصبہ مَقَّرۃ میں بود و باش اختیار کی تھی۔ چونکہ یہ خود تلمسان میں پیدا ہوا، اس نے اپنے آبائی لقب کے ساتھ التلمسانی بھی شریک کرلیا تھا۔ چنانچہ بلاد شرق و غرب میں یہ اس وقت تک المَقَّری التلمسانی کے نام سے مشہور ہے۔ بلاد شرقیہ کے بعض حصوں میں المقری کو الحافظ اور شہاب الدین کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ یہ مذہبی عقائد میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا پیرو تھا۔ لیکن بعض امور میں فرقۂ اشعریہ (۲) کا بھی مقلد کہا جاتا ہے۔ المقری نے قرآن

(۱) خلاصة الاثر محمد المحبی ۱:۳۰۲ تا ۳۱۱، تعریف الخلف برجال السلف. ص: ۳۹، تصنیف ابوالقاسم محمد الحفنادی طبع الجزائر سنہ ۱۳۲۵ھ۔ الیواقیت الثمینة فی اعیان مذهب عالم المدینة ۱:۲۹، تصنیف محمد البشیر ظافر الازہری، طبع سنہ ۱۳۲۵ھ۔

(۱) ابوالحسن الاشعری، امام اور فقیہ، یہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابی موسیٰ کی اولاد میں تھے ان کے مقلدین کو الاشعری کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ بمقام بصرہ سنہ ۲۷۰ ہجری ←

اور حدیث کی تعلیم اپنے چچا علامہ ابوعثمان سعید بن احمد مفتی تلمسان سے پائی تھی۔ علامہ موصوف نے جس شفقت کے ساتھ اپنے بھتیجے کی ابتدائی تعلیم اور تربیت میں محنت کی تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ المقری کے دل میں غیر معمولی تحصیل علم کا شوق وذوق پیدا ہوا۔ شرق اور غرب میں کوئی مقام ایسا نہ تھا کہ جہاں علم وفضل کا چشمہ جاری ہو، اور یہ علم کا پیاسا اس کے آبِ حیات سے محروم رہے۔ حکومت اندلس کی تباہی کے بعد غرب میں علم وفن کا مرکز شہر فاس مشہور ہو چلا تھا، گو ابوعثمان کو اپنے لائق بھتیجے کی مفارقت کسی طرح منظور نہ تھی، لیکن اس کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ المقری کے تحصیل علم میں حارج ہو، چنانچہ المقری ابوعثمان کی اجازت سے سنہ ۱۰۰۹ ہجری مطابق سنہ ۱۶۰۰عیسوی میں فاس آیا، اور یہاں اُس نے چند سال علماء کی صحبت اور خدمت میں بسر کئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اندلس میں سلطنت اسلامی کو ختم ہوئے پورے سو برس گذر چکے تھے، اور باوجودیکہ وہاں فتح غرناطہ کے بعد مسلمانوں کا نام تک بھی باقی نہ رہا تھا۔ لیکن عیسائیوں کا ظلم اور زیادتی مسلمانوں کے ساتھ اُس ہی ابتدائی تشدد کے ساتھ جاری تھی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی مسلمان بھولے سے اِس سرزمین پر قدم رکھے۔ انکیوزیشن [1] کے دار تمام ملک میں استادہ تھے۔ اگر کوئی آدمی مسلمانوں کی وضع وقطع کا بھی نظر آجاتا تو کمال بے رحمی کے ساتھ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ بازہم المقری نے علمی شوق وتحقیق کے مقابلہ

← مطابق سنہ ۸۸۳عیسوی میں پیدا ہوئے۔ بعض سنہ پیدائش ۲۷۰ ہجری بتاتے ہیں۔ انتقال بغداد میں سنہ ۳۳۰ ہجری اور سنہ ۳۴۰ ہجری مطابق سنہ ۹۴۱ء سنہ ۹۵۲عیسوی کے درمیان ہوا۔ باب البصرہ کے قریب مدفون ہوئے (کتاب وفیات الاعیان مصنفہ ابن خلکان)

(۱) انکیوزیشن (Inquiztaon) یہ بہ منزلہ مذہبی کورٹ مارشل (فوجی عدالت) کے تھا، پوپ گریگوری نہم نے اس محکمہ کو سنہ ۱۲۳۵ ہجری میں غیر مذہبوں یا جو لوگ مذہب عیسائی سے انحراف کریں ان کی سزا کے واسطے قائم کیا تھا۔ یہ قانون اپنے ظالمانہ طریقہ میں اپنی خود نظیر تھا۔ اندلس، پرتگال اور اطالیہ کے بعض حصوں میں جو پوپ کے پورے زیر اثر تھے نہایت تشدد کے ساتھ نافذ تھا۔

میں اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی۔ اور ایک طرف تحصیل علم کا شوق، اور دوسری طرف اپنے اسلاف کے لازوال کارناموں کی یاد اس کوکشاں کشاں اندلس لے گئی۔

رشتۂ درگردنم افگندہ دوست ۞ می بَرد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

میری گردن میں دوست ایک رسّی ڈال کر لے جاتا ہے جہاں اس کا دل چاہتا ہے۔

یہ محض تائید غیبی تھی کہ المقری تمام خطرات سے محفوظ صحیح وسالم، اور اپنے منشاء میں کامیاب تلمسان واپس آیا، اور سنہ ۱۰۲۷ ہجری میں اُس نے نفح الطیب کے ذریعہ سے اپنی اولوالعزم قوم کے کارناموں کو حیاتِ جاوید بخشی۔

اس قومی فرض سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سنہ ۱۰۱۳ ہجری مطابق سنہ ۱۶۱۸ عیسوی میں بہ نیت حج وزیارت تلمسان، اسکندریہ اور قاہرہ ہوتا ہوا مکہ معظمہ ومدینہ منورہ پہنچا۔

سنہ ۱۰۲۹ ہجری میں قاہرہ آکر اُس نے ایک شریف الخاندان بیوی سے نکاح کیا۔ لیکن نکاح کے بعد بھی سیر وسیاحت کو قائم رکھا۔ اس نے پانچ حج کیے، اور سات بار مدینہ منورہ حاضر ہوا، شام وعراق میں کوئی مقام ایسا نہ تھا، جہاں کے علماء اس کے انتظار میں بکمال آرزو وعقیدت چشم براہ نہ ہوں، دمشق میں ایک ذی علم ودولت مند شخص احمد ابن شاہین کے اصرار اور خاطر کے باعث المقری کی زیادہ آمد ورفت رہا کرتی تھی۔ اس شہر میں اپنے زمانہ قیام میں اس کا یہ دستور تھا کہ روزانہ شہر کی مشہور مسجد کے گنبد عقاب کے سایہ میں صحیح بخاری کا درس دیا کرتا تھا جس میں عام وخاص ہزاروں کی تعداد میں شریک رہتے تھے۔ قاہرہ میں المقری کا قیام زیادہ تر اپنی زوجہ اور اس کے اہل قرابت کے اصرار پر ہوا کرتا تھا۔ لیکن المقری کی آزاد طبیعت کسی قسم کی پابندی کی متحمل نہ تھی، چنانچہ جب زوجہ کا اِصرار قابل برداشت نہ رہا، تو اُس نے سنہ ۱۰۳۷ ہجری بمقابلہ اپنی آزادی کے اس کو طلاق دینا گوارا کیا۔ لیکن طلاق کے بعد اس کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی۔ جمادی الاخری سنہ ۱۰۴۱ ہجری مطابق سنہ ۱۶۳۱ عیسوی

میں قاہرہ میں انتقال کیا۔

المقری کی حسب ذیل تصانیف اُس کی یادگار میں موجود ہیں:

تصانیف المَقّرِی

① أَزْهارُ الرِياض فی أخبار القاضی عياض۔

② إِضَاءة الدُّجْنَة فی عقائد أهل السنة۔

③ عَرْفُ النَّشْقِ فی أخبار دمشق۔

④ الغث و السمين و الرث و الثمين۔

⑤ روض الآس العاطر الأنفاس فی ذكر من لقيته من أعلام مراكش وفاس۔

⑥ الدر الثمين فی أسماء الهادی الامين وحاشية شرح ام البراهين۔

⑦ قَطْفُ المُهْتَصر فی أخبار المختصر۔

⑧ اتحاف المُغرىٰ[1] فی تكميل شرح الصغرىٰ۔

⑨ كتاب البدأة و النَشْأة۔

⑩ رسالة فی الوفق المخمس[2] الخالی الوسط۔

⑪ فتح المتعال فی وصف النعال۔

⑫ أنواء نيسان فی أنبآء تلمسان۔

تمت بالخیر

---

(۱) اصل میں ''المُغرىٰ'' کے بجائے ''المفرى (المقری؟)'' ہے، اس کی تصحیح الیواقیت (۱:۲۹) اور خلاصة الاثر (۱:۳۰۲) سے کی گئی ہے (محمد امین) (۲) اصل میں ''الوفق المخمس'' کی جگہ الوفق (الوقف) المخمسی'' ہے، حوالہ سابق سے تصحیح کی گئی ہے (محمد امین)

روز اس گلشنِ اوراق سے لیجاتے ہیں
اپنا دامانِ نظر مردم بینا بھر کر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
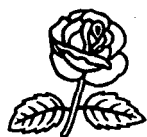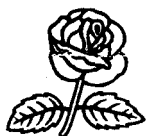
راہ نمائے لغات

ترتیب وتشریح

جناب مولانا مفتی مصطفیٰ امین صاحب پالنپوری

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

الف ممدودہ (آ)

(آ+ب) آب دیدہ: وہ شخص جس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہوں، رونے پر آمادہ، رونے والا۔

〃 آبِ زر: سونے کا پانی جو نقاشی یا کتابت میں کام آتا ہے۔

〃 آب و تاب: چمک دمک، رونق۔

(آ+ت) آتش فگن: آگ ڈالنے والا۔

(آ+ث) آثارِ انحطاط و تنزُّل: زوال اور کمزوری کی علامات۔

(آ+خ) آخر بیں: عاقبت اندیش، انجام پر نظر رکھنے والا۔

(آ+ر) آراستگی: سجاوٹ، زیب و زینت۔

〃 آرائش: زیب و زینت، سجاوٹ۔

(آ+ز) آزُردہ خاطر: اداس، غم گین، رنجیدہ۔

〃 آزمودہ کار: تجربہ کار، ہوشیار۔

(آ+س) آسودگی: آرام، راحت، چین، دولت مندی۔

(آ+ش) آشتی: میل ملاپ، صلح، دوستی۔

〃 آشکار، آشکارا: ظاہر، نمایاں، واضح۔

(آ+غ) آغوش: گود، بغل۔

(آ+ف) آفتِ جان: جان کا روگ (مجازاً) معشوق۔

(آ+و) آویزاں: معلق، لٹکا ہوا۔

(آ+ہ) آہو: ہرن۔

الف مقصورہ (ا)

(ا+ب) ابتداءِ آفرینش: تخلیق کائنات کی ابتداء، آغاز پیدائش۔

〃 ابرِ رحمت: رحمت کا بادل، وہ بادل جس کی بارش سے مخلوق کا بھلا ہو۔

〃 ابنائے آدم: آدم کے بیٹے، انسان، لوگ۔

(ا+ت) اَتالِیق: استاد، ادب سکھانے والا۔
〃 اِتلاف: بربادی، ضائع کرنا، تلف کرنا۔
(ا+ح) اَحفاد: (حافد کی جمع) پوتے، نواسے وغیرہ۔
(ا+خ) اِختِراع شدہ: ایجاد شدہ، نئی بات۔
〃 اُخُوّت: بھائی چارہ۔
(ا+د) اِدبار: بدنصیبی، بداقبالی، نحوست، ہزیمت، شکست۔
(ا+ر) اَراضِی اُفتادہ: اُفتادہ یعنی بنجر زمینیں۔
〃 اِرتِباط: میل ملاپ، دوستی، ربط وضبط۔
〃 اِرتِقاء: عروج، بلندی، بتدریج ترقی کرنا۔
〃 اِرسَال: روانہ کرنا، بھیجنا۔
〃 اَرمَان: آرزو، خواہش۔
(ا+س) اَساس: بنیاد، نیو، جڑ۔
〃 اِستَادہ: کھڑا ہوا، قائم۔
〃 اِستِحکَام مملکت: حکومت کی مضبوطی۔
〃 اِستِراحت: آرام، راحت، آرام چاہنا۔
〃 اِستِرضا: خوشنودی۔
〃 اِستِسقَا: جلندر کا روگ (ایک بیماری جس سے پیٹ بڑھ جاتا ہے)
〃 اِستِقلال: مضبوطی، قرار، استحکام، مستقل مزاجی، سلطنت یا قوم کا خود مختار ہونا۔
〃 اِستِمزَاج: مزاج پوچھنا، مرضی پوچھنا، رائے دریافت کرنا۔
〃 اِستِیصَال: بیخ کنی، جڑ سے اکھاڑنا، نیست ونابود کرنا۔
〃 اُسطُرلَاب: ایک آلہ جس سے ستاروں کی بلندی، مقام اور رفتار دریافت کرتے ہیں۔
〃 اَسقَام: (سُقم کی جمع) نقائص، برائیاں، عیوب۔

؍	اَسلاف: (سلف کی جمع) گذرے ہوئے لوگ۔
؍	اَسناد: (سند کی جمع) دستاویز، سرٹیفکیٹ
(ا+ش)	اَشرف المخلوقات: ساری مخلوق سے بزرگ تر، انسان۔
؍	اشک: آنسو۔
(ا+ط)	اَطوار: (طور کی جمع) چال چلن، روش۔
(ا+ع)	اِعتِقاد: بھروسہ کرنا، یقین کرنا۔
؍	اِعتِنا: پروا کرنا۔ غم خواری کرنا، ہمدردی کرنا۔
؍	اَعیان سلطنت: ارکان سلطنت، امراء اور وزراء۔
(ا+غ)	اِغوا: ورغلانا، بہکانا۔
؍	اَغیار: (غیر کی جمع) بیگانے، اجنبی لوگ۔
(ا+ف)	اِفاقۃُ المَوت: مرض موت میں کمی، مہلک بیماری میں قدرے آرام۔
؍	اُفتاں و خیزاں: گرتے پڑتے، حیران و پریشان۔
؍	اَفسر: (Officer) سردار۔
؍	اَفسُون: جادو، سحر، منتر، فریب، دھوکا۔
؍	اِفشائے راز: بھید کھلنا، پردہ فاش ہونا، کسی چھپی ہوئی بات کا ظاہر ہو جانا۔
؍	اَفعال قبیحہ: نازیبا حرکات، برے کرتوت۔
؍	اَفواہ: بے اصل بات، اڑتی خبر۔
(ا+ق)	اِقلیم: ولایت، ملک، صوبہ۔
(ا+ک)	اَکابر: بڑے لوگ، مقتدر آدمی، بزرگ حضرات۔
؍	اکناف: (کنف کی جمع) اطراف، کنارے۔
(ا+م)	اِمتِداد: درازی، لمبائی۔
؍	اَمر شُدنی: طے شدہ بات۔
؍	امید وبیم: امید اور ڈر۔
(ا+ن)	اَنبار: ڈھیر، ذخیرہ۔

〃 اِنْبِسَاط: خوشی، شادمانی۔

〃 اَنْبُوہ: بھیڑ، ہجوم۔

〃 اِنْتِخَاب: پسند کرنا، چننا۔

〃 اِنْتِزَاع: اکھڑنا، سلب ہونا۔

〃 اِنْتِقَال: موت، وفات۔

〃 اِنْتِقَام: بدلہ، سزا۔

〃 اِنْحِرَاف: پھر جانا، روگردانی کرنا۔

〃 اَنْدَام: جسم، بدن۔

〃 اَنْدوختہ مال و مَتاع: جمع کیا ہوا ساز و سامان۔

〃 اِنْصِرَام: بندوبست، انتظام۔

〃 انْقباض: سکڑنا، بستگی۔

〃 اِنْقِرَاض کُلّی: کلی خاتمہ، مکمل خاتمہ۔

〃 اِنْقِلَاباتِ پرآشوب: فتنہ انگیز تبدیلیاں۔

〃 اِنْکِشَاف: کھلنا، ظاہر ہونا۔

(ا+و) اَوَائِل: (اول کی جمع) آغاز، ابتداء، پہلے لوگ، پہلے حصے۔

〃 اَوْصاف: (وصف کی جمع) خوبیاں، احوال۔

〃 اُولُو العَزْم: بہادر، دل گردے والے، عزم و استقلال والے۔

ب

(ب+ا) بادِ تندِ نَکبت: بدحالی کی آندھی، بداقبالی کی تیز ہوا۔

〃 بادو باراں: ہوا اور بارش۔

〃 بادی النظر: سرسری نظر، دیکھتے ہی۔

〃 بادیہ نشین: جنگل میں رہنے والا۔

〃 بار: بوجھ، وزن، اسباب۔

- باریابی: دربار میں حاضری۔
- بارے آخر: الغرض، آخرکار۔
- باز پُرس: پوچھ گچھ، تحقیقات، محاسبہ۔
- باغی: نافرمان، سرکش، مخالف۔
- بالائے طاق رکھنا: فراموش کردینا۔
- بالیدہ: خوش، جوش سے بھرا ہوا، بڑھا ہوا۔
- باوَر کرنا: یقین کرنا، مان لینا۔

(ب+ج) بَجا: درست، ٹھیک۔

- بَجا آوری: انجام دہی، حکم کی تعمیل کرنا۔

(ب+ح) بَحرِ ذخّار: کثیر پانی والا سمندر۔

(ب+خ) بَخت و اِقبال یاوَر: نصیبہ اور خوش قسمتی مددگار۔

(ب+د) بَدباطن: کینہ پرور، سیاہ دل، برے دل والا۔

- بَدحواس: حیران و پریشان۔
- بدنُما: بدزیب، بھدا۔

(ب+ذ) بَذلہ گوئی: لطیفہ گوئی، دل لگی۔

(ب+ر) بَرآمد: مال کی نکاسی، ایکس پورٹ (Export)

- دَرآمد: باہر سے آنے والی چیزیں۔ امپورٹ (Import)
- بَرجستہ: بروقت، بے تکلف۔
- بَرداشتہ خاطر: رنجیدہ، اُچاٹ، گھبرایا ہوا۔
- بَرسرِ پَرخاش: لڑائی پر آمادہ۔
- بُردَہ: غلام، بندہ۔
- برق: بجلی، تیز، چالاک۔
- بَرگشتہ خاطر: منحرف، مخالف۔
- بَرہم: رنجیدہ، ناراض۔

(ب+ز) بُزرگ داشت: خدمت گزاری، خاطر داری۔
〃 بزرگانِ عدم رفتہ: وفات شدہ حضرات۔
(ب+س) بَستہ: بندھا ہوا۔
〃 بِسیار: بہت زیادہ، بے انتہا۔
(ب+ش) بُشرہ: چہرہ، مکھڑا۔
(ب+ص) بَصِیرت: بینائی، آگاہی۔
(ب+ط) بطحا: مکہ معظمہ۔
(ب+ع) بعیدُ القیاس: سمجھ سے بالاتر، سمجھ میں نہ آنے والی بات۔
(ب+غ) بَغاوت: سرکشی، نافرمانی، سرتابی۔
(ب+ق) بَقِیَّۃُ السیف: لڑائی کے بعد باقی ماندہ لوگ۔
(ب+ک) بَکتر: زرہ، لوہے کا کرتہ جو جنگ میں پہنا جاتا تھا۔
(ب+ل) بلاخیز: مصیبت انگیز، ہیبت ناک۔
〃 بِلَّوری: بلّور (ایک چمکدار معدنی جوہر) کی بنی ہوئی، صاف شفاف، چمکدار چیز۔
〃 بلیغ: کامل، پورا۔
(ب+ن) بنادر: (بندر کی جمع) بندرگاہیں۔
(ب+و) بُوقُبَیس: ابوقبیس: مکہ مکرمہ کا مشہور و معروف پہاڑ۔
〃 بود و باش: سکونت، قیام۔
(ب+ہ) بہبود: نفع، بھلائی۔
〃 بھاٹ: تعریف کر کے سب کو لبھانے والا، خوشامدی۔
(ب+ی) بے باکی: شوخی، دلیری۔
〃 بے دادگر: ظالم، بے انصاف۔
〃 بیابان: جنگل، ریگستان، ویرانہ۔
〃 بے بہرہ: محروم، بے نصیب۔

〃 بےدَریغ: کثرت سے، افراط سے، بلاتوقف، بلاتأمل۔
〃 بےساختہ: بلاتصنّع، برجستہ۔
〃 بیش قرار: معقول، مناسب۔
〃 بےگانہ: غیر، پرایا۔
〃 بے نَیلِ مُرام و مقصود: ناکام و نامراد۔
〃 بیخ وبُن: جڑ اور بنیاد۔
〃 بید: ایک قسم کا درخت جس کی شاخیں نہایت لچک دار ہوتی ہیں۔
〃 بیزار: ناراض، ناخوش۔
〃 بِیم: خوف، ڈر۔
〃 بِینا: دیکھنے والا، عقلمند، ہوشیار۔

پ

(پ+ا) پاداش: سزا، بدلہ۔
〃 پاسبان: نگہبان۔
〃 پاسبانی: نگہبانی۔
〃 پاسداری: نگہبانی۔
〃 پالسی: حکمتِ عملی، (Policy)
〃 پایۂ تخت: راج دھانی، دارالحکومت۔
(پ+ٹ) پُٹّھا: سرین کا بالائی حصہ۔
(پ+د) پِدَر: والد، باپ۔
(پ+ر) پُر آشوب: فتنہ انگیز، فساد سے بھرا ہوا۔
〃 پَرتَو: شعاع، روشنی، کرن۔
〃 پَراگندہ: منتشر، تِتّر بِتّر۔
〃 پَروَردہ: بسایا ہوا، پالا ہوا۔

〃　پَری زاد: پری کی اولاد، نہایت جمیل، شکیل، خوبصورت۔

(پ+ژ)　پژمُردَہ دل: افسردہ دل، مایوس، رنجیدہ۔

(پ+س)　پسپا ہونا: ہٹنا، شکست کھانا۔

〃　پسَرْ: ولد، بیٹا۔

(پ+ل)　پلٹن: پیادہ فوج کا دستہ (Platoon)

(پ+ن)　پناہ گیر: حفاظت میں آنے والا، پناہ میں آنے والا۔

(پ+و)　پولٹیکل ایجنٹ: سیاسی کارندہ۔

〃　پوچ ولچر: لغو بیہودہ، ذلیل وحقیر۔

(پ+ہ)　پہلو تہی کرنا: ٹال مٹول کرنا، کنارہ کشی کرنا۔

〃　پہلو اٹھانہ رکھنا: کسر نہ چھوڑنا، انتھک کوشش کرنا۔

(پ+ھ)　پھَریرا: جھنڈا، پرچم۔

(پ+ی)　پے در پے: متواتر، لگاتار۔

〃　پیرو: تقلید کرنے والا، پیچھے چلنے والا۔

〃　پیروی: قدم بقدم چلنا، فرمانبرداری کرنا۔

〃　پیش رَو: آگے چلنے والا، آگے گذرنے والا۔

〃　پیش گاہ: دربار۔

〃　پیش قدمی کرنا: چڑھائی کرنا۔

〃　پیش کش: نذر، تحفہ، ہدیہ۔

〃　پیشین گوئی کرنا: کسی واقعہ کی قبل از وقت اطلاع دینا۔

〃　پَیکر: صورت، شکل۔

〃　پیمانۂ عمر لبریز ہونا: موت آجانا۔

ت

(ت+ا)　تابِ مقابلہ: لڑائی کی طاقت۔

〃 تاباں: روشن، چمکدار، نورانی۔

〃 تاخت وتاراج کرنا: برباد کرنا، تہس نہس کرنا۔

〃 تاراج کرنا: غارت و برباد کرنا۔

〃 تازیانۂ اِغماض: چشم پوشی کا کوڑا۔

〃 تالیفِ قُلوب: دل جوئی کرنا۔

(ت+ب) تَبَرْ: کلہاڑی، ایک قسم کا فولادی آلہ۔

(ت+پ) تَپ: بخار۔

(ت+ج) تجربہ: واقفیت۔

〃 تجربہ خیز: واقفیت پیدا کرنے والا۔

〃 تَجَسُّس: تلاش، کھوج، جستجو۔

〃 تَجْہِیز: تیار کرنا، آراستہ کرنا، انتظام کرنا۔

〃 تجہیز و تکفین: مردے کے کفن دفن کا انتظام کرنا۔

(ت+ح) تحریر: لکھنا، درج کرنا، نوشتہ، کتابت۔

〃 تَحْرِیص: لالچ دینا، ترغیب دینا۔

(ت+خ) تخت نشینی: تخت سلطنت پر بیٹھنا۔

(ت+د) تَدْبیر: بندوبست، انتظام۔

〃 تَدْرِیج: آہستہ آہستہ ہونا۔

〃 تَدْقیق: باریک بینی، غور و فکر۔

(ت+ذ) تَذَبْذُب: تردُّد، شک و شبہ، بے چینی، حیرانی۔

〃 تَذْلیل: بے عزتی، ذلت، رسوائی، ذلیل و رسوا کرنا۔

(ت+ر) تراشیدہ: کاٹا ہوا، چھیلا ہوا۔

〃 ترغیب: رغبت و لالچ دلانا، آمادہ کرنا۔

〃 ترقی: بلندی، برتری۔

(ت+ز) تُزُک و اِحتِشام: شان و شوکت، دھوم دھام۔

(ت+س) تَسْخِیر: مسخر کرنا، قابو اور قبضہ میں لانا۔

〃 تَسْکِین: تسلی دینا، دلاسا دینا۔

〃 تَسَلُّط: قابو پانا، قبضہ کرنا۔

(ت+ش) تَشَدُّد پسند طَبائع: سخت گیر لوگ۔

〃 تشفی: تسلی، اطمینان۔

〃 تشویش: پریشانی، بیقراری۔

(ت+ص) تَصَدُّق کرنا: قربان کرنا۔

〃 تَصْفِیه: صفائی، فیصلہ، صلح۔

〃 تصنیف: کتاب لکھنا۔

〃 تَصَوُّر: دھیان، خیال۔

(ت+ض) تَضَرُّع وزاری: منت سماجت، رونا گڑگڑانا۔

(ت+ع) تَعاقُب: پیچھا کرنا، دوڑانا۔

〃 تَعْجِیل: جلدی، عجلت، جلدی کرنا۔

〃 تَعَدِّی: ظلم وستم، ظلم وزیادتی کرنا۔

(ت+ف) تَفاوُت: دوری، جدائی، فاصلہ۔

〃 تُفَنگ: ایک لمبی نالی جس میں سے پھونک کے ذریعہ تیر یا کنکر پھینکتے ہیں، ہوائی بندوق۔

(ت+ق) تَقْلِید: پیروی کرنا، قدم بقدم چلنا۔

(ت+ک) تَکْفِین: کفن دینا۔

(ت+ل) تَلاطُم: موجوں کا زور، پانی کے تھپیڑے۔

〃 تَلْخ: کڑوا، بدمزہ۔

〃 تَلْخِی: کڑواہٹ، ترشی، دشمنی۔

〃 تَلَمُّذ: شاگردی، شاگرد ہونا۔

〃 تَلَوُّن مِزاجی: بےاستقلالی، رنگین طبیعت۔

(ت+م)　تَمَدُّن: طرز معاشرت، مل جل کر رہنے کا طریقہ۔
〃　تَمکِنَت: غرور، قدرت، زور، گھمنڈ، شان وشوکت۔
(ت+ن)　تَنَزُّل: زوال، اُتار۔
〃　تَنْ دھی: سعی، کوشش، جانفشانی۔
〃　تَنَفُّر: نفرت، بیزاری۔
(ت+و)　تَوْاَمْ: جڑواں، ایک ساتھ پیدا شدہ بچے۔
〃　تَوَطُّن: وطن بنانا، کسی جگہ رہائش اختیار کرنا۔
〃　تَوْقِیر: عزت کرنا، تعظیم کرنا۔
(ت+ہ)　تہنیت نامہ: مبارک بادی کا خط۔
〃　تَہَوُّر: بہادری، دلیری۔
(ت+ی)　تَیغ: تلوار۔

ٹ

(ٹ+پ)　ٹَپّہ خانہ: دکنی بولی میں ڈاک خانہ۔

ث

(ث+ب)　ثَبْت کرنا: درج کرنا، لکھنا۔
(ث+م)　ثَمَرْ: فائدہ، بدلہ، پھل
〃　ثَمرہ: نتیجہ، عوض، بدلہ۔

ج

(ج+ا)　جامہ تلاشی: لباس کی تلاشی۔
〃　جانبر ہونا: مرتے مرتے بچ جانا، محفوظ رہنا۔
〃　جاں بلب: مرنے کے قریب، قریب المرگ۔
〃　جاں فزا: دل خوش کرنے والا، مسرت انگیز۔

〃 جاں فشانی: محنت، شوق، کوشش، سرگرمی۔

〃 جان کاہی: محنت، مشقت۔

〃 جَاں نِثار: جان قربان کرنے والا، وفادار۔

〃 جاہ وحشم: شان وشوکت، کرّ وفر، لاؤلشکر۔

(ج+ب) جبروت: عظمت، جاہ وجلال۔

〃 جَبَل: پہاڑ، کوہ۔

〃 جِبِلّی: پیدائشی، فطری، طبعی، اصلی۔

(ج+د) جَدید: نئی، نیا، تازہ۔

(ج+ر) جُرْأت: دلیری، بے باکی، حوصلہ۔

〃 جَرّاح: زخموں کی چیر پھاڑ کرنے والا، سرجن۔

〃 جَرّار: بہت بھاری یا بڑا لشکر۔

〃 جَـرْح وقَـدح: وہ سوالات جو ایک فریق دوسرے سے حقیقت یا سچائی معلوم کرنے کے لئے کرے۔

〃 جُرْعَۂ آب: پانی کا گھونٹ۔

〃 جُرْم پُوش: جرم چھپانے والا۔

(ج+ز) جَـزیرہ نُما: خشکی کا وہ حصہ جس کے تین طرف پانی اور چوتھی طرف خشکی سے ملی ہوئی ہو۔

(ج+ع) جَعْل ساز: دھوکے باز، بدمعاش۔

(ج+ف) جَفَا کش: محنتی، سختیاں برداشت کرنے والا۔

(ج+ل) جِلو: ہم رکابی، معیت، پہلو۔

〃 جَلْوَہ گر ہونا: بناؤ سنگھار کے ساتھ سامنے آنا، نمودار ہونا۔

〃 جَلِیْلہ: بڑا، اونچا۔

(ج+م) جمعیت: فوج، لشکر، جماعت، گروہ۔

〃 جَمِّ غفیر: زبردست ہجوم، بھاری بھیڑ۔

(ج+ن) جنگ جویانِ قلعہ شِکَن: قلعہ توڑنے والے لڑاکے۔

(ج+و) جواں بَخت: خوش نصیب، خوش قسمت۔

〃 جواں سال: نوجوان، نوخیز، نوعمر۔

〃 جَوْدَت: لیاقت، ذکاوت، عقل کی تیزی۔

〃 جَوْشَن پوش: زرہ پہنا ہوا۔

〃 جَوْھَر: خوبی، کمال۔

〃 جویائے علم و ہنر: طالب علم و ہنر۔

(ج+ہ) جہاں بانی: بادشاہت، نگہداشت۔

〃 جہاں دیدہ: تجربہ کار، آزمودہ کار، دنیا دیکھا ہوا۔

(ج+ھ) جھاڑ: فانوس، ایک قسم کی بڑی قندیل۔

〃 جھروکا: کھڑکی، دریچہ۔

چ

(چ+ا) چارو ناچار: مجبوراً، زبردستی۔

(چ+پ) چپ وراست: بایاں اور دایاں۔

(چ+ت) چَتْر سایہ فگن: سایہ کرنے والی چھتری۔

(چ+ر) چرب زبان نُدَمَاء: خوشامدی دوست۔

〃 چَرْخ: آسمان۔

(چ+ش) چشمۂ اَنْوار: روشنیوں کا سرچشمہ، مرکزِ نور۔

〃 چشمِ حسد: بغض بھری آنکھ۔

〃 چشم براہ: نگراں، منتظر۔

(چ+و) چوبی: لکڑی کا بنا ہوا آلہ۔

ح

(ح+ا) حاجِب: دربان، وزیر اعظم۔

- حالتِ زار: ذلت ورسوائی کی حالت۔

(ح+ب) حُب: محبت، الفت۔

(ح+ج) حُجرہ: کمرہ، کوٹھڑی۔

(ح+د) حدّو پایاں: کنارا اور انتہا۔

(ح+ر) حرب وضرب: لڑائی اور مار، لڑنا اور مارنا۔

- حِرفت: پیشہ، کاریگری۔
- حَرَم سَرا: بیگموں کے رہنے کا مکان، زنانخانہ۔

(ح+ص) حِصَار: احاطہ، گھیرا۔

(ح+ظ) حَظِ نفس: لطف ولذتِ نفس۔

(ح+ک) حِکایات: کہانیاں، داستانیں۔

- حکم برندہ: حکم لانے والا، نامہ بر۔
- حکمت عملی: پالیسی، ملکی مصلحت۔

(ح+م) حَمّام: نہانے کی جگہ۔

- حَمِیّت: غیرت، شرم، ننگ۔

(ح+ن) حِنَا: مہندی۔

(ح+ی) حیرت انگیز: حیرت پیدا کرنے والی بات۔

خ

(خ+ا) خاطر خواہ: حسب مرضی، خواہش کے مطابق۔

- خاک: مٹی، دھول۔
- خاکستر: راکھ۔
- خانماں برباد: پریشان، حیران۔
- خانہ بدوش: آوارہ، بے ٹھکانہ، جس کا کوئی مستقل گھر نہ ہو، وہ قوم یا آدمی جو گھر کو ساتھ ساتھ لئے پھرے۔

〃 خانہ نشین: گھر بیٹھنے والا، گوشہ نشین، معطل، بیکار۔

〃 خانہ جنگی: آپس کی لڑائی۔

(خ+ت) خَتمی مآب: خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔

(خ+د) خداداد: خدا کا دیا ہوا، قدرتی، فطری۔

〃 خدارسیدہ: اللہ تک پہنچا ہوا، اللہ والا، نیک، پرہیزگار، بزرگ۔

(خ+ر) خُرما: کھجور، چھوہارا۔

(خ+ز) خَزانۂ عامرہ: شاہی خزانہ۔

(خ+س) خُسروی: شاہی۔

(خ+ش) خَشم ناک: غضب ناک، غصہ سے بھرا ہوا۔

(خ+ص) خَصائص: خاصیتیں، مخصوص عادتیں۔

〃 خصائل حمیدہ: قابل تعریف عادتیں۔

(خ+ط) خطابخش: گناہ معاف کرنے والا۔

(خ+ف) خفگی: ناراضگی، غصہ۔

〃 خفیف: ہلکا، سبک۔

(خ+ل) خِلعَت: وہ پوشاک جو بادشاہ کی طرف سے بطور عزت افزائی ملے، تحفہ۔

〃 خَلف: پیچھے آنے والا۔

〃 خُلق: عادت، خصلت، اخلاق۔

〃 خلیفہ: اہل اسلام کا بادشاہ۔

(خ+ن) خندہ پیشانی: ہنس مکھ، خوش مزاج۔

(خ+و) خواب وخور: سونا اور کھانا۔

〃 خواجہ سرا: زنان خانے میں کام کرنے والا افسر۔

〃 خواست گار: امیدوار، طلب گار۔

〃 خواہاں: چاہنے والا، خواہش مند۔

〃 خودستائی: اپنی آپ تعریف کرنا، اپنے منہ میاں مٹھو بننا۔

〃 خودسَر: سرکش، خودرائے، ضدی۔

〃 خودمختار: آزاد، بااختیار۔

〃 خوردونوش: کھانا پینا۔

〃 خوردوں: چھوٹوں۔

〃 خوش و خُرّم: دلشاد، مسرور۔

〃 خون چکاں: ٹپکتا ہوا خون، جس سے خون ٹپکتا ہو۔

(خ+ی) خیر باد کہنا: چھوڑ دینا، ترک کرنا۔

〃 خیرخواہ: بھلائی چاہنے والا۔

〃 خیرہ: حیران و پریشان، تاریک۔

د

(د+ا) دَاب: رعب، دھاک۔

〃 داد: عدل، انصاف، عطا، بخشش، سزا، پاداش۔

〃 دادرسی: انصاف، فریادرسی، چارہ سازی۔

〃 دارُ الحکومت: راجدھانی، پایۂ تخت۔

〃 دارُ الخلافت: راجدھانی، پایۂ تخت۔

〃 دارالسلطنت: راجدھانی، پایۂ تخت۔

〃 دارالضرب: ٹکسال، وہ جگہ جہاں سکّے ڈھالے جاتے ہیں۔

〃 دارُ العلوم: کالج، یونیورسٹی، علوم وفنون کا مرکز۔

〃 داستاں گو: قصہ گو، کہانی سنانے والا۔

〃 دائرہ: حلقہ، چکر۔

(د+ب) دَبّابہ: قلعہ شکن مشین، ٹینک۔

(د+ر) درآنا: داخل ہونا، اندر آنا۔

〃 دریافت: جانچ پڑتال، تحقیق۔

〃 دربارداری کرنا: حاضری دینا، خوب خوشامد کرنا۔

〃 درج کرنا: لکھنا۔

〃 دَرَخشاں: روشن، چمکتا ہوا۔

〃 دَرْ ماندگی: مجبوری، عاجزی۔

〃 دَرَنگ: دیر، تاخیر۔

〃 درّہ ہائے کوہ: گھاٹیاں، دو پہاڑوں کے درمیانی راستے۔

〃 دریغ: تأمل، انکار، نفرت۔

(د+س) دست اندازی: مداخلت، مزاحمت۔

〃 دست بُرد: لوٹ مار، لوٹ کھسوٹ۔

〃 دست برداری: چھوڑ دینا، ترک کرنا۔

〃 دست بستہ: ہاتھ جوڑ کر، ہاتھ باندھکر، منت کر کے۔

〃 دست تطاول: دست درازی، ظلم و ستم۔

〃 دست رَس: قابلیت، مہارت۔

〃 دست کَشی: ہاتھ کھینچ لینا، تعلق ختم کرنا۔

〃 دست گاہ: مہارت، قابلیت، قدرت، طاقت۔

(د+ش) دشت و کُہسار: جنگل اور پہاڑ۔

〃 دشمن جانی: جان کا دشمن، سخت دشمن۔

〃 دُشنام ہائے مُغلّظہ: فحش گالیاں۔

(د+ف) دَفعیَہ: روک، علاج، توڑ، دفع کرنے کی تدبیر۔

(د+ق) دقیقہ اٹھا نہ رکھنا: کسر نہ چھوڑنا، سخت کوشش کرنا۔

〃 دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا: کسر نہ چھوڑنا، انتھک سعی کرنا۔

(د+گ) دگرگوں: الٹ پلٹ، تہ و بالا، اُلٹا، سرنگوں۔

(د+ل) دل آویز: دل لبھانے والا۔

〃 دل آویزی: دل لبھانا۔

؍	دل بَند: پیارا،محبوب۔
؍	دل جوئی: تسلی، تسکین۔
؍	دل چسپ: خوشنما، خوبصورت، مزیدار، دل لبھانے والا۔
؍	دل دہی: تسلی، دلاسا۔
؍	دِلنواز: دل کو تسلی دینے والا۔
؍	دلیلِ راہ: رہبر، راستہ بتانے والا۔
(د+م)	دَم بخود: چپ چاپ، خاموش۔
؍	دَم بھرنا: ہر وقت کسی کی تعریف کرنا۔
(د+و)	دولت عظمی: بڑی دولت۔
؍	دُوَلِ غیر: اجنبی سلطنتیں۔
؍	دوں ہمت: پست ہمت، کم ہمت۔
(د+ی)	دیرینہ سال: تجربہ کار، بزرگ، بوڑھا۔
؍	دینار سرخ: اشرفی، سونے کا سکہ۔
؍	دینیات: مذہب سے تعلق رکھنے والی باتیں۔

ڈ

(ڈ+ر)	ڈراما: ناٹک، تمثیل (Drama)

ذ

(ذ+ر)	ذرائع: (ذریعہ کی جمع) راستے، وسائل۔
(ذ+ہ)	ذہن رسا: تیز ذہن، ہوشیار، ایک ذات جو راجگانِ قدیم کی اولاد سے شاخوں میں ہندو اور مسلمان دونوں میں موجود ہے۔

ر

(ر+ا)	راج پوت: شاہزادہ، ہندو راجہ کی اولاد۔
؍	راز سربستہ: ایسا راز جو ابھی ظاہر نہ ہوا ہو، پوشیدہ بات۔

〃 راست باز: ایماندار، سچا۔

〃 راست بازی: ایمانداری، سچائی۔

〃 رَافت: مہربانی۔

〃 رَام ہونا: مطیع اور فرمانبردار ہونا۔

〃 راہ راست: سیدھا راستہ۔

〃 رایَت: جھنڈا، پھریرا۔

(ر+ج) رَجَا: امید، آرزو۔

(ر+خ) رَخنہ: فتنہ، فساد۔

(ر+د) رَدّو بدَل: الٹ پلٹ، تبدیلی۔

〃 رَدّو قدَح: بحث، تکرار۔

(ر+ز) رَزم: جنگ، معرکہ۔

(ر+س) رِسالہ: آٹھ سو یا ہزار سواروں کا دستہ۔

〃 رَسَد: راشن، خوراک، ضروری سامان۔

(ر+ش) رَشک: حسد، جلن۔

(ر+ص) رَصَدگاہ: ستاروں کی گردش دیکھنے کی جگہ، جنتر منتر۔

(ر+ع) رُعب دار: خوفناک، بھیانک۔

〃 رَعشہ: لرزہ، کپکپی۔

(ر+ف) رَفتار: چال، روش۔

〃 رفتہ: مرا ہوا، وفات شدہ۔

(ر+ق) رَقابت: مخالفت، چشمک، ہم چشمی، ہم سری۔

(ر+ہ) رہزن، راہ زن: ڈاکو، لٹیرا۔

(ر+و) روبرو آنا: سامنے آنا۔

〃 روپوش ہونا: منہ چھپانا، غائب ہونا۔

〃 رواج: عام دستور، ریت، رسم۔

〃　روح افزا: فرحت وتازگی بخشنے والا۔

(ر+ی)　ریاست: راج، حکومت، سلطنت۔

〃　رِیاضت: محنت، مشقت۔

〃　رِیزہ: ذرّہ، ٹکڑا۔

〃　رِیشہ دوانی: فساد، سازش۔

〃　ریلنا: دھکیلنا۔

ز

(ز+ا)　زائچہ: وہ کاغذ جو نجومی لوگ بچے کی پیدائش کے وقت بناتے ہیں۔

(ز+خ)　زخمِ کاری: مہلک چوٹ۔

(ز+د)　زَد: مار، چوٹ۔

(ز+ر)　زَرخیزی: شادابی، سرسبزی۔

〃　زرق برق: آراستہ پیراستہ، پُر تکلف۔

〃　زَرگر: سنار سونے کا زیور بنانے والا۔

〃　زِرَہ: فولاد کا جالی دار کرتا جو لڑائی میں پہنتے ہیں۔

(ز+ع)　زَعمِ ناقص: غلط خیال۔

(ز+ک)　زَک: سبکی، خفت، ذلت، شرمندگی، ہار، خسارہ۔

(ز+م)　زِمامِ سلطنت ہاتھ میں لینا: حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینا، خود حکومت کرنا۔

〃　زُمرّد: سبز رنگ کا قیمتی پتھر۔

〃　زُمرّدی: سبز رنگ والا۔

(ز+ہ)　زُہد: پرہیزگاری، تقویٰ۔

〃　زُہرہ تِمثال: زُہرہ پیکر، بہت خوبصورت۔

(ز+ی)　زیب بدن کرنا: پہننا۔

〃　زیبا: موزوں۔

〃　زیبندہ: زیب دینے والا، مزین کرنے والا۔

〃　زیبندۂ سریر مملکت ہونا: تخت نشین ہونا، تخت شاہی کو مزین کرنے والا ہونا۔

س

(س+ا)　ساختہ پرداختہ: بنایا ہوا، سنوارا ہوا، آراستہ کیا ہوا۔

〃　ساعی: دوڑ دھوپ کرنے والا، کوشش کرنے والا۔

(س+ب)　سُبُک: بانکا، نازک، چست و چالاک۔

〃　سُبُکدوش: بے تعلق، بری الذمہ، فارغ البال۔

(س+پ)　سپاہ: فوج، لشکر۔

〃　سپاہ سالار: فوج کا کمان دار، کمانڈر اِن چیف۔

〃　سِپَر: ڈھال، آڑ۔

(س+ت)　ستارۂ اقبال: اقبال مندی کا تارہ، ترقی کا دور۔

(س+د)　سدّ: اوٹ، آڑ۔

〃　سدِّ راہ ہونا: حائل ہونا۔

(س+ر)　سَر آمد: برگزیدہ، برتر۔

〃　سَر برآوردہ: بزرگ، سردار۔

〃　سر بہ فلک کشیدہ: بہت اونچا، بہت بلند۔

〃　سرزنش: ملامت، برا بھلا کہنا، ڈانٹ ڈپٹ۔

〃　سرسبز و شاداب: ہرا بھرا، تر و تازہ۔

〃　سرفراز: معزز، ممتاز، سربلند۔

〃　سرفروشی: جاں بازی، دلیری۔

〃　سرگذشت: داستاں، تذکرہ۔

〃　سرِ مو: ذرا سا۔

" سِرِّ الٰہی: خدائی بھید۔
" سراسیمگی: پریشانی، حیرانی۔
" سرخ روئی: عزت، کامیابی۔
" سرِشت: عادت، خو۔
" سرکوبی: سر کچلنا، زیر کرنا۔
" سُرَنگ: ایسا گھوڑا جس کی اَیال (گردن) اور دُم کے بال سرخ ہوں۔
" سَرو: ایک مشہور درخت جو سیدھا مخروطی (گاجر کی) شکل کا ہوتا ہے (خوشنمائی کی وجہ سے معشوق کے قد کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں)
" سریر آرائے سلطنت ہونا: تخت نشین ہونا۔
" سریرِ خلافت: تختِ خلافت۔
(س+ط) سَطوَت: شان و شوکت، دبدبہ، رعب۔
(س+ف) سِفارت: ایک حکومت کی طرف سے دوسری حکومت کے پاس نمائندہ بن کر جانا۔
" سَفّاک: بے رحم، ظالم، ستم گر، خون بہانے والا۔
" سِفال: ٹھیکری۔
" سفیر: قاصد، ایلچی۔
(س+ک) سُکّان: پتوار، دُنبالۂ کشتی، کشتی کا رخ موڑنے کی لکڑی۔
(س+ل) سلاطین (سلطان کی جمع): بادشاہ۔
" سلطنت: حکومت، بادشاہی۔
" سَلَف: گذشتہ زمانے کے لوگ۔
" سَلیس: آسان، عام فہم زبان۔
(س+م) سَمِ قاتل: جان لیوا زہر۔
" سُمّ: کھر، چوپائے کا ناخن۔
" سَما، سماں: وقت، حالت، موسم، رونق، لطف، کیفیت۔

(س+ن) سِنان: نیزہ، برچھی۔
〃 سَنَد: تصدیق نامہ، سرٹیفکیٹ، کارگزاری کا پروانہ۔
〃 سِنین (سَنة کی جمع): سال، برس۔
(س+و) سوانح حیات: کسی شخص کی زندگی کے حالات، تذکرہ۔
〃 سوانح مصنف: مصنف کے حالات۔
(س+ی) سیاحت: سیر وتفریح، ملکوں اور شہروں کی سیر۔
〃 سیاست: حکومت، ملکی انتظام۔

ش

(ش+ا) شاداں وفرحاں: خوش خوش، مگن۔
〃 شادیٔ مرگ: ایسی موت جو حد سے زیادہ خوشی سے واقع ہو۔
〃 شاذ و نادر: بہت کم، کبھی کبھی۔
〃 شانہ: کاندھا، دوش۔
〃 شاہانِ پیشین: قدیم زمانہ کے بادشاہ۔
(ش+ب) شب خون: رات کے وقت بے خبری میں دشمن پر حملہ کرنا۔
〃 شباب: جوانی۔
(ش+ج) شجاعت: بہادری، دلیری۔
〃 شجیع: دلیر، بہادر۔
(ش+خ) شخصی سلطنت: شخص واحد کی حکومت۔
(ش+د) شدّو مد: دھوم دھام، زور وشور۔
(ش+ر) شریر النفس: بدخو، بدذات۔
(ش+س) شُسْتہ: پاک وصاف، خالص، دھویا ہوا۔
(ش+ع) شعلہ فشاں: شعلہ برسانے والا۔
(ش+ف) شَفْتالو: ایک قسم کا بڑا آڑو۔

(ش+ق) شِق: جانب، نوع۔

(ش+ک) شکست فاش: بھاری ہار۔

(ش+گ) شگفتگی: شادابی۔

(ش+م) شمائل: عادتیں، خصلتیں۔

〃 شَمْشَاد: ایک لمبا خوبصورت درخت۔

〃 شمشیر: تلوار، تیغ۔

〃 شمشیر آبدار: تیز دھار والی تلوار۔

〃 شمشیر خون آشام: خونخوار تلوار۔

〃 شَملہ: پگڑی کا سرا یا چوٹی۔

(ش+و) شورانگیز: شور پیدا کرنے والا۔

〃 شور قیامت خیز: قیامت برپا کرنے والا شور۔

〃 شورش: فساد، فتنہ۔

〃 شورہ: سفید رنگ کا ایک مرکب جو پانی کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بارود میں استعمال ہوتا ہے، نمکین ہوتا ہے۔

〃 شورہ پُشت: سرکش، نافرمان۔

〃 شوکت: زور، دبدبہ۔

〃 شومیٔ قسمت: نحوست، بدنصیبی۔

(ش+ہ) شِہاب ثاقِب: ٹوٹنے والا روشن ستارہ۔

〃 شہر بدر کرنا: جلاوطن کرنا، شہر یا ملک سے نکالنا۔

〃 شہرۂ آفاق: جہاں بھر میں مشہور۔

(ش+ی) شَیٔ (جمع اشیاء): چیز۔

〃 شِیر خوار: دودھ پیتا بچہ۔

〃 شِیرازہ بکھرنا: انتظام بگڑنا۔

ص

(ص+ا) صائبُ الرائے: درست رائے والا۔

(ص+ح) صَحائف: (صحیفہ کی جمع) لکھے ہوئے کاغذوں کا مجموعہ، نوشتہ، نامہ۔

(ص+د) صدرنشین: میرمجلس، چیرمین۔

〃 صدرامین: اعلیٰ درجہ کا امین، وہ حاکم جو جج کے ماتحت ہو۔

〃 صدرآرائی: صدر بنانا۔

(ص+ر) صرف کرنا: خرچ کرنا۔

(ص+ع) صَعْب: سخت، دشوار۔

〃 صُعوبت: تکلیف، مصیبت۔

(ص+ف) صِفاتِ حمیدہ: خوبیاں، قابل تعریف صفات۔

(ص+ق) صَقْر القریش: قریش کا شکرہ۔

(ص+ل) صَلیب: سولی، عیسائیوں کی مقدس علامت (✝)

(ص+ن) صَنّاع: کاریگر۔

〃 صَنْعَت: کاریگری، دستکاری۔

〃 صَنَم: بت، مورتی، معشوق، پیارا۔

〃 صَنُوبر: ایک قسم کا درخت جس سے معشوق کے قد اور اس کی چال کو تشبیہ دیتے ہیں۔

(ص+و) صَوْلَت: رعب، دبدبہ۔

ض

(ض+خ) ضَخِیْم: بہت بڑا، موٹا۔

(ض+ر) ضَرْبُ المثل ہونا: بہت شہرت پانا۔

(ض+ع) ضعیف: کمزور، ناتواں۔

(ض+ل) ضلالَت: گمراہی؛ گناہ، خطا۔

(ض+م) ضِمْن: ذیل، نیچے۔

ط

(ط+ا) طالع: طلوع ہونے والا، چمکنے والا، نصیب، قسمت، نیا چاند۔

(ط+ب) طبّاخی: کھانا پکانے کا کام۔

〃 طبع آزمائی: ذہانت کا امتحان، طبیعت کی آزمائش۔

〃 طَبَل: نقارہ، بڑا ڈھول۔

(ط+ر) طَرْز: روش، طور، طریقہ، ڈھنگ، انداز۔

(ط+ش) طَشت از بام ہونا: ظاہر ہونا، مشہور ہونا۔

(ط+غ) طُغیانی: سرکشی، بغاوت، سیلاب۔

(ط+ل) طِلائے بےغش: خالص سونا۔

〃 طِلِسْم: جادو، سحر، جادو کا تماشہ۔

(ط+م) طَمَع: لالچ، خواہش۔

(ط+و) طَوائفُ المُلوکی: بدنظمی، بڑی سلطنت کا چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوکر ہر علاقہ کے حکمراں کا خودمختار بن جانا۔

(ط+و) طَوْر: طریقہ، ڈھنگ۔

〃 طُولانی: لمبا، دراز۔

(ط+ی) طِیْبِ خاطِر: خوشی، رضامندی۔

ظ

(ظ+ر) ظَرافت: دل لگی، خوش طبعی۔

(ظ+ف) ظَفَر پیکر: فاتح، کامیاب۔

(ظ+ل) ظِلِّ عاطفت: سایۂ عنایت۔

〃 ظُلمتِ جَھل: جہالت کی تاریکی۔

ع

(ع+ا) عازِم: ارادہ کرنے والا، قصد کرنے والا۔

〃 عالی مرتبت: بڑے رتبہ والا۔

〃 عالَمِ بیکاری: بے روزگاری کے ایام، بیکاری کا زمانہ۔

〃 عالَمِ پیری: بڑھاپے کا زمانہ۔

〃 عالَمِ شباب: جوانی کا زمانہ۔

〃 عامۂ خلائق: عوام، پبلک۔

(ع+ب) عِبارت: تحریر، مضمون۔

〃 عِبْـــرت انگیز: ایسی بات جسے دیکھ کر آدمی کو خوف آئے اور وہ اس سے نصیحت پکڑے۔

(ع+ت) عِتاب: قہر، ناراضگی۔

〃 عَتِیْق: پرانا، قدیم۔

(ع+ج) عَجمی: عجم کا رہنے والا، غیر عرب۔

〃 عُجوبۂ روزگار: زمانہ کی انوکھی چیز، انوکھا واقعہ۔

(ع+د) عَدُوّ: دشمن، بدخواہ۔

〃 عَدِیْل: نظیر، مثل۔

〃 عَدِیْمُ المثال: بے نظیر، بے مثل۔

(ع+ذ) عُذْر نیوش: عذر سننے والا۔

(ع+ر) عَرض پرداز: گزارش کرنے والا۔

〃 عَرْض پیرا ہونا: گزارش کرنا۔

〃 عَرْض داشت: گزارش، درخواست۔

〃 عَرْضی: تحریری درخواست۔

" عَرْق ریزی کرنا: بے حد محنت کرنا۔

" عَرُوْس: دلہن۔

(ع+ز) عَزْم: قصد، ارادہ۔

" عزت افزائی: عزت بڑھانا۔

(ع+ش) عُشّاق: (عاشق کی جمع) چاہنے والے، محبت کرنے والے۔

" عَشْ عَشْ کرنا: نہایت خوشی اور تحسین و آفرین کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔

(ع+ص) عَصَبِیّت: طرفداری، حمایت۔

(ع+ظ) عظمت مُدار: قابلِ عظمت۔

(ع+ف) عفوقصور: معاف کرنا، بخشنا، درگزر کرنا۔

(ع+ق) عَقَب: پیچھے، پس پشت۔

(ع+ل) عَلانیہ: کھلم کھلا، برسرِ عام۔

" عِلّت: الزام، بہتان۔

" عَلَم: جھنڈا، پرچم۔

" عِلْم: فن، ہنر۔

" علماء متأخرین: بعد کے علماء

(ع+م) عِمامہ: پگڑی، دستار۔

" عمائد: معزز لوگ، سردار۔

" عمداً و سہواً: دانستہ و نادانستہ، جان کر اور بھول کر۔

(ع+ن) عِنان: لگام، ڈور۔

" عَنْقا: ایک فرضی پرندہ، نایاب شی، بے نظیر چیز۔

(ع+و) عَوْنِ الٰہی: نصرت خداوندی۔

(ع+ہ) عہد مواثیق: قول و قرار، عہد و پیمان۔

(ع+ی) عیب چینی: نکتہ چینی، برائی ظاہر کرنا۔

غ

(غ+ا) غازیان: (غازی کی جمع) مجاہدین، لڑنے والے۔
〃 غارت گر: لٹیرا، رہزن۔
〃 غارت گر دین وایمان: دین وایمان کو برباد کرنے والا، شیطان (کنایۃً) معشوق۔
〃 غاشیۂ اطاعت دوش پر رکھنا: فرمانبردار ہونا، اطاعت کا لبادہ کندھے پر رکھنا۔
〃 غائر: گہرا، وسیع۔
(غ+د) غَدَر: بغاوت، بلوہ۔
(غ+ر) غَرب: مغرب، پچھم۔
〃 غرض آلود: خودغرض، موقع پرست، لالچی۔
〃 غُرور: گھمنڈ، اکڑ۔
(غ+ن) غنیمت: لوٹ کا مال، جنگ میں حاصل ہونے والا مال۔
(غ+ی) غیرت: حمیت، شرم، حیا، لحاظ، حسد۔

ف

(ف+ا) فاخرہ: بیش قیمت۔
(ف+ت) فَتق: ایک مرض جس میں فوطے بڑھ جاتے ہیں۔
〃 فُتُوَّت: شجاعت، بہادری۔
〃 فُتوحات: کامیابیاں۔
〃 فَتیلہ: توڑا (بندوق یا توپ کا)
(ف+ر) فَرَاخ: کشادہ، وسیع۔
〃 فِراست: تیزفہمی، دانائی۔
〃 فَرائضِ منصبی: وہ کام جن کا کرنا کسی عہدے والے کے لئے ضروری ہو۔

؍ فَرحت بخش: خوش کن، خوشی دینے والا۔

؍ فَردا: آئندہ کل۔

؍ فرزند: لڑکا، بیٹا۔

؍ فَرسنگ: تین میل سے زیادہ کا فاصلہ، ۱۸ ہزار فٹ کا فاصلہ۔

؍ فَرسودہ عقل: بے عقل، ناسمجھ، ناداں۔

؍ فَرط: غلبہ، کثرت، زیادتی۔

؍ فِرعونیت: تکبر، غرور۔

؍ فرماں رواں: حاکم، بادشاہ۔

؍ فِرو کرنا: دبانا، بٹھانا، دفع کرنا۔

؍ فِرو کش ہونا: ٹھہرنا، قیام کرنا۔

؍ فَروغ: روشنی، رونق۔

؍ فَریفتہ: دُلدادہ، عاشق۔

(ف+ص) فصیل: چہار دیواری، شہر پناہ۔

(ف+ط) فَطانت: ذہانت، عقلمندی، دانائی۔

(ف+ل) فَلاح: کامیابی، بھلائی، آسودگی۔

؍ فلاسفر: علم فلسفہ کا جاننے والا۔

؍ فِلِزّات: (فلز کی جمع) وہ معدنی جوہر جن میں پگھل جانے کی صلاحیت ہو جیسے سونا و چاندی۔

(ف+و) فوج جرار: بہت بھاری یا کثیر لشکر۔

؍ فوج کشی کرنا: حملہ کرنا، چڑھائی کرنا۔

؍ فورِ نشاط: خوشی کا جوش۔

؍ فوزِ عظیم: بڑی کامیابی۔

؍ فولاد: نہایت اعلیٰ قسم کا لوہا۔

؍ فولادی: مضبوط۔

(ف+ہ) فہمائش: تنبیہ، آگاہی۔
(ف+ی) فَیّاض: سخی، دریادل۔
〃 فیض درجت: عالی مرتبت۔

ق

(ق+ب) قِبط: فرعون کی قوم، قدیم مصری قوم۔
(ق+د) قَدْ آور: دراز قد۔
〃 قدر: عزت، درجہ۔
(ق+ر) قرین قیاس: وہ بات جسے عقل قبول کرے، معقول بات۔
(ق+ز) قزاق: ڈاکو، لٹیرا۔
(ق+ص) قَصر: محل، حویلی۔
〃 قِصَصْ: (قصہ کی جمع) کہانیاں۔
(ق+ل) قَلَع قَمَع: توڑ پھوڑ، مسماری، منہدم کرنا۔
〃 قلم بند کرنا: درج کرنا، نوٹ کرنا۔
(ق+و) قَوْمَس: عیسائی حاکم کا لقب، عیسائی حاکم۔
〃 قوی الجُثہ: ہٹا کٹا، مضبوط جسم والا۔
(ق+ی) قِیافہ شناس: علامتوں اور قرائن سے لوگوں کے احوال پہچاننے والا۔
〃 قَیصر: شاہِ روم کا لقب۔

ک

(ک+ا) کاٹھی: میان، تلوار کا غلاف۔
〃 کاربند: فرماں بردار۔
〃 کارچوبی: کشیدہ کاری، گل کاری۔
〃 کارزار: لڑائی، پیکار، جنگ۔
〃 کارکن: کارندہ، عامل، ملازم۔

〃 کارگزاری: خدمت گزاری، نوکری، کام کرنا۔
〃 کارنامہ: قابل تعریف کام، غیر معمولی کام۔
〃 کاسۂ طمع: لالچ کا پیالہ۔
〃 کانوینٹ: عیسائی خانقہ یا مدرسہ (Convent)
〃 کاہن: جنوں سے دریافت کر کے غیب کی خبریں بتانے والا، آئندہ واقعات کی خبر دینے والا۔
(ک+ب) کباب ہونا: آگ بگولہ ہونا، غصے میں نیلا پیلا ہونا۔
〃 کبرسنی: عمر رسیدہ ہونا، بڑھاپا۔
〃 کَبرا: چت کبرا، سیاہ و سفید رنگ والا۔
〃 کبیدہ خاطر: رنجیدہ دل، آزردہ خاطر، غمگین۔
(ک+ج) کج: ٹیڑھا، ترچھا۔
(ک+س) کس و ناکس: ادنی و اعلی، ہر آدمی۔
(ک+ش) کشاں کشاں: زبردستی، غیر اختیاری۔
〃 کشائش: وسعت، کشادگی۔
〃 کشت و خون: جنگ و جدال، مار کٹائی۔
〃 کُشتہ: مقتول، لاش، قتل کیا ہوا۔
(ک+ف) کف دریا: دریا کا جھاگ۔
〃 کفِ دست: ہاتھ کی ہتھیلی۔
〃 کفش برداری: غلامی کرنا، خدمت کرنا۔
(ک+ل) کَل: مشین، آلہ۔
(ک+م) کمالِ اوج: کمال عروج، بلند اقبالی۔
〃 کُمک: مدد، حمایت، وہ فوج جو لڑائی میں مدد کے لئے بھیجی جائے (یہ ترکی لفظ کومک کا مفرس ہے)
〃 کمین گاہ: گھات کی جگہ، وہ جگہ جہاں چھپ کر شکار یا دشمن کو ماریں۔

(ک+ن) کندہ کرنا: کھودنا، قلم کاری کرنا۔
" کُنگرہ: وہ طاقچے جو عالی شان عمارتوں میں خوبصورتی کے لئے بنادیتے ہیں۔
(ک+و) کوتاہ اندیش: کم فہم، بے سوچے سمجھے کام کرنے والا۔
" کوچ کرنا: روانہ ہونا۔
" کورنمکی: نمک حرامی، احسان فراموشی۔
" کوسِ حکومت: حکومت کا نقارہ۔
" کوہ کنی: پہاڑ کھودنا۔
" کوہ نشین: پہاڑ پر رہنے والا۔
(ک+ہ) کہرام مچنا: آفت برپا ہونا، رونا، پیٹنا۔
(ک+ی) کیفیت: حالت، احوال۔

گ

(گ+چ) گچ: چونا۔
(گ+ر) گرجا: کلیسا، عیسائیوں کا عبادت خانہ۔
" گردوپیش: قرب وجوار، آس پاس۔
" گردابِ تباہی: بربادی کا چکرو بھنور۔
" گردشِ خون: خون کی حرکت۔
" گرفتہ: گرفتار، پکڑا ہوا۔
" گرنیاں: تیل وغیرہ نکالنے کی چرخیاں، کولہو، چکیاں۔
" گرویدہ: شیدا، عاشق۔
" گریز: فرار، علیحدگی۔
" گریز کرنا: بھاگنا۔
(گ+ز) گز: بندوق یا توپ صاف کرنے کی سلاخ۔
(گ+ل) گل کاری: بیل بوٹے کا کام، نقاشی۔

〃　　گلّہ بان: چرواہا۔

〃　　گِلہ کرنا: شکایت کرنا۔

(گ+م)　گُم نامی: پوشیدگی۔

(گ+ن)　گندھک: زرد رنگ کا ایک مادہ جو زمین سے نکلتا ہے۔

(گ+و)　گوپن: رسی کا بنا ہوا آلہ جس میں پتھر یا مٹی کی گولی رکھ کر مارتے ہیں۔

〃　　گورگاں: تیمور کا لقب، عیش و عشرت کرنے والا۔

〃　　گوش گزار کرنا: آگاہ کرنا، سنانا۔

〃　　گوشمالی: تنبیہ کرنا، سزا دینا، کان اینٹھنا۔

(گ+ی)　گیت گانا: تعریف کرنا۔

ل

(ل+ا)　لاعلم: ناواقف، انجان۔

〃　　لاطینی: قدیم رومی زبان، قدیم رومی چیز۔

〃　　لاغر: دبلا، پتلا۔

〃　　لاف زنی: شیخی، خودستائی، ڈینگ۔

(ل+ب)　لبریز: بھرا ہوا، پُر۔

(ل+ح)　لحظہ: پل، دم بھر۔

(ل+ر)　لرزاں: لرزنے والا، ہلنے والا۔

(ل+ش)　لشکر جرار: بڑا بھاری لشکر۔

(ل+ط)　لطافت: عمدگی، پاکیزگی۔

(ل+غ)　لغزش: خطا، بھول، چوک۔

(ل+ق)　لقمۂ تیغ اجل ہونا: انتقال کرنا، موت کی تلوار کا لقمہ بننا۔

(ل+م)　لمعہ افگن: روشنی ڈالنے والا، روشن۔

(ل+ہ)　لہو ولعب: کھیل، کود، سیر و تماشا، تفریح۔

(ل+ی) لیاقت: قابلیت، خوبی، ہوشیاری۔

م

(م+ا) ماتم: گریہ وزاری، رونا چلانا۔

〃 ماتم کدہ: ماتم خانہ، وہ گھر جس میں کوئی مصیبت پیش آئی ہو۔

〃 مالیخولیا: ایک قسم کا جنون، پاگل پن۔

〃 مَأمَن: پناہ گاہ، ٹھکانہ، امن کی جگہ۔

〃 مامور ہونا: مقرر ہونا، ذمہ دار ہونا۔

〃 ماہ پارہ: چاند کا ٹکڑا، خوبصورت، معشوق۔

〃 مایۂ ناز وفخر: فخر وناز کا سرمایہ، فخر وناز کا سبب۔

(م+ب) مُباحثہ: بحث، سوال وجواب، باہمی گفتگو۔

〃 مُبادی (مبدأ کی جمع) بنیادی باتیں، ابتدائی اصول۔

〃 مباہات: فخر، بڑائی۔

〃 مبدل بکمالِ مسرت: کامل خوشی میں تبدیل شدہ۔

(م+ت) مَتاع: سامان، اثاثہ، پونجی۔

〃 مَتانَت: سنجیدگی، اُستواری۔

〃 مُتَبَحِّر: بہت بڑا عالم، فاضل اجل۔

〃 مُتَحَصِّنین: قلعہ میں محصور لوگ۔

〃 متذکرۂ بالا: جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہو، مذکورہ بالا۔

〃 مُتَرْجِمْ: ترجمان، ترجمہ کرنے والا۔

〃 مُتَرَشِّح: ٹپکنے والا، ظاہر ہونے والا۔

〃 متمنیٔ امن: امن کا خواہش مند۔

〃 مُتَمَکِّن: قائم، جاگزیں۔

〃 مُتموّل: دولت مند، مالدار۔

〃 مُتَنَفِّر: بے زار، ناپسند کرنے والا۔

〃 مُتَنَفِّس: آدمی، نفر۔

〃 مُتَوَسِّلِین: (متوسل کی جمع) نزدیکی چاہنے والے، متعلقین۔

(م+ج) مَجاز: بااختیار۔

〃 مجانین (مجنون کی جمع) شیدا، فریفتہ، پاگل۔

〃 مُجاھدہ: کوشش، سعی، محنت۔

(م+ح) مُحاذی: سامنے، روبرو۔

〃 مَحاصل: خراج، ٹیکس۔

〃 مُحْتَسِب: وہ حاکم جو خلاف شرع باتوں پر روک ٹوک کرے۔

〃 مَحْروسہ: ماتحت کیا گیا، زیر نگرانی، زیر سلطنت علاقہ۔

〃 محسن کُش: احسان کرنے والے کے ساتھ برائی کرنے والا، ناشکرا۔

〃 محظوظ: مسرور، مگن۔

〃 مَحْو: زائل، دور، مٹا ہوا۔

(م+خ) مَخْبُوطُ الحَواس: دیوانہ، سودائی۔

〃 مختَل: بگڑا ہوا۔

〃 مُخِل ہونا: خلل ڈالنا، رخنہ انداز ہونا۔

(م+د) مَدّاح: تعریف کرنے والا، ثناخواں۔

〃 مُدارا: خاطر تواضع، آؤ بھگت۔

〃 مَدار المَھام: وہ شخص جس پر امور سلطنت کا دارومدار ہو، وزیر اعظم۔

〃 مَدارج: درجے، مراتب۔

〃 مُدَبِّر: تدبیر کرنے والا، منتظم۔

〃 مَدْفَن: قبر، گور۔

〃 مِدْفَع: توپ۔

〃 مُدَوَّن: جمع کیا ہوا، ترتیب دیا ہوا۔

(م+ذ) مذموم رسم: برا دستور، بری رسم۔

(م+ر) مَراحم خُسروانہ: شاہی عنایتیں، شاہی مہربانیاں۔

〃 مراسم: نشانیاں، رسومات، دستور۔

〃 مُراعات: رعایت، سلوک۔

〃 مَرتَبان: اچار وغیرہ رکھنے کا چینی کا برتن۔

〃 مردم شُماری: آدمیوں کی گنتی۔

〃 مرض متعدی: وہ بیماری جو ایک سے دوسرے کو لگے۔

〃 مَرغ زار: سبزہ زار، ہرا بھرا۔

〃 مرکب: سواری۔

〃 مَرگ: موت، اجل۔

〃 مُروّت: انسانیت، سخاوت، لحاظ، رعایت۔

〃 مُروّج: جاری کردہ، رائج۔

(م+ز) مُزاحمت: روک، تعرض۔

〃 مُزاولت: کسی کام کو ہمیشہ کرنا۔

〃 مُزیّن: آراستہ، سنوارا ہوا۔

(م+ژ) مُژدہ: خوش خبری، بشارت۔

(م+س) مُساعدت: مدد، اعانت۔

〃 مُساوات: برابری، ہمسری۔

〃 مُستحکم: پکا، مضبوط۔

〃 مُستشرق: وہ انگریز جو مشرقی اور اسلامی علوم کا ماہر ہو۔

〃 مُستغرق: نہایت مصروف۔

〃 مُستفسر: تحقیق کرنے والا، تفتیش کار۔

〃 مُستفید: فائدہ اٹھانے والا۔

〃 مُستنبط کرنا: اخذ کرنا، غور و فکر کر کے کوئی بات دریافت کرنا۔

〃 مُستوجب: قابل، سزاوار۔
〃 مَسدود: بند، رکا ہوا۔
〃 مَسرّت: خوشی، شادمانی۔
〃 مَسروقہ: چرایا ہوا مال۔
〃 مَسکَن: ٹھکانا، گھر۔
〃 مُسلّح: ہتھیار بند، ہتھیار لگایا ہوا۔
〃 مُسلّط: حاکم، مقرر کیا گیا،
〃 مَسندِ فرمانروائی: تخت شاہی۔
(م+ش) مَشاہیر: (مشہور کی جمع) نامور لوگ۔
〃 مُشتَعِل: بھڑکتا ہوا، شعلے مارنے والا۔
〃 مُشرّف: معزز، عزت بخشا گیا۔
〃 مُشکیں: دونوں بازو، دونوں شانے۔
〃 مُشوّش: پریشان و حیران۔
〃 مُشیّد: مضبوط، مزین۔
(م+ص) مُصاحب: ہم نشین، ہم صحبت، خاص دوست۔
〃 مُصالحت: باہمی صلح۔
〃 مِصداق: وہ چیز جو کسی کی صفائی ثابت کرے، انطباق کی شکل۔
〃 مَصدرِ شورش و فساد: فتنہ و فساد کا سرچشمہ۔
〃 مُصمّم ارادہ: پکا ارادہ۔
(م+ط) مُطلَقُ العِنَان: بے لگام، بے باک، آزاد۔
(م+ظ) مُظفّر: فتح مند، کامیاب۔
(م+ع) مُعاشرت: کسی کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنا۔
〃 مُعتَمَد: سیکرٹری، قابل اعتماد۔
〃 مُعجز نما کارنامے: بے مثل کارنامے۔

- مَعْدِلَتْ گسْتَری: انصاف پروری، عدل وانصاف۔
- مَعْدِن: کان، کھان۔
- مَعْدودے چند: بہت تھوڑی تعداد، بہت کم لوگ۔
- مُعَرَّا: خالی۔
- مُعَرِّف: ثنا خواں، تعریف کرنے والا۔
- معرکہٗ کارزار: لڑائی کا میدان۔
- مُعَزَّزین: بزرگ، باوقعت حضرات، باعزت لوگ۔
- معشوقہٗ نازنین: دل ربا محبوبہ۔
- مُعَطَّر: خوشبودار۔
- مُعَطَّل: بے کار۔
- مُعَمَّر: عمر رسیدہ، بوڑھا۔
- مُعَمَّی: پہیلی، چیستاں، پیچیدہ بات، الجھا ہوا مسئلہ۔
- مَعْمور: آباد، بسا ہوا۔
- مُعَنْوَن: نامزد کیا ہوا، کسی کے نام سے منسوب کیا گیا۔
- مُعین: مددگار، معاون۔

(م+غ)　مُغْوِی: گمراہ کرنے والا۔

(م+ف)　مُفارَقَت: جدائی، فرقت۔
- مَفْتون: شیدا، فریفتہ۔
- مَفْسَدہ پرداز: فسادی، جھگڑالو، شریر۔
- مَفْسدہ پردازی: فتنہ انگیزی، شرارت۔
- مَفْقود: ناپید، گم شدہ۔
- مَفْلوج: فالج کا مریض۔
- مُفَوَّضہ: سپرد کیا ہوا کام۔

(م+ق)　مَقامات: (مقام کی جمع) جگہ۔

〃 مُقاوَمَت: مقابلہ۔

〃 مُقتَضائے بشریت: بروئے انسانیت، انسانیت کا تقاضا۔

〃 مُقَدِّمہ: دیباچہ، پیش لفظ۔

〃 مُقَلِّد: تقلید کرنے والا، مرید۔

(م+ک) مَکْرُمَت: بزرگی، مہربانی، عنایت۔

〃 مَکارمِ ملوکانہ: شاہی نوازشیں اور مہربانیاں۔

〃 مُکَلَّف: پرتکلف، مزین، آراستہ۔

〃 مُکَلَّل: آراستہ، تاجدار۔

(م+ل) مَلّاح: کشتی چلانے والا، ناخدا۔

〃 مُلاحظہ: معاینہ، دیکھنا۔

〃 مِلَّت: دین، دھرم۔

〃 مُلْک داری: حکومت کرنا۔

〃 مُلک گیری: ملک لینا۔

〃 مَلَکہ: قابلیت، ہنر۔

〃 مُلَمَّع: چمکتا ہوا، سونا چاندی چڑھایا ہوا۔

〃 مُلوکُ الطوائف: مختلف قوموں کے بادشاہ۔

(م+م) مُمِدّ: مددگار، معاون۔

〃 مَمْدُوح: تعریف کیا ہوا، جس کی تعریف کی جائے۔

(م+ن) مُنْتَشِر: متفرق، تتر بتر۔

〃 مُنْتَقِم حقیقی: اصلی بدلہ لینے والا یعنی خدا تعالیٰ۔

〃 مُنَجِّم: نجومی، اختر شناس۔

〃 مِنجَنیق: سنگباری کی قدیم دستی مشین۔

〃 مُنْدَرِج: لکھا ہوا۔

〃 مُنَزَّل: اتارا گیا، نازل کیا ہوا۔

〃 مَنْسوب: متعلق کیا ہوا۔

〃 مَنْصَب: رتبہ، عہدہ۔

〃 مَنْصور: فتح مند، مدد کیا ہوا۔

〃 مَناصب جلیلہ: بڑے عہدے، بڑے رتبے۔

〃 مُنعطف کرنا: پھیرنا۔

〃 مُنْقاد: فرمانبردار۔

〃 مِنْقَار: چونچ۔

〃 مُنَقَّش: بیل بوٹے دار۔

〃 مُنْہَدِم کرنا: مسمار کرنا، برباد کرنا۔

(م+و) موج زن: ٹھاٹھیں مارنے والا۔

〃 مُوجِب: سبب، باعث، وجہ، علت۔

〃 مَوَدَّت: محبت، دوستی۔

〃 مُورِث اعلیٰ: سب سے بڑا مورث، خاندان کا سب سے پہلا شخص۔

〃 مورچہ بندی کرنا: لڑائی کے لئے خندق تیار کرنا۔

〃 مؤرخین (مؤرخ کی جمع) تاریخ لکھنے والے۔

〃 مَوْروثی: پشتی، باپ دادا کا، خاندانی۔

〃 مُوسیقی: گانے بجانے کا علم۔

(م+ہ) مُہَنْدِس: علم ہندسہ کا عالم، انجینئر

(م+ی) مے کشی: شراب نوشی۔

〃 میخ: کیل۔

〃 میدان پیکار: لڑائی کا میدان۔

ن

(ن+ا) ناآشنا: ناواقف جس سے کوئی جان پہچان نہ ہو۔

〃 ناسزا: نالائق، بے جا۔

〃 نازاں: مغرور، فخر کرنے والا۔

〃 نازنین: خوبصورت، دل رُبا۔

〃 ناظرین: مطالعہ کرنے والے، دیکھنے والے۔

〃 نافر: نفرت وگھن کرنے والا۔

〃 نالاں: شاکی، فریادی، عاجز، تنگ۔

〃 نام ور: مشہور، معروف۔

〃 ناموس: آبرو، عزت۔

〃 نامہ: خط، تحریر، نوشتہ۔

〃 نامہ بَر پیغام بَر: ڈاکیہ، پوسٹ مین۔

〃 نان شبینہ: رات کی روٹی۔

〃 ناوَکِ ناز: فخر کا تیر۔

〃 ناوَنوش: عیش وطرب، رنگ رلیاں۔

(ن+ب) نبردآزمودہ: جنگ جو، لڑائی کے خوگر۔

〃 نبیرہ: پوتا، نواسا۔

(ن+ت) نَتائج: (نتیجہ کی جمع) حاصل۔

(ن+ج) نَجیب: بزرگ، شریف۔

(ن+چ) نِچلا بیٹھنا: سکون سے بیٹھنا، شرارت نہ کرنا۔

(ن+خ) نَخوَت: غرور، تکبر۔

(ن+ر) نَرغہ کرنا: چاروں طرف سے گھیرے میں لے لینا۔

(ن+ز) نِزاع: جھگڑا، فساد۔

〃 نَزع: دم ٹوٹنا، قریب المرگ ہونا۔

(ن+ش) نشست و برخاست: بیٹھنا اور اٹھنا۔

〃 نشو ونما: رونق، ترقی۔

" نشیب وفراز: اتار چڑھاؤ۔
(ن+ص) نصیحت آموز: عبرت دلانے والی بات۔
(ن+ظ) نظر تعمق: گہرائی کی نگاہ۔
(ن+ع) نعم البدل: نیک عوض، اچھا بدل۔
" نعماء: نعمتیں، احسانات، آسودگی، راحت وآرام۔
(ن+ف) نفرین: ملامت، پھٹکار۔
(ن+ق) نقاب افگن: وہ عورت جس نے منہ پر نقاب ڈال رکھا ہو۔
" نقص: عیب، کوتاہی۔
" نقص امن: امن شکنی۔
(ن+ک) نکبت: بدحالی۔
" نکبت اعمال: اعمال کی بدحالی۔
" نکتہ چینی: برائی کرنا، عیب گیری۔
(ن+گ) نگارش: تحریر۔
(ن+م) نمائش: دلچسپ اور مفید باتوں کو دکھانا۔
" نمک حلال: احسان مند، شکر گزار، اپنے آقا کا خیر خواہ۔
" نمودار ہونا: ظاہر ہونا۔
(ن+و) نواح: پاس پڑوس، قرب وجوار۔
" نو دولت: اوچھا جو خاندانی طور پر دولت مند نہ ہو۔
" نو دمیدہ امید: نئی کھلی ہوئی امید۔
" نوشتہ: تحریری سند، لکھا ہوا۔
" نومیدی: ناامیدی۔
(ن+ہ) نہج: طریقہ، قاعدہ۔
" نیام: تلوار کا غلاف (کور)
(ن+ی) نیّر: نہایت چمکدار ستارہ۔

〃 نیرنگی: جادوگری۔
〃 نیست و نابود ہونا: مٹ جانا، نام و نشان نہ رہنا۔
〃 نیش: ڈنک، کانٹا۔
〃 نیشکر: گنا، ایکھ، شکر۔
〃 نیک فال: اچھا شگون۔
〃 نے نوازی: بانسری بجانے کا پیشہ۔

و

(و+ا) واجب القدر: قابل لحاظ۔
〃 وارد: موجود، آنے والا۔
〃 واصف: تعریف کرنے والا، حالت بیان کرنے والا۔
〃 وافر: بہت زیادہ۔
(و+ج) وجد: بے اندازہ خوشی۔
〃 وجیہ: خوبصورت۔
(و+ح) وحشی: جنگلی، غیر مہذب، اجڈ۔
〃 وحشیانہ حرکات: اجڈ حرکتیں۔
〃 وحید عصر: یکتائے زمانہ۔
(و+د) ودیعت: امانت۔
(و+ر) وَرَع: پرہیزگاری۔
〃 وَرغلانا: بہکانا، بھڑکانا۔
(و+ظ) وظیفہ یاب: وظیفہ پانے والا۔
(و+ل) ولی نعمت: پرورش کرنے والا، آقا، مربی، سرپرست۔

ہ

(ہ+ت) ہتک: بے حرمتی، بے عزتی۔

(ہ+ج) ہجو ملیح: بظاہر مدح ہو مگر اصل میں ہجو نکلے، مذمت آمیز تعریف۔

(ہ+ر) ہراس: خوف، ڈر۔

• ہراساں: خوفزدہ، ڈرا ہوا۔

• ہَراوَل: وہ تھوڑی فوج جو لشکر کے آگے آگے چلے۔

(ہ+ز) ہزیمت: شکست، ہار۔

• ہزیمت خوردہ: ہارا ہوا۔

(ہ+س) ہستی: کائنات، زندگی، مخلوقات۔

(ہ+م) ہَمتا: برابر، نظیر، مثل، مانند۔

• ہم سر: برابر، ہم رتبہ۔

• ہمہ دانی: ہر کام کی واقفیت۔

(ہ+ن) ھَنگام: وقت، موقع۔

• ھَنوز: اب تک۔

(ہ+و) ھَوا خواہ: خیر خواہ۔

• ھُویدا: ظاہر، عیاں۔

ی

(ی+ا) یارائے گویائی: بولنے کی جرات، گفتگو کرنے کی ہمت۔

• یاوَری: مدد، دستگیری۔

(ی+ر) یرَغمال: وہ لوگ جو شرائط کی پابندی کی ضمانت میں دشمن کے حوالے کئے جائیں۔

(ی+ک) یک لخت قطع نظر کرنا: بالکل فراموش کرنا۔

(ی+گ) یگانہ: رشتہ دار، عزیز۔

(ی+ل) یلغار: فوج پر حملہ کرنا۔

(ی+و) یورِش: حملہ، چڑھائی۔

تاریخ نام ہے ان اولوالعزم اور صاحبِ کمال لوگوں کے واقعات اور سرگذشت کا جو ہمیشہ کے لئے اپنا نام صفحۂ ہستی پرثبت کر گئے، تاریخ کے مطالعہ سے قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کا پتہ چلتا ہے، حوصلہ بلند ہوتا ہے، ہمت بڑھتی ہے، اچھے کاموں کی رغبت اور برے کاموں سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور دانائی، بصیرت اور دوراندیشی بڑھتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''خلافتِ اندلس'' اندلس کی اسلامی تاریخ پر نہایت معتبر، مکمل اور مرتب تاریخ ہے، طرز نگارش ادیبانہ ہے کتاب کو بغور پڑھنے سے ملک اسپین میں قوم عرب کی آٹھ سو سالہ حکومت، ان کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب اور عبرت آمیز تنزل کی وجوہات سے بخوبی آگاہی ہوتی ہے۔ کتاب کے کل چار حصے ہیں حصہ اوّل میں اندلس پر حکومت کرنے والے امراء کی حیرت انگیز فتوحات، کارناموں اور عبدالرحمٰن الداخل کا بھاگ کر اندلس پہنچنے کا تذکرہ ہے، حصۂ دوم میں اندلس کے سلاطین وخلفاء بنی امیہ کی مفصل تاریخ اور المنصور کے تسلط کا تذکرہ ہے، حصۂ سوم میں خودمختار حکمرانوں کے حالات مسلمانوں وعیسائیوں کے محاربات اور مسلمانوں کے اخراج اور عبرت آمیز تنزل کی دلخراش داستان ہے، حصۂ چہارم میں علماء وحکما، محدثین ومؤرخین کے حالات وتصانیف کا تذکرہ ہے۔

خصوصیات:

1. قدیم رسم الخط کو جدید رسم الخط سے بدلا گیا۔
2. ہر مضمون کے شروع میں عناوین کا اضافہ کیا گیا۔
3. فارسی اشعار اور محاوروں کے ترجمے کئے گئے۔
4. عربی اشعار اور ان کے ترجموں کی تصحیح کی گئی۔
5. مشکل الفاظ کی بین القوسین وضاحت کی گئی۔
6. اغلاط کی تصحیح کے دوران حاشیہ میں اصل عبارت بھی درج کردی گئی۔

E-mail: ishaat@pk.netsolir.com
ishaat@cyber.net.pk

خلافت اندلس